ن والقلم وما یسطرون

نگارشات

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

تحقیق وتخریج

حافظ شاہد محمود

فاضل مدینہ یونیورسٹی

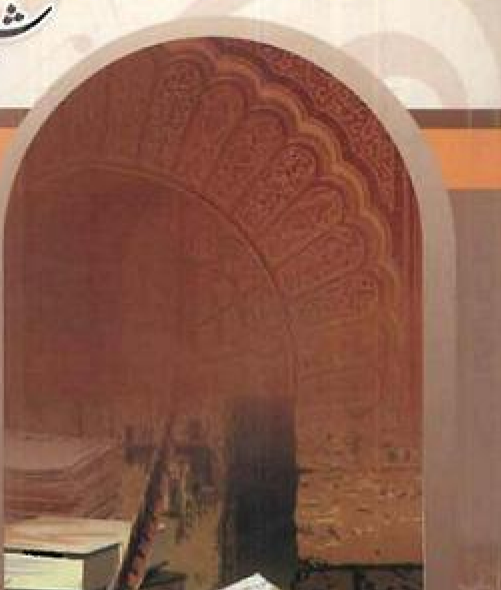

جلد اوّل

GUJRANWALA

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگارشات

از قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

تحریک اہلحدیث کا تجزیہ و تعارف اور مسلک اہلحدیث پر شکوک و شبہات کا

علمی و تحقیقی جائزہ

نگارشات

(حصہ اول)

از قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

تقدیم

فضیلۃ الشیخ مولانا صلاح الدین مقبول حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ مولانا حافظ اسعد محمود سلفی حفظہ اللہ

تحقیق و تخریج

حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی

GUJRANWALA

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نگارشات

از قلم

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

بتحقیق وتخریج

حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی

کمپوزنگ ...... www.kitabosunnat.com ابو یمان عزیزی
طبع اول 2011ء

Contacts

Pakistan
Umm-ul-Qura Publications
Sialkot Road,
Fattomand, Gujranwala
Ph: 0333-8110896
0321-6466422
www.umm-ul-qura.org

Madinah
Zulfiker Ibrahim Al-Memoni Al-Atharee
Islamic University
P.O Box 10133, Madinah
Kingdom of Saudi Arabia
Mob: (00966) (0)553462757
Tel: (00966) (04) 8263701
www.madeenah.com

ناشر: **ام القریٰ پبلی کیشنز**

سیالکوٹ روڈ فتو منڈ، گوجرانوالہ فون: 0333-8110896, 0321-6466422

hasanshahid85@hotmial.com

تقدیم ①

محدث العصر مولانا عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ
سابق رئیس جامعہ سلفیہ، بنارس، انڈیا

قوموں اور ملکوں کی سیاسی تاریخ کی طرح تحریکوں اور جماعتوں کی دینی اور ثقافتی تاریخ بھی ہمیشہ بحث و تحقیق کی محتاج ہوتی ہے۔

محققین کو واقعات کی زبان کھلوا کر نتائج اخذ کرنے، غلطیوں کی اصلاح کرنے اور محض دعووں کی تکذیب و تردید کے لیے پیہم کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ پھر مورخین بھی دقتِ نظر، رسوخِ بصیرت، قوتِ استنتاج اور علمی دیانت کا لحاظ رکھنے میں ایک سے نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات کئی تاریخ دان غلط کو درست کے ساتھ ملا دیتے ہیں، واقعات سے اس چیز کی دلیل لیتے ہیں جس پر وہ دلالت ہی نہیں کرتے، جو من کو بھائے، خواہ وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو، اس سے تغافل برتتے ہیں اور جو دل کو لگے، خواہ انتہائی بودی ہو، اس کی تعریف کے شادیانے بجاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ کے خد و خال بگڑ جاتے ہیں اور تحریف اس میں اپنی راہ نکال لیتی ہے۔

یہاں علمی اخلاص سے مالا مال، اور حقائق کی تہہ تک پہنچنے کے لیے شخصی رجحانات سے ماورا دیانتدار مورخین کا کردار شروع ہوتا ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بچ کر درست بنیادوں پر تاریخ کی تدوین، غلطیوں کی اصلاح، حق کو کارگاہ شیشہ گری میں

---

① حضرت العلام مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی معروف کتاب "تحریک آزادیٔ فکر" کا عربی ترجمہ بنام "حركة الانطلاق الفكري" از جامعہ سلفیہ بنارس انڈیا شائع ہوا تو اس کے شروع میں مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ نے مقدمہ لکھا تھا جسے ہم ترجمہ کرنے کے بعد ان نگارشات کے شروع میں شامل اشاعت کر رہے ہیں۔

محفوظ رکھنے اور ہر اہم اور قابل ذکر چیز کو ذکر کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں

حضرت مولانا علامہ اسماعیل بن ابراہیم سلفی رحمہ اللہ امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث، مغربی پاکستان کا انھی منفرد محققین میں شمار ہوتا ہے۔ آنجناب نے اپنی یہ کتاب تحریک اہلحدیث کے موضوع پر لکھی ہے، جس میں ان مختلف مراحل کا ذکر کیا جن سے یہ تحریک ہندوستان میں گزرتی رہی اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کا اس کے متعلق کیا موقف رہا؟ تقلید اور جمود کے خلاف شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کوششوں کے کیا آثار مرتب ہوئے اور انھوں نے کس طرح لوگوں کو تقلید و جمود کی بیڑیوں سے آزاد ہونے اور کتاب و سنت پر عمل کرنے کی دعوت دی؟ وہ کون لوگ تھے جنھوں نے بحث و تحقیق کا پرچم اٹھایا اور اس کے بعد اعتقادی اور عملی بدعتوں کی مزاحمت کرتے رہے؟

یہ اور کئی دیگر اہم نقاط ہیں جن کی تحقیق و تفصیل مولانا اسماعیل صاحب کی یہ کتاب پیش کرتی ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا ایک خاص سبب تھا، جس طرح مؤلف رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کیا ہے کہ پاکستان میں بعض مقلدین نے اہلحدیث اور مقلدین کے درمیان چند اختلافی مسائل کو ہوا دے رکھی ہے جس کی وجہ سے مؤلف رحمہ اللہ نے تعصب اور تقلید سے آزاد ہو کر صحیح احادیث پر عمل پیرا ہونے کے اہلحدیث کے موقف اور نقطۂ نظر کا دفاع کرنا ضروری سمجھا۔ لیکن انھوں نے اپنی اس بیش قیمت اور اچھوتی تحقیق میں مدمقابل کا نہ صرف مناظرانہ اور متکلمانہ انداز میں رد کیا ہے بلکہ اختلافی مسائل، مسلمانوں کی دینی حالت، گروہ بندی، فرقے سازی اور ان ارتقائی منازل پر بڑی دقیق اور علمی اسلوب میں بحث کی ہے جن سے کتاب و سنت کی تحریک کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک گزرنا پڑا، پھر انھوں نے اس اختلاف کی اصل اور بنیاد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو اہلحدیث اور ائمہ کرام میں سے کسی کی تقلید

کے وجوب کے قائل فرقوں کے درمیان ہے۔ یہ ساری تفصیل توضیحانہ اور تحقیقانہ انداز میں اور کسی بھی مذہب پر ناانصافی کی بنا پر طعن و تشنیع سے ماوراء ہو کر ایک مخلص محقق کی نظر سے پیش کی گئی ہے۔

جب ہم ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک کے ان علماء کرام پر نظر ڈالتے ہیں جو حدیث اور علوم حدیث کو مسلکی تعصب کے تناظر میں پڑھتے ہیں تو وہ ان علمائے حدیث پر کیچڑ اچھالتے نظر آتے ہیں جنھوں نے جمعِ حدیث، شرحِ حدیث، دفاعِ حدیث، تمییزِ حدیث، استنباطِ حدیث اور علمِ رجال کے لیے اپنی زندگیاں صرف کر دی تو کتاب کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

یہ وہ اعاظم رجال تھے جن کا احادیث کی جمع و تدوین، شروحِ متون اور احادیث سے احکام مستنبط کرنے کے سلسلے میں امت پر عظیم احسان ہے لیکن یہ عظیم الشان خدمت ان مفاد پرست فرقے سازوں کو ایک آنکھ نہیں بھائی، لہٰذا انھوں نے محدثین کی نیتوں پر شک کرتے ہوئے اپنے اختیار کردہ مذاہب کے دفاع میں ان کے کلام کا رد کیا۔ یہی وہ موقف اور طرزِ فکر ہے جس نے برصغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث اور شریعت میں احادیث کی عدمِ حجیت کے رجحان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

اس جیسی نامسعود کوشش کا رد کرنے کے لیے اور سنت نبویہ اور برصغیر اہل حدیث کا دفاع کرنے کی خاطر ہمارے مخلص دوست نے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ کتاب نے علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی حاصل کی ہے اور ہر نیک ارادے اور اچھی نیت کے مالک فرد نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔

یہ کتاب اپنے پختہ علمی اسلوب اور سنجیدہ اور اچھوتے مباحث کے پیش نظر ہر اس شخص کے مطالعے کے لائق ہے جو خصوصاً عرب ممالک میں مذاہب کی تاریخ اور کتاب و سنت پر عمل کی تحریک کے ارتقا سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

بنا بریں جامعہ سلفیہ بنارس میں ادارۂ تحقیقات اسلامیہ نے ڈاکٹر مقتدی حسن، مدرس جامعہ، ایڈیٹر مجلۂ جامعہ، کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ اس کتاب کو عربی میں منتقل کریں تاکہ عرب قارئین بھی اس کا مطالعہ کر سکیں۔

موصوف رحمہ اللہ نے بڑے اچھے انداز میں اپنی یہ ذمے داری نبھائی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مؤلف اور مترجم کو ہماری طرف سے اور علم کی خدمت کرنے کی بنا پر بہترین جزا عنایت فرمائے۔ مترجم کے لیے علم اور بھلائی کی راہ آسان کرے اور ہر ایک کو اپنی مرضیات کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وصلى الله على خير خلقه، محمد وآله وأصحابه أجمعين.

عبیداللہ مبارکپوری
لائل پور، مبارکپور، اعظم گڑھ
۱۹ شوال ۱۳۹۶ھ
۱۱۶ کتوبر ۱۹۷۶ء

تحریک اہلحدیث

اور

صاحبِ ''نگارشات'' مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

(۱۳۱۴۔۱۳۸۷ھ = ۱۸۹۵۔۱۹۶۸ء)

اہلحدیث کا اطلاق:

اہل حدیث کا اطلاق بیک وقت ان نفوس قدسیہ پر ہوتا ہے جنھوں نے ایک طرف ذخائرِ حدیث اور دواوینِ سنت کے جمع و تدوین کا کام سرانجام دیا اور دوسری طرف کسی بھی دور میں تقلید شخصی، تعصب فقہی اور جغرافیائی تنگ نظری کے بندھنوں سے آزاد ہو کر تمام شعبہ ہائے زندگی میں صرف کتاب و سنت کی رہنمائی اور بالا دستی کے حامی و قائل رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علماءِ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"وبكل حال، فهم أعلم الأمة بحديث الرسول وسيرته ومقاصده وأحواله، ونحن لا نعني بأهل الحديث المقتصرين على سماعه أو كتابته أو روايته، بل نعني بهم: كل من كان أحق بحفظه ومعرفته وفهمه ظاهراً وباطناً، واتباعه باطناً وظاهراً، وكذلك أهل القرآن." (فتاوى شيخ الإسلام: ٤/ ٩٥)

یعنی بہر حال وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث وسیرت اور آپ کے مقاصد و

> احوال کے بارے میں امت کا اعلم ترین گروہ ہیں، اہل الحدیث سے ہمارے نزدیک مراد صرف وہ لوگ نہیں ہیں جن کا کام حدیث سننے یا لکھنے یا روایت کرنے تک محدود ہے بلکہ ان سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ظاہری و باطنی طور پر حفظِ حدیث اور اس کی معرفت وفہم اور باطنی و ظاہری طور پر اتباعِ حدیث کا حقدار و دل دادہ ہے، اور اسی طرح اہل القرآن بھی۔“

یہی وجہ ہے کہ مختلف فیہ فقہی مسائل میں اہل الحدیث کا ذکر مستقل طور پر ائمہ فقہ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔

امام ابو عبداللہ الحاکم النیسابوری نے اپنی معروف کتاب ”معرفة علوم الحدیث“ (ص:٦٣) میں اس علم کی بیسویں قسم کو ”معرفة فقه الحدیث“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ان کا مقصد اس سے فقاہتِ اہل الحدیث ذکر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنا ہے کہ ماہرین اہل فن فقہ حدیث سے نابلد نہیں، کیونکہ وہ اس علم معرفت حدیث کی ایک قسم ہے۔ پھر انھوں نے فقہاء اہل الحدیث کا تذکرہ فرمایا۔

دوامِ تحریک کے اسباب:

دنیا کی جو تحریکیں کسی سیاسی مقصد، ذاتی مصلحت، جغرافیائی ضرورت یا جذبات کی بناد پر وجود میں آتی ہیں وہ اپنے اغراض و مقاصد اور مصالح کے حصول کے بعد یا تو سرد پڑ جاتی ہیں یا ہمیشہ کے لیے اپنی موت خود مر جاتی ہیں۔

قوتِ فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی عظمت پہ زوال آتا ہے

دوام و جاودانی صرف ان تحریکوں کو میسر آتی ہے جن کا قیام ایسے مستحکم اصولوں پر ہوتا ہے جو ذاتی اغراض و مقاصد سے پاک اور وقتی احوال و ظروف کی پیدا وار نہیں ہوتیں۔ مسلک اہل حدیث کے اغراض و مقاصد کتاب وسنت سے ماخوذ

وہ اصول وضوابط ہیں جو تا قیامت دنیائے انسانیت کی راہنمائی کے لیے وضع کیے گئے ہیں، وہ زمان و مکان کے حدود سے آزاد، مصلحت پرستی اور جذباتیت سے ان کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ اس مسلک کے حاملین و عاملین کی بے نفسی، عدل و انصاف اور کتاب و سنت کی بالا دستی کے لیے ہر دور میں جہد مسلسل تاریخ کے طالب علموں پر مخفی نہیں۔

حبّ کتاب وسنت:

حبّ کتاب وسنت اہل الحدیث کا وہ امتیازی وصف ہے جس کا کما حقہ وجود ان جیسا کسی دوسرے گروہ میں نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ﷫ نے فرمایا:

”وأدنى خصلة في هؤلاء: محبة القرآن والحديث، والبحث عنها وعن معانيهما، والعمل بما علموه من موجبهما...“

(فتاویٰ شیخ الاسلام: ۴/ ۹۵)

یعنی ”قرآن وسنت سے محبت، ان کی تحقیق وجستجو، ان کے معانی و مفاہیم کے بارے میں بحث و تحقیق، ان کے بموجب اس پر عمل ان (اہل الحدیث) کی ادنیٰ خصلت ہے۔“

اس اصول کی پابندی کے سبب ان کے یہاں اختلاف دوسروں کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے۔ امام ابن قیم الجوزیہ ﷫ رقمطراز ہیں:

”ولهذا تجد أقل الناس اختلافاً أهل السنة والحديث، فليس على وجه الأرض طائفة أكثر اتفاقاً، وأقلّ اختلافاً منهم لما بنوا على هذا الأصل.“ (إعلام الموقعين: ٢/ ٧٤٥)

یعنی اس (پیروی کتاب و سنت) کی وجہ سے اہل الحدیث والسنۃ کے

درمیان اختلاف دوسروں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس اصول کی پابندی کے سبب ان سے زیادہ مسائل میں متفق اور ان سے کم اختلاف کرنے والا پورے روئے زمین پر کوئی گروہ نہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب وسنت کی پیروی میں اتحادِ امت کا راز پوشیدہ ہے اور ان کی تعلیمات سے دوری فرقہ بندی کا پیش خیمہ ہے۔

علامہ اقبال نے بھی انھیں امور کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہے سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہیں کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
کون ہے تارکِ آئین رسولِ مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار
ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار
روح میں سوز نہیں قلب میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد کا تمھیں پاس نہیں

خلاصہ کلام یہ کہ اہل حدیث والسنہ والاثر میں ان کمالات و محاسن اور امتیازات وخصوصیات کا منبع وسرچشمہ صرف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی پابندی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

”فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم.“

لہٰذا اس بہترین کتاب قرآن کریم اور بہترین سنت و سیرت کی بنیاد پر جو معاشرہ وجود میں آئے گا وہ یقیناً بہترین معاشرہ ہوگا۔

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

”تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نبی ﷺ کی بہترین امت کے ہراول دستہ ہیں اور اہل الحدیث ہر دور میں ان کی دعوت کے امین و نگہبان اور مخلص علم بردار رہے ہیں۔

اہل حدیث فرقہ یا تحریک؟

بعض اہل حدیث مورخین لکھتے اور خطباء و مقررین کہتے رہتے ہیں کہ اہل حدیث مکمل اسلام پر عمل کی ایک تحریک ہے، کوئی فرقہ نہیں۔ اس کے تحریک ہونے میں کوئی شک نہیں اور یہی حق ہے لیکن ”فرقہ“ کا لفظ اردو زبان میں شاید مذموم گروہ بندی ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے اسے مذموم سمجھا جاتا ہے۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

عربی زبان میں امت، ملت، فرقہ، طائفہ اور حزب وغیرہ لفظی طور پر نہیں بلکہ اپنے اقوال و افعال کی بنا پر ممدوح و مذموم قرار پاتے ہیں۔ ”حزب اللہ“ اور ”حزب الشیطان“ کی قرآنی تعبیر سے کون واقف نہیں؟

﴿ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [المجادلة: ۱۹]

﴿ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [المجادلة: ٢٢]

ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ... ﴾ [التوبة: ١٢٢]

''سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے؟''

اس آیت میں فرقہ و طائفہ کا استعمال مادحانہ ہے۔

حدیث نبوی ہے:

« إن أهل الكتابين افترقوا في دينهم على ثنتين وسبعين ملة، وإن هذه الأمة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة- يعني الأهواء- كلها في النار إلا واحدة، وهي الجماعة »

(مسند أحمد: ٤/ ١٠٢، واللفظ له، وأبو داود، رقم الحديث: ٤٥٩٧، والسلسلة: ٢٠٤ عن معاوية رضي الله عنه)

بعض روایات میں ''فرقہ'' کا لفظ وارد ہے، اس روایت کی تفسیر میں اہل الحدیث والسنۃ والآثر ہی کو ''الفرقة الناجية'' کہا گیا ہے۔

حدیث میں ہے: ''لا تزال طائفة من أمتي قائمة بأمر الله...''

(متفق عليه عن معاوية وغيره)

اس حدیث میں مذکور طائفہ کو ''طائفة منصورة'' کہا گیا ہے۔ احمد بن حنبل، علی بن المدینی اور بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اگر اہل الحدیث اور اہل السنۃ نہیں ہیں تو دوسرا کون ہوسکتا ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے مشہور زمانہ رسالہ ''العقيدة الواسطية'' کا افتتاح ہی حدیث میں مذکور ''فرقہ'' کے تذکرہ سے کیا ہے۔ رقمطراز ہیں:

''فهذا اعتقاد الفرقة الناجية المنصورة إلى قيام الساعة- أهل السنة والجماعة-...'' (دعوة شيخ الإسلام: ٢/ ٦٤٩)

خلاصۂ کلام یہ کہ فرقۂ حق ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ دلائل سے دور مسائل اور باطل افکار و نظریات کی تائید کے لیے فرقہ بننا بہر حال مذموم ہے۔

یا یہ کہہ لیں کہ اہل حدیث اردو زبان کی دلالت کے اعتبار سے ''فرقہ'' نہیں، لیکن عربی میں ان کا ''فرقہ ناجیہ و منصورہ'' ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اہل حدیث فرقہ ناجیہ و منصورہ ہیں اور ان کا مسلک کتاب و سنت پر بے چوں چرا عمل کی ایک تحریک ہے۔

مسلک اہل الحدیث کے محاسن اور امتیازات و خصوصیات:

☆ مسلک اہل الحدیث سلف صالحین (یعنی صحابہ کرام وغیرہم) کے فہم کے مطابق مکمل اسلام کی صحیح ترین تعبیر اور جملہ شعبہ ہائے حیات میں اس کے نفاذ و عمل کی ایک تحریک ہے۔

☆ یہ مسلک کتاب و سنت کی روشنی میں جہاں عقائد کی اصلاح، عبادات کی صحیح ادائیگی، احکام شریعت کے نفاذ، معاملات کی صفائی، سیاست و حکومت کی بہتری، اخلاق و آداب کی پاکیزگی، غرضیکہ جملہ دنیاوی و اخروی امور کی طرف ہدایت و راہنمائی کا ضامن ہے، وہیں گمراہ فرقوں کے بارے میں معلومات کی فراہمی اور ان کے باطل افکار و نظریات سے نجات کا ایک محفوظ ترین قلعہ ہے۔

☆ مسلک اہل حدیث عقدی و فقہی موشگافیوں سے دور واضح و صریح مسلک ہے جو انسانی فطرت سے قریب تر اور عقیدہ میں وحدت و یگانگت کا داعی ہے۔

☆ مسلک اہل حدیث افراط و تفریط سے پاک، تمام مذاہبِ فکر اور مسالکِ فقہ میں سب سے زیادہ معتبر اور معتدل مسلک ہے۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الروم: 30]

''یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

یہ شرف اس مسلک کو کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ کے سبب حاصل ہوا ہے جو دوسرے مسالک و مذاہب کو میسر نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

☆ دوسرے قدیم و جدید مذاہب و مسالک اور جماعات و جمعیات کے دستور اور لائحۂ عمل کا مطالعہ فرمائیں تو اندازہ ہوگا کہ ان میں خلافِ فطرت اتنے قیود و شرائط اور دفعات ہوتے ہیں جنھیں عقل سلیم کسی بھی حال میں گوارا نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات کی وسعت اور اللہ کی عطا کردہ آزادیٔ فکر کے خلاف ہیں۔ وصف نبوی ہے:

﴿ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَ الْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ [الأعراف: ١٥٧]

”اور ان سے ان کا بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔“

یہ وہ محاسن و فضائل ہیں جن کے سبب مسلک اہلحدیث دوسرے مسالک و مناہج اور فرق و جماعات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تاریخ ادیان و مذاہب کے مطالعہ کے بعد مسلک حدیث اور اس کے حاملین کے بارے میں نہایت عادلانہ و ذمہ دارانہ حکم صادر فرماتے ہوئے لکھا:

”أهل الحديث في كل زمان، كأهل الإسلام في سائر الأديان.“ (نقض المنطق: ٧٧)

یعنی ”اہل حدیث ہر زمانہ میں دوسروں کے مقابلہ میں ویسے ہی ممتاز ہیں جیسے اہل اسلام دوسرے ادیان کے مقابلہ میں ممتاز ہیں۔“

مسلک اہلحدیث کی جامعیت و شمولیت اور آفاقیت و ہمہ گیری:

تعصب و تنگ نظری کی عینک اتار کر حقیقت پسندانہ طور پر مسلک اہل حدیث کی ہمہ جہتی و ہمہ گیری اور اس کی جامعیت و شمولیت اور آفاقیت کے اسباب پر ایک طائرانہ نظر ہی کسی منصف مزاج شخص کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے۔

وجوہ و اسباب:

ا۔ اسلام سے منسوب قدیم گمراہ فرقے (قدریہ، جہمیہ، خوارج، روافض، معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ) خلاف عقل و شرع ان کے بنیادی اغراض و مقاصد اور اسلامی زندگی پر مرتب ہونے والے ان کے مضر اثرات و نتائج کا مسلک اہل حدیث میں سد باب کیا گیا ہے۔

افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ان فرقوں کے اس وقت کے سلگتے ہوئے مسائل (صفات باری تعالیٰ، خلق افعال العباد، وعید، ایمان، دین اور اسلام کے مفہوم کی تعیین اور صحابہ کرام وغیرہ) کے بارے میں مسلک اہل حدیث میں عادلانہ رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

اس باب میں مختلف علماءِ حدیث کی گراں مایہ کوششوں سے صرف نظر کرتے ہوئے جماعت محدثین کے قافلہ سالار، امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری ﷫ کی مساعی جمیلہ ملاحظہ فرمائیں کہ انھوں نے اپنی بابرکت تصنیف ''صحیح البخاری'' کے کتاب الایمان میں مرجیہ، کتاب الفتن میں خوارج، کتاب الأحکام میں روافض، کتاب الاعتصام میں اہل القیاس و الرأی، کتاب اخبار الآحاد میں اہل الاصول اور کتاب التوحید میں جہمیہ و قدریہ وغیرہ کی خبر کس قدر محدثانہ، عالمانہ و محققانہ انداز میں لی ہے؟

ان گوشوں کی طرف راہنمائی دوسرے مسالک و مناہج میں یا تو مفقود ہے یا اس قدر اس میں بے سمتی ہے کہ منہج حق کی تلاش بے حد مشکل ہوگی، یہ صرف مسلک اہل حدیث و سنت اور اس کے عاملین ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔

۲۔ مسلک اہل الحدیث والسنۃ والأثر مکمل اسلام کی صحیح ترین تعبیر اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل اور نفاذ کی جامع تحریک ہے، جملہ شعبہ ہائے زندگی اور کتاب و سنت کی روشنی میں دنیاوی و اخروی تمام مسائل کا احاطہ اس کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس جامعیت و شمولیت کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں جو دوسرے مناہج و مسالک میں مفقود ہیں:

☆ "کتاب و سنت" ہی مسلک اہل حدیث کے اصلی مآخذ و مصادر ہیں، انھیں اس مسلک میں سلف صالحین (یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام وغیرہم) کے طریقہ پر سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے، کیونکہ وہی ان کے اولین مخاطب تھے، پس کتاب و سنت کی تشریح میں ان کا فہم و ادراک دوسروں کے مقابلہ میں معتبر اور معتمد علیہ ہے۔

☆ مسلک اہل حدیث میں صحیح سند سے ثابت بلا تفریق جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

روافض نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے معدودے چند حامیوں کے علاوہ تمام صحابہ کرام مع خلفاء راشدین کی احادیث کو نہ صرف ترک کیا، بلکہ ان نفوس قدسیہ کی تکفیر کے بھی قائل ہوئے۔ خوارج مسئلہ تحکیم کے بعد علی و معاویہ رضی اللہ عنہما اور دونوں کے حامیوں کی احادیث سے استفادہ تو درکنار، ان کی تکفیر بھی کرتے ہیں۔ جہمیہ، قدریہ، مرجیہ اور معتزلہ وغیرہ اپنے اغراض و مقاصد کے لیے معین و مددگار احادیث کو مانتے اور دوسری احادیث کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے بلکہ ان کا کلیتاً انکار کرتے ہیں۔

مزید برآں ان گمراہ فرقوں نے حدیث "من كذب علي متعمداً" کی وعید سے بے پروا ہو کر اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں وضع کیں جس کا اعتراف بہتوں نے اپنی ہدایت یابی کے بعد کیا۔ (الطوام المرعشة للشيخ بديع الدين الراشدي، ص: ٣٠)

بعض فقہی مذاہب کے مقلدین کی حالت بھی عمل بالحدیث کے سلسلہ میں زیادہ بہتر نہیں بلکہ مذہب کی تائید میں وضع حدیث کے وہ بھی مرتکب ہوئے۔

علامہ ابو الحسنات عبدالحی الحنفی لکھنوی (۱۳۰۷ھ) نے فقہی تعصب اور تقلیدی جمود کو وضع حدیث کا ایک سبب بتاتے ہوئے مامون الھروی کے بارے میں نقل کیا کہ اس نے نماز میں رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام کی قراءت کے پابند کی نماز نہ ہونے کی حدیث وضع کی، اسی طرح امام شافعی کی مذمت اور امام ابو حنیفہ کی منقبت میں بھی جھوٹی حدیث بنائی۔ (الطوام المرعشة، ص: ٦٧)

اسی طرح علامہ بکر بن عبداللہ ابو زید رحمہ اللہ نے فقہی تعصب کو تمام خرابیوں کی جڑ بتاتے ہوئے فرمایا کہ ایک عالم ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد کی طرف منسوب ہو کر دلیل یا اس کی دلالت کی تحریف میں اس لیے مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کے مسلک کی اس سے تائید ہو جائے، تعصب و تنگ نظری کے شکار ہر مذہب میں اس طرح کے کتنے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔

(تحریف النصوص، ص: ١٤٩، ضمن الردود، وزوابع في وجه السنة، ص: ٢٩٥ ـ ٣٨٧)

قدیم گمراہ قوموں کی طرح مختلف فقہی مذاہب کے مقلدین نے بھی اپنی تنگ نظری کے سبب بہت سی صحیح حدیثوں کو ترک کر دیا، صحابہ کرام کو فقیہ و غیر فقیہ کے خانوں میں بانٹنے کی کوشش کی، خبر الآحاد کو ظنی الثبوت کہہ کر نا قابل اعتبار قرار دیا۔ بعضوں نے تو یہ کہنے کی جرأت کر ڈالی کہ جو حدیث ہمارے مذہب کے مطابق نہ ہو تو وہ قابل عمل ہی نہیں۔ لیکن اس کے بر خلاف مسلک اہل حدیث کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس کے حاملین و عاملین نے جملہ صحابہ کرام اور ہر طرح کی صحیح احادیث سے استفادہ فرمایا، جس کے نتیجے میں مکمل و مدلل اسلامی نظام حیات مرتب ہوا، اگر محدثین نے یہ عادلانہ رویہ نہ اختیار کیا ہوتا تو امت مسلمہ ذخیرۂ حدیث کے بہت سے گرانمایہ

اجزاء سے محروم رہ جاتی۔

اسی طرح محدثین ارشاد ربانی: ﴿وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ [الأعراف: ۱۸۱] کے اولین مصداق قرار پائے۔

۳۔ اسلام ایک فطری مذہب اور مکمل نظام حیات ہے، اس کے احکام وفرامین پر عمل اور ان کا نفاذ "کل لا یتجزأ" کے طور پر مطلوب ہے، تا کہ ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ کی وعید سے بچا سکے۔

لہٰذا سیاسی اسلام، اقتصادی اسلام، اشتراکی اسلام، جمہوری اسلام، ترقی پسند اسلام، یہاں تک کہ تبلیغی اسلام، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اسلام وغیرہ کی تقسیم اسلام کے مزاج اور اس کی ہمہ گیری و جہاں داری اور جامعیت وشمولیت کے خلاف ہے۔

مسلک اہل حدیث کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس میں دین و سیاست اور مادیت و روحانیت میں کوئی تفریق نہیں بلکہ فطری تقاضوں کے مطابق ہر چیز کی ضرورت انسانی زندگی کا خاصہ ہے۔ ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ [الملك: ١٤]

اسی طرح فقہی تعصب و تنگ نظری سے دور رہ کر مسلک اہل حدیث جزوی اسلام کی نہیں بلکہ کلی اسلام کی نمائندہ تحریک ہے جس میں انسانی زندگی سے متعلق جملہ مادی و روحانی اور دنیوی واخروی امور کا احاطہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ٣٨]

"ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔"

فرمان نبوی ہے:

"إنه ليس شيء يقربكم إلى الجنة، إلا ما قد أمرتكم به وليس شيء يقربكم إلى النار إلا قد نهيتكم عنه."

(الصحيحة، رقم الحديث: ٢٨٦٦، عن ابن مسعود)

مذکورہ بالا تمام گوشوں پر نگاہ ڈالنے سے آپ کو یہ یقین ہوجائے گا کہ جو جامعیت، آفاقیت اور ہمہ جہتی و ہمہ گیری مسلک اہل حدیث میں ہے وہ کسی اور مسلک میں موجود نہیں۔

انسانی زندگی پر مسلک اہلحدیث کے اثرات:

مسلک اہل حدیث کی پابندی سے معتدل و متوازن اور مستقل بالذات شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے، مکمل اسلام پر عمل اور اس کی طرف دعوت اس کی زندگی کا لازمہ اور جزو لاینفک ہوجاتا ہے، اس کی شخصیت موقع پرستی اور تنگ نظری کا شکار نہیں ہوسکتی بلکہ وہ اللہ کے اوامر و نواہی کی پابندی کرتے ہوئے صراط مستقیم پر بہر حال گامزن رہتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ:

☆ اسلام کے سیاسی و اقتصادی نظام کے نفاذ کو اپنی زندگی کا حاصل مانے اور دوسری طرف اس کی زندگی میں اسلام کے دوسرے شعائر کا کوئی قابل ذکر عمل و دخل نہ ہو۔

☆ یا وہ بعض عبادات و ارکان کی مبالغہ آمیز پابندی کا قائل ہو، اور دوسری طرف بنیادی عقائد اور دیگر اساسیاتِ دین کے سلسلہ میں اس کی ایمانی برودت تحت الصفر ہوجائے۔

☆ یا وہ اپنی عورتوں کو تو عام حالات میں بغیر محرم کے بلا جھجھک ملکی و غیر ملکی سفر کرائے اور حج وعمرہ میں جانے کے لیے محرم کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ یا عورتیں برسرِ عام بے پردہ بازاروں میں سیر و تفریح کریں تو کسی فتنہ و فساد کا کوئی شبہ نہیں لیکن صلاۃ العیدین کے لیے عیدگاہ یا جمعہ و جماعت کے لیے مسجد میں باپردہ حاضر ہونا چاہیں تو سنت کے خلاف فتنہ وفساد میں مبتلا ہونے کے شبہ کا فتویٰ جڑ دیا جائے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مسلک اہل حدیث میں اس افراط وتفریط کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس مسلک کے زیر سایہ تربیت یافتہ شخص یہ مضحکہ خیز رویہ اختیار کر سکتا ہے۔ میں حقیقت سے دور برائے نام مسلکی انتساب کی بات نہیں کرتا، کیونکہ

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے

اصل مرکزِ حق کتاب وسنت:

مولانا ابو الکلام آزاد ﷫ رقمطراز ہیں:

"اصل مرکزِ حق ویقین کتاب وسنت ہے، یہ مرکز اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا، سب کو اس کی خاطر اپنی جگہ سے ہل جانا پڑے گا، اس کی چوکھٹ کو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا، سب کی چوکھٹیں اس کی خاطر چھوڑ دینی پڑیں گی۔

"لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين"

"جب نص رسول کے مقابلے میں کسی دوسرے انسان کی پاسداری کی تو اُحب رسول کب باقی رہا؟ ارباب افراط وغلو کی ساری غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے غیر معصوم پیشواؤں کے اقوال و احوال کو بمنزلہ اصل بنا لیتے ہیں، جس کو کسی حال میں اس کی جگہ سے نہیں ہلایا جا سکتا اور پھر چاہتے ہیں کہ وحی الٰہی و صاحب وحی کی نص کو اس کی جگہ سے ہٹا کر خود ساختہ مرکز تک لے جائیں اور نہ جا سکے تو زبردستی کھینچ کر لے جائیں۔ اس پر ستم یہ کہ اس طریق کو توفیق وتطبیق کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اگر یہ تطبیق ہے تو "والذي نفسي بيده" کہ پھر دنیا میں تحریف کا وجود باقی نہ رہا اور نہ کبھی

اہل کتاب نے اس دنیا میں تحریف کی۔"

(تذکرة، ص: ٥٧، ٥٨ بحواله مولانا أبو الكلام آزاد، ص: ٣٣، مصنفه شيخ محمد الأعظمی)

خلاصۂ کلام:

آج کی ماڈرن دنیا اسی مسلک حق و منہج سلف کی تلاش میں ہے جو مذاہبِ فقہ کے وجود سے قبل صحابہ کرام اور ان کے تابعین وغیرہم کا مسلک تھا، تاکہ اصل مرکزِ حق: کتاب و سنت کی طرف فطری طور پر لوٹ سکے۔

آج بھی وہ مذہب ذخائرِ حدیث اور دواوینِ سنت میں ویسے ہی موجود ہے جیسا کہ خیر القرون میں تھا، وہی مسلک مسلک اہل حدیث، مسلک اہل السنۃ والجماعۃ، مسلک اہل الاثر اور مسلک سلف کہلاتا ہے، اس مسلک کے حاملین و عاملین، کتاب و سنت کی روشنی میں "فرقۂ ناجیہ" و "طائفۂ منصورہ" ہیں، ان کا راستہ وہ صراط مستقیم ہے جسے اختیار کرنے کے بعد کوئی انسان گم گشتۂ راہ نہیں ہوسکتا۔ لا يزيغ عنها إلا هالك!

ارشاد نبوی ہے:

"تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما إن تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله."

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مسلک اہل حدیث کے حاملین و عاملین، دعاۃ و مبلغین اور علماء وطلبہ کا اوّلین دعوتی فریضہ ہے کہ وہ خود اس کے محاسن اور امتیازات و خصوصیات سے اپنے آپ کو مزین کریں اور پھر دوسروں کو اس کی حقانیت سے روشناس کرائیں۔ آج کی ماڈرن دنیا کتاب و سنت سے ماخوذ اسلامی نظامِ حیات کے اخلاق و آداب اور اصول و ضوابط سے واقفیت کے لیے بے قرار ہے، اس کی داد رسی کے لیے آپ کمر بستہ ہوں

کیونکہ کتاب و سنت کا گوہر نایاب بغیر کسی کم و کاست اور تحریف و تغیر کے اصل صورت میں صرف آپ کے پاس موجود ہے، لہٰذا دنیا کو آج آپ کی ضرورت ہے، آپ اس ذمہ داری کو محسوس کریں۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

وعدۂ ربانی ہے:

﴿ إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴾ [محمد: ٧]

”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔“

اللہ آپ کا حامی و مددگار ہو۔

صاحبِ ”نگارشات“ کی تحریروں کا مرکزی عنوان:

مولانا محمد اسماعیل سلفی ﷫ کی تمام تحریروں کا مرکزی عنوان تحریک اہلحدیث، محدثین کی قربانیاں، ان کی خصوصیات، امتیازات اور مسلکِ اہلِ حدیث کے فضائل و محاسن ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں اس موضوع پر تھوڑی سے گفتگو ہوئی، شاید اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما لے۔

أحب الصالحين ولست منهم
لعل الله يرزقني صلاحا

درخورِ اعتناء یہ کوشش کوتاہ کرے
حشر میرا میرے اسلاف کے ہمراہ کرے

صاحبِ ”نگارشات“ اپنی تحریروں کے آئینہ میں:

چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) میں مولانا محمد اسماعیل سلفی ﷫ (۱۳۱۴ـ۱۳۸۷ھ = ۱۸۹۵ـ۱۹۶۸ء) کا شمار تحریک اہلحدیث (برصغیر پاک و ہند)

کے ممتاز رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ مولانا سلفی ﷫ کی تعلیم و تربیت گھریلو دیندارانہ ماحول سے شروع ہوئی، پھر ''وزیر آباد''، ''دھلی''، ''امرتسر'' اور ''سیالکوٹ'' کے علمی مراکز کے مرکب سے جو خمیرہ تیار ہوا اس سے ان کی ہمہ جہت شخصیت کی تشکیل ہوئی۔

یہ مولانا سلفی ﷫ کی سعادت مندی ہے کہ وہ ہر خاص مقام پر اپنے ان محسن اساتذہ کرام کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ ''حجیت حدیث'' کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

> ''اگر یہ کوشش عند اللہ مقبول ہو تو میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں میرے اساتذۂ کرام کو بھی شریک فرمائے۔''

اپنی معروف کتاب ''تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ ﷫ کی تجدیدی مساعی'' کے مقدمہ میں اپنے استاذ گرامی محدث کبیر حافظ عبدالمنان وزیر آبادی ﷫ کے لیے خصوصی دعا کی درخواست کرتے ہوئے معترف ہیں کہ ان کی بامقصد تربیت نے انھیں توحید و سنت سے محبت اور مذہب سلف کے تمسک پر آمادہ کیا۔

علومِ کتاب و سنت میں اعلیٰ بصیرت، عقیدہ و شریعت میں درک، معاصر تحریکوں سے گہری واقفیت، اسلام اور مراجع اسلام کے خلاف رچی جانے والی سازشوں سے آگاہی میں وہ اپنے جماعتی و غیر جماعتی معاصرین سے کہیں زیادہ آگے تھے۔ انھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کی بنیاد وحی معصوم پر رکھی، جن سے ایک طرف معتبر امور عقائد و عبادات اور احکام و مسائل کی توضیح اور تحریک اہل حدیث کی تائید ہوئی تو دوسری طرف منکرینِ حدیث کی جانب سے سنت کے خلاف سازشوں کا پردہ فاش ہوا۔

کتاب و سنت کی بالا دستی، ثابت شدہ معتبر مسائل اور مستحکم اسلامی اصولوں کے خلاف کوئی بھی نامناسب آواز کہیں سے بھی اٹھی تو اس کی بازگشت کو مولانا نے اپنی تقریروں و تحریروں کے ذریعہ دبانے کی بھرپور کوشش کی، اس سلسلہ میں نہ کورٹ

میں اعلیٰ منصب پر فائز کرسیٔ عدالت پر متمکن کسی جج کی پرواہ رہی، نہ کسی اسلامی جماعت کی اعلیٰ قیادت کا خیال رہا اور نہ جادۂ استقامت سے منحرف ادارے اور شخصیتیں ملحوظِ خاطر رہیں۔ اگر کسی چیز کا غم رہا تو وہ صرف اسلام، اصولِ اسلام اور مراجعِ اسلام کی حفاظت وصیانت کا غم تھا اور بس:

ایک مرکز پہ سمٹ آیا جہانِ آرزو
کثرتِ موہوم سے جب دل پریشاں ہوگیا

گویا عربی شاعر نے آپ کے خیالات و جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے:

إِذَا رَضِيَ الْحَبِيبُ فَلَا أُبَالِي
أَ قَامَ الْحَيُّ أَمْ جَدَّ الرَّحِيلُ

مولانا سلفی کا اسلوب نگارش:

علومِ شریعت کے در و بست، پیچ وخم اور رموز و اوقاف سے اعلیٰ واقفیت کے ساتھ مولانا ایک صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے، بڑے سے بڑے مسئلہ کو چند جملوں میں سمیٹ لینا، مشکل سے مشکل قضیہ کو اشاروں میں حل کر دینا آپ کا خاصہ تھا۔ تحریر وتقریر میں نہ کوئی شرعی مخالفت اور نہ ہی ادبیت کا فقدان، یہ وہ اوصاف جمیلہ ہیں جن کا معاصرین کی تحریروں میں فقدان نظر آتا ہے۔

میں علومِ کتاب وسنت کا ایک ادنیٰ طالبِ علم ہوں، بیجا مدح و ذم اور جرح و تعدیل کا نہ قائل ہوں اور نہ ہی میرا مسلک ومنہج اس کی اجازت دیتا ہے۔ یہ بات میں مولانا سلفی رحمہ اللہ سے خوش اعتقادی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی اور معاصرین کی تحریروں کے درمیان موازنہ کے بعد علی وجہ البصیرت کہتا ہوں۔ کیونکہ میں نے معاصرین کی تحریروں کے سیکڑوں صفحات کا مطالعہ کیا ہے اور تقریباً ایک ہزار صفحات

میں میرے قلم سے نقد و تبصرہ ان پر شائع اور موجود ہے۔

ان حضرات کے یہاں جب کسی مسئلہ پر گفتگو ہوتی ہے تو اس کے لیے ایک پیراگراف نہیں، بلکہ صفحات کیا؟ ایک رسالہ تیار ہو جاتا ہے، اس میں بسا اوقات نہ کہیں قرآن سے استدلال، نہ حدیث سے تائید بلکہ اس کے برعکس ایک جگہ نہیں، جگہ جگہ مصنف کی فکر کہیں کسی آیت کے صحیح مفہوم سے متصادم ہو جاتی ہے اور کہیں کسی صحیح حدیث سے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حضراتِ مصنفین دانستہ طور پر ایسا کرتے ہوں گے لیکن علومِ شریعت میں درک نہ ہونے کی یہ واضح مثال ہے۔

الحمد للہ! ہمارے راہنما مولانا سلفی ﷫ کی تحریریں ان نقائص سے خالی ہیں۔

☆ برصغیر (ہند و پاک) کے مشہور سوانح نگار اور معروف صحافی، ہمارے بزرگ مولانا محمد اسحاق بھٹی ﷾ کے مطابق مولانا سلفی ﷫ کی تقریر بھی تحریر ہی طرح ہوا کرتی تھی، یہ وصف خال خال ہی علماء میں پایا جاتا ہے۔

ایں سعادت بزورِ باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

☆ مولانا سلفی ﷫ کی کسی کتاب یا مضمون کا آپ مطالعہ فرمائیں، موضوع سے متعلق وافر معلومات کی فراہمی کے ساتھ، اس کی روانی میں نہ کوئی کمی محسوس ہوگی اور نہ ہی بیان میں کوئی پیچیدگی۔ میں اس طرزِ نگارش کو ادب و انشاء کا منتہائے کمال سمجھتا ہوں۔

موقع و محل کے اعتبار سے کتاب و سنت سے بھرپور استدلال کے ساتھ ساتھ تحریروں میں اردو، عربی، اور فارسی کے ایسے اشعار اور محاورے رقم فرماتے ہیں کہ جیسے ان کا سببِ ورود ہی انھیں مقامات کے لیے تھا۔

مثلاً: کسی پرپیچ مسئلہ میں بغیر دلیل کے رائے زنی کرنے والے پر یہ عربی شعر

برمحل نوٹ فرما دیا:

كَبَهِيمَةٍ عَمْيَاءَ قَادَ زِمَامَهَا
أَعْمٰى عَلٰى عِوَجِ الطَّرِيقِ الْحَائِرِ

''یعنی اندھی سواری کی طرح، جس کا سوار بھی اندھا، اور راستہ بھی پر پیچ۔''

نقد وتبصرہ سے فارغ ہوئے تو نقل کر دیا:

شَكَوْتُ وَمَا الشَّكْوىٰ لِمِثْلِي عَادَةٌ
وَلٰكِنْ تَفِيضُ الْكَأْسُ عِنْدَ امْتِلَائِهَا

خطرناک غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے:

فَاحْفَظْ وُقِيتَ، فَتَحْتَ قَدَمِكَ هَوَّةٌ
كَمْ قَدْ هَوىٰ فِيهَا مِنَ الْإِنْسَانِ

شخصیات کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے تنقید، اور اپنے مسلک سے محبت ووابستگی ظاہر کرتے ہوئے: ''وَأَمَّا حُبُّ لَيْلىٰ فَلَا أَتُوبُ!''

مسلّمات کی مخالفت کرنے پر:

جملہ عالم اک طرف، آں شوخ رعنا اِک طرف

دور از کار تاویل نصوص پر، جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد سے کوئی تعلق نہ ہو:

ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

مولانا سلفی رحمہ اللہ کے بے لاگ تبصروں کے چند نمونے:

مولانا سلفی رحمہ اللہ کو جب محسوس ہو جاتا ہے کہ اسلام کے مستحکم اصول ومراجع کی پامالی کی دانستہ کوشش ہو رہی ہے، یا کتاب وسنت کی تفسیر وتوضیح میں دیدہ دلیری

کی جا رہی ہے، یا صحیح احادیث کا برملا انکار کیا جا رہا ہے، یا انکار کے لیے چور دروازے کھولے جا رہے ہیں تو وہاں ان کی دینی غیرت وحمیت جوش میں آ جاتی ہے، تحریر کا تیور بدل جاتا ہے، پھر معذرت کرتے ہوئے صورتِ حال کی ایسی تصویر کشی کر دیتے ہیں جو مدتوں قاری کے ذہن میں مرتکز رہتی ہے۔

چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

- معتزلہ کی دوراز کار تاویل صفاتِ باری تعالیٰ، اور ردِ احادیث صحیحہ پر تنقید فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''... اور حدیث کے متعلق اُن کے ذوق کی سلامتی کا یہ حال ہے کہ وہ متواتر احادیث کو بھی ''آحاد'' کہہ کر ٹال دیتے ہیں، نصوصِ قرآنیہ کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بھی اسے سُن پائیں تو انھیں حیرت ہو:

ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

(جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث، حجیت حدیث، ص: ۱۴۲)

- منکرینِ حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''عقل اور احتمالات کے گھوڑے اگر اس طرح سرپٹ دوڑانا شروع کر دیں جس طرح سنت اور حدیث کے خلاف ان کی لگامیں ڈھیلی کر دی گئی ہیں تو ان کی یورش سے نہ خدا بچے گا، نہ رسول، نہ کوئی حقیقت محفوظ رہے گی، نہ کوئی اصول۔'' (حدیث کی تشریعی اہمیت، حجیت حدیث، ص: ۵۳)

- انکارِ حدیث کا پسِ منظر بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''انکارِ حدیث احساسِ کہتری کی پیداوار ہے، جس نے گریز پائی کی صورت اختیار کر

لی ہے... احادیث کے متعلق تو وہ یہی ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔ لیکن جب یہ مصیبت قرآنِ عزیز میں آجائے اور قرآنِ عزیز ان کے تبحر فی الجہل کا ساتھ نہ دے سکے تو پھر ایسی تاویلات گھڑتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ شاید ان کے خیال میں رب العزت اتنی عربی نہیں جانتے جس قدر کہ یہ تبحر فی الجہل جانتے ہیں۔''

(سنت قرآن کے آئینہ میں، حجیت حدیث، ص: ۱۷۷)

❁ ''ادارۂ طلوعِ اسلام'' (کراچی) کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''رہا ''ادارۂ طلوعِ اسلام'' تو اس سے نہ علم وفہم کی امید ہے نہ تقویٰ و دیانت کی۔'' (حدیث کی تشریعی اہمیت، حجیت حدیث، ص: ۷۵)

❁ ضمناً ہائی کورٹ کے جج میاں محمد شفیع پر تنقید فرماتے ہوئے مذکورہ ادارہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''دراصل ہماری معذرت یا ترجمانی بھی آپ حضرات منکرینِ حدیث اور ادارۂ طلوعِ اسلام سے سنتے ہیں اور ان گونگے دانشوروں کا یہ حال ہے کہ وہ آج تک نہیں سمجھا سکے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟'' (حوالۂ بالا، ص: ۶۹)

❁ ''ادارۂ ثقافت اسلامیہ'' (لاہور) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''...وہاں اسلام کے بنیادی حقائق کی تشریحات اس انداز سے کی گئی ہیں جس سے اسلام کے ارکان تک محفوظ نہیں رہ سکے... پورا اسلام قریباً دنیا پرستی کا دوسرا نام ہوگیا ہے۔'' (جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث، حجیت حدیث، ص: ۹۹)

❁ ''مرکزِ ملت'' کی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مرکزِ ملت کی تشکیل اگر عوام کے نمائندے کریں اور وہ نمائندگی بھی قرآن فہمی میں عوام ہی کی طرح ہوں تو یہ مرکزِ ملت جہلاء کا مجموعہ

ہوگا...‘‘ (حدیث کی تشریعی اہمیت، حجیت حدیث، ص: ۶۴)

- ہائی کورٹ کے جج محمد شفیع صاحب سے یوں مخاطب ہیں:

> ’’آپ حضرات نے یہ شیوہ بنا رکھا ہے کہ ساری عمر انگریزی قانون اور انگریزی زبان پڑھتے ہیں، پھر ملازمت کرتے ہیں، پھر ریٹائرڈ ہوتے ہیں اور یہ آخری فرصت کی گھڑیاں جو آپ کو عبادت کے لیے قدرت نے عطا کی ہیں ان کو سنت پر اعتراض اور بحث کرنے میں صرف کرتے ہیں اور اہلِ حق کی نظر میں مضحکہ بنتے ہیں۔ یا پھر اونچی کرسیوں سے اس شریف فن پر حملہ آور ہوتے ہیں، حالانکہ آپ ایک خاص قانون کے ماہر ہیں، علوم حدیث سے واقف نہیں۔ کرسی کی آڑ میں یہ شکار مناسب نہیں۔‘‘

(حوالۂ بالا، ص: ۸۵، ۸۶)

- نیز رقمطراز ہیں کہ جماعت اسلامی کے احباب مولانا مودودی کے ارشادات کو نصوص کی طرح پیش کرتے اور اسے ’’امرت دھارا‘‘ کی طرح تمام بیماریوں کا علاج سمجھتے ہیں۔ (مقدمہ جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث)

- مولانا مودودی و مولانا امین احسن اصلاحی پر تنقید فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ’’مولانا کے ارشادات کے بعض حصص اور مودودی صاحب کا ’’مسلکِ اعتدال‘‘ قطعاً اس قابل نہیں کہ ان کی اشاعت کی جائے، ان میں جو کچھ صحیح ہے وہ بھی غلط انداز سے کہا گیا ہے۔ اور ’’مسلک اعتدال‘‘ میں تو دماغ کے کباڑ خانہ نے خیالات اس بے اعتدالی سے اُگل دیے ہیں کہ اگر کوئی منکرِ حدیث بھی لکھتا تو یہی کچھ لکھتا۔‘‘

(جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث، حجیت حدیث، ص: ۱۴۰)

- ایک دیوبندی مولوی صاحب کی اہل حدیثوں کے خلاف زہر افشانی پر رقمطراز ہیں:

"مجھے مؤلف محترم کے اس سوءِ ظن اور مطاعن سے غرض نہیں، وہ جو چاہیں فرمائیں، کتاب کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً خون کے دباؤ کے مریض ہیں، اسی لیے پوری کتاب بلا وجہ ناراضگی اور پراگندہ خیالی کا مجموعہ ہے۔" (مسئلہ درایت و فقہ راوی، حجیت حدیث، ص: ۳۶۰ جامعہ سلفیہ بنارس)

✿ "فقہ راوی کی شرط اور اکابر حنفیہ" کے تحت رقمطراز ہیں:

"ہمارے مدارس کا یہ حال ہے کہ وہ فقہ راوی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں جیسے کسی آیت کا مفہوم بیان فرما رہے ہیں، یا کوئی متواتر حدیث..."

(حوالہ بالا، ص: ۳۸۸)

مولانا سلفی ﷫ کی کتابوں کے عربی ترجمے:

مولانا سلفی ﷫ کی تحریروں کی جامعیت، موضوع سے متعلق معلومات کی فراہمی، ان کی اخلاص وللہیت کے ساتھ ان تحریروں کی سحر انگیزی کہیے کہ برِ صغیر میں (چند افراد کو چھوڑ کر) کسی عالم کی کتابوں کے ترجمے اتنے نہیں ہوئے جتنے کہ مولانا کی کتابوں کے ہوئے ہیں۔

✿ یادش بخیر، استاذِ گرامی ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری ﷫ (سابق صدر جامعہ سلفیہ بنارس، و ایڈیٹر مجلہ "صوت الأمۃ") نے مولانا سلفی کی گراں قدر تالیف "تحریک آزادئ فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی" کو قسط وار اُس وقت کے مجلہ میں بعنوان "حركة الانطلاق الفكري و جهود الشاه ولي الله في التجديد" شائع فرمایا، پھر شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری ﷫ کے مقدمہ کے ساتھ ۱۳۹۷ھ = ۱۹۷۷ء میں اسے کتابی شکل دی گئی۔

یہ سال "جامعہ سلفیہ" (بنارس، ہند) سے خاکسار راقم کی فراغت کا پہلا سال تھا، اور جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) کی طرف رختِ سفر باندھنے سے قبل اس کی

''جنرل لائبریری'' کی خدمت پر مامور تھا، اس وقت مجھے اس کتاب کی فہرستِ مراجع کی ترتیب کا شرف حاصل ہوا تھا۔

پھر دوسرا ایڈیشن ۱۴۰۹ھ = ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا، اس میں مولانا سلفی رحمہ اللہ کے رسائل ''مسئلہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' و ''زیارۃ القبور'' اور ان کے تحریکِ اہل حدیث سے متعلق کچھ سوالات کے جوابات بھی شامل کر دیے گئے، جس سے کتاب کی ضخامت کے ساتھ اس کی افادیت میں بھی اضافہ ہوگیا۔

اس ایڈیشن پر شیخ الحدیث مبارک پوری رحمہ اللہ کے مقدمہ کے ساتھ استاذ علی شامی (سوریا) اور استاذ محمد نافع (سوریا) کے مقدمے بھی ہیں۔

استاذ علی نے آٹھ مقامات پر معترضانہ اور توضیحی نوٹ لگائے ہیں، جنھیں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ان مقامات پر ان کے نام کے ساتھ باقی رکھا ہے۔ یہ بحث و تحقیق کی ایک بڑی قدر دانی ہے۔

✿ یاد ہے کہ مئی ۱۹۸۳ء میں کویت لوٹتے ہوئے فاضل گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ (بانی صدر ''ابو الکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی) نے مجھے مولانا سلفی کے رسالہ ''جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث: ایک تنقیدی جائزہ'' کے عربی ترجمہ کی طرف توجہ دلائی۔ ''حجیت حدیث'' (۸۷۔۱۵۹) کے مجموعہ میں ۷۳ صفحات پر مشتمل شائع شدہ یہ رسالہ تعریب و تعلیق کے بعد ۱۶۵ صفحات پر محیط ہوا، اور اس وقت کے مشہور سلفی مکتبہ ''الدار السلفیۃ'' سے پہلا ایڈیشن (۱۴۰۷ھ=۱۹۸۶ء میں) بعنوان ''موقف الجماعة الإسلامية من الحديث النبوي: دراسة نقدية'' شائع ہوا۔

میرے علم کے مطابق عرب محققین کو ''جماعتِ اسلامی'' کے قائدین کے نظریۂ حدیث کے بارے میں تفصیلی معلومات پہلی بار اسی کتاب سے حاصل ہوئیں۔

فالحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات.

- پھر مجموعہ ”حجیتِ حدیث“ کے بقیہ رسائل کا ترجمہ استاذِ گرامی ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ نے ہی فرمایا۔ اس مجموعہ میں ”حسن البيان فيما في سيرة النعمان“ (مؤلفہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ) پر مولانا سلفی رحمہ اللہ کے مقدمہ بعنوان ”مسئلہ درایت وفقہ راوی کا تاریخی وتحقیقی جائزہ“ کو بھی شامل کرلیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی وفات سے قبل اس کتاب کی سی ڈی (CD) مجھے دے دی تھی۔ یہ میرے لیے شرف کی بات ہے کہ یہ میرے ہی زیرِ نگرانی مکتبہ ”دار غراس“ (کویت) سے ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔

اس ایڈیشن پر میں نے مقدمہ کے ساتھ، ڈاکٹر صاحب (مترجم کتاب) اور مولانا سلفی رحمہ اللہ (مؤلفِ کتاب) دونوں کی سوانح حیات بھی لکھی۔ مولانا سلفی رحمہ اللہ کا سوانحی خاکہ تیس صفحات پر مشتمل ہے، عربی میں مولانا کی سوانح پر اس سے قبل اس سے مفصل تحریر میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ فالحمد للہ

- مولانا سلفی رحمہ اللہ کے کتب ورسائل میں ”مسلک امام بخاری“ کا نام نظر سے گزرا، میری طبیعت لگ گئی کہ مولانا نے بہت عمدہ لکھا ہوگا۔ اپنے برادر بزرگوار شیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کی کوشش سے وہ رسالہ دستیاب ہوا جو قاضی محمد اسلم سیف فیروزپوری کی نگرانی میں ”جمعیۃ طلبہ اہل حدیث“ کی جانب سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا تھا، اس سے قبل مولانا کا یہ مقالہ مجلّہ ”الہدیٰ“ (دربھنگہ، بہار، مارچ ۱۹۵۶ء) میں بھی شائع ہو چکا تھا۔

۴۵ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ عربی ترجمہ اور تعلیقات وتحشیہ کے بعد ۲۱۸ صفحات میں مکتبہ ”دار غراس“ (کویت) سے ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔

ابھی کتاب طباعت کے مرحلہ میں تھی کہ یہ رسالہ ”مقالات حدیث“ میں بھی نظر آیا جو اس مجموعہ کا پہلا مقالہ ہے۔ حافظ شاہد محمود حفظہ اللہ کی بعض تعلیقات سے بھی

استفادہ کیا۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

❁ مولانا سلفی رحمہ اللہ کی تحریروں کے یہ عربی ترجمے تقریباً ۱۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ”جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث“ اور ”مسلک امام بخاری“ کو چھوڑ کر (جن کے مجموعی صفحات کل ۳۸۳ ہیں) تمام کتب و رسائل کے ترجمے ڈاکٹر مقتدی حسن رحمہ اللہ کی کوششوں کے رہینِ منت ہیں۔

میرے لیے شرف کی بات یہ ہے کہ ان تمام عربی تحریروں سے کسی نہ کسی طرح ابتداء ہی سے میرا تعلق رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا سلفی رحمہ اللہ اور ان کی تحریروں کے مترجمین کو اجر جزیل عطا فرمائے، بطورِ خاص استاذِ گرامی ڈاکٹر مقتدی حسن ازھری رحمہ اللہ کو جنت الفردوس سے نوازے، جنھوں نے اس کارِ خیر کی ابتداء فرمائی تھی۔ والفضل للمتقدم۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

میں ان بزرگوں کے درمیان صرف یہی کہنے کے لائق ہوں:

أحب الصالحين ولست منهم
لعلّ الله يرزقني صلاحا
مجھ کو رب کوششِ کوتاہ پہ ماجور کرے
میرے ویرانۂ دل کو سدا معمور کرے

مجموعہ ”نگارشات“:

❁ مولانا سلفی رحمہ اللہ تدریس و خطابت، دعوت و افتاء اور کچھ خصوصی دروس کا زندگی بھر اہتمام فرماتے رہے، جماعت کی نظامت و امارت، اس کے انتظام و انصرام اور تنظیم و ترتیب کی ذمہ داری الگ سے تھی، پھر عام مسلکی مسائل میں

جماعت کی نمائندگی کا فریضہ بھی ادا فرماتے تھے۔

ان گوناں گوں مصروفیات کے باعث آپ کو دلجمعی کے ساتھ تصنیف و تالیف کا موقع کم میسر آیا، لیکن جو تحریریں بھی موجود ہیں وہ بے حد وقیع اور نہایت ذمہ داری کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

❁ فاضل گرامی مولانا حافظ شاہد محمو وفقہ اللہ کی سعادت مندی کہیے کہ انھوں نے مولانا سلفی رحمہ اللہ کے اہم رسائل اور معلومات افزا مقالات کا ایک ضخیم مجموعہ ''مقالاتِ حدیث'' کے نام سے ترتیب دے کر شائع فرمایا۔ مزید برآں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابو القاسم سیف بنارسی، مولانا محمد بشیر سہسوانی اور مولانا حافظ محمد گوندلوی وغیرہم (رحمہم اللہ) کی کتب و رسائل اور مقالات کے مجموعوں کو شائع کر کے بہت سی تحریروں کو زمانہ کے دست و برد سے محفوظ کر لیا جو دنیائے سلفیت پر احسان عظیم ہے۔

❁ مولانا سلفی رحمہ اللہ کے بہت سے مقالات، جلسوں کے تاثرات، کانفرنسوں کے خطباتِ استقبالیہ اور تحریک سے متعلق اہم سوالات و جوابات اپنے اپنے وقت میں بہت سے جرائد و مجلات کی زینت بنتے رہے۔

گرامی قدر حافظ شاہد محمود، مولانا سلفی رحمہ اللہ کی ان تحریروں کو بعنوانِ ''نگارشات'' شائع فرما رہے ہیں، جو بہر پہلو تحریک اہل حدیث سے متعلق گرانقدر معلومات پر مبنی ہیں۔

❁ اس مجموعہ میں جماعت کی دعوتی و جہادی تاریخ بھی ہے، جلسوں اور کانفرنسوں کے بارے میں تاثرات اور خطباتِ استقبالیہ بھی ہیں، جماعتی نظم ونسق سے متعلق ہدایات و ارشادات بھی ہیں، تحریک کے بارے میں سوالات کے جوابات بھی ہیں اور دینی جماعتوں سے اتحاد کے لیے طریقِ کار کی نشاندہی بھی ہے۔

یہ سب وہ امور ہیں جن کے مطالعہ سے تحریک اہل حدیث کی تاریخی و دعوتی اہمیت، کتاب و سنت کی بالا دستی، اور ایمان و عقیدہ کی حفاظت کے لیے وابستگانِ مسلک کی مساعی جمیلہ کا پُر کیف منظر سامنے آجاتا ہے: ؎

بس اتنی سی حقیقت ہے ہمارے دین و ایماں کی
کہ اس جانِ جہاں کا آدمی دیوانہ ہوجائے

❀ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ ''نگارشات'' مولانا سلفی رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ کو درجۂ قبولیت سے نوازے اور انھیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔ اور اس مجموعہ کے مرتب مولانا حافظ شاہد محمود وفقہ اللہ کو علمائے کرام کی منتشر تحریروں کی ترتیب و اشاعت کے لیے توفیق مزید عنایت فرمائے، اور انھیں دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے نوازے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين. سبحانك اللهم، لا إله إلا أنت، أستغفرك وأتوب إليك.

صلاح الدین مقبول احمد
(غفر الله له ولوالديه ومشايخه وإخوانه وسائر المسلمين)
الجہراء۔ الکویت
۱۴۳۲/۳/۵ھ بمطابق ۲۰۱۱/۲/۸ء

تقریظ

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئآت أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے جب آدم وحوا علیہما السلام کو زمین پر اُترنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی دنیا میں رہنے کا یہ قانون بھی بتا دیا:

﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى﴾ [طٰہٰ: ۱۲۳]

”پھر اگر کبھی واقعی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔“

اب اس وقت سے لے کر قیامت تک دنیا میں بنی آدم کے لیے یہی اصول اور قانون ہے۔ جو قوم یا فرد اس اصول پر چلے گا وہ ضلالت و گمراہی سے بچ جائے گا، اور جو قوم اپنی خواہش کی پیروی کرے گی وہ ناکام و نامراد ٹھہرے گی۔

اللہ تعالیٰ نے صرف راہنمائی کے اصول ہی نازل نہیں کیے بلکہ ان کو عملی طور پر سمجھانے کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ لوگوں کے لیے اللہ کا حکم ماننا اور انبیاء کی اطاعت کو فرض قرار دیا تاکہ دنیا کی آزمائش میں انسان کامیاب لوٹے، لیکن اکثر لوگوں کی بدنصیبی کہ انھوں نے آسمانی ہدایت کا انکار کیا اور کفر پر زندہ رہے، اسی پر

انھیں موت آئی، اور ہمیشہ کے لیے وہ جہنم کا ایندھن بنے، لیکن زیادہ دکھ ان پر ہے جنھوں نے اس ہدایت کو قبول کیا، پھر اپنی خواہش یا مفادات کی خاطر اپنے دین میں تحریف شروع کر دی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے علماء کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾ [البقرة: ١٧٤]

"بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب میں سے اتارا ہے اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں۔"

جب انھوں نے ایسا کردار ادا کیا تو انھیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ﴾ [البقرة: ١٧٥]

"یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے خریدا۔"

اسی طرح دینِ عیسوی میں تحریف کا آغاز کرنے والا سینٹ پال تھا، پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ایک جرمن مؤرخ والٹرائے، جو خود کیتھولک عیسائی تھا، بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب انجیل کی صورت میں عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی وہ ہماری فرقہ پرستی، خواہشِ نفس اور علماء کے تغیر وتبدل کی وجہ سے ایک کی بجائے ستر (٧٠) ہو چکی تھی جو کہ عیسائی مذہب کے لیے ایک مذاق کی صورت اختیار کر گئی۔ اس سے بڑا مذاق یہ ہوا کہ ان کے اس وقت کے علماء کی ایک کونسل تھی جسے "یروشلم کونسل" کا نام دیا جاتا تھا۔ اب اس کا نام کرسچین کونسل ہے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اناجیل کی تعداد کو کم کیا جائے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش بیت اللحم میں ایک میز پر ساری اناجیل رکھی گئیں اور انھیں ہلایا گیا، جو نیچے گر گئیں وہ ناقابل اعتماد اور جو چار اوپر رہیں وہ قابل اعتماد ٹھہریں، جن کے نام یہ ہیں: ① لوقا۔ ② یوحنا۔ ③ متی۔ ④ مرقس۔

دنیا میں دین داری اور ہدایت کا معاملہ اتنا بگڑ چکا تھا کہ ﴿ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ کی کیفیت تھی۔ اللہ تعالیٰ کو انسانوں پر رحم آیا اور زمین والوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اپنے آخری نبی ﷺ اور آخری کتاب نازل فرمائی:

> ﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ [الجمعة: ٢]
>
> ”وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔“

اللہ آپ ﷺ پر ہزاروں درود وسلام بھیجے۔ آپ ﷺ نے ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں کو نہ صرف کفر کے اندھیروں سے نکالا بلکہ ان کو باقی ساری دنیا کے لوگوں کے لیے آسمانی ہدایت کا مبلغ بنا دیا، جو قرآن اور سنتِ رسول کی صورت میں تھی۔ یہ پاکباز نفوس آپ ﷺ کے مشن (یعنی دعوت و جہاد) کو لے کر دنیا میں پھیل گئے، شرق وغرب ان کے سامنے سمٹ گئے۔

اس وقت جن کی مذہبی اجارہ داریاں ختم ہوگئی تھی انھوں نے پہلے پہل تو میدانوں میں مقابلے کی کوشش کی کہ وہ اس نور ہدایت کو ختم کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں انھیں ناکام کر دیا۔ پھر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں آپ کی نرم دلی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے پَر پُرزے نکالنے شروع کیے، ان کا سرغنہ ایک یہودی عالم عبداللہ بن سبا بنا۔ اس نے اطرافِ عالم سے اپنے اردگرد خناس لوگوں کو جمع کیا اور منصوبہ یہ بنایا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ میدانوں میں جنگ کر کے غالب نہیں آسکتے لہٰذا مسلمان بن کر ان میں اختلاف ڈالا جائے، ان کے عقائد کو بگاڑا جائے۔ ان کی اس شیطانی کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے ایک نئے

فرقے کی بنیاد ڈال کر مسلمانوں کو یہ راستہ بھی دکھا دیا۔ پھر بعض مفاد پرست یا دنیاوی حصول کے خواہش مند علماء نے اس راستے کو اپنا کر قرآن و سنت سے انحراف کیا اور بدعات کا دروازہ کھول دیا، جو آگے چل کر اسلام کے اندر تفرقہ بازی کا سبب بنا۔

ان حالات میں اس امت کے مخلص لوگ جو کتاب و سنت کے امین تھے، وہ ان دونوں ہتھیاروں (قرآن و سنت) سے مسلح ہو کر میدان میں اترے اور ہر کذاب، مفسد اور بدعتی کا تعاقب کیا۔ اس کام میں کتنی مصیبتوں کو سہنا پڑا کسی نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اس دین حنیف ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ کے لیے اپنے مال کی قربانی دینی پڑی، اپنے گھر یا شہر یا ملک سے ہجرت کرنی پڑی بلکہ جان بھی لٹانی پڑی تو اس سے بھی دریغ نہ کیا۔ الحمد للہ آج یہ دین دوسرے تمام ادیان کے مقابلے میں محفوظ ہے تو اس کا سبب صرف اور صرف محدثین کی وہ جماعت ہے جو صحابہ کرام ﷡ سے شروع ہوتی ہے اور آج تک بلکہ قیامت تک ان کا وجود دنیا کے لیے ایک نعمت خداوندی ہے۔

یہ نگارشات بھی اسی تحریک کا حصہ ہیں جو اہل بدعت کے خلاف صحابہ کرام اور محدثین عظام نے شروع کی تھی۔ اس میں اس تحریک کے مد و جزر کا تذکرہ ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی جن کا اسم گرامی شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی ﷫ ہے۔ آپ کی ساری زندگی کی تگ و دو قرآن و حدیث کے تحفظ، باطل فرقوں کے قرآن و حدیث پر اعتراضات کا جواب، لوگوں کو راہ حق کی دعوت اور داعیانِ کتاب و سنت کو ایک لڑی میں پرو کر ایک جماعت کی صورت میں اہل باطل کے خلاف کھڑے کرنا تا کہ وہ اجتماعی طور پر دعوت حق کے لیے کوشش کر سکیں۔ اس کام میں وہ جنون کی حد کو بھی پھلانگ گئے تھے۔

اس کا سبب مجھے جو سمجھ آتا ہے وہ یہ کہ ان کے والد محترم مولانا ابراہیم ﷫ کو دینِ حق قبول کرنے کی وجہ سے بڑی تکلیفوں سے گزرنا پڑا، ان مصیبتوں نے انھیں

کندن بنا دیا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے وہ تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔

مولانا رحمہ اللہ کے دادا کا نام حکیم عبداللہ تھا، ان کے دو بیٹے تھے: ایک ابراہیم اور دوسرا احمد دین۔ یہ دونوں ابھی چھوٹے تھے کہ باپ فوت ہو گیا، اس وقت یہ لوگ پیر پرستی کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ باپ کی وفات اور دونوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے تنگ دستی آ گئی۔ اسی اثناء میں عقیدت کے نام پر سالانہ بھتہ لینے کے لیے پیر صاحب گاؤں آ وارد ہوئے۔ اصول یہ تھا کہ گاؤں کا ہر گھرانہ ایک روپیہ بھتہ دیتا۔ اب بیچاروں کا باپ فوت ہو چکا تھا، دوسرا اس وقت کوئی معاش کا ذریعہ بھی نہ تھا، بہت کوشش کے بعد نصف روپیہ یعنی آٹھ آنے اکٹھے کر سکے۔ جب مولانا سلفی رحمہ اللہ کے والد ابراہیم نے یہ کل پونجی پیر صاحب کو دی تو وہ کم پیسے دیکھ کر غضب میں آ گیا اور اس یتیم کو تھپڑ دے مارا۔ اس پر اللہ کو ترس آ گیا کیونکہ وہ اس یتیم کی ہدایت کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس بچے، جس کی عمر اس وقت بمشکل پندرہ برس یا اس سے زیادہ ہوگی، نے بھی جواباً پیر کو تھپڑ مار دیا۔ جس کے نتیجے میں سارا گاؤں غضب ناک ہو گیا اور اس بیچارے کو گاؤں سے نکال دیا گیا۔

گاؤں کے لوگوں نے اس خاندان کا بائیکاٹ کر دیا، اعلان ہوا کہ کوئی ان کی زمین کاشت نہیں کر سکتا۔ مولانا سلفی رحمہ اللہ کے والد نامعلوم کس طرح لاہور پہنچ گئے، چونکہ وہ کتابت کا ہنر جانتے تھے اس لیے مزدوری کے لیے ایک پریس پر درخواست دی اور اپنی آپ بیتی سنائی۔ اللہ کی شان کہ پریس کا مالک ایک خدا ترس اور موحد انسان تھا۔ اس نے پوچھا کہ تم کیا مزدوری کر سکتے ہو؟ انھوں نے کہا میں کتابت جانتا ہوں، جب اس نے امتحان لیا تو وہ بڑا حیران ہوا کیونکہ آپ کے ہاتھ میں بڑی صفائی تھی۔ اتفاقاً پریس کا مالک بھی ان دنوں کسی کاتب کا متلاشی تھا، کیونکہ اس کے پاس تحفۃ الاحوذی کی کتابت کا کام تھا۔ چنانچہ یہ ذمہ داری انھیں سونپ دی گئی۔ تقریباً اڑھائی مہینوں میں یہ

کام مکمل ہوا۔ ان کو جو اجرت ملی وہ پچیس روپے تھی جو آج کے ہزاروں کے برابر تھی۔

جب پریس کے مالک سے اجازت لے کر گھر جانے لگے تو پوچھا میں کیا کروں؟ انھوں نے مشورہ دیا کیونکہ تمھارا گاؤں وزیر آباد کے قریب ہے، آپ محدث العصر حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ کے پاس چلے جائیں وہ آپ کی راہنمائی کریں گے۔ جب آپ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں گئے تو انھوں نے بڑی شفقت کا اظہار فرمایا۔ مولانا ابراہیم ان کے پاس آ کر دینی راہنمائی لیتے رہتے، وقت گزرتا گیا۔ پھر ان کی شادی ہوگئی لیکن کئی سال اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔ ایک دن اپنے استاذ حافظ عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ سے عرض کی کہ میرے لیے اللہ سے دعا کریں، اللہ مجھے بیٹا عطا فرمائے، میں اس کو دین کے لیے وقف کر دوں گا۔

حضرت حافظ صاحب نے بڑی رقت کے ساتھ دعا کی جسے اللہ نے شرفِ قبولیت بخشا اور ایک بیٹا عطا کیا۔ مولانا ابراہیم گاؤں سے اپنے استاد محترم کو خوشخبری دینے آئے اور پوچھا کہ بچے کا نام کیا رکھوں؟ شیخ رحمہ اللہ نے بے ساختہ کہا: بھئی ابراہیم کا بیٹا اسماعیل! پھر مولانا ابراہیم نے اس بچے کی تربیت اپنے استاد کی راہنمائی میں کتاب وسنت سے ہی کی۔ انھوں نے جب شعور کی آنکھ سے دنیا کو دیکھا تو ان کے کانوں نے ایک ہی ترانہ سنا: قال اللہ و قال الرسول ﷺ۔

مولانا ابراہیم نے جو نذر مانی اسے پورا کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں اس بچے محمد اسماعیل پر خرچ کر دیں، کیونکہ یہ ایک ہی بچہ ان کی کل کائنات تھا، جسے وہ دین محمد ﷺ کی سربلندی کے لیے وقف کر چکے تھے۔ اور سونے پہ سہاگہ کہ الشیخ الکبیر حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ نے اسے اتنا علمی رسوخ دیا کہ علم، تقویٰ، عبادت اور دعوت ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گئی۔ جب ان کے استاد مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ ۱۹۲۱ء میں گوجرانوالہ میں ان کی ذمہ داری لگا کر گئے تو اس وقت گوجرانوالہ میں

معدودے اہل حدیث تھے۔ آپ نے اللہ کی توفیق سے دعوت کا آغاز کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ جب ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت گوجرانوالہ میں ۷۰ مساجد اہل حدیث تھیں، آپ کے جنازے میں ایک لاکھ سے زیادہ انسان تھے۔ میری یہ خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا پوتا ہونے کا شرف بخشا۔ ان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ اللہ نے ہماری چوتھی پشت کو اپنے دین کی خدمت کا موقع دیا ہے۔

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ﴾

[النمل: ۱۹]

میں انتہائی ممنون ہوں فضیلۃ الشیخ حافظ شاہد محمود ﷾ کا کہ جو کام ہمیں کرنا چاہیے تھا اس میں وہ سبقت لے گئے۔ انھوں نے مختلف رسائل و جرائد میں بکھرے ہوئے ان کے علمی مضامین، مقالہ جات اور نادر تحریریں عمدہ طریقے سے یکجا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہماری طرف سے جزائے خیر سے نوازے اور ان کے علم و عمل میں برکت عنایت فرمائے۔

والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

دعاؤں کا طالب

اسعد بن حکیم محمود بن شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

خطیب جامع مسجد مکرم اہل حدیث

ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

مقدمۃ التحقیق

یہ وعدۂ الٰہی ہے کہ ہر دور میں ایک حق پرست جماعت نصرتِ خداوندی کی بدولت غالب ومنصور ہوگی جسے ہر نوع کی مخالفت کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گی۔ ائمہ محدثین کی تعبیر کے مطابق اس طائفہ منصورہ سے مراد اہلحدیث کا گروہ ہے جو ہر آلائش سے پاک خالصتاً اسی جادۂ مستقیم پر گامزن ہے جس کی بنیاد کاملاً وحی الٰہی پر استوار ہے۔ اس جماعت حقہ کا یہی وہ امتیازی وصف ہے جو ایک طرف اگر اپنوں کے لیے باعثِ فخر اور قابلِ رشک ہے تو دوسری طرف مخالفین کی ہمہ قسم کی یورش اور طعنہ زنی کا بھی یہی بنیادی سبب ہے۔

اسلامی تاریخ کی ابتدا سے لے کر آج تک رونما ہونے والے مختلف فرق وفتن کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو ایک صاحبِ بصیرت شخص بآسانی پہچان لے گا کہ ہر زمانے میں پیدا ہونے والے اعتقادی ونظریاتی تصادم اور مختلف عقائد وافکار کی باہمی آویزش میں اہلحدیث ہی کا ایک گروہ ہے جو کبھی راہِ مستقیم سے نہ ہٹا بلکہ دوسروں کے لیے بھی وہی مینارۂ نور ثابت ہوا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خوارج، روافض، نواصب، جہمیہ، معتزلہ، اور مرجیہ جیسے گمراہ فرقوں کے پیروکار سلفِ امت صحابہ کرام کی متعین کردہ فکر سے انحراف کرتے گئے اور جس فرقے میں جتنا زیادہ فکری انحراف واعراض پھیلتا چلا گیا وہ اتنا ہی راہِ حق سے دور ہوتا چلا گیا۔ یہ سعادت صرف اُسی ایک پاکباز گروہ کا مقدر ٹھہری کہ جب بھی فتنوں کی تیز وتند آندھی چلی تو انھوں نے اس پگڈنڈی پر اپنا سفر جاری رکھا جس پر چل کر ان کے اسلاف جنت کی راہ سدھار گئے تھے۔ اس استقامت

کی بدولت نہ صرف وہ خود ہدایت یافتہ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اسی روشن شاہراہ کی طرف بلاتے رہے، جو دنیوی واخروی سرفرازی کے ہر خواہشمند کا مقدر تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

دعوت وارشاد کے مختلف مراحل میں اس مقدس طائفہ کو ہمہ نوع کی تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا جسے وہ خندہ پیشانی سے جھیلتے گئے۔ مثالب ومطاعن کا شاید ہی کوئی تیر ہو جس کا یہ لوگ نشانہ نہ بنے ہوں لیکن اپنے مقصد کی لگن اور منہج کی عظمت کی خاطر وہ ہر وار سہتے رہے لیکن انھوں نے اپنے مشن پر کبھی مداہنت کا مظاہرہ نہیں کیا۔

برصغیر کی مذہبی تاریخ سے معمولی درک رکھنے والا ہر شخص بخوبی آگاہ ہے کہ منہجِ سلف کی طرف دعوت وتبلیغ اور توحید وسنت کی نشر واشاعت میں ہمارے ائمہ ہدیٰ اور وارثانِ علوم نبوت کو کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسی کون سی مشقِ ستم ہوگی جس کا یہ غرباء نشانہ نہ بنے ہوں لیکن یہ آزمائش بھی اس دعوت کا راستہ روک نہ سکی بلکہ یہی ستم ظریفیاں دعوت کے ارتقا اور نشو ونما کا سبب بن گئیں۔

برصغیر کے ظلمت کدے میں دعوتِ توحید اور سلفی منہج وفکر کے احیاء کے لیے ائمہ اہلحدیث کی طرف سے جس جانفشانی کا مظاہرہ کیا گیا، بلاشبہ وہ قرون اولیٰ کی قرین و سہیم تھی کہ جس کی بدولت نہ جانے کتنے نفوس راہِ حق سے شناسا ہوئے۔ تقبل الله جهودهم وشكر مساعيهم وحشرنا في زمرتهم.

دعوتی جہود ومساعی کے ضمن میں علماءِ اہلحدیث کی دوررس نگاہیں تمام اسالیبِ دعوت پر مرتکز رہیں اور انھوں نے ہر باب میں اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے انجام دیں۔

✿ وعظ وتبلیغ کے ذریعے عوام الناس کی ذہنی سطح کے مطابق دعوتی دروس اور مجالسِ وعظ کے ذریعے وسیع پیمانے پر توحید وسنت کی اشاعت کا انتظام کیا گیا اور ملک کے طول وعرض میں اس مقصد کی خاطر ایک طرف اگر اجتماعی پروگراموں کا جال بچھا ہوا تھا تو دوسری جانب انفرادی دعوت کی ذمہ داریوں کو بھی نظر انداز نہ کیا

گیا، اور دعوت و تبلیغ کے ضمن میں داعیانِ حق کے ذاتی کردار اور شخصی اخلاق نے حیران کن نتائج پیدا کیے۔

- تصنیف و تالیف اور صحافت کے میدان میں ائمہ اہلحدیث نے ایسا گراں قدر ورثہ چھوڑا ہے کہ ایک عالم تا ابدان کی مساعی جمیلہ کا ممنون رہے گا۔
- مدارس و جامعات کے ذریعے تدریسی خدمات اور تعلیمی اصلاحات کی ایسی روشن مثالیں قائم کی جنھیں مخالف و موافق ہر ایک نے سراہا اور اپنے معاہد و جامعات کے مناہج میں ان سے استفادہ کیا۔
- مناظرات و مباحثات میں بھی علمائے اہلحدیث نے ایسی بے مثال خدمات انجام دیں کہ اپنے تو ایک طرف مخالفین بھی بوقتِ ضرورت ہمارے علما ہی کو آواز دیا کرتے تھے۔
- نصرتِ حق کی خاطر مختلف فرق و احزاب کی تردید میں علماءِ اہلحدیث نے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا اور ہر مخالف نظریے اور فتنے کی خوب خبر لی۔

علاوہ ازیں اس دور میں کتاب و حکمت کی نشر و اشاعت اور توحید و سنت کی دعوت میں جتنے طرق و وسائل مہیا تھے سب سے استفادہ کیا گیا اور انھیں خلقِ خدا کی ہدایت و راہنمائی کے لیے بروئے کار لایا گیا۔

انھیں جہود مبارکہ اور مساعی جمیلہ کے نتیجے میں ایسے ایسے رجالِ کار پیدا ہوئے جنھوں نے ساری زندگی اسی مقدس فریضے کی خاطر تگ و دو کی اور اسی گلشن کی آبیاری میں اپنی عمریں کھپا دیں۔

حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ بھی اسی قافلہ دعوت و ارشاد کے رکن رکین بلکہ اپنے عہد میں اس کے قائد و سرخیل تھے، جن کی ساری توانائیوں کا محور و مرکز ہی اس موروثہ دبستان کی نگہبانی تھا جو انھیں اپنے اسلاف سے ورثے میں ملا۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی خدماتِ جلیلہ پر طائرانہ نظر ڈالتے ہی

سے عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کس طرح تنہا ایک شخص ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے کہ ایک مسجد و مدرسہ کے نظم و اہتمام سے لے کر ملی و قومی مسائل تک اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتا اور مقدور بھر انھیں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت سلفی رحمہ اللہ ایک مقام پر خود فرماتے ہیں:

> ”میری مشغولیتوں کا یہ حال ہے کہ مدرسہ کی تدریس اور اہتمام دونوں میرے متعلق ہیں، مقامی جماعت میں بھی کافی حد تک دخل دینا پڑھتا ہے، شہری اور مقامی حوادثات سے بالکل بے تعلق رہنے کی عادت نہیں، سیاسیات سے بھی تھوڑا بہت تعلق رکھنا ضروری سمجھتا ہوں، اپنی ذاتی مشغولیتیں اس کے علاوہ ہیں، قوت قدسی کا بھی دعویٰ بالکل نہیں....“
>
> (نگارشات، ص: ۵۵۹)

غرض انھوں نے حسبِ استطاعت ہر ذمہ داری کو باحسن طریق نبھایا اور اپنی تدریسی، تحریری اور مسلکی مساعی کے ذریعے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

تحریری خدمات:

حضرت سلفی رحمہ اللہ کثرتِ مشاغل کے سبب بہت تھوڑا لکھ سکے لیکن جتنا لکھا وہ ہزاروں صفحات پر بھاری اور اتنا زود اثر تھا کہ ہر قدر شناس نگاہ نے اس کا خیر مقدم کیا اور ان کی تحریرات کو سلفی منہج و فکر کے احیاء اور مسلکی و جماعتی بیداری کے لیے نعمت غیر مترقبہ قرار دیا۔

محدث العصر مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ”حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کے مقالے حجیت حدیث کے متعلق بالکل جدید اور نرالے ہیں، شاید اس سے پہلے یہ طرزِ استدلال اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ خوب لکھا ہے۔ متع الله المسلمين بطول حياته ونفعهم

بعلومه ومعارفه إلى يوم القيامة " (ہفت روزہ الاعتصام لاہور، یکم دسمبر، ۱۹۵۰ء)

حضرت سلفی رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں ہفت روزہ الاعتصام لاہور کا ایک قاری مدیر الاعتصام کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتا ہے:

”مقامِ مسرت ہے کہ آپ کا اخبار ہفت روزوں میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ الاعتصام کی تقریباً چار مہینوں کی کاپیاں زیرِ نظر ہیں، ان کا ہر مضمون بغور پڑھا، دیگر مضامین کے علاوہ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے مضامین نہایت اہم اور قیمتی ہیں۔

”مولانا صاحب کا مضمون ”تحریک اہلحدیث کا مد و جزر“ اپنی عمدگی اور جامعیت کے لحاظ سے بہت ہی اہم ہے لیکن افسوس کہ مولانا صاحب نے باوجود مطالبوں کے اسے آگے نہ بڑھایا۔ مولانا صاحب کا مضمون اس قابل ہے کہ اسے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا جائے۔ کچھ دیر بعد ہی اعلان ہوا کہ مولانا صاحب کی وہ تقریر جو انھوں نے جامعہ سلفیہ کانفرنس میں کی تھی، مزید اضافہ کے ساتھ الاعتصام میں قسط وار شائع ہوگی جو چار پانچ قسطوں میں ختم ہو جائے گی۔

”اس وقت تک (احکام شریعت میں حدیث کا مقام) اس کی دس قسطیں آچکی ہیں اور ہم (قارئین) کو مزید تشنگی محسوس ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اس کو مزید جاری رکھتے ہوئے ہر پہلو کی اچھی طرح وضاحت کر دینی چاہیے اور اس کے ختم ہونے کے بعد اس کو بھی چھپوا کر عوام الناس میں تقسیم کیا جائے۔“ (الاعتصام، لاہور، ص: ۱۱، ۲۵ مئی، ۱۹۶۴ء)

گزشتہ سال جب حجیتِ حدیث اور دفاعِ سنت کے متعلقہ حضرت سلفی رحمہ اللہ کے مضامین کا مجموعہ ”مقالاتِ حدیث“ کے نام سے شائع کیا گیا تو کراچی سے ایک بھائی

محمد ثاقب صاحب نے کتاب پڑھنے کے بعد ہمیں ایک خط لکھا جس سے ہمارے حوصلے بھی دو چند ہو گئے اور ہمیں یک گونہ توانائی حاصل ہوئی۔

وہ بھائی اپنے خط میں لکھتے ہیں:

> ”ابھی میں مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی کتاب ”مقالاتِ حدیث“ پڑھ کر فارغ ہوا ہوں۔ یقین کریں میں نے جس دلچسپی سے اس کتاب کو پڑھا ہے شاید ہی کسی کتاب کو پڑھا ہو، اور اس کتاب کے بعد مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کا جو مقام میرے سامنے آیا ہے اس کے بعد مجھے اپنے اہلحدیث ہونے پر جو فخر تھا اس میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور جو محنت انھوں نے اس باطل فرقے (منکرین حدیث) کے رد میں کی ہے اُسے قبول کرے۔ میری دلی خواہش ہے کہ اس کتاب کا انگلش میں ترجمہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دین اور قرآن و حدیث کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ میں اس کتاب کے بارے میں خاص طور پر اس لیے یہ کہہ رہا ہوں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ منکرینِ حدیث کا زیادہ ٹارگٹ ہماری اشرافیہ ہے، اور ساتھ ہی پڑھے لکھے اذہان کو یہ لوگ زیادہ اپیل کرتے ہیں، اس لیے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ دعوتی نقطۂ نظر سے انتہائی مفید رہے گا۔“

حضرت سلفی رحمہ اللہ نے جس موضوع پر بھی لکھا اس میں علمی رسوخ، منہجِ سلف کی پاسداری، ادبی کمال، طعن و تشنیع سے احتراز، ذاتیات پر کیچڑ اچھالنے سے گریز اور مخالفین کی قدر و منزلت ملحوظ رکھی اور اپنی بات کو خوش کن اسلوب و تعبیر سے بیان کر دیا۔

ایک اندوہناک حقیقت:

چاہیے تو یہ تھا کہ ایسا علمی ذخیرہ اور مسلکی ورثہ حرزِ جان بنایا جاتا، جماعتی و تنظیمی سطح پر اس کی اشاعت کا انتظام ہوتا، جماعتِ اہلحدیث کے ذمہ داران اور کارکنان

اسے اپنے جماعتی نصاب کا حصہ بناتے، ہر اہلحدیث فرد قیمتی متاع کے مانند اس کی حفاظت کرتا اور اسے غور وخوض سے پڑھتا تاکہ جماعتی شعور اور مسلکی بیداری کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ممکن ہوتا لیکن اس سب کے عکس ان انمول موتیوں کو دیگر مہمات کی طرح غفلت کے دبیز پردوں نے ڈھانپ لیا اور ہمارے افراد و جماعت، خصوصاً جس جماعت کی حضرت سلفی ﷫ نے اپنے خونِ جگر سے آبیاری کی، نے اس فریضے سے پہلو تہی کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھا۔ اگرچہ بعض حضرات کی انفرادی کاوشوں سے کچھ حصہ دستِ برد زمانہ سے بچ گیا لیکن ان لآلی منثورہ اور درر مکنونہ کے شایانِ شان ان کی اشاعت کا قابلِ قدر اہتمام نہ ہوا۔

جماعتی لٹریچر کی ضرورت واہمیت:

حضرت سلفی ﷫ اپنے کثیر مشاغل اور بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ مسلکی و جماعتی شعور کے احیا کے لیے مفید علمی لٹریچر کی کتنی اہمیت ہے۔ چنانچہ عموماً وہ اپنے دروس وخطابات اور مضامین وتحریرات میں جماعتی لٹریچر کی اشاعت پر زور دیتے اور ہمہ وقت اس کی طباعت کی فکر ان کے دامن گیر رہتی۔ چنانچہ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کی سالانہ کانفرنس کے موقع پر اپنے خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں:

> ”بحث اور مناظرات کا دور گزر چکا۔ اب اس کی افادی حیثیت مشتبہ ہے، آپ اب سنجیدہ اور مدلل لٹریچر شائع فرمائیے جسے لوگ گھروں میں بیٹھ کر سکون سے پڑھیں۔ وہ دلوں پر اثر کرے۔ مفید لٹریچر بڑی مؤثر قوت ہے، آپ اس سے دماغوں میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں، اذہان کو درست کر سکتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا عبدالستار فیروز وٹواں کی تصانیف نے ہزاروں افراد کے عقیدے درست کر دیے۔

نواب صاحب رحمہ اللہ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ ان میں بعض کتابیں ضخامت کے لحاظ سے کئی کئی جلدوں میں شائع ہوئی ہیں۔ فتح البیان، ترجمان القرآن، دلیل الطالب الی ارجح المطالب، الحطہ، منہج الوصول وغیرہ بڑی قیمتی کتابیں ہیں، جن سے اسلام کو بے حد فائدہ پہنچا۔ آج ہم ان جواہر پاروں کی اشاعت سے معذور ہیں۔ بعض غیر مفید کتابیں ملک میں شائع ہورہی ہیں مگر ان جواہر پاروں سے اغماض کیا جارہا ہے۔

”مسلک کی صحیح ترجمانی کے لحاظ سے معیار الحق مؤلفہ حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب، الارشاد مولانا ابو یحییٰ شاہجہانپوری اور حسن البیان مؤلفہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کی اشاعت وقت کا تقاضا ہے۔ عون المعبود عرصہ سے ناپید ہے، اس بے نظیر شرح کی اشاعت اس وقت جماعت پر قرض ہے۔ تحفۃ الاحوذی کی اشاعت مصر میں ہورہی ہے مگر عون المعبود کی سعادت معلوم نہیں کس صاحبِ دل بزرگ کو حاصل ہوتی ہے؟ ان کتابوں کی اشاعت جماعت کی طرف سے کاروباری انداز سے ہونی چاہیے تاکہ محفوظ رہے۔ مفت کی چیزیں عموماً ضائع ہوجاتی ہیں۔

”نواب صدیق حسن خاں کے بعد جلالۃ الملک عبدالعزیز بن سعود رحمہ اللہ کا موقف دینی کتابوں کی اشاعت میں صد ہزار تحسین کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رحمت سے بھرے، ان کی اولاد بھی مرحوم والد کی طرح دینی کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں مبارکباد کی مستحق ہے مگر جماعتِ اہلحدیث کا اس معاملہ میں عرصہ سے سکوت بلکہ بے توجہی قابل شکایت ہے۔

”چند مکاتب اپنی بساط کے مطابق کام کر رہے ہیں، ان کا کام قابل تعریف ہے اور ذاتی ہونے کے ساتھ ضرورت کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ ضرورت ہے کہ اہل علم اور دانش مند حضرات مل کر اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔“

ان معروضات کو ذکر کرنے کا مقصود اپنے اکابر، خصوصاً جن احباب کے ہاتھ میں جماعت کی زمامِ کار ہے، کی خدمت میں یہ گوش گزار کرنا ہے کہ کیا انھوں نے بھی اس جانب اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا اور اس کے لیے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے؟

نگارشات:

زیر نظر مجموعہ میں حضرت سلفی رحمہ اللہ کی تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ منتشر تحریرات جمع کی گئی ہیں، جس میں ان کے تحریر فرمودہ کتب و رسائل، مضامین و مقالات، فتاویٰ، مکاتیب، مقدمات اور تعلیقات وحواشی شامل ہیں۔

قبل ازیں ہم حضرت سلفی رحمہ اللہ کے حجیتِ حدیث اور دفاعِ سنت کے متعلقہ مضامین کو ”مقالاتِ حدیث“ کے نام سے شائع کر چکے ہیں جو ان کے تیرہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا مجموعہ میں ”حجیتِ حدیث“ کے نام سے مطبوع کتاب کے چار مقالات شامل نہیں ہیں۔ ارادہ ہے کہ ”مقالاتِ حدیث“ کے آئندہ ایڈیشن میں حجیتِ حدیث کے متعلقہ تمام سترہ مقالات یکجا شائع کیے جائیں۔ ان شاء اللہ العزیز

زیر نظر مجموعہ ”نگارشات“ حصہ اول میں حضرت سلفی رحمہ اللہ کے تحریکِ اہلحدیث کے تجزیہ وتعارف اور مسلکِ اہلحدیث کے متعلقہ شکوک وشبہات کے ازالے کے تناظر میں لکھے گئے مضامین و مقالات شامل ہیں، اور آخر میں اسی موضوع سے متعلقہ ان کے بعض خطباتِ صدارت و استقبالیہ اور رپورٹس بھی شاملِ کتاب ہیں۔

ان مضامین میں جماعتِ اہلحدیث کی تاریخی خدمات کا بخوبی تجزیہ و تعارف کرایا گیا ہے اور مختلف حوادث و واقعات کے تناظر میں اس طائفہ منصورہ کی کثیر الجہت جہود و مساعی کو نمایاں کیا گیا ہے۔

- بالخصوص برصغیر کے ظلمت کدہ میں اس جماعت کی مثالی اور روشن مساعی کو خوب اجاگر کیا گیا ہے۔

- ان مقالات میں سلفی فکر اور منہجِ اہلحدیث کو نہایت ہی دلنشین اسلوب میں متعارف کروایا گیا ہے۔
- تاریخی واقعات کے حوالے سے ائمہ حدیث پر ڈھائے جانے والے مظالم اور توحید و سنت کی اشاعت کی راہ میں پیش آمدہ مصائب و تکالیف کا بالتفصیل تذکرہ زیرِ نظر مجموعہ میں نظر آتا ہے، جس میں داعیانِ حق کے لیے گراں قدر نصائح کا سامان ہے۔
- مختلف فرق اور مذاہب کی جانب سے اس مقدس گروہ پر لگائے جانے والے اتہامات و الزامات اور ان کی حقیقت کی خوب نقاب کشائی کی گئی ہے۔
- مسلکِ اہلحدیث کے روشن پہلو اور امتیازی اوصاف کی بخوبی تفصیل بیان کی گئی ہے اور دوسرے فرقوں بالخصوص اہل الرائے کے منہج میں موجود عیوب و نقائص کی خوب وضاحت کی گئی ہے۔
- برصغیر میں تحریک مجاہدین کی لازوال خدمات، آزادیٔ وطن کے لیے علمائے اہلحدیث کی جہود و مساعی اور ملکی مسائل اور ملی معاملات میں حاملینِ مسلکِ اہلحدیث کی کوششوں کو کا تذکرہ اس کتاب کی زینت ہے۔
- مختلف تقلید پسند گروہوں کی جانب سے مسلکِ حق پر عائد اعتراضات و الزامات کی خوب خبر لی ہے لیکن کہیں بھی احترام و وقار کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پایا۔
- ان مقالات میں حاملینِ مسلک اہلحدیث کے لیے بے بہا نصائح و توجیہات شامل ہیں، جن میں انفرادی و جماعتی ذمہ داریاں، جماعتی ذمہ داران کے فرائض، موجودہ دور میں مسلک کی ترقی اور نشو ونما کے لیے مفید ہدایات جیسے مباحث پڑھنے کو ملتے ہیں۔

نگارشات (حصہ اول) میں شامل مضامین:

اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل، چالیس (۴۰) نگارشات شامل ہیں:

① النهضة السلفية في الهند والباكستان:

اس مضمون میں برصغیر پاک و ہند میں مسلک اہل حدیث کے مختلف مراحل اور مختصر تاریخ کا تذکرہ ہے۔

یہ مضمون در اصل پہلی بار حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی کتاب "تنویر العینین في إثبات رفع الیدین" کے آغاز میں بطور مقدمہ جنوری ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ کتاب مرکزی جمعیت اہلحدیث کے نشریاتی ادارہ اشاعة السنة لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی۔ بعد ازاں ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۲/فروری ۱۹۷۴ء) میں بھی یہ مضمون چھپا اور ایک بار کتابی شکل میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی طرف سے چوبیس (۲۴) صفحات پر ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔

یہ مضمون عربی زبان میں لکھا گیا تھا جسے اردو ترجمہ کے ساتھ شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ اس کتابچہ کا اردو ترجمہ برادرِ عزیز پروفیسر حافظ عبدالجبار حفظہ اللہ کا تحریر کردہ ہے۔

② ایک مقدس تحریک جو مظالم کا تختۂ مشق بنی رہی:

اس مضمون میں تقلید و جمود کے مختلف اثرات، مسلکِ اہلحدیث کے خلاف اہل الرائے کی ریشہ دوانیاں، تاریخ اہلحدیث کے بعض ادوار کا تذکرہ اور تقلید و ظاہریت کے درمیان اہلحدیث کے امتیازی مقام پر بحث کی گئی ہے۔

یہ مضمون پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (یکم جولائی ۱۹۶۶ء، جلد: ۱۷، شمارہ: ۴۸ تا ۲/ستمبر ۱۹۶۶ء جلد: ۱۸، شمارہ: ۲۵) میں نو اقساط میں شائع ہوا، اور بعد ازاں "تحریکِ آزادیٔ فکر" میں طباعت پذیر ہوا۔

③ تحریک اہلحدیث کا تاریخی موقف اور اس کی خدمات:

اس مضمون میں تحریک اہلحدیث کے مقاصد، دیگر فرقوں کے مناہج میں مخفی

نقائص، ائمہ حدیث کی خدماتِ جلیلہ اور برصغیر میں علمائے اہلحدیث کی مساعی جمیلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (١٩، اگست، ١٩٤٩ھ) کے پہلے شمارے میں حضرت سلفی رحمہ اللہ کا پہلا مضمون تھا جو شائع ہوا۔ پھر اس کے بعد بھی ہفت روزہ الاعتصام کے مختلف شماروں (١٢، اکتوبر ١٩٥٦، ٢٠ اکتوبر ١٩٦١ء) میں یہ مضمون شائع ہوتا رہا اور بعد ازاں ''تحریک آزادیٔ فکر'' میں بھی یہ مضمون اشاعت پذیر ہوا۔

④ جماعت کے ماضی اور حال پر ایک نظر اور مستقبل کے لیے ایک لمحہ فکریہ کی ضرورت:

یہ مضمون ایک ہی بار ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث روپڑ (یکم دسمبر ١٩٣٢ء) میں شائع ہوا۔

⑤ تحریک اہلحدیث کے تین دور:

یہ مضمون بھی ایک ہی بار تنظیم اہلحدیث روپڑ (١٥۔٢٢/جنوری ١٩٣٧ء) میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔

⑥ برصغیر پاک و ہند میں اہل توحید کی سرگرمیاں:

اس مضمون میں برصغیر کے خطہ میں شرک و بدعت کی مختصر روداد اور اس کے مقابلے میں خانوادۂ ولی اللہی کی جدوجہد کا تذکرہ ہے۔

یہ مضمون پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (١١۔ ١٨/ اکتوبر ١٩٦٣ء) میں دو قسطوں میں شائع ہوا اور بعد ازاں ''تحریک آزادیٔ فکر'' میں طبع ہوا۔

⑦ تحریکِ اہلحدیث کا مد و جزر:

اس مضمون میں مسلکِ اہلحدیث کی ابتدا، مختلف فرقوں کا رویہ، سلفی نقطۂ نظر کی نمایاں خوبیاں، اہل الرائے کی غلط تاویلات، قیاس و تفقہ کے نتیجے میں ان گروہوں

کے عیوب ونقائص اور اہلحدیث کے مضبوط موقف ونقطۂ نگاہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اس ضمن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی خدمات کا بالتفصیل تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ مضمون سب سے پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۴ نومبر ۱۹۶۱ء، جلد: ۱۳، شمارہ: ۱۷ تا ۹ فروری ۱۹۶۲ء جلد: ۱۳، شمارہ: ۲۸) میں بارہ اقساط میں شائع ہوا اور بعد میں حضرت سلفی رحمہ اللہ کے مجموعہ مضامین پر مشتمل کتاب ''تحریک آزادی فکر'' میں شائع ہوا۔ نیز یہ مضمون انڈیا سے (۸۸) صفحات پر کتابی شکل میں ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر ہندوستان کے بعض مدارسِ اہلحدیث نے اسے اپنے نصاب میں بھی شامل کیا۔

⑧ ہماری سرگزشت، آئندہ تبلیغی مساعی گزشتہ حوادث کی روشنی میں:

اس مضمون کے عنوان ہی سے اس کے مباحث کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ کس طرح تاریخ کے مختلف ادوار خصوصاً برصغیر میں اس جماعت کے خلاف مختلف حربے بروئے کار لائے گئے اور مسلک حق کے پیروکاروں کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں حتی کہ انھیں مساجد سے نکال باہر کیا گیا لیکن دعوت کی ہمہ گیری اور عقیدے کی صفائی و پاکیزگی کی بدولت یہ تحریک پروان چڑھتی گئی اور کوئی رکاوٹ اس کی راہ میں حائل نہ ہوسکی۔

یہ مضمون پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۴/ جون ۱۹۵۸ء تا ۱۴/ اگست ۱۹۵۹ء) میں چار اقساط میں شائع ہوا اور بعد ازاں ''فتاویٰ سلفیہ'' میں شائع کیا گیا۔

⑨ مسلک اہلحدیث اور تحریکات جدیدہ:

اس سلسلۂ مضامین کے تعارف میں فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ رقمطراز ہیں:

> ''زیر نظر رسالہ ان [مولانا سلفی رحمہ اللہ] کے ان مضامین پر مشتمل ہے جو انھوں نے نصف صدی پہلے ''مسلک اہلحدیث اور تحریکات جدیدہ'' کے

عنوان سے شیخ الاسلام فاتح قادیان امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ہفت روزہ ''اہلحدیث'' میں لکھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ان کی قدر افزائی فرمائی اور اس کی پہلی قسط بطور اداریہ شائع کی۔ ابتداءً یہ مضمون تین قسطوں پر مشتمل تھا جو اہلحدیث امرتسر (جلد: ۴۲ میں ۱۶۔۲۳۔۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ بمطابق ۲۔۹۔۱۶ / مارچ ۱۹۴۵ء) کو شائع ہوئے۔ موضوع کا عنوان ہی اپنے مندرجات کا پتہ دیتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''ایک اہلحدیث کو اہلحدیث جماعت میں رہ کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا چاہیے، جس کا میدان نہایت وسیع ہے، جدید وقتی تحریکات سے مل کر اپنی صلاحیتوں کو محدود کرنا کوئی مفید مشغلہ نہیں، اور نہ ہی یہ کوئی دانشمندانہ اقدام ہے۔ ان تحریکوں کے ساتھ ملنے سے انھیں کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں مگر اندیشہ یہ ہے کہ اہلحدیث فکر وعمل کو ضرور نقصان پہنچے گا، مداہنت پیدا ہوگی اور آہستہ آہستہ اپنا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔''

''ظاہر ہے کہ ان کی اس پکار پر ردعمل تو ہونا ہی تھا۔ چنانچہ کسی دوسری جماعت میں داخل ہو کر کام کرنے والے بعض اہلحدیث نوجوانوں کو یہ بات ناگوار گزری تو جماعت اسلامی کے چہار روزہ اخبار ''کوثر'' لاہور میں، جو مولانا ملک نصر اللہ خان عزیز رحمہ اللہ کی زیر ادارت نکلتا تھا، پہلے جناب حافظ محمد زکریا رحمہ اللہ نے ''مسلک اہلحدیث اور تحریکات جدیدہ پر ایک نظر'' کے عنوان پر ۲۵ مارچ ہی کی اشاعت میں اس کی تردید کی۔ حافظ صاحب موصوف نامور محدث حضرت مولانا نیک محمد رحمہ اللہ جانشین حضرت الامام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے فرزند تھے۔ مسجد قدس اہلحدیث امرتسر میں ان کا

> قیام تھا۔ پاکستان کے بعد راولپنڈی میں آ کر فوت ہوئے۔ اس کے بعد ماہ اپریل کی تین اشاعتوں میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ نے مولانا سلفی رحمہ اللہ کے مضمون پر تعاقب کیا۔ حکیم صاحب ویرووال سے لائل پور (فیصل آباد) میں تشریف لائے، جامعہ تعلیمات اسلامیہ، جامعہ طیبہ ان کی یادگار ہیں۔ جون ۱۹۹۶ء میں انھوں نے انتقال فرمایا۔ ان دونوں کا جواب الجواب حضرت مولا سلفی مرحوم نے اہلحدیث امرتسر میں دیا جو (۱۱۔۱۸۔۲۵/مئی اور یکم جون ۱۹۴۵ء) کی اشاعتوں میں شائع ہوا، اور اس بحث کا حق ادا کر دیا۔ وللہ درہ!
>
> ”اس سلسلہ مضامین کے کچھ عرصہ بعد اہلحدیث امرتسر ہی کی چار (۲۳۔۳۰/نومبر ۴۵ء اور ۷۔۱۴/دسمبر ۱۹۴۶ء) اشاعتوں میں ”مسلک اہلحدیث اور فریضہ اقامت دین، جدید تحریکات اور ہمارا موقف“ کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا جس میں مزید اپنے موقف کو منقح فرمایا۔ اور اس سلسلے کی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کی۔ مسلکی جماعتی زندگی میں حضرت سلفی مرحوم کی یہ نگارشات آج بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔“

پہلی بار یہ سلسلہ مضامین ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر میں شائع ہوا جس کی تفصیل مذکورہ بالا سطور میں بیان ہوئی ہے، اور دوسری بار یہ مضامین ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد کی جانب سے اکتوبر ۱۹۹۸ء میں سینتالیس (۴۷) صفحات پر کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

⑩ مسلکِ اہلحدیث کے بارے میں چند اہم سوالات اور ان کے جوابات:

۱۹۶۶ء میں جناب عبدالحق بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی نے حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی خدمت میں مسلکِ اہلحدیث کے منہج اور طرزِ فکر وعمل کے بارے

میں چودہ سوالات ارسال کیے جن کا حضرت سلفی رحمہ اللہ نے نہایت تسلی بخش جواب دیا۔

یہ سوالات و جوابات پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۳/ جون ۱۹۶۶ء) میں شائع ہوئے اور دوسری بار ''تحریک آزادیٔ فکر'' میں طبع ہوئے۔

⑪ اہلحدیث کی اقتداء:

آلِ بریلی کے آرگن ماہانہ رضوان لاہور (۲۸/ مارچ ۱۹۵۱ء) کے نماز نمبر میں بعض اختلافی مسائل کے تذکرے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ اہلحدیث حضرات کے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں، اور اس کے ساتھ ہی بعض مسائل کی غلط توجیہ اور چند قدیم اتہامات کا بھی اعادہ کیا گیا تو حضرت سلفی رحمہ اللہ نے ان الزامات کے جواب میں مذکورہ بالا عنوان سے یہ گراں قدر مقالہ لکھا جو ہفت روزہ الاعتصام لاہور (جلد: ۲، شمارہ: ۳۲ تا شمارہ: ۳۷) میں چھ اقساط میں شائع ہوا، اور بعد ازاں ''تحریک آزادیٔ فکر'' میں طبع ہوا۔

یہ مقالہ حضرت سلفی رحمہ اللہ کی فقہی مسائل میں ژرف نگاہی اور دقتِ نظر کی روشن دلیل ہے جس میں انھوں نے مخالفین کے شبہات و اتہامات کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے اور مسلکِ اہلحدیث کے موقف کی مضبوطی اور فریق مخالف کے منہج و استدلال کی کمزوریاں بھی خوب واشگاف کی ہیں۔

⑫ ترکِ تقلید اور اہلحدیث:

اس مضمون میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ترکِ تقلید اور اہلحدیث نیز اہلحدیث اور غیر مقلد میں ترادف نہیں اور شخص جو ایسا سمجھتا ہے وہ فقہی مذاہب اور جمود و تقلید کے تاریخی پس منظر سے نابلد ہے۔ مضمون کے آخر میں بعض ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے جنھیں غیر مقلد کہنا تو درست ہے لیکن وہ لوگ اہلحدیث کہلانے کے قطعاً حقدار نہیں۔

یہ مضمون پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۔۹۔۱۶؍ جولائی ۱۹۶۵ء) میں تین اقساط میں شائع ہوا اور بعدازاں "تحریک آزادیٔ فکر" میں طبع ہوا۔

⑬ تحریک جہاد میں علمائے اہلحدیث کا حصہ:

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۴ مئی ۱۹۵۷ء) میں شائع ہوا۔

⑭ اقامتِ دین اور آزادی کی پہلی انقلابی جدوجہد:

یہ مضمون ماہانہ المنبر فیصل آباد (۱۶؍ اگست ۱۹۶۰ء) کے "استقلال نمبر" میں شائع ہوا۔

⑮ جماعت اہلحدیث اور نوائے پاکستان کا ایک خط:

نوائے پاکستان (مورخہ یکم ستمبر ۱۹۵۷ء) میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب کا ایک خط شائع ہوا جس میں تحریکِ اہلحدیث کے متعلق بعض غلط فہمیوں کا تذکرہ تھا چنانچہ اس کے جواب میں حضرت سلفی رحمہ اللہ نے یہ مقالہ لکھا جو مجلّہ رحیق لاہور (اکتوبر ۱۹۵۷ء) میں شائع ہوا۔

⑯ تحریک مجاہدین اور مجلّۂ رضوان:

مجلّہ رضوان لاہور (مارچ ۱۹۵۸ء) میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں تحریک مجاہدین کے متعلق یہ باور کرایا گیا کہ وہ انگریزوں کے نہیں بلکہ سکھوں کے خلاف تھی اور اس کے علاوہ بھی بعض حقائق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی، چنانچہ ان غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے حضرت سلفی رحمہ اللہ نے مذکورہ مضمون لکھا جو ماہانہ مجلّہ رحیق لاہور (مئی ۱۹۵۸) میں شائع ہوا۔

⑰ مدیر رضوان اور عدالتی چیلنج:

مجلّہ رضوان لاہور (جون ۵۸ء) میں حضرت سلفی رحمہ اللہ کے سابق الذکر مقالہ

کے جواب الجواب میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں موضوع سے ہٹ کر کچھ نئے الزامات کا اعادہ تھا تو اس کے جواب میں حضرت سلفی رحمہ اللہ نے یہ مضمون لکھا جو مجلّہ رحیق لاہور (اگست وستمبر ۱۹۵۸ء) میں شائع ہوا۔

⑱ جماعت کی خدمت میں ضروری گزارشات:

اس مضمون میں جماعتی کارکنان اور اہلحدیث افراد کو ان کی مسلکی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور موجودہ حالات میں ان کے فرائض سے روشناس کرایا گیا ہے۔

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۷/ جون ۱۹۵۰ء) میں شائع ہوا، اور بعد ازاں حضرت سلفی رحمہ اللہ کے بعض مضامین پر مشتمل کتاب ''نصیحت'' میں طبع ہوا۔

⑲ علماء و زعمائے اہلحدیث کے لیے چند قابل التفات گزارشات، تعلیمی انحطاط اور اس کا مداویٰ:

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۶/ اگست ۱۹۶۵ء) میں شائع ہوا۔

⑳ دعوتِ عمل:

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۳/ دسمبر ۱۹۴۹ء) میں شائع ہوا اور بعد ازاں ''نصیحت'' میں طبع ہوا۔

㉑ دینی جماعتوں کے اتحاد کے لیے مرکزی جمعیت اہلحدیث کا مسلسل طریقِ کار:

یہ مضمون پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۲/ ستمبر ۱۹۵۸ء) میں شائع ہوا، اور بعد ازاں ''فتاویٰ سلفیہ'' میں طبع ہوا۔

㉒ جماعت اہلحدیث کے سیاسی موقف کا تعین:

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۹/ اکتوبر ۵۶ء) میں شائع ہوا۔

㉓ شوریٰ اور عاملہ کے فرائض:

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۶/جنوری ۱۹۶۸ء) میں شائع ہوا۔

㉔ جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان:

جریدہ اہلحدیث (یکم اپریل ۱۹۵۱ء) میں مولانا ندیم کوموی کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں بعض جماعتی معاملات پر نقد و تبصرہ تھا، جس کے جواب میں حضرت سلفی رحمہ اللہ نے یہ وضاحتی مضمون لکھا۔

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۰/اپریل ۱۹۵۱ء) میں شائع ہوا، اور بعد ازاں ''نصیحت'' میں طبع ہوا۔

㉕ چند گزارشات:

ماہانہ ''المنبر'' فیصل آباد (۱۰/ اگست ۱۹۶۳ء) میں مولانا عبدالحلیم صاحب خطیب جامع اہلحدیث شام کوٹ کا ایک تنقیدی مراسلہ شائع ہوا جس میں انھوں نے جماعتی نظم اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے متعلق اظہار خیال کیا تو اس کے جواب میں حضرت سلفی رحمہ اللہ نے یہ مضمون لکھا۔

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۳/ستمبر ۱۹۶۳ء) میں شائع ہوا اور بعد ازاں ''نصیحت'' میں طبع ہوا۔

㉖ ہمارا سالانہ قومی اجتماع اور ہمارے فرائض:

یہ مضمون پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۳/جنوری ۱۹۵۵ء) میں شائع ہوا اور پھر ''نصیحت'' میں طبع ہوا۔

㉗ اپنی باتیں، جماعتی تگ و دو کی مختصر روداد:

ان سطور میں حضرت سلفی رحمہ اللہ اور دیگر علما کی نظمِ جماعت کے لیے ابتدائی

کوششوں کا تذکرہ ہے۔

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۷؍اپریل ۱۹۵۰ء) میں شائع ہوا، اور بعد ازاں ’’نصیحت‘‘ میں طبع ہوا۔

28 ہماری تبلیغی جلسے:

اس مضمون میں جماعت اہلحدیث کی تبلیغی کوشش اور ان کے مختلف طرق و وسائل کا تذکرہ ہے، اور بعد ازاں نظم جماعت کے لیے مختلف شہروں کے پروگراموں اور دورہ جات کی تفصیل ہے۔

یہ مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۵ اپریل ۱۹۵۲ء) میں شائع ہوا۔

29 جماعت اہلحدیث صوبہ سرحد:

یہ مضمون صوبہ سرحد کے مختلف علاقہ جات کے تبلیغی دورہ جات کی روداد ہے۔

یہ مضمون پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۸؍مئی ۱۹۵۱ء) میں شائع ہوا، اور بعد ازاں ’’نصیحت‘‘ میں طبع ہوا۔

30 جمعیت اہلحدیث علاقہ گلیات:

یہ مضمون علاقہ گلیات ملحقہ کالا باغ کی طرف تبلیغی سفر کی روداد ہے۔ جو ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲؍دسمبر ۹۵۵ء) میں شائع ہوا۔

31 آزاد کشمیر اور ضلع ہزارہ:

یہ مضمون کالا باغ اور مظفر آباد میں تبلیغی دوروں کی روداد ہے، جو ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۸؍جون ۱۹۵۷ء) میں شائع ہوا اور بعد ازاں ’’نصیحت‘‘ میں طباعت پذیر ہوا۔

32 اہلحدیث کانفرنس سرگودھا، میرے تاثرات:

مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کی سالانہ کانفرنس مارچ ۱۹۵۸ء میں سرگودھا

میں منعقد ہوئی، جس کے متعلق حضرت سلفی رحمہ اللہ نے اپنے تاثرات قلمبند کیے، جو ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۸/ مارچ ۵۸ء) میں شائع ہوئے اور بعد ازاں ''نصیحت'' میں طبع ہوئے۔

㉝ نظمِ جماعت اور امارت وصدارت:

یہ دراصل حضرت سلفی رحمہ اللہ کی فیروزوٹواں میں منعقدہ ایک اجتماع کی تقریر ہے جس میں مذکورہ بالا موضوع پر انتہائی مفید ہدایات اور نصائح بیان کی گئی ہیں۔ یہ تقریر ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۶/ دسمبر ۱۹۵۸ء) میں شائع ہوئی، اور بعد ازاں ''نصیحت'' میں طبع ہوئی۔

㉞ ناظم اعلیٰ کی سالانہ رپورٹ، بابت ۵۷۔۱۹۵۸ء:

اس رپورٹ میں تقسیم ملک کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کے جماعت پر اثرات اور نظمِ جماعت کے لیے کی جانے والی ابتدائی کاوشوں کا تذکرہ اور آئندہ کا لائحہ عمل مذکور ہے۔

یہ رپورٹ پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۲۱/ مارچ ۱۹۵۸ء) میں شائع ہوئی، اور پھر ''نصیحت'' میں طباعت پذیر ہوئی۔

㉟ محترم ناظم اعلیٰ کی سالانہ رپورٹ ۱۹۵۹ء:

یہ رپورٹ حضرت سلفی رحمہ اللہ نے ۷ جون ۱۹۵۹ء کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں پیش کی جس میں انھوں نے جماعت کے مقاصد، جماعتی درس گاہوں کے لیے مشورہ جات، دینی مدارس کے نصاب، جماعتی پریس اور لائبریری اور دیگر جماعتی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔

یہ رپورٹ پہلی بات ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۲/ جون ۱۹۵۹ء) میں شائع ہوئی اور بعد ازاں ''نصیحت'' میں طبع ہوئی۔

㊱ محترم ناظم اعلیٰ کی رپورٹ ۱۹۶۳ء:

یہ رپورٹ ہفت روزہ الاعتصام (۲۲/ نومبر ۱۹۶۳ء) میں شائع ہوئی اور بعد ازاں ’’نصیحت‘‘ میں بھی طبع ہوئی۔

㊲ خطبہ استقبالیہ سالانہ کانفرنس گوجرانوالہ:

مرکزی جمعیت اہلحدیث کی سالانہ تین روزہ کانفرنس ۱۲۔۱۳۔۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو گوجرانوالہ میں منعقد ہوئی جس کا خطبہ استقبالیہ حضرت سلفی ﷫ نے ارشاد فرمایا، جس میں انھوں نے گوجرانوالہ کی تاریخ اہلحدیث، تحریک اہلحدیث ہند کے مختلف مراحل اور جماعتی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔

یہ خطبہ پہلی بار ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۹/ اکتوبر ۱۹۵۶ء) میں شائع ہوا اور بعد ازاں ’’نصیحت‘‘ میں طبع ہوا۔

㊳ خطبہ صدارت تبلیغی کانفرنس لاہور:

۲۵۔۲۶۔۲۷/ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو لاہور میں اہلحدیث تبلیغی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کا خطبہ صدارت حضرت سلفی ﷫ نے ارشاد فرمایا جس میں انھوں نے مسلکِ اہلحدیث کی مختصر تاریخ، اہلحدیث اور غیر مقلد میں فرق، اہلحدیث کی خدمات، جماعتی مصائب و آلام اور دیگر اہم ملی مسائل پر روشنی ڈالی۔

یہ خطبہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور (یکم۔۸/ نومبر ۱۹۵۷ء) کی دو قسطوں میں شائع ہوا اور بعد ازاں ’’نصیحت‘‘ میں طبع ہوا۔

㊴ خطبہ صدارت نواب گنج اہلحدیث کانفرنس مشرقی پاکستان:

۳ اپریل ۱۹۶۴ء کو نواب گنج ضلع راجشاہی مشرقی پاکستان میں اہلحدیث کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کا خطبہ صدارت حضرت سلفی ﷫ نے ارشاد فرمایا جس میں انھوں نے

جماعت اہلحدیث کی تاریخ و مقاصد اور حاملینِ مسلکِ حق کی موجودہ ذمہ داریوں پر گفتگو فرمائی۔

یہ خطبہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۷/اپریل ۱۹۶۴ء) کی اشاعت میں طبع ہوا اور بعد ازاں ''نصیحت'' میں طباعت پذیر ہوا۔

㊵ خطبہ صدارت ماموں کانجن کانفرنس:

۲۔۳۔۴/اکتوبر ۱۹۶۴ء کو منعقدہ ماموں کانجن کانفرنس کا خطبہ صدارت حضرت سلفی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا جس میں انھوں نے مسلکِ اہلحدیث کی امتیازی صفات، تبلیغ کا انداز، مفید لٹریچر، نظم جماعت، نظام تعلیم اور اس کا طریقہ کار، پریس کی ضرورت اور دیگر جماعتی امور پر روشنی ڈالی۔

یہ خطبہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور (۱۹/اکتوبر ۱۹۶۴ء) میں شائع ہوا اور بعد ازاں ''نصیحت'' میں طبع ہوا۔

اسلوبِ تحقیق:

۱۔ آیات کی نشاندہی۔

۲۔ احادیث و آثار کی تحقیق و تخریج۔

۳۔ عربی و فارسی عبارات کا اصل مصادر و مراجع سے تقابل و اصلاح۔

۴۔ عربی و فارسی اشعار کا ترجمہ، جو برادر مکرم پروفیسر حافظ عبدالجبار حفظہ اللہ کا تحریر کردہ ہے۔

۵۔ حتی الوسع مقالات و مضامین کا اصلی مآخذ سے مقارنہ و موازنہ۔

۶۔ بعض مقامات پر مختصر حواشی و تعلیقات۔

۷۔ ہمیں حضرت سلفی رحمہ اللہ کی معروف کتاب ''تحریک آزادیٔ فکر'' کا حضرت سلفی رحمہ اللہ کا تصحیح شدہ ذاتی نسخہ حاصل ہوا جس میں کئی مقامات پر حضرت سلفی رحمہ اللہ

کے ہاتھ کی تصحیحات تھیں جو ہمارے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں، جس سے بعض مضامین کی اصلاح میں مکمل استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ مؤلف رحمہ اللہ کے حفید محترم حافظ اسعد محمود سلفی رحمہ اللہ نے ہمیں مہیا کیا۔ جزاہ اللہ خیراً

اظہار تشکر:

ہم سب سے پہلے اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں جس کی توفیق سے ہمیں ان نگارشات کو منظرِ عام پر لانے کی سعادت حاصل ہوئی، اور بعد ازاں ان تمام احباب و اخوان کے ممنون ہیں جنھوں نے ہمارے ساتھ ان مقالات کی تکمیل و طباعت کے لیے کسی طرح کا تعاون کیا، خصوصاً فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ، فضیلۃ الشیخ مولانا محمد عزیر شمس حفظہ اللہ، فضیلۃ الشیخ مولانا صلاح الدین مقبول حفظہ اللہ اور حضرت سلفی رحمہ اللہ کے حفید محترم حافظ اسعد محمود سلفی حفظہ اللہ کہ جن کی بیش قیمت نصائح و توجیہات اور علمی تعاون سے اس کتاب کی طباعت پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ شکر اللہ سعیهم وبارك لهم في أعمالهم وأهاليهم.

وصلى الله على خير خلقه وسلم وعلىٰ آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

شاهد محمود

۹ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

بمطابق ۱۵ مارچ ۲۰۱۱ء

0321-6466422

hasanshahid85@hotmail.com

سوانح

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

خاندان کا اجمالی تعارف:

حضرت مولانا محمد اسماعیل السلفی رحمہ اللہ کا خانوادہ برصغیر پاک و ہند کے قدیم باشندگان سے تعلق رکھتا ہے۔ دس بارہ پشت قبل یہ خاندان دولتِ اسلام سے مالا مال ہوا، اور ﴿وجعلنا کم شعوباً وقبائل﴾ کے مصداق اس خاندان کا تعلق راجپوتوں کی جنجوعہ شاخ سے ہے۔

مرورِ ایام کے ساتھ یہ خاندان حوادثاتِ زمانہ کا شکار رہا، حکومتوں کے ردو بدل سے متاثر ہوا، آخر کار مولانا کے جد امجد مولانا محکم دین موضع ڈھونیکے تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اس خاندان کی خاص علمی وجاہت تھی، فن کتابت و حکمت کی بدولت انھیں خاصی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

حکیم عبداللہ (حضرت سلفی رحمہ اللہ کے دادا جان)

حضرت مولانا محکم دین کے اکلوتے صاحبزادے حکیم عبداللہ تھے، یہ بڑے پائے کے طبیب تھے، اپنے زمانے کے بہت بڑے نباض تھے، رب العزت نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی، مخلوق خدا کو ان کی حکمت سے بہت فائدہ پہنچا، ان کی شہرت اور ہر دلعزیزی سے جل کر کسی حاسد نے حکیم عبداللہ صاحب کو کوئی زہریلی چیز کھلا دی، جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ حکیم عبداللہ صاحب کے چار صاحبزادے تھے، جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا محمد ابراہیم صاحب، (۲) مولانا احمد دین صاحب، (۳) مولانا عبدالعزیز صاحب، (۴) مولانا محمد عالم صاحب۔

مولانا عبدالعزیز اور مولانا محمد عالم لا ولد فوت ہوئے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب (حضرت سلفی رحمہ اللہ کے والد گرامی)

حضرت مولانا محمد ابراہیم بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، اپنے خاندانی ورثہ یعنی فن کتابت و حکمت میں ید طولی رکھتے تھے، فن نسخ اور نستعلیق دونوں میں ماہر تھے۔ آپ نے خاندانی روایات کے پیش نظر کتابت اور حکمت کو ہی اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ چونکہ آپ نے صغرسنی میں ہی کتابت میں مہارت حاصل کر لی تھی، اس وجہ سے آپ نے حکمت پر کتابت کو ترجیح دی اور آغاز جوانی میں فن کتابت سے منسلک ہو گئے۔

اسی زمانے میں شیخ محی الدین صاحب دلی دروازہ لاہور میں اشاعتِ کتب کا کاروبار کرتے تھے۔ جناب محی الدین نو مسلم تھے اور سکھ مت ترک کر کے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ نہایت متقی اور پرہیز گار انسان تھے۔ مولانا محمد ابراہیم فرمایا کرتے تھے کہ اذان کے بعد شیخ موصوف اپنا کاروبار بند کر دیتے تھے اور نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ ان شیخ محی الدین صاحب کے پاس مولانا محمد ابراہیم خوش نویسی کا کام کرتے تھے۔

استاذِ پنجاب حافظ عبدالمنان رحمہ اللہ صاحب سے رابطہ:

جناب صاحبزادہ فیض الحسن صاحب مرحوم کے اجداد میں سے کوئی صاحب اس علاقہ کے پیر تھے، یہ پیر صاحب اکثر حکیم عبداللہ صاحب مرحوم کے گھر قیام فرماتے، جب حکیم عبداللہ صاحب کی وفات کے بعد یہ خاندان معاشی تنگ دستی کا شکار ہوا تو حکیم صاحب کے صاحبزادے پیر صاحب کی کفالت سے دست کش ہو گئے۔ اس وجہ سے حضرت پیر صاحب سخت ناراض ہو گئے، انھوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار اس انداز

سے کیا کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب دل برداشتہ ہوئے اور وزیر آباد تشریف لے آئے۔

اسی زمانے میں استاذِ پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ ، وزیر آباد ہی میں متمکن تھے، سارا علاقہ ان کی علمی ضیا پاشیوں کی وجہ سے بقعہ نور بن رہا تھا، خوش نصیبی سے مولانا محمد ابراہیم رحمہ اللہ بھی ان کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگے۔ پھر باقاعدہ زانوئے تلمذ طے کیا اور استاذِ پنجاب سے علم حدیث میں دسترس حاصل کی۔ پھر اسی تلمذ نے اتنی قربت حاصل کی کہ گھریلو معاملات بھی استاد اور شاگرد کے درمیان زیر بحث آنے لگے۔

حضرت سلفی رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت:

اس وقت تک مولانا محمد ابراہیم کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی، آپ نے اپنے استاد گرامی حضرت مولانا حافظ عبدالمنان رحمہ اللہ صاحب سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ رب العزت انھیں اولاد عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحب کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور حافظ صاحب کو مولانا محمد ابراہیم کے ہاں ایک فرزند ارجمند کی ولادت کی بشارت دی گئی۔ اس بشارت کا ذکر حضرت حافظ صاحب نے اس سند میں بھی کیا ہے جو تحصیل علم کے بعد انھوں نے مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کو عطا فرمائی تھی، اس سند میں حافظ صاحب نے مولانا کو ”الولد الصالح“ کے نام سے یاد کیا ہے۔

مولانا سلفی رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۵ء تحصیل وزیر آباد کے قریب ایک گاؤں ڈھونیکے میں ہوئی۔

مولانا محمد ابراہیم اور مسلک اہل حدیث:

استاذِ پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان رحمہ اللہ وزیر آبادی سے تلمذ اور مجالست کا اثر یہ ہوا کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب نے حنفیت کی بجائے مسلک اہل حدیث اختیار کر لیا، ان کے سلفی العقیدہ ہونے کی بنا پر ان کو گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ وہ کئی برس اپنے گھر میں نماز ادا فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عزیمت

سے نوازا تھا اور متوکل تھے۔ توحید کی برکات کی وجہ سے انھوں نے اس ناروا مقاطعے کا مردانہ وار مقابلہ کیا، آپ صاحب حیثیت زمیندار تھے، صاحبِ فن کاتب تھے اور اعلیٰ پائے کے طبیب بھی تھے۔ طبیب حاذق ہونے کی وجہ سے گاؤں والے آپ کے محتاج تھے، آخر کار یہ مقاطعہ اپنی موت آپ ہی مر گیا اور آپ گاؤں کی مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے لگے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب پر تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے اپنی کتابت کو صرف قرآن وحدیث تک محدود کر دیا۔ ان کی کتابت کے شاہ کاروں میں ایک مولانا وحید الزمان کے ترجمہ والا قرآن مجید ہے، دوسرا متداول شہکار تحفۃ الاحوذی ہے۔ یہ ترمذی شریف کی شرح ہے، یہ شرح جناب مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے لکھی ہے، اس کے چار حصے ہیں، مسودات ان کے پاس مبارکپور سے آتے تھے۔ پھر وہ کتابت شدہ کاپیاں بذریعہ ڈاک واپس بھیجتے تھے۔ مبارک پور (یو۔ پی۔ انڈیا) سے مسودات کی ڈھونیکے آمد کی صرف ایک وجہ معلوم ہوتی ہے کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب عالم بھی تھے اور کاتب بھی، اس وجہ سے کتابت کی غلطیاں نہیں ہوتی تھیں، بلکہ بعض دفعہ تو مؤلف کی فروگزاشت کو درست کر دیتے تھے۔

حضرت سلفی رحمہ اللہ کا آغازِ تعلیم:

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے، انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی مولانا محمد ابراہیم سے حاصل کی، اسی گھریلو ماحول میں ایک عالم باعمل حضرت مولانا عمر الدین وزیر آبادی سے استفادہ کا موقع بھی آیا۔ آپ نے چھوٹی عمر میں صرف ونحو کی ابتدائی کتب پر عبور حاصل کر لیا۔ صرف ونحو کی ان ابتدائی کتب کے ساتھ آپ نے گلستان، بوستان اور دیگر فارسی کتب بھی پڑھیں۔

باقاعدہ تعلیم کا آغاز:

اس ابتدائی اور بنیادی تعلیم کے بعد آپ نے حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی رحمہ اللہ کی خدمت میں باقاعدہ زانوئے تلمذ طے کیا۔ حضرت حافظ

صاحب نے بڑی محبت اور شفقت سے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا۔ استاد موصوف نے تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی خصوصی توجہ فرمائی۔ مولانا سلفی رحمہ اللہ نے استاذِ پنجاب سے صحاح ستہ مکمل اور اصولِ حدیث میں شرح نخبة الفكر، اور تفسیر جلالین پڑھی۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ صاحب نے بکمال مہربانی وتلطف مولانا سلفی رحمہ اللہ کو روایت کی اجازت دی اور سند بھی عطا فرمائی۔ یہ سند آپ کو ۱۳۳۳ھ میں دی گئی۔

دلّی روانگی:

وزیر آباد سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ دلّی تشریف لے گئے۔ دلّی ان دنوں علوم وفنون کا مرکز تھا، یہاں پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ان کی تحریک علمی کے گہرے نقوش تھے۔ آپ نے پھاٹک حبش خان میں مدرسہ نذیریہ میں قیام کیا۔ یہ مدرسہ شیخ الکل سید نذیر حسین رحمہ اللہ دہلوی کی یادگار تھا۔ اس مدرسہ میں آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار عمر پوری رحمہ اللہ اور بعض دوسرے شیوخ سے علمی جواہر اکٹھے کیے۔

امرتسر میں آمد:

ان دنوں امرتسر میں علوم وفنون کا چرچا تھا، اکابرین خاندان غزنویہ علوم وفنون کا منبع بن چکے تھے۔ مدرسہ غزنویہ میں آپ نے حضرت مولانا عبدالغفور غزنوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالرحیم غزنوی رحمہ اللہ سے استفادہ کیا۔ قیام امرتسر کے دوران آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ (جو قیام پاکستان کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی ہوئے) سے فنون کی کتابیں پڑھیں۔ آپ مفتی صاحب موصوف سے بہت متاثر تھے، فنون میں ان کے ذوق اور طریق تدریس کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ فنون میں میری دلچسپی اور درک حضرت مفتی صاحب کے طریقِ تدریس کا فیض ہے۔

سیالکوٹ میں آمد:

سیالکوٹ زمانہ قدیم سے علم وفضل کا گہوارہ رہا ہے، اس سرزمین میں علامہ

عبدالحکیم رحمہ اللہ سیالکوٹی اور نابغہ روزگار علامہ اقبال جیسی ہستیاں ہوئی ہیں، چنانچہ امرتسر سے فراغت کے بعد حضرت سلفی رحمہ اللہ سیالکوٹ تشریف لے گئے، ان دنوں وہاں حضرت علامہ محمد ابراہیم میر رحمہ اللہ سیالکوٹی کی علمیت کا چرچا تھا، مولانا سلفی نے ان سے بھی کسب فیض کیا۔

جس طرح زمانہ قدیم کے علماء علمی تشنگی کی سیرابی کے لیے دور دراز کا سفر کرتے تھے اسی طرح حضرت سلفی رحمہ اللہ نے کئی قدیم دینی مراکز کے سفر کیے اور ان سب مدارس سے علمی جواہر اکٹھے کیے۔ حضرت سلفی کا سلسلۂ علم سند کے لحاظ سے چوبیس واسطوں سے جناب شارع علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔

حضرت علامہ ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ مولانا سلفی رحمہ اللہ کے والد کے ہم نام تھے، انھوں نے حضرت سلفی رحمہ اللہ کی ذہانت و فطانت کو آن واحد میں پہچان لیا اور انھیں اپنا روحانی بیٹا قرار دیا۔ علامہ سیالکوٹی مرحوم نے اپنی عظیم الشان لائبریری مولانا سلفی کی تحویل میں دیدی اور اس طرح مولانا مرحوم کو قدیم تفاسیر اور نادر علمی کتابوں سے استفادہ کا موقع حاصل ہوا۔

گوجرانوالہ میں تقرر:

آپ ۱۳۳۹ھ بمطابق ۱۹۲۱ء میں بمعیت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ گوجرانوالہ آئے۔ ان ایام میں گوجرانوالہ کی جماعت اہل حدیث چند نفوس پر مشتمل تھی۔ حضرت سیالکوٹی نے جماعت کے اراکین سے کہا کہ میں ایک در شہوار تمہارے سپرد کرنے آیا ہوں، اس کو حفاظت سے رکھنا۔ اس کے بعد آپ نے شہر گوجرانوالہ کو ایسا وطن بنا لیا کہ اس شہر میں منبر و محراب کو الحمدللہ چار چاند لگا دیے، گزشتہ نصف صدی میں کئی انقلاب آئے، مگر آپ اپنے جادہ مستقیم پر رواں دواں رہے، آپ کے پائے عزیمت میں کبھی لغزش نہیں آئی، مقام و مرتبہ کی چاہت اور دولت کی طلب آپ کو

اپنے مقام سے نہ ہلا سکی۔

مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد کی معرفت آپ کو مدینہ منورہ بلوا بھیجا، مگر آپ نے گوجرانوالہ میں قیام کو ترجیح دی اور اپنی جگہ حضرت العلام جناب مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کو بھجوا دیا۔

گوجرانوالہ کی جامع اہل حدیث میں آپ نے مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی، یہ مدرسہ نصف صدی تک نہ صرف گوجرانوالہ اور اس کے مضافات بلکہ متحدہ پنجاب کے دور دراز کے طلبہ کو علوم اسلامیہ اور ادب عربی سے لبریز کرتا رہا۔ اس مدرسہ میں موصوف نہ صرف خود پڑھاتے تھے، بلکہ وقت کے بہترین اساتذہ متعین فرماتے تھے۔ ملک کے بڑے بڑے فاضل یگانہ لوگ اس مدرسہ محمدیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔

قومی و جماعتی خدمات:

اسی سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ جریدہ ”الاعتصام“ لاہور کے اداریہ کا ایک ٹکڑا نقل کر دیا جائے، جو یکم مارچ ۱۹۶۸ء کو شائع ہوا۔

”گزشتہ نصف صدی میں جماعت اہل حدیث کی کسی بھی قسم کی مذہبی و سیاسی سرگرمی میں مولانا محمد اسماعیل صاحب بدستور ایک اہم عنصر کی حیثیت سے شامل رہے نوجوانی میں سعی و ہمت کا یہ حال تھا کہ ۱۹۲۴ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا سالانہ اجلاس کرا ڈالا، جس کے صدر استقبالیہ ہمارے بزرگ مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ تھے۔ ہمارے مولانا کو جماعت منظم کرنے کی بڑی دھن تھی، انجمن اہل حدیث پنجاب کا قیام عمل میں آیا تو اس میں مولانا مرحوم کا بہت دخل تھا۔ ۱۹۳۱ء میں شاہ محمد شریف گھڑیالوی کی سربراہی میں جمعیت تنظیم اہل حدیث پنجاب وجود میں آئی، تو اس کے روح رواں آپ ہی تھے۔ چنانچہ اس کا دفتر بھی مولانا کی سرپرستی میں گوجرانوالہ میں تھا۔ ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاضی عبدالرحیم تھے۔ ۱۹۴۶ء میں اہل حدیث کانفرنس

دہلی میں بلائی گئی تو آپ اس کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد جہاں تک مغربی پاکستان کی جمعیت اہل حدیث کا تعلق ہے، یہ مولانا سلفی رحمہ اللہ کی مساعی و شبانہ روز محنت و ہمت کی رہین منت ہے۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ کو ملکی سیاست کی دلدل سے نکال کر جماعت کی سربراہی کے لیے مولانا نے ہی آمادہ کیا تھا، پھر آخر تک حضرت موصوف کا ساتھ نبھایا۔

”پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے مطالبے میں ہر قدم پر مولانا غزنوی کے ساتھ جماعت کی نمائندگی کی، چنانچہ اس کمیٹی کے آپ رکن تھے جو ۱۹۵۲ء میں اسلامی آئین کی تشکیل کے لیے بنائی گئی تھی۔ ۱۹۵۳ء کی تاریخی تحریک ختم نبوت کے دوران مجلس عمل تحفظ ختم نبوت میں جمعیت کے تین نمائندے تھے: (۱) مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ، (۲) مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ، (۳) مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ۔ تاہم اس سلسلے میں قید و بند کا شرف حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کے حصے میں آیا۔

”۱۹۲۴ء میں ہندوستان میں شدھی تحریک شروع ہوئی اور مسلمانوں کو ہندو بنانے پر زور دیا جانے لگا، تو پنجاب سے ایک تبلیغی وفد ملکانوں کے علاقہ میں تبلیغ کے لیے گیا، اس وفد میں حضرت مولانا سرفہرست تھے۔“

عام معمولات زندگی:

حضرت مولانا اتنی مصروف زندگی گزارتے تھے کہ حیرت ہوتی ہے کہ آپ ان فرائض سے کیسے عہدہ برآ ہوتے تھے، مسجد کے خطیب اور پانچوں نمازوں کے امام بھی تھے، آپ نے مدت العمر قرآن کا درس اس اہتمام سے دیا کہ ناغہ شاذ و نادر ہی ہوا ہو، تبلیغی اور تنظیمی سفر پر تشریف لے جاتے تو کوشش یہی فرماتے کہ سفر جلد ختم ہو، تاکہ درس قرآن حکیم کے تسلسل میں فرق نہ پڑے۔ گوجرانوالہ میں آتے ہی مولانا نے فجر کے بعد درس قرآن شروع کر دیا تھا، جو سنتالیس برس تک تواتر کے ساتھ جاری رہا،

درس کے یومیہ سامعین دو اڑھائی سو سے کم نہ ہوتے تھے، رمضان المبارک میں یہ تعداد پانچ سو کے قریب ہو جایا کرتی تھی۔ درس قرآن مجید اور خطبہ میں بھی ترتیب کے ساتھ دوسرے دور کا اٹھارواں پارہ قریب الختم تھا۔ اس درس کے بعد تجار اور کاروباری لوگوں کی ایک جماعت آپ سے باترجمہ قرآن مجید پڑھتی تھی۔ بعد ازاں مدرسہ محمدیہ کے اسباق شروع ہو جاتے تھے اور آپ بہت اہم کتابیں خود پڑھاتے تھے۔

اثنائے مصروفیت میں ہی مضمون نویسی، مقالہ نگاری، خطوط کے جواب اور فتویٰ تحریر فرماتے تھے۔ شہر کی سیاسی و معاشرتی تحریکوں میں حصہ بھی لیا جاتا تھا، ملک کی تحریکوں میں پورے انہماک کے ساتھ حصہ لیتے تھے اور حوادث میں بأحسن وجوہ خدمات سرانجام دیتے تھے۔

خطابت:

میدان خطابت کے آپ ایسے شاہسوار تھے جن کی نظیر ہماری دینی جماعتوں میں شائد کوئی پیش نہ کر سکے۔ آپ کی تقریر کا اسلوب ابتدا ہی سے یگانہ اور منفرد تھا، ۱۹۲۱ء کے بعض سامعین اس بات کے شاہد ہیں کہ اس وقت بھی آپ کا اندازِ بیان نرالا تھا، آخری دور میں تو خصوصاً پوری کی پوری تقریر حشو و زوائد سے پاک نیز بے ربط جملوں، غلط تلفظ اور وضعی حکایتوں سے پاک ہوتی تھی۔ دوران تقریر آواز کا زیر و بم، موزوں الفاظ کا انتخاب اور پھر عربی و فارسی اشعار کی ایسی آمد کہ عوام و خواص جھوم جھوم جاتے تھے۔

تصنیف و تالیف:

تفسیر قرآن حکیم کے بعد حضرت کا پسندیدہ موضوع حدیث، حجیت حدیث، تدوین حدیث اور محدثین کرام کے کارنامے تھا۔ اسی بنا پر مولانا کو محدثین کرام رحمہم اللہ اور مسلک اہل حدیث سے محبت اور شیفتگی تھی، جس کا بین ثبوت حضرت کی مؤلفات اور زیر تصنیف تالیفات ہیں، اردو انشاء پردازی میں صاحب طرز تھے، جس میں روانی،

سلاست بیانی، الفاظ کا چناؤ، ان کا جڑاؤ، طنز کی پھوار اور پھر محل کے مطابق اشعار کی آمد اور شگفتگی بدرجہ اتم موجود ہوتی تھی، باوجودیکہ حضرت کثیر الاشغال تھے اور ایک ہی نشست میں شاید ہی کوئی مضمون رقم فرمایا ہو، لیکن پھر بھی موضوع سے ربط اور تسلسل بدستور قائم رہتا تھا، شاید بہت کم حضرات کو علم ہو کہ اردو انشا پردازی کے ساتھ ساتھ آپ کو عربی زبان اور اس کے لب و لہجہ پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ اس کی لطافتوں، نزاکتوں اور شیرینی کو برقرار رکھتے ہوئے اہل زبان سے ہمیشہ خط و کتابت رکھتے تھے۔

مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ اسلامی حکومت کا مختصر خاکہ
۲۔ مسئلہ حیات النبی ﷺ
۳۔ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث
۴۔ تحریک آزادی فکر
۵۔ حدیث کی تشریعی اہمیت
۶۔ مقام حدیث قرآن کی روشنی میں
۷۔ مسئلہ زیارت قبور
۸۔ سبعہ معلقہ کا مکمل ترجمہ مع حل لغات اور اس کا پر مغز مقدمہ
۹۔ رسول اکرم کی نماز
۱۰۔ مشکوۃ المصابیح کے تقریباً نصف اول کا ترجمہ و تحشیہ

حضرت سلفی رحمہ اللہ کی کتابوں کے عربی تراجم:

حضرت سلفی رحمہ اللہ کی اکثر تالیفات چونکہ عالمانہ، محققانہ اور مدلل ہوتی ہیں، اسی وجہ سے بعض عرب شیوخ نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ایسی نابغہ روزگار شخصیت کی کتب کا عربی میں ترجمہ ہونا چاہیے، تاکہ عرب دنیا بھی آپ کے علوم سے استفادہ کر سکے، ویسے بھی کویت، سعودی عرب اور یمن کے علاقوں میں سلفیت کا غلبہ ہے، اس وجہ سے بھی وہ چاہتے ہیں کہ ایک صحیح العقیدہ سلفی عالم کا ورثہ عالم عرب کی طرف بھی منتقل ہونا چاہیے۔

چنانچہ ہندوستان کے دو معروف عربی زبان و ادب کے ادیبوں نے مولانا کی

حسب ذیل کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے، حضرت مولانا کی یہ کتب دار السياسة الكويت کی طرف سے شائع کی گئی ہیں:

① جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث، ایک تنقیدی جائزہ۔ اس کتاب کی تعریب و تقدیم وتعلیق صلاح الدین مقبول احمد نے کی ہے اور عربی میں اس کا نام "موقف الجماعة الإسلامية من الحديث النبوي" دراسة نقدية لمسلك الاعتدال للشيخ المودودي" رکھا ہے

② تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی۔ اس کتاب کی تعریب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن الازہری نے کی ہے اور عربی نام " حركة الانطلاق الفكري و جهود الشاه ولي الله في التجديد "رکھا ہے۔

③ رسالہ حیاۃ النبی کی تعریب ہو چکی ہے جس کے مترجم دکتور مقتدیٰ حسن ازہری ہیں۔ اس کتاب کا نام " رسالة في مسألة حياة النبي صلى الله عليه وسلم" ہے۔

④ مولانا کی کتاب زیارت قبور کتاب وسنت کی روشنی میں۔

اس کا عربی میں ترجمہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے کیا ہے اور یہ کویت میں چھپی ہے۔ اس کتاب کا عربی نام " مسألة زيارة القبور في ضوء الكتاب والسنة" ہے۔

مولانا کی دیگر کتابیں حسب ذیل عنوانوں سے عربی میں منتقل کی جا رہی ہیں:

① السنة في ضوء القرآن
② مكانة السنة في التشريع الإسلامى
③ صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم
④ تخطيط وجيز للحكومة الإسلامية
⑤ مذهب الإمام البخارى

مولانا کی ان عربی کتب کو ہندوستان کا ایک ادارہ جس کا نام "إدارة

البحوث الإسلامية والدعوة والإفتاء" (جامعہ سلفیہ ہند) بھی شائع کرنے کا اہتمام کر رہی ہے۔ نیز حکومت سعودی عرب کی طرف سے مولانا کی بعض کتابوں کے عربی تراجم مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اس طرح عرب دنیا بھی حضرت سلفی رحمہ اللہ کے ملفوظات سے سیراب ہو رہی ہے۔

حضرت سلفی رحمہ اللہ کی عادات وخصائل:

حضرت سلفی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد گوجرانوالہ کے موقر جریدہ "قومی دلیر" کی ایک خصوصی اشاعت مورخہ یکم مارچ ۶۸ء میں مولانا کے صاحبزادے جناب محمود بن اسماعیل نے "آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند" کے عنوان سے آپ کی عادات و خصائل اور محاسن اخلاق پر روشنی ڈالی تھی۔ حضرت کی قناعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضرت کی تنخواہ صرف پچیس روپے تھی، مگر کبھی تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ نہیں فرمایا۔ بارہا زیادہ تنخواہ پر ملک و بیرون ملک سے پیشکش ہوئی تو فرماتے کہ منڈی یا مارکیٹ میں نہیں آیا ہوں کہ میری قیمت مقرر کی جائے۔

علم کے ساتھ حلم کا جوہر بھی حضرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک دفعہ مولانا حاجیوں کو رخصت کرنے کے لیے لاہور تشریف لے گئے، نماز کا وقت ہوگیا، سٹیشن کے بالا میدان میں جماعت کرانے لگے تو ایک بوڑھے نے کہا کہ میری نماز آپ کے پیچھے نہیں ہوتی، آپ نے رومال اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور پیچھے ہٹ گئے اور کہا بابا جی آپ جماعت کرائیں، میری نماز آپ کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ وہ بوڑھا شرمندہ ہوگیا اور معافی مانگی اور پھر اصرار کر کے حضرت کی اقتدا میں جماعت ادا کی۔ ہم عصر علماء سے آپ کا برتاؤ مثالی تھا، یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص آپ کے پاس بیٹھے اور اثر قبول نہ کرے۔ دوران جیل آپ کی معیت مولانا ابو الحسنات کو نصیب ہوئی، آپ مسجد وزیر خان کے امام اور پکے بریلوی تھے اور اہل حدیث کو کافر تک کہنے سے گریز

نہیں کرتے تھے، مگر جب والد گرامی سے ملاقات ہوئی، تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ کئی دفعہ گوجرانوالہ میں ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

حضرت میں بعض جواہر ایسے تھے جو ہم عصر علماء میں نہ تھے، مردم شناس ایسے تھے کہ دیکھتے ہی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ خود پسندی اور نخوت سے نفرت تھی۔

اخلاص اور بے مثال مستقل مزاجی:

گوجرانوالہ تشریف لانے پر اہل حدیث ہونے کی پاداش میں ہر طرح کی مخالفت کا سابقہ پیش آیا اور بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ نے استقلال، قناعت، جرأت اور اخلاص سے پوری نصف صدی گزار کر علماء کے سامنے ایک درخشاں مثال قائم کی۔ آپ کی برکات اور فیض کا اندازہ اس سے فرمائیے کہ جب حضرت گوجرانوالہ تشریف لائے تھے تو شہر میں صرف ایک مسجد تھی اور سات آدمیوں کے وجود کا نام جماعت اہل حدیث تھا، لیکن اپنی وفات سے چند دن پیشتر ۵۴ ویں مسجد کا سنگ بنیاد بدست خود رکھا اور آبادی کے تناسب سے تو جماعت شاید پورے پاکستان میں بے مثال ہو۔

بہر حال اگر اختصار کے ساتھ آپ کے محاسن پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مولانا کو اپنے زمانے کے اکثر معاصرین پر برتری حاصل تھی، مگر اس کے باوجود وہ درویشی، سادگی، فروتنی اور تواضع کا مرقع تھے۔ قدرت نے انھیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور وہ انسانیت کی اعلیٰ ترین اقدار کے حامل تھے، ان کا آئینہ قلب صاف تھا، مومنانہ زندگی گزار کر اس دنیا سے رخصت ہوئے، گمنامی کی صفوں سے اٹھے اور اپنی سعی و جستجو، عمل پیہم، خلوص، مسلسل محنت، لیاقت و قابلیت اور علمی لگن سے شہرت کے آسمان تک گئے۔

بیماری اور وفات:

حضرت مولانا کے فرزند ارجمند پروفیسر محمد صاحب رقمطراز ہیں کہ والد گرامی چند سالوں سے اعصابی مریض چلے آ رہے تھے، تاہم حالت کچھ ایسی تشویشناک نہ تھی، پس ۲۵/ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ بمطابق ۲۰/ فروری ۱۹۶۸ء منگل کے دن نماز عصر کے بعد یکا یک طبیعت بگڑی اور راہ گزر عالم جاوداں ہوئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۲۵ ذیقعدہ کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تھی۔

حضرت سلفی رحمہ اللہ کا ایک سوانحی مکتوب:

مرکز اسلامی لائبریری نور پور متصل بہاولپور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ سے تعلق رکھنے والے پانچ سو مستند اکابر علماء کے سوانح حیات بنام ”تذکرہ علمائے ربانیین“ مرتب کر رہی تھی، اس سلسلے میں مولانا محمد رشید احمد صاحب، جو اس لائبریری کے ناظم تھے، نے حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ سے بھی رابطہ کیا، چنانچہ حضرت سلفی رحمہ اللہ نے ۶۷۔۹۔۸ کو رشید صاحب کے نام ایک سوانحی مکتوب ارسال کیا۔ ذیل میں وہ مکتوب گرامی پیش کیا جا رہا ہے:

”جناب علماء کا تعارف کرانا چاہتے ہیں اور میں شائد ان میں سے نہیں ہوں، یہاں تو ”چارپائے وکتابے چند“ کی صورت پر عبداللہ بن سہل کا ارشاد ہے:

”من لم يعمل فليس بعالم“

البتہ ان لوگوں سے محبت ہے، جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے عمل کی توفیق مرحمت فرمائی۔

أحب الصالحين ولست منهم
لعل الله يرزقني صلاحاً

تعمیل ارشاد میں چند حروف لکھ رہا ہوں۔ مسقط رأس ڈھونیکی از مضافات وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ ہے۔ ابتدائی تعلیم وزیر آباد میں پائی۔ وزیر آباد میں حضرت الامام

حافظ عبدالمنان صاحب محدث نے نصرت العلوم کے نام سے مدرسہ جاری فرمایا۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولوی عمر الدین صاحب مرحوم سے پڑھیں جو اسی مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔ نحو کی اوپر کی کتابیں ابن عقیل، شرح جامی، الفیہ، آجرومیہ حضرت حافظ صاحب سے پڑھیں۔ حدیث اول تا صحیحین حضرت حافظ صاحب سے پڑھی۔ حضرت حافظ صاحب مرحوم سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے اکابر تلامذہ میں سے تھے، شیخ حسین بن محسن انصاری رحمہ اللہ سے بھی آپ کو اجازت حدیث تھی، مولانا عبدالحق بنارسی رحمہ اللہ شاگرد امام شوکانی رحمہ اللہ سے بھی شرف تلمذ تھا۔ تفسیر بیضاوی حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے پڑھی، ادب اور معقولات کی کتابیں مولانا محمد حسن (امرتسری) کے مدرسہ میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ شرح وقایہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب سے پڑھی، مطول، مختصر المعانی، ہدایہ اولین و آخرین علامہ محمد حسین ہزاروی سے پڑھی، جو مدرسہ غزنویہ امرتسر میں پڑھاتے تھے۔

۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء تک حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے حسب حکم مناظرات کی طرف توجہ رہی۔ قادیانی، عیسائی اور چکڑالوی حضرات سے کئی جگہ گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے نجات دے دی، رسمی مناظرات بالکل ترک کر دیے، اب طبیعت کی ان مناظرات کے ساتھ قطعاً موزونیت نہیں، اور اسی راہ کو باعث تسکین سمجھتا ہوں۔

۱۹۲۱ء سے گوجرانوالہ جامع مسجد میں مقیم ہوں، درس و تدریس کا مشغلہ مسلسل چل رہا ہے، مدرسہ محمدیہ کے نام سے جاری ہے، اس کے ساتھ شعبہ حفظ و تجوید بھی ہے، اس وقت مدرسین کی تعداد تقریباً ۹ ہے۔ حجیت حدیث کے متعلق چند رسائل لکھے ہیں:

① حدیث کی تشریعی اہمیت

② جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث

- مقام حدیث قرآن کی روشنی میں
- نیز تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی وغیرہ،

ایڈیٹری بالکل نہیں کی، خطابت کا سلسلہ گوجرانوالہ جامع اہل حدیث میں مسلسل جاری ہے۔ جمعیت کی تاسیس ۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ اس وقت سے اس کے ساتھ تعلق ہے۔ اب بھی ”کبرني موت الكبراء“ کے مصداق تعلق قائم ہے۔ دعا ہے کہ اسی راہ سے اللہ دین کی خدمت اور کتاب وسنت کی اشاعت کا موقع بہم پہنچا دے اور انجام بخیر ہو۔ والسلام

فقط

محمد اسماعیل کان اللہ له ❶

حضرت سلفی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے تلمیذ مکرم مولانا محمد خالد گرجاکھی رحمہ اللہ نے حضرت سلفی رحمہ اللہ کے سوانح حیات کے متعلق ایک کتابچہ شائع کیا تھا، جسے بعض اضافی معلومات کی بنا پر ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

”حضرت استاذی المکرّم مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ دوسرے اکثر علماء کی طرح قدیم ہندوستان کے باشندوں میں سے تھے۔ مولانا حکیم عبدالمجید صاحب فرماتے تھے کہ قریباً دس بارہ پشت پہلے ہمارے آباء و اجداد مسلمان ہوئے تھے۔ نیز فرماتے تھے کہ میری پھوپھی صاحبہ بتایا کرتی تھیں کہ ہم راجپوت گھوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اغلباً جنجوعہ راجپوت تھے۔ ہمارے والد مرحوم کی بے وقت اور اچانک موت سے انتظام درہم برہم ہوگیا اور ایک سال میں ہمارے گھر میں تین دفعہ چوری ہوئی۔ اس میں خصوصاً کتابوں اور کاغذات کی چوری سے بہت نقصان ہوا۔

ہمارے نواح میں ایک پیر صاحب تھے، چونکہ پریس کا زمانہ نہیں تھا، کتابیں قلمی ہوتی تھیں، پیر صاحب نے کوئی کتاب مانگی، نہ دینے پر انھوں نے چوری کرائی، جس

---

❶ ماخوذ از ”مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ“ ترتیب محترمہ سعدیہ ارشد صاحبہ

میں خصوصاً کتابیں اور کاغذات ہی چوری ہوئے، یہاں تک کہ پرانے مسودے خچروں پر لاد کر لے جائے گئے۔

حکیم عبدالمجید صاحب کی روایت ہی سے خاندان کا جو پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمہ اللہ کے پردادا محکم دین صاحب تھے۔ قریباً دس پشت سے علمی خاندان چلا آ رہا تھا، جن میں سے یہ بزرگ بھی تھے، کتابت اور حکمت ورثہ میں آ رہی تھی، سابقہ مقام سوہدرہ میں تھا۔ وہاں پر مغل حکومت کی طرف سے مدار المہام کے عہدہ پر فائز تھے، حوادثاتِ زمانہ اور حکومتوں کے انقلابات نے ہمیں کولوتارڑ پہنچا دیا، وہاں پر بھی ایک حادثہ کی وجہ سے نکل کر حضرت کیلیانوالہ آ گئے، پھر رتہ تخی میں رہے، وہاں سے ڈھونیکے آ گئے۔ ان لوگوں نے ان کی بہت قدر کی اور دو کنویں مع اراضی ان کو تاحین حیات دے دیے۔

محکم دین کے لڑکے عبداللہ تھے، یعنی مولانا اسماعیل صاحب رحمہ اللہ کے دادا۔ عبداللہ جوانی میں ہی فوت ہو گئے، جس کا محکم دین صاحب کو بہت صدمہ ہوا اور قریباً گھر سے نکل کر فقیرانہ زندگی اختیار کر لی اور زیادہ عرصہ بھروکی میں رہے۔

مولانا اسماعیل سلفی صاحب رحمہ اللہ اپنے باپ کے اکلوتے لڑکے تھے، جبکہ ان کے چچیرے بھائی حکیم عبدالمجید صاحب آٹھ بھائی بہن تھے۔ مولانا اسماعیل صاحب سلفی رحمہ اللہ کے والد مولانا ابراہیم صاحب بہت صالح اور عابد و زاہد تھے، کتابت میں ماہر تھے، مولانا وحید الزمان صاحب کا مترجم قرآن مجید اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ کی تصنیف تحفۃ الاحوذی انھیں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہے اور آج تک اسی کتاب کی فوٹو سے کتاب ہمارے ہاتھوں میں چل رہی ہے، جو کہ اب متعدد مرتبہ ہندوستان، بیروت اور پاکستان سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب رحمہ اللہ راقم الحروف (خالد گرجاکھی) کے استاد بھی ہیں، میں نے ان سے فارسی کتب کریما، نام حق، شیخ عطار، گلستان اور غالباً بوستان کے

کچھ سبق بھی پڑھے تھے، غالباً یہ ۱۹۳۳-۳۴ء کے واقعات ہیں۔

حکیم عبدالمجید صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ابراہیم صاحب کے ہاں اولاد نہیں تھی، اسی وجہ سے اکثر وہ گھر سے باہر وزیر آباد مدرسہ میں حافظ عبدالمنان صاحب استاذ پنجاب کے پاس ہی رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنی خواہشِ اولاد کے لیے حضرت حافظ صاحب سے دعا کروائی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں لڑکا عنایت فرمایا۔ مولانا اسماعیل صاحب کا نام بھی حضرت حافظ عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ ہی نے رکھا اور وعدہ لیا کہ اس کو دین کے لیے وقف رکھیں۔ یہ اپنے باپ کے اکلوتے لڑکے ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔

مولانا کا پہلا مکتب ان کے باپ تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انھیں وزیر آباد حافظ عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ کے مدرسہ میں داخل کرایا گیا اور ۱۹۱۶ء میں حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ کی رحلت تک وہیں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے پاس امرتسر میں تعلیم حاصل کی۔ پھر اس کے بعد سیالکوٹ حضرت مولانا ابراہیم صاحب میر رحمہ اللہ کے پاس تعلیم کے لیے چلے گئے۔

گوجرانوالہ کی جامع مسجد اہلحدیث چوک نیائیں کی بنیاد قریباً ۱۸۷۶ء میں رکھی گئی، جس کے پہلے خطیب مولانا علاؤ الدین صاحب مقرر ہوئے، ۱۹۰۸ء تک گوجرانوالہ میں صرف تین اہلحدیث کی مساجد تھیں، لیکن جمعہ صرف چوک نیائیں والی مسجد میں ہی ہوتا تھا، ۱۹۱۴ء میں باقاعدہ انجمن اہلحدیث بنائی گئی، جس کے محرک حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب تھے، چنانچہ اسی انجمن کے تحت پہلا جلسہ بابو عطا محمد صاحب کی کوٹھی پر ۱۹۱۵ء میں ہوا، جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب، حافظ عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ، مولانا محمد علی صاحب بوپڑوی، مولانا ابراہیم صاحب رحمہ اللہ سیالکوٹی، مولانا عبدالعزیز بن مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ قلعہ میاں سنگھ والے بھی تشریف لائے۔

۱۹۲۰ء میں انجمن نے پاس کیا کہ وہاں پر ایک مدرسہ قائم کیا جائے، مولانا ابراہیم صاحب میر رحمہ اللہ سیالکوٹی سے مدرس طلب کیا، تو انھوں نے مولانا اسماعیل سلفی

کو خود لا کر مقرر کیا۔

حضرت مولانا اسماعیل صاحب سلفی رحمہ اللہ ۱۹۲۱ء میں مسجد اہلحدیث میں تدریس پر مقرر ہوئے اور قریباً چھ ماہ بعد مولانا علاؤ الدین صاحب وفات فرما گئے تو انجمن نے خطابت و امامت بھی ان کے سپرد کر دی۔

مولانا نے جس خوبی سے اس خدمت کو سر انجام دیا، اسے لوگ جانتے ہیں کہ مولانا کی طبیعت نہایت سادہ اور خدمت گزار تھی، اکثر صبح کی نماز سے پہلے خود اپنے ہاتھ سے ویل پمپ سے وضو کے لیے پانی بھرتے، مسجد کا کام ایک جذبہ سے کیا اور طبیعت ایسی رسا تھی کہ جو طالب علم صرف ایک سال تعلیم حاصل کرتا، وہ ضرور اہلحدیث ہو جاتا، حالانکہ آپ نے کبھی کسی کو ترغیب نہیں دی، لیکن آپ کی طبیعت سے متاثر ہو کر مسلک اہلحدیث اختیار کر لیتے۔

طبیعت میں لالچ نہیں تھا، بلکہ کام کرنے کا جذبہ تھا اور اپنے طلبا کو کہا کرتے تھے کہ بیٹا روٹی کے پیچھے نہ جانا، بلکہ جہاں اللہ تعالیٰ کام کرنے پر لگا دے، وہاں سے اٹھنا نہیں، دوسری جگہ خواہ کتنے زیادہ پیسے ملیں، جگہ چھوڑنی نہیں، کیونکہ جو کھیتی لگائی جاتی ہے، اس کی رکھوالی نہ کی جائے تو پھل نہیں دیتی۔

جب مدینہ یونیورسٹی بنی تو سعودی حکومت نے پیش کش کی کہ آپ وہاں تعلیم پر مقرر ہو جائیں اور تین ہزار روپیہ تنخواہ دینے کو تیار تھے۔ مولانا نے فرمایا: میں اپنے بڑھاپے میں بکاؤ مال نہیں بننا چاہتا، حالانکہ اس وقت مولانا کی کی تنخواہ صرف ۱۷۵ روپے تھی۔

غالباً ۱۹۶۰ء کی بات ہے، آپ نے مجھے کہا: مولوی خالد! چلو بھائی سیالکوٹ چلیں، میں ساتھ چل پڑا، بس کا ٹکٹ لینے لگے تو میں نے کہا حضرت میں لیتا ہوں، انھوں نے کہا نہیں میں لیتا ہوں۔ میں نے کہا اگر جمعیت کے خرچ پر جانا ہے تو آپ لے لیں، ورنہ میں لیتا ہوں۔ فرمانے لگے: مولوی خالد! تم نے کیا کہا؟ آج کل میری تنخواہ سوا دو صد روپیہ ہے، قریباً ستر پچھتر روپے میرے سفر خرچ میں ماہوار صرف

ہوجاتے ہیں اور قریباً اتنے ہی روپے ڈاک پر خرچ ہوجاتے ہیں اور تنخواہ کی باقی رقم مہمانوں پر خرچ ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے بچوں کو معقول کاروبار دیا ہوا ہے، گھر میں مجھے خرچ نہیں دینا ہوتا اور تنخواہ ساری انہی کاموں پر لگ جاتی ہے۔

مولانا نے تحریک خلافت سے لے کر تحریک آزادی تک تمام تحریکوں میں کام کیا اور متعدد بار جیل گئے، اور تحریک ختم نبوت کے مرکزی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔

مولانا نے پہلا حج ۱۹۲۶ء میں کیا، کیونکہ سعودی حکمران شاہ عبدالعزیز ۱۹۲۵ء میں حجاز پر قابض ہوئے اور ۱۹۲۶ء میں علماء اہلحدیث انھیں مبارک باد وغیرہ کے لیے گئے، خصوصاً مولانا اسماعیل صاحب غزنوی کی تحریک پر بہت سے اہلحدیث حج کو گئے۔ ہمارے والد صاحب مولانا نور حسین صاحب رحمہ اللہ گھرجاکھی نے بھی پہلا حج ۱۹۲۶ء میں ہی کیا۔

مولانا صاحب تعلیم میں اتنے مشغول رہتے کہ میں نے ایک مرتبہ کہا: مولانا اب دوبارہ حج کو جانے کا ارادہ نہیں؟ فرمایا: حج ایک ہی مرتبہ فرض ہے، اب اس کے علاوہ اور دینی فرائض بہت ہیں۔ بہرحال دوسرا حج پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۹ء میں کیا۔

پاکستان بننے سے پہلے اہلحدیث اجتماعی طور پر ''اہلحدیث کانفرنس'' کے نام سے کام کرتے رہے، جس میں اکثر طور پر سالانہ کانفرنس اور باہمی مشاورت وغیرہ سے آئندہ سال تک کے لیے کچھ پروگرام طے کیے جاتے۔ پاکستان بن جانے کے بعد خود حضرت صاحب کو جماعتی نظم کا خیال پیدا ہوا تو حضرت مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کو ملے، دونوں نے مل کر جمعیت اہلحدیث کو منظم کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ۱۹۴۹ء میں ہی ایک باقاعدہ باڈی بنا دی، جس کے پہلے صدر (بعد میں امیر کے لفظ سے تبدیل کر دیا گیا) حضرت مولانا داود صاحب غزنوی رحمہ اللہ اور ناظم اعلیٰ مولانا اسماعیل صاحب رحمہ اللہ سلفی مقرر ہوئے۔

مولانا ۱۹۴۹ء سے ۱۹۶۲ء تک ناظم اعلیٰ رہے اور مولانا داود صاحب کے فوت

ہونے پر ۱۹۶۲ء سے تاحیات ۱۹۶۸ء تک امیر کے عہدہ پر فائز رہے اور ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء کے تیسرے پہر فوت ہوئے۔

علمی مشاغل:

مولانا صاحب جب سے گوجرانوالہ تشریف لائے، اس وقت سے ہی تعلیم و تدریس میں مشغول رہے اور پاکستان بن جانے کے بعد تک قریباً ۱۹۶۲ء تک چالیس سال متواتر تعلیم دیتے رہے۔ مولانا کے دستِ راست حضرت حافظ محمد صاحب رحمہ اللہ گوندلوی بھی گوندلانوالہ سے آکر روزانہ تدریس کرتے رہے، اور دراصل یہ دو ہی مدرس تھے، ان کے علاوہ بعض اوقات کوئی نہ کوئی اور مدرس بھی رکھ لیتے تھے۔ میرے دورانِ تعلیم ۱۹۳۴ء تا ۱۹۴۱ء حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب کھدووالوی جو پاکستان میں بہاولنگر آکر فوت ہوئے، مولانا عبدالرحیم صاحب، مولانا ابراہیم صاحب گوندلوی، مولانا محمد عبداللہ صاحب حال مہتمم جامعہ محمدیہ، مولانا عبدالحمید صاحب حال صدر مدرس جامعہ محمدیہ بھی تعلیم پر مقرر رہے، جو کہ جامع مسجد نیائیں میں ہی زیر اہتمام حضرت سلفی صاحب رحمہ اللہ کے کام کرتے رہے۔

اس کے علاوہ آپ قلمی کام بھی کرتے رہے، تحریر میں غضب کا زور اور نہایت شیریں طنز فرماتے آپ کی کتاب ''تحریک آزادیٔ فکر'' دراصل آپ کے مضامین کا ہی مجموعہ ہے۔ زبان میں اللہ تعالیٰ نے قوت بیان کا وافر حصہ نصیب فرمایا تھا۔ خطبہ میں جو حالات پر تبصرہ فرماتے، دوسرے دن اس کی اصلاح ہو چکی ہوتی، حکومت پر تنقید فرماتے، لیکن نہایت جچے تلے الفاظ میں، جن پر سخت تنقید کے باوجود گرفت نہ ہو سکتی تھی۔

ساری زندگی ہر کسی کی خیر خواہی کو مقصد زندگی بنا رکھا تھا، بلکہ خیر خواہی والی بات منہ پر کرنے سے بھی ہچکچاتے نہ تھے، ایک دفعہ گکھڑ کے نارمل سکول سے کچھ علماء آئے، تعارف کروانے والے نے ان کا تعارف کروایا کہ بہت پرہیز گار نمازی آدمی

ہیں، آپ نے کہا یہ کوئی ان کی تعریف نہیں ہے، نماز تو ہمارا علماء کا پیشہ ہے، اگر ہم لوگ نماز نہ پڑھیں تو دنیا والے ہی ہمیں جینے نہ دیں، علماء کی اچھائی کا معیار یہ ہوتا ہے کہ لین دین کے معاملات میں کھرا ہو، اور دنیا دار جو لوگ دکانیں کرتے ہیں وہ اکثر لین دین کے معاملات میں کھرے ہوتے ہیں، ان کی اچھائی کا معیار نماز ہوتی ہے۔

ایک دفعہ میں نے کچھ تبلیغی اشتہار چھپوائے، اگرچہ ان میں کوئی خاص بات نہ تھی، لیکن چونکہ مرکز اور صوبہ پنجاب دونوں میں شیعہ منسڑ تھے، انھوں نے کھینچا تانی شروع کی، مولانا صاحب رحمہ اللہ نے مجھے بلایا اور فرمایا اگر کوئی پوچھے تو یہ کاروائی میرے ذمہ لگا دینا۔ میں نے کہا: حضرت یہ تو نہیں ہو سکتا، البتہ آپ میری ثابت قدمی کے لیے دعا فرمائیں۔ پھر انھوں نے مجھے کچھ دفاعی تدابیر ارشاد فرمائیں۔

استاذی المکرّم حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ پر قتل کا مقدمہ بن گیا تو مولانا صاحب شہر کے چیدہ چیدہ حضرات سے روپے اکٹھے کر کے کیس کی خود پیروی کرتے رہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا۔

۱۹۴۷ء کی پارٹیشن پر مقامی لوگوں پر اچھا خاصہ پریشانی کا دور آیا، مولانا صاحب رحمہ اللہ ایسے افراد کے پاس خود جا کر تسلی دیا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ حوادثات سے گھبرانا نہیں چاہیے، یہ بھی زندگی کے تجربات میں سے ہیں۔

عام حالات میں بھی اگر کبھی دو چار دن گزر جائیں تو مجھ جیسے تہی دامن کے پاس بھی خود چل کر آ جاتے اور فرماتے: برخوردار ملتے رہا کرو، نہ ملنے سے طبیعت اُداس ہو جاتی ہے۔

خود ستائی سے شدید متنفر تھے، ایک دفعہ کانفرنس میں فوٹو گرافر آ گئے تو انھوں نے کیمرہ والوں کی طرف چہرہ پر ہاتھ رکھ لیے اور فرمایا میں اسے ناجائز سمجھتا ہوں، لیکن کیمرہ والے بھی لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ ان کی زندگی کی متعدد تصاویر لے ہی لیں۔

دین و دانش کا مرقع آدمی کے روپ میں
اس طرح بن کر اٹھا تھا پاسبانی کے لیے
جس طرح سے گلستان میں طائرانِ خوشنما
چہچہاتے ہیں صبا کی ہمزبانی کے لیے

پاکستان بن جانے کے بعد اخبار الاعتصام جو کہ مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف نے جاری فرمایا تھا، ۱۹۴۹ء میں اسے جماعتی تحویل میں دے دیا گیا، جس میں وقتاً فوقتاً مضامین جاری فرماتے رہے۔ باوجود عالم دین ہونے کے طبیعت میں زہد وتقویٰ تھا اور شب بیداری عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ اکثر دن کو بھی ذکر واذکار میں مشغول رہتے، یا پھر اپنے دفتر مسجد چوک نیائیں میں اپنا وقت تحریر پر صَرف فرماتے تھے۔

آخری وقت غالباً ۱۹۶۷ء میں فالج کا حملہ ہوا تھا، جس کی وجہ سے طبیعت پر کمزوری کا اثر تھا، لیکن چند دنوں میں ہی افاقہ ہوا اور چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے تھے، بالآخر دوسرا حملہ فالج کا ہی ہوا، ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء کو چائے نوش فرمانے لگے تھے کہ حملہ ہوا، ہاتھ سے چائے کی پیالی گر گئی اور چند لمحوں میں ہی عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ إنا للہ وإنا إلیه راجعون!

رات بھر بارش کی وجہ سے جنازہ خانہ کی گراونڈ میں پانی ہونے کی وجہ سے جنازہ سٹیڈیم میں لے جایا گیا، اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی یہی تھی، کیونکہ جنازہ میں موسم کی خرابی کے باوجود اتنے کثیر افراد نے شمولیت کی کہ دیکھنے والے حیران تھے کہ اتنے آدمی کہاں سے آ گئے۔ سٹیڈیم میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی، بلکہ جی ٹی روڈ اور سیالکوٹ روڈ دونوں بند ہو چکی تھیں، جنازہ گھر سے روانہ ہوا اور ابھی تک لوگ گھر سے چل رہے تھے، جبکہ جنازہ سٹیڈیم میں پہنچ چکا تھا، قریباً میل لمبا جنازہ تھا، ایک آدمی بازار دیگاں والا میں اپنی دکان کے سامنے کھڑا جنازہ دیکھ رہا تھا: کہنے لگا ”جینا بھی ان لوگوں کا اور مرنا بھی ان لوگوں کا، ہم تو نکمی موت ہی مرتے ہیں!“

ایک نصیحت آمیز مکتوب:

حضرت مولانا سلفی رحمہ اللہ کو ان کے ایک تلمیذ نے خط ارسال کیا، جس کا حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل جواب لکھا۔ مکتوب الیہ نے حضرت سلفی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یہ خط الاعتصام ۲۳ اگست ۱۹۶۸ء میں افادۂ عام کے نقطہ نظر سے شائع کرایا، جسے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم گوجرانوالہ۔ ۶۶۔ ۸۔ ۱۱

محترم مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کئی دن ہوئے خط ملا تھا، مصروفیت اور علالت کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔

تبلیغ میں الفاظ کی شدت اور فتویٰ بازی سے پرہیز کریں، اس سے نفرت بڑھتی ہے۔ ﴿وجادلھم بالتی ھی احسن﴾ پر عمل کریں۔ لوگوں سے ذاتی تعلقات بڑھائیں، غم و خوشی میں ان سے مناسب ربط قائم رکھیں، یہ بے حد مؤثر چیز ہے۔

اخراجات محدود رکھیں اور قناعت سے کام لیں۔ قرض اور سوال دونوں میں آبرو کو خطرہ ہے، اکثر علماء اسی وجہ سے بدنام ہوتے ہیں۔ اپنے اخراجات کا کنٹرول کرنے سے ان دونوں چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

منتظمین سے تعاون فرمائیں۔ جماعت میں پارٹی بازی نہ ہونے پائے۔ اس کا پورا پورا خیال رکھیں بعض لوگ اختلاف برائے اختلاف کے عادی ہیں، ان سے اغماض کرنا چاہیے۔ نماز باجماعت اور رات کو بیداری کی عادت ڈالیں، اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل گوجرانولہ ①

---

① الاعتصام ۲۳ اگست ۱۹۶۸ء

تحریک اہلحدیث کا تجزیہ و تعارف اور مسلک اہلحدیث پر شکوک و شبہات کا
علمی و تحقیقی جائزہ

نگارشات

از قلم
شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

GUJRANWALA

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہٖ محمد خاتم النبیین وعلی أصحابہ وأتباعہ أجمین. أما بعد:

میں مسلسل لکھنے کا عادی نہیں، پیدائشی طور پر ذہنی میلان دین کی طرف ہے اور عقیدۂ سلف سے طبعی شغف۔ تعلیم و تربیت بھی اسی نہج پر رہی، انگریزی تعلیم اور حضری مدارس سے نہ تاثر ہے نہ انس، اگر کبھی ضرورت ہو تو مذہبی مسائل ہی پر لکھتا ہوں۔ جہاں تک اپنے متعلق خیال ہے میں مناظر نہیں ہوں، نہ آج کے رسمی مناظرات سے طبیعت آشنا ہے، اس لیے حوالوں میں کانٹ چھانٹ، تراجم میں حسبِ مطلب قطع و برید کی قطعاً عادت نہیں۔ مسلک اہل حدیث سے محبت ہے اور فن حدیث سے بلحاظ طالب علم کچھ تعلق، اور اسی ماحول میں کم و بیش کچھ لکھنے کا موقع ملا ہے۔

حدیث کی اساس چونکہ قرآن ہے اس لیے قرآن عزیز کے ساتھ بھی اسی قسم کا تعلق ہے بلکہ قرآن کو سنت سے قطع کر کے سمجھنے کی کوشش کرنا مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔ مجھے معلوم ہے کہ کئی سال سے ہمارے ملک میں انکار حدیث کی تحریک چل رہی ہے اور کئی مراحل سے گزری ہے، اور اس کے محرکین نے وقت کے تقاضوں کے مطابق کئی لباس بدلے ہیں، میں نے ابتدا میں یہ لٹریچر بطور طالب علم تحقیق کی نظر سے پڑھا، اب مجھے اس تحریک اور اس لٹریچر سے نفرت ہے، اس شغل کو اضاعتِ وقت سمجھتا ہوں، صلاۃ القرآن، بیان القرآن، طلوع اسلام یہ اس تحریک کی بے چارگی کے مختلف مراحل ہیں، اس تحریک کی قیادت کے عمل اور فکر کا ماحصل یہ ہے:

وہ قرآن کو مفصل کہنے کے باوجود مجمل اور قابل تشریح و تفسیر سمجھتے ہیں اور قرآن کی تفسیر اور تشریح کے لیے لٹریچر شائع کرتے ہیں، جس کا مطلب ظاہر ہے کہ قرآن عزیز کو ان حضرات کی تشریح کی ضرورت ہے، ان کے ہاں اس تشریح کو قبول کرنا گویا قرآن کو ماننا اور قبول کرنا ہے، مگر آنحضرت ﷺ یا آپ کے رفقا کرام قرآن کے مقاصد کو بیان کریں تو اسے یہ حضرات نہ قبول کرتے ہیں نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، بلکہ قطعاً ناپسند کرتے ہیں۔ کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے مگر اس کا انکار کر دینا سمجھ میں آتا ہے۔ ائمہ حدیث رحمہم اللہ نے جن احادیث کو اپنے معیار پر نہیں پایا ان کا انکار کر دیا یا ان کو موضوع فرما دیا لیکن چند احادیث سمجھ میں نہ آئیں تو پورے ذخیرہ اور فن کا انکار بالکل سمجھ میں نہیں آتا، عقل کو اس پر حیرت ہوتی ہے۔

اسی طرح کچھ بزرگ چند رسمیں اور چند نعرے لگا کر آنحضرت ﷺ سے محبت اور اسلام کی خدمت کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ ان رسموں کو اسلام اور ایمان کی بنیاد سمجھنا اور ان سے انکار یا ان پر انکار کو اسلام کی مخالفت اور آنحضرت ﷺ سے محبت کے منافی سمجھنا عجیب بات ہے، حالانکہ قرون خیر اور ائمہ اسلام فقہا محدثین کے آثار میں ان رسوم کا ذکر تک نہیں، اگر کہیں تھوڑا بہت پتہ چلتا ہے تو ان بزرگوں نے ان رسوم کو نفرت کی نظر سے دیکھا ہے، اسلام ایسے فعّال مذہب کا انحصار چند رسموں اور نعروں پر ہو ضمیر اس سے اباء کرتا ہے۔

اسی طرح مروجہ تقلید اور جمود کا آغاز تو غالباً طبعی تأثر ہے، جو ایک شاگرد استاد سے اور تلمیذ شیخ سے اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، یہ طبعی اور قدرتی ہے، اس کے جواز یا عدم جواز کی بحث بے فائدہ ہے، یہ تأثر ناگزیر ہے اور یہ تأثر ہمیشہ بانداز تحقیق اور بحث و نظر کی راہ سے ہوتا ہے، اس میں جمود نہیں ہوتا۔ دوسرے ائمہ اجتہاد سے حق کی نفی یا نفرت کے آثار اس میں نہیں پائے جاتے بلکہ ایک تحقیقی تأثر اور فکر و نظر کی

راہوں میں کسی قدر ہم آہنگی اور ہمواری ہوتی ہے، ان فقہی فروع میں نہ حق کسی ایک میں محصور ہوتا ہے نہ دوسرے اہل تحقیق سے نفرت اور بغض ہوتا ہے، اور خود ائمہ رحمہم اللہ نے اپنے متعلق کبھی یہ تأثر نہیں دیا کہ حق صرف ہمارے دامن سے وابستہ ہے، اور نہ یہ تأثر ہی دیا ہے کہ ہماری باتوں کو بلا دلیل محض خوش فہمی اور عقیدت کی بنا پر قبول کیا جائے۔

انبیا علیہم السلام فکر ونظر کی دعوت دیتے تھے، ان کے أتباع تقلید اور جمود کی دعوت کیسے دے سکتے تھے؟

میری رائے میں یہ تینوں مقام اس قدر ظاہر اور واضح ہیں کہ ان پر کسی طویل بحث کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اس کے باوجود دنیا میں ایسے حضرات موجود ہیں جو انکارِ حدیث کو بطور تحریک چلانا چاہتے ہیں، ان کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قول وفعل، سکوت، اجتہاد دین میں حجت نہیں، آنحضرت ﷺ کسی آیت کی تفسیر فرمائیں، ہمیں حق ہے کہ ہم ان کے خلاف تفسیر کریں اور صرف اپنی تفسیر کو صحیح سمجھیں، لیکن اس شناعت کے لیے عنوان یہ رکھا گیا ہے کہ قرآن مکمل ہے اور اسناد کی وجہ سے حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہی حال قریباً بعض دوسرے بزرگوں کا ہے، وہ بدعی رسوم اور مشرکانہ عادات کو آنحضرت ﷺ کی محبت اور بزرگوں کے ساتھ ربط وعقیدت کے نام دیتے ہیں اور ائمہ سے علمی استفادہ کا نام تقلید رکھ دیا گیا ہے۔ وبينهما مفاوز تنقطع فيها أعناق الإبل.

گزشتہ ایام کسی ضرورت یا کسی تأثر کے ماتحت میں نے چند مضامین ''الاعتصام'' میں لکھے جو بعض حلقوں میں بہت پسند کیے گئے، بعض حلقوں میں کافی ناراضی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ کسی چیز کے مؤثر ہونے کی یہی دلیل ہوتی ہے کہ وہ اپنے لیے مختلف حلقے پیدا کر لے اور نقد ونظر کا تختۂ مشق بنے۔ مضمون جب چھپ رہا تھا بعض محترم اور عزیز دوستوں نے اس کے بعض حصوں پر دوستانہ اور محققانہ تنقید فرمائی۔

جزاهم الله أحسن الجزاء.

بعض احباب کا خیال تھا کہ اہلحدیث حفاظ حدیث کا دوسرا نام ہے، یہ مکتب فکر نہیں، اس کے متعلق کچھ مختصر اشارات زیر طبع مضامین میں آ گئے ہیں، اس موضوع پر ایک مبسوط مضمون لکھنے کا خیال ہے۔ أرجو من الله التوفيق.

مولانا محمد حنیف یزدانی کی نظر سے غالباً یہ مضامین گزرے، انھوں نے ان کی طباعت کا ارادہ فرمایا ہے، میں نے انھیں اجازت دے دی ہے، اللہ تعالیٰ انھیں اعمالِ خیر کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ناظرین سے گزارش ہے اگر وہ ان پریشان خیالات کو پسند فرمائیں تو حضرت الاستاذ المحترم المحدث الکبیر حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی رحمہ اللہ کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، ان کی مبارک تربیت ہی دراصل توحید وسنت کے ساتھ محبت اور مسلکِ سلف کے ساتھ تعلق کی حقیقی محرک ہے۔

اللهم اغفرله وارحمه واجعل جنة الفردوس مأواه واجعله من ورثة جنة النعيم.

محمد اسماعیل

مدرس وخطیب

جامع اہل حدیث۔ چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

۲۶ مارچ ۱۹۶۶ء، ۳ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

النهضة السلفية في الهند و الباكستان

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على من كان نبيا وآدم بين الماء والطين، وأصحابه وأزواجه وذرياته أجمعين.

١۔ أظن، ولست معتديا، أن عامة سلاطين مغول، وإن كانوا مسلمين، لكن أعمالهم وأساس حكومتهم لم تكن دينيا قرآنيا، بل أكثر ملوكهم، ما خلا الأحاد منهم، كانوا مسرفين مضاهين بالمشركين من الهنادك، فاسقين معتادين للفجور، بالغين فيه حدا نهائيا.

وآخر ملوكهم الملك معظم بن اورنك زيب المعروف ببهادر شاه، حين كانت الرشاشات الإنجليزية تمطر، وتهطل على منابر سور "دهلي" والسطة المغولية كانت عشية أو ضحاها، كان مكبا على قبر الولي المشهور نظام ۔رحمه الله تعالىٰ۔ يدعو ويستغيث منه النصرة للمغول وولايتهم. من هنا اعتقل ١٨٥٧م، وحبس في بلدة "رنگون" وقضي عليه في الحبس ١٨٦٤م، ونال ما يناله كل من خالف السنن الإلهية. وظهيرة مغول صارت ليلاً داجيا مظلماً. ﴿**إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ**﴾ [الرعد: ١١] فليعلم القراء مبلغ السلاطين المغولية من الإسلام والعلم وحقيقة التوحيد!

٢۔ آثارهم:

ومن آثارهم الباقية الشنيعة:

١۔ نظام الدولة اللاديني.

٢ـ رسوم و عوائد كفرية.

٣ـ بدعات هاجمة و فقدان علوم القرآن والسنة.

٤ـ تقاليد جامدة و أفكار فاترة.

٥ـ قحط المعاهد الدينية والمفكرين من العلماء.

ترى ظلمة حالكة وليلا داجيا من قصور الحكومة إلى عرائش الفقراء وإن ترى ضرمة تشرق في مقام، فمن المساعي الذاتية لأهل العلم وأصحاب الفكر، والحكومة لم تكن تبالي من ذلك بشيء، دينها المقابر وفكرتها القباب، والأعياد عليها، وهمهم شد الرحال إلى المزارات.

٣ـ أهل العلم وأفكارهم:

ومن عواطفهم الدينية العميقة الغائرة أنهم كانوا يرجون بل يسعون لحياة مثل هذا النظام البالي والسلطة اللادينية الضعيفة إن أمكن ذلك، لكن الأقدار تحيط بالأفكار. ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ إن هلال مغول اعتنق بالأفول ١٨٥٧م وقام مقامها نظام لا ديني بحت، ترأسها الحكومة البريطانية بواسطة شركة تجارية إنجليزية، وبعد برهة من الزمن زالت الواسطة، وصارت الأعلام البريطانية ترفرف في جو الهند. وكانت سانحة ألمية أن دار الإسلام الفقهي صار دارالكفر في ساعات قلائل تعد على البنان.

٤ـ المفكرون:

ومن رحمة اللّٰه أن المفكرين من أصحاب الدين كانوا موجودين وقتئذ، فانصدعت بذلك قلوبهم، وحاك ذلك في صدورهم، وهم، وإن كانوا شرذمة، لكن أحاطوا بالأفكار ونتائجها النهائية، وأتوا على ما

أورثت الحوادث بالأقضية الفاصلة الباتة، والأمور الآتية كانت بين أعينهم:

١۔ آثار المغول الأخلاقية.

٢۔ ما نشأ من سلطة الإنجليز بعد سقوط المغول.

٣۔ وقوة النفوذ والمقاومة من المسلمين الذين أحاط بهم اليأس والقنوط.

وكانوا عالمين يقينا بينابيع الجنيهات الإنجليزية ونبطها، وأين تجري مياهها وسيولها؟ وقد علموا أن أول وأشد من وجد وتأثر من هذه الحوادث الموجعة الفاجعة هم أهل التوحيد والسنة، وأكثر من فرح بذلك واغتنم، هم طاغية الروافض، وطوائف أهل البدعة، والمشركون من الهند والأفاغنة.

وأكثر من تأذى وأوذي في ذلك هم أهل التوحيد السلفيون، الذين أخذوا واعتقلوا، وأخرجوا من ديارهم إلى المفاوز النائية والمياه المظلمة (انڈيمان) وصلبوا واختنقوا، اللهم ارحمهم رحمة واسعة حافلة.

ما عفوت، ولا أعفو، ولا يوفقني الله العفو عن إنجليز، فإن كل ذلك كان عن مكره ودهائه، وخبثه وشقائه، وطمعه وعنائه، إني أرى المخانق معلقة حبالها وصناديد أهل التوحيد مخنوقة عليها أجسامهم، دمائهم وسعت بلادهم من طرائف أموالنا وتلادنا. فكم من عروس قد أيموها؟ وكم من صغير في حجر أمه قد أيتموه؟

اللهم دمر ديارهم، وخرب بنيانهم، وأنزل بهم بأسك الذي لا ترده عن القوم المجرمين.

لولا اغترار الأغبياء والأوغال من المسلمين بدهائهم لكانت الأحوال اليوم على غير ما هي عليه اليوم، ولكانت نجد الشعب وغورها معمورة نضرة بغناء التوحيد والإسلام، وترفرف أعلامهم في جو الشعب وسمائه ۔

ما كل ما يشتهيه المرء يدركه
تجري الرياح بما لا تشتهي السفن

٥. العوائق:

قد علمنا، وكل الناس يعلم، أن الدياجي والغيوم التي سدّت أفق الشعب، وأحاطت بأقطارها القاصية والدانية، وابتلي الشعب المريض النحيف بمفاسدها، هي نتيجة الأمراض الموروثة من مغول وعاقبة السياسة الإنجليزية الخبيثة الدنسة، وليست معرفتها بعسير على الأذكياء العارفين بأحوال الشعب، لكن الغافلين قد يعسر عليهم العثور على حقيقة العوامل الإنجليزية التي لعبوا بها بعقول الشعب وفطانتها، وبأي قيمة لم يكن يرضى الإنجليز بفوز أي نهضة إصلاحية في أقطار البلاد الإسلامية أعماقها؛ لأن أساس حكومته على افتراق البلاد والتشعب فيها، وأن تكون أعضاء الشعب وسكانها على ضد الآخر، يلتذ الإنجليز أن يحضر المتحاربون بين يديه يطلبون منه العدل، ولسان الميزان يكون في يده، يرفعها ويخفضها كيف يشاء حسب المصالح والحكم عنده، والفريقان مكبان بين يديه ناكسي رؤوسهم!

٦. الأعواز والمشاكل:

لا يخفى على العارف بأحوال الشعوب والملل، الأعواز التي تعتري وتحسم النهضة الإصلاحية في مثل هذه الأحوال إذا طرأت على جو البلاد، وكم تحب لذلك من نظرة عميقة ليعلم كيف يكون الأثر الحافل التام سيما إذا كان المجتمع فاسداً منتناً، وصعوبة ذلك أظهر من أن يتجشم له بالاستدلال والحجة. وإذا عرض عليهم الدين القديم الصافي الساذج ما يمكن لهم أن يسمعوا ذلك فضلاً أن يدينوا وينقادوا له. الحال أن رغائب الحكومة ونظامها المادي يكون على ضد ذلك كله، هذه هي المعوقات التي كانت بين يدى هذه النهضة وقوادها الأذكياء الأعلام.

قد اختار الله لذلك الإمام، الثقة، العادل أحمد ولي الله (المتوفى ١١٧٦هـ) وتلامذته البررة الكرام، ومعه أبناءه أئمة الهدى الشيخ العلامة عبد العزيز (المتوفى ١٢٣٩هـ) والشيخ الفاضل رفيع الدين (المتوفى ١٢٤٩هـ) والشيخ العلامة عبد القادر (المتوفى ١٢٤٣هـ) والشيخ العلامة الإمام عبد الغني (المتوفى ١٢٢٧هـ) -رحمهم الله رحمة واسعة- وحفيده الكريم إسماعيل بن عبد الغني الشهيد في سبيل الله، كلهم قد قضوا ما وجب عليهم وأمكن لهم.

تصانيفهم مثل: حجة الله، وإزالة الخفاء، والمصفى، والمسوى، وتراجم القرآن الفارسية، والأردوية، وتحفة اثنا عشرية في الرد على الروافض، وتقوية الإيمان، وغيرها، هذه بضاعة سامية إذا أمعنت فيها النظر علمت وجه الأمر ونهجه، وموقفه ومقامه، والطريق الموصل إليه عندهم- رحمهم الله.

٧- الحلم والأناءة:

ويتضح عندك مع هذه الأعواز والقلاقل أن في عملهم هدوءاً وطمانينة، يظهر منه السكون والأناءة والنظر إلى العواقب الحكيمة الراسخة، فإنه -رحمه الله- أول ما ذكر في "حجة الله البالغة" الرد على البدعات الاعتقادية، وما كاد أو عسى أن ينشأ من الشبهات بسبب العلوم الأوروبية وما يوازيها من العوائد الشعبية الراسخة فيهم.

وهو -رحمه الله- حاد من طريق المناظرات الرسمية والمجادلات العرفية في ذكر العقائد الإسلامية، وبين أصول التطبيق بين الأدلة، وأوضح حكم العبادات ومصالحها.

ثم ذكر داء الأمم أعني: التقليد والجمود الذي حدث، وابتليت به

الأمة بعد المائة الرابعة، فتكلم عليه، وبسط القول فيه بحيث اتضح الطريق وسهل، وزلل السبيل للمحدثين وفقهائهم، وأزال الظنون والسوآت التي أنشأها أدوار الجمود والتقليد وعلماء السوء، وبحث ونقر عن المسائل الفقهية بأن أزال عنها العصبية وحمية الجاهلية، وهيأ الطبائع للتحمل والسماع عمن يخالف المسلك المتعارف بين العوام.

٨۔ تصانيف الإمام ولي الله رحمه الله:

إذا طالعت تصانيفه ۔رحمة الله عليه۔ سوى التصوف نعثر على أمور ثلاثة: الإسلام ونظامه السياسي الكامل، والرد على البدعات الاعتقادية، وفي ضمنها: مسئلة الخلافة على رأي أهل السنة، والعبادات والمصالح الملحوظة فيها.

وأبناؤه الكرام هم أصحاب التدريس والتعليم، ولهم تصانيف وتاليفات، قد وطنوا فيها طبائع، ومهدوا الأذهان للقضاء على البدعات والرسوم والعوائد الشركية بالبيان الحاد الموجع بحيث لا ترى له نظيرا في ملفوظات أبيهم الإمام ولي الله، وترى لهجتهم واضحة وصقعا في أصواتهم الناصعة، وتكلموا على الفروع الفقهية على طريقة فقهاء المحدثين والسلف الصالح من الصحابة والتابعين، وتكلموا على نهج تعتاد الطبائع الأدبية لسماعه، وقد كانوا يتكلمون في المسائل النزاعية بأصوات خافضة هادئة، والآن صرحوا بها، وجهروا بألسنة حادة مفصحة، وفيما يظهر ذلك من فتح العزيز في الكلام على التقاليد الفقهية الفرعية، وبين أن سوى الحنفية أيضا مسلمون يمكن أن يكونوا أحسن حالا منهم، وتكلم بحيث ينقض سحر التقليد عروة عروة.

٩۔ نشأة النهضة:

في هذه الآونة، وإن لم تظهر النهضة السلفية كالحركة الحية الناشئة النامية لكن سهل لها الطريق واستوى السبيل.

١٠۔ النهضة وارتقاؤها:

ويصعب علينا العلم بأن الارتقاء التدريجي في هذه النهضة، هل سبقه فكر ناضج وشورى محكمة، أو كان اتفاقا حادثا من غير فكر سابق؟ لكن لا يرتاب العاقل أن كل ما وقع، وقع على نهج محكم وأساس حكيم قويم سديد، ما قاله الأول بسهولة ولين، قاله الثاني مؤسسا عليه، مثاله: المسائل النزاعية في الفروع العملية، كرفع اليدين في المواضع الأربعة، والتأمين بالجهر في القراءة خلف الإمام، فأظهر الإمام ولي الله رأيه فيها مفتيا ومحققا، وابنه عبد العزيز صرح ذلك ملقنا ومرجحا، وشهيد الحق إسماعيل أظهر وأعلن وجهر وصرح ببعض ذلك على رؤوس المنابر والنوادي والمجالس.

وظني أنه هو مؤسس النهضة السلفية في شعاب الهند وأقطارها، والحق أن هذا جهاد منه، وإعلام بالسنة عند فساد الأمة، وبلادنا لم تعرف فيها هذه السنن، والعمل بها كان كقبض على جمر، وبعض العامة كانوا يظنون هذا فرقا بين الحنفية والوهابية بل ميزة بين الكفر والإسلام. وهكذا ما قاله في "تقوية الإيمان". نعم، الأوقات لم تكن موافقة، والجو كان مغبرا، والشر مستطيرا فهو ـ رحمه الله ـ أعلن، وهتك الستور و لم يبال بما تؤول إليه الأحوال. هذا هو الفرق بين المجدد وبين عامة العلماء. والمجدد يعرف الأحوال ويتكلم بحسبها.

۱۱۔ ظهور النهضة:

أعلن الشهيد بما في قلبه، وصقع به في السكك والأسواق، ثم عمل به هو ورفقته العظام، وهذه أعوان ظهور النهضة السلفية، وحينئذ صارت النهضة حركة حية عامية ثورية، وهذه آونة إصلاح المفاسد التي ورثناها من المغول، وأن يضرب عليها ضربا نهائيا باتا بإعلان الجهاد على الفور من غير تريّث وتأخير.

أعلنت جمعية المجاهدين بالجهاد على خلاف السيخ الذين أفسدوا على المسلمين في بنجاب، دينهم وأخلاقهم، وأعلنت بأن نظام الحكومة يكون دينيا خالصا قرآنيا بحتا مؤسسا على الكتاب والسنة.

السيد أحمد شهيد، والشاه إسماعيل الشهيد ـ رحمهما الله ـ هاجرا دهلي، وتركا رونقها، قصورها وأسواقها، ونزلا في ثغور بشاور بعد ما عبرا الجبال الشاهقة والطرق الصعبة النائية خوفا من إنجليز؛ لأنه كان حاميا للسيخ، وعمرا ثغور الأفاغنة بين الثلوج المشرقة الباردة.

فحمي الوطيس واستحر القتال، وبعد برهة من الزمن كسروا ثورة السيخ، ونهبت ثروتهم.

واختيار هذه النواحي والنزول في هذه المناطق الصعبة والأودية الغائرة لا يعرفه إلا العالمون بمنطق الحروب وعللها، والكشف عن أسبابه لا يسعه المقام لضيقه وغموض أسبابه.

وكل ذلك كان على طبق السنة النبوية ـ على صاحبها ألف صلاة وتحية ـ قاتلوا وجاهدوا بغير إضاعة ساعة واحدة في جهاد الأقلام ونشر الصحف المطبوعة فإن الجهاد حياة بنفسه لا يحتاج إلى دعاية مزخرفة كاذبة.

والقوم كأنهم ملائكة أحسوا بما يجب عليهم في هذه الآونة

والأحوال، عملوا بما استطاعوا مع قلة الأسباب، سلاحهم الفقر والتوكل والإنابة إلى اللّٰه، فجرى القتال إلى زمان، وبعد برهة صفا الجو، وأسفرت الغبراء، وانتشرت قوة السيخ، وظهر الوهن والفتور في سحاياهم الوحشية فكانوا هباء منثورا.

والمجاهدون لم يستفيدوا من هذه الفتوحات شيئا بسبب غدرة غلاة المسلمين من أهل البدعة معهم لكن انحلال ثورة السيخ كان قدرا مبرما باتا حتما. هذه المحاربات أثرت على السيخ شفاها جهرا، ولا بد من ذلك، لكن الروافض والمبتدعة أيضاً لم يتخلصوا من نتائجها، حصل فيهم القلق والاضطراب، فأتوا بالفتاویٰ ضد الوهابية المزعومة عندهم، المفروضة بينهم، المبغوضة فيهم، فقسموها بين الأفاغنة القاطنين في هذه الثغور، وأثاروا الفتنة ضد النهضة الناشئة للحرية الفكرية والسياسة لكن ما أفادتهم تلك الثوران شيئا بل استفاد منه الإنجليز فانشب أظفارهم على بنجاب بعد السيخ، وما حصل لأشرار الرافضة والمبتدعة غير خفي إلا أنهم هدؤا تحت ظلال إنجليز الحارة لا برد فيها ولا كرامة.

وقائد الحركة الإمام السيد أحمد البريلوي، و وزيره وصديقه الحميم الشاه إسماعيل انتقلا إلى جوار رحمة اللّٰه، وقتلا شهيدين في سبيل اللّٰه، ونالا منال الشهداء ـ عليهم رحمة اللّٰه تعالیٰ ـ وبعد كسر القوة السياسية وسقوط هذه النهضة الدينية السلفية انكسرت وانحلت فكرة الحكومة الإسلامية في الآونة الحالية، فإنا للّٰه وإنا إليه راجعون!

۱۲ ـ تقسيم الأعمال:

بعد ذلك اضطر قواد النهضة ورفقتهم من بقية السيف أن ينظموا الأمور، ويقسموها على نهج آخر حسب الظروف والأحوال، قسم

تكفلوا للمقاصد السياسية، كما كانوا ضد الإنجليز، وتنضيد الجنود والعساكر لذلك، وأنفقوا لذلك أعمارهم الثمينة الخطيرة، لكن ما أفاد ذلك إلا حاجة في نفس يعقوب قضاها، مع إنفاق الملايين من الأموال والنفوس فلم تسمن ولم تغن من جوع، والقسم الآخر ضمنوا تكميل ما بقي من أعمال الصلاح والإصلاح مثل: تنظيم المدارس والدراسات على نهج يؤيد الفكرة السلفية والنظرية الحديثية، وتوزيع كتب السنة وشرحها والتحشية عليها حسب ما يقتضيه مصالح النهضة، والرد على البدعات والعوائد الشركية، والقضاء على الجمود والتقليد وكل ما يضاد حرية الفكر.

١٣۔ الفوز والخسارة:

الآن وإن نتأسف على الخسارة السياسية والعجز عن إقامة الدولة الدينية لكن تعترينا سرور وأريحية بأننا قد قضينا على البدعات، وأخرجنا العادات والرسوم الشركية عن أوطانها، وصفا الجو كثيرا للعمل بالسنة والتمسك بها، وسعينا في طبع دواوين الحديث وتراجمها ما نفخر عليه، ويزيدنا سروراً انهزام جنود التقليد وسقوط بلادها. ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾

هذا إمامنا وسيدنا الأستاذ الشيخ السيد محمد نذير حسين تلميذ الصدر الحميد شيخ الآفاق مولانا محمد إسحاق ابن بنت الشاه عبد العزيز، وتلميذه المحترم أخذ منه العلوم وأخذ منه الإجازة بعد السماع حين أراد الهجرة والارتحال إلى بيت الله الحرام (١٢٥٨هـ) والأستاذ المحدث العلامة حسين بن محسن الأنصاري اليمني ثم البهوفالي ما أغزر فيوضه وأوفر تلاميذه! ـ رحمهما الله رحمة واسعة حافلة ـ

وهذا إمامنا وشيخنا الأستاذ الامام الملك السيد نواب صديق حسن

خان البهوفالي ما أرفق وبله! تصانيفه الغالية الثمينة انتشرت شرقا وغربا واستفاد منه العامة والعلماء.

ومع ما ابتلينا به من المساعي العنيدة ضد النهضة بلغ عددنا في هذه البلاد إلى ملايين وشعبنا ـ والحمد لله ـ لا يعجز ولا يفتر عن أي مقاومة بأي وجه كانت.

لنا مدراس، والجوامع، والنوادي، والمجالس، وحلق لدروس الكتاب الحكيم.

١٤ـ اليوم

بعد الخلاف العريض مع الإنجليز والمحاربات الطويلة الباردة على ضده حصل شيء من الفتور في صفوف السنة، وثلمات قصار في نظمهم، وحصل قليل من الملل في عزائمهم، ونحن، وكثير من خلص أصحابنا، ساعون في جمع كلمة أهل التوحيد السلفيين، ونرجو من إخواننا السلفيين من محي التوحيد والسنة أن يواصلونا في جمع كلمة أهل التوحيد، ويعاونونا للوصلة في أطراف البلاد النائية؛ لأن في الصوت الاجتماعي قوة في الآونة الجمهورية، وندعوا الله أن يوفقنا لجمع الكلمة والنصرة لدينه، إنه حميد مجيد، ونرجو أن هذه السطور تفيد معرفة ما للناطقين بالضاد مع إخوانهم السلفيين في بلاد الهند وباكستان، وندعو الله أن يوفقنا لجمعية عالمية سلفية تكون وسيلة للإخوة، والوداد العام بين السلفيين خاصة والمسلمين عامة. والحمد لله رب العالمين.❶

(جمادى الأولى ١٣٤٧ بمطابق جنورى ١٩٥٥ء)

---

❶ مجلة الاعتصام الأسبوعية، لاهور، العدد الثلاثون من المجلد الخامس والعشرين.

[" اگر میں حد سے تجاوز نہیں کر رہا تو میرا گمان ہے کہ عام مغل بادشاہ گو مسلمان تھے لیکن ان کے اعمال اور حکومت کی بنیاد دینی اور قرآنی ہرگز نہیں تھی بلکہ چند ایک کے سوا اکثر مغل سلاطین فضول خرچ، مشرک ہندوؤں کے نقال اور فسق و فجور میں مبالغے کی حد تک ڈوبے ہوئے تھے۔

جب انگریزی بندوقیں دہلی کے در و دیوار پر آگ برسا رہی تھیں، اور مغلیہ سلطنت اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی تو اس وقت آخری مغل بادشاہ معظم بن اورنگزیب المعروف بہادر شاہ ظفر، مشہور ولی نظام الدین اولیا کی قبر پر سجدہ ریز تھا اور اس سے مغلوں اور ان کی سلطنت کے لیے مدد کی فریاد کر رہا تھا۔ وہیں ۱۸۵۷ء میں گرفتار ہوا، اور رنگون میں قید کر دیا گیا، اور پھر قید ہی کی حالت میں ۱۸۶۴ء میں قضاءِ کار کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ جو ہر الٰہی قوانین کے مخالف کا مقدر ہوتا ہے اس کا بھی وہی مقدر ٹھہرا۔ اس طرح مغلوں کا تابناک سورج سیاہ کالی رات میں بدل گیا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ [الرعد: ۱۱]

چنانچہ مندرجہ بالا سطور سے قارئین کرام کو مغل بادشاہوں کے ہاں اسلام اور علم کے مبلغ اور توحید کی حقیقت کا اندازہ ہو جانا چاہیے!

ان کی باقیات:

ان کے باقی ماندہ بھیانک آثار کچھ یہ ہیں:

۱۔ ملحدانہ نظام حکومت۔

۲۔ کفریہ رسوم و رواج۔

۳۔ ہجوم آور بدعات اور قرآن و سنت کے علوم کا فقدان۔

۴۔ جامد روایات اور مردہ افکار۔

۵۔ دینی اداروں اور علماء مفکرین کا قحط۔

بادشاہوں کے محلات سے لے کر غریبوں کی جھونپڑیوں تک ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے، اگر کہیں آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ نظر آتا ہے تو یہ علماء اور مفکرین کی محض ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھا، وگرنہ حکومت کو ایسی کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس کا دین صرف قبروں اور مزاروں کی زیارت کے لیے اہتمام کرنا اور اس کی سوچ محض گنبدوں کی تعمیر اور ان پر میلے لگانے تک محدود تھی۔

٣۔ علما اور ان کے خیالات:

ان کے گہرے دینی جذبات کی گہرائی محض اتنی ہی تھی کہ اگر ممکن ہو سکے تو یہ فرسودہ نظام اور کمزور و بے دین اقتدار کسی نہ کسی طرح باقی رہ جائے بلکہ وہ اس کے لیے کوشاں بھی رہے لیکن تقدیر بہر کیف خیالات کو گھیر لیتی ہے۔ ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ [الأحزاب: ٦٢]

بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کا چاند ڈوب گیا اور اس کی جگہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے برطانوی حکومت کی زیر نگرانی ایک خالص بے دین نظام نے لے لی، اور کچھ ہی وقت کے بعد یہ واسطہ بھی ختم ہو گیا اور ہندوستان کی فضا میں برطانوی پرچم لہرانے لگے۔ یہ ایک دردناک سانحہ تھا کہ محض چند ساعات میں، جنھیں انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے، فقہ کی اصطلاح میں دارالسلام دارالکفر میں تبدیل ہو گیا۔

۶۔ مفکرین:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس وقت کچھ دینی مفکرین بھی موجود تھے، اس سانحے پر ان کے دل پھٹ گئے اور ان کے سینوں میں غم نے مستقل ڈیرے ڈال لیے۔ وہ اگرچہ تعداد میں تھوڑے تھے لیکن انھیں ان افکار اور ان کے آخری نتائج کا مکمل ادراک تھا۔ ان

حالات کے پیش نظر انھوں نے فیصلہ کن اقدامات کیے، جبکہ مندرجہ ذیل حقائق ان کے سامنے تھے:

ا۔ مغلوں کے اخلاقی اثرات۔

۲۔ سلطنت مغلیہ کے سقوط کے بعد انگریزی اقتدار سے پیدا ہونے والے حالات۔

۳۔ مسلمانوں میں، جنھیں مایوسی نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا، اقتدار اور مزاحمت کی قوت۔

ان مفکرین کو انگریزی پونڈوں کے سرچشموں کا بخوبی علم تھا کہ ان کے پانی ندی نالے اور سیلاب کہاں چلتے ہیں؟ اور انھیں اس حقیقت کا بھی علم تھا کہ ان تکلیف دہ اور جگر پاش حالات سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والے لوگ اہل توحید و سنت ہیں۔ اس موقع پر سب سے زیادہ خوشی کا اظہار جن لوگوں نے کیا اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا ان میں رافضی ٹولہ، بدعتی گروہ، ہندو مشرک اور افغانی (خوانین) شامل تھے، اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ اذیت اور تکلیف اہل توحید، اہل حدیث نے اٹھائی۔ انھیں پکڑا گیا، گرفتار کیا گیا، گھروں سے نکال کر دور دراز مقامات میں پھینک دیا گیا، جزائر انڈیمان میں کالے پانی کی سزا دی گئی، انھیں سولیوں پر لٹکایا گیا اور ان کے گلے گھونٹ دیے گئے۔

اے اللہ! انھیں اپنی وسیع رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرما۔

میں انگریز کو معاف کر سکتا ہوں نہ کروں گا، اور نہ اللہ مجھے انھیں معاف کرنے کی توفیق ہی دے۔ یہ سب کچھ اسی کی مکاری، چالاکی، خباثت، بدطینتی، سنگ دلی، درشتی اور لالچ کا کیا دھرا تھا۔

مجھے اب بھی وہ پھانسی گھاٹ نظر آرہے ہیں جن پر ابھی تک توحید کے علمبرداروں کے جسم لٹکے ہوئے ہیں اور ان کا خون ہر طرف بکھرا ہوا ہے۔ آج بھی ان کے گھر ہمارے نفیس اور قدیمی اموال سے بھرے پڑے ہیں۔ کتنی ہی دلہنوں کو انھوں نے بیوہ کر دیا اور کتنے ہی بچوں کو ان کی ماؤں کی گودوں میں یتیم کر دیا؟ اللهم دمر ديارهم وخرب

بنيانهم وأنزل بهم بأسك الذي لا ترده عن القوم المجرمين.

اگر مسلمانوں میں کچھ کم عقل اور ابلہ فریب قسم کے لوگ انگریزوں کی مکاری سے دھوکا نہ کھاتے تو ان کے حالات وہ نہ ہوتے جو آج ہیں بلکہ تمام وادیاں اور گھاٹیاں نغمہ توحید و اسلام سے معمور ہوتیں اور فضا میں اسلام کے جھنڈے لہرا رہے ہوتے۔

ما كل ما يشتهيه المرء يدركه
تجري الرياح بما لا تشتهي السفن

”ہر وہ چیز جس کی آدمی تمنا کرتا ہے اسے پا نہیں لیتا، ہوائیں کشتیوں کی مرضی کے خلاف بھی چلتی ہیں۔“

۵۔ رکاوٹیں:

ہم سب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ قوم پر جو سیاہ اندھیرے اور کالے بادل چھائے ہوئے ہیں، ہر دور و نزدیک کا علاقہ ان ظلمتوں کی زد میں ہے اور یہ بیمار قوم جن خرابیوں میں مبتلا ہے، یہ ان مغلیہ موروثی امراض کا نتیجہ اور انگریز کی گندی اور خبیث سیاست کا انجام ہے جسے قوموں کے حالات سے باخبر رہنے والے دانشمندوں کے لیے پہچاننا کوئی مشکل نہیں، البتہ خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے بے خبر افراد کے لیے ان انگریزی عوامل کی حقیقت پہچاننا مشکل ہوسکتا ہے، جن کے ساتھ وہ قوم کی عقل اور ذہانت کے ساتھ کھیلتے رہے ہیں۔

انگریز کسی بھی قیمت پر کسی بھی اسلامی خطے میں کسی بھی اصلاحی تحریک کی کامیابی پر خوش نہیں ہوسکتا، کیونکہ انگریزی حکومت کی بنیاد ہی اس قاعدے پر قائم ہے کہ ملکوں اور خطوں میں افتراق اور انتشار پیدا کیا جائے اور افرادِ قوم اور ساکنانِ وطن باہم دست و گریبان رہیں۔

انگریز اس کیفیت سے لذت اٹھاتا ہے کہ متحارب گروہ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوکر اس سے عدل کی بھیک مانگیں، اور ترازو اس کے ہاتھ میں ہو، وہ جس طرح چاہے اپنی حکومت اور مصلحت کے پیش نظر اسے اونچا یا نیچا کر سکے اور دونوں گروہ اس کے سامنے سر پھینک کر کھڑے ہوں۔

مشکلات:

اقوام وملل کے احوال سے واقف حال پر وہ مشکلات مخفی نہیں ہیں جو ان جیسے حالات میں اگر ملک کی فضا ان سے مکدر ہو جائے تو کسی بھی اصلاحی تحریک کے لیے پریشانیاں کھڑی کر سکتی ہیں۔ پھر ان پریشانیوں سے نپٹنے کے لیے گہرے غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے بھرپور اثرات کا جائزہ لیا جا سکے، خصوصاً جب معاشرہ بھی فاسد اور گندا ہو، اس صعوبت کا اندازہ کرنے کے لیے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں۔

جب ان کے سامنے صاف، بے لاگ، قدیم اور سادہ دین پیش کیا جاتا، چہ جائیکہ وہ اسے اپنا لیتے اور اس کے تابع فرمان ہوجاتے، ان کے لیے اسے سننا بھی ناممکن تھا، جبکہ دوسری طرف یہ حالت تھی کہ حکومتی خواہشات اور اس کا مادی نظام بھی اس کے مخالف تھا، اس تحریک اور اس کے ذہین فطین راہنماؤں کے سامنے یہ تمام تر مشکلات سر اٹھائے کھڑی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶م) جیسے ثقہ و عادل امام اور ان نیک و معزز شاگردوں کو منتخب فرمایا، اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹م) شاہ رفیع الدین (۱۲۴۹م)، شاہ عبدالقادر (۱۲۴۳م) شاہ عبدالغنی (۱۲۲۷) اور ان کا پوتا شاہ اسماعیل بن عبدالغنی شہید بھی شامل تھے، ان تمام نے اس سلسلے میں مقدور بھر اپنی ذمے داری ادا کی۔

ان کی تصانیف حجۃ اللہ، ازالۃ الخفاء، مصفی، مسوی، قرآن کریم کے فارسی اور اردو

میں تراجم، روافض کے رد میں تحفہ اثنا عشریہ اور تقویۃ الایمان وغیرہ، یہ وہ قیمتی سرمایہ ہے کہ اگر ان میں غور کیا جائے تو معاملے کی صورت، منہج، طریقہ کار، موقف و مقام اور راستہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

۷۔ حلم و بردباری:

ان مشکلات اور اضطرابات کے باوجود یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے کام میں ایک طرح کا ٹھہراؤ اور اطمینان تھا جس سے سکون، بردباری اور انجام میں حکیمانہ اور مضبوط غور و فکر نظر آتا تھا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ میں سب سے پہلے ان اعتقادی بدعات اور ان رسوم و رواجات اور مغربی علوم کی وجہ سے پیدا ہونے والے شبہات کا رد ذکر کیا ہے۔ شاہ صاحب نے اسلامی عقائد بیان کرتے ہوئے رسمی مناظرانہ انداز اور جدلیاتی اسلوب سے گریز کیا ہے، اور دلائل کے درمیان تطبیق دینے کے اصول اور عبادات اور ان کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کیا ہے۔

پھر اس کے بعد انھوں نے قوموں کی اصل بیماری یعنی تقلید اور جمود کا ذکر کیا ہے، جو چوتھی صدی ہجری کے بعد امت مسلمہ پر وبا بن کر چھا گئی۔ انھوں نے تقلید پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے اور محدثین اور فقہاء کے لیے راستہ آسان اور واضح کر کے دکھایا ہے، اور ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے جو تقلید اور جمود کے ادوار اور علماءِ سو کی پیداوار ہیں۔ نیز فقہی مسائل کی بحث و تحقیق کرتے ہوئے تعصب اور جاہلانہ ہٹ دھری کا قلع قمع کر دیا ہے اور نفوس کو عوام میں متعارف مسلک کی مخالفت کرنے والے کی بات سننے اور برداشت کرنے کے لیے تیار کر دیا ہے۔

۸۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصانیف:

شاہ صاحب کی تصوف کے علاوہ تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں تین امور نظر آتے ہیں:

۱۔ اسلام اور اس کا مکمل سیاسی نظام۔

۲۔ اعتقادی بدعات کا رد، اس ضمن میں اہل سنت کی رائے کے مطابق مسئلہ خلافت بھی آ جاتا ہے۔

۳۔ عبادات اور ان کی حکمتیں۔

شاہ صاحب کے نامور فرزند بھی اصحابِ تدریس و تعلیم تھے، انھوں نے اپنی تصانیف میں بڑے تند اور سخت انداز میں بدعات اور شرکیہ رسوم و رواجات کی بیخ کنی کرنے کے لیے ذہن سازی کی ہے۔ یہ انداز ان کے والد کے ملفوظات اور تصانیف میں نظر نہیں آتا۔ ان کا لہجہ بڑا واضح، بے لاگ اور آواز میں ایک طرح کھنک ہے۔ انھوں نے فقہی فروعات پر محدثین فقہا اور صحابہ و تابعین وسلف صالحین کے طریقے کے مطابق گفتگو کی ہے۔ ان کی گفتگو کا انداز ایسا تھا کہ مہذب طبائع اسے سننے کی عادی تھیں۔ پہلے وہ اختلافی مسائل پر آہستہ آواز اور پرسکون لہجے میں بات کرتے تھے، اب انھوں نے کھلے عام اور دوٹوک انداز میں ان پر گفتگو کرنا شروع کر دی۔ یہ حقیقت فتح العزیز میں واضح ہوتی ہے جس میں انھوں نے یہ بات بیان کی ہے کہ دنیا میں احناف کے علاوہ بھی مسلمان ہیں جو ان سے بہتر ہو سکتے ہیں، اور تقلید پر اس انداز میں گفتگو فرمائی ہے کہ اس کے تار و پود بکھیر دیے ہیں۔

۹۔ تحریک کی ابتداء:

ان دنوں میں سلفی تحریک اگرچہ ایک زندہ اور ترقی پذیر تحریک کی طرح ظاہر نہیں ہوئی لیکن اس کا راستہ ضرور آسان اور ہموار کر دیا گیا۔

۱۱۔ تحریک کا ارتقا:

ہمارے لیے یہ بات جاننا مشکل ہے کہ اس نشأۃِ ثانیہ کی تحریک کے تدریجی ارتقا کے پیچھے کوئی ٹھوس فکر اور مضبوط شوری تھی یا بغیر کسی سابقہ فکر کے یہ ایک محض اتفاقی حادثہ

تھا؟ لیکن ایک صاحبِ عقل اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ جو بھی ہوا ایک ٹھوس مستحکم اور دانشمندانہ منہج اور اساس کے مطابق تھا۔ پہلے نے جو بات نرم اور آسان انداز میں کہی وہی بات دوسرے نے اسی پر بنیاد رکھ کر کہی۔ اس کی مثال عملی فروع میں اختلافی مسائل کی ہے، جیسے چار جگہوں میں رفع الیدین کرنا، بلند آواز سے آمین کہنا، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قراءت کرنا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ان مسائل میں اپنی محققانہ اور مفتیانہ رائے دی ہے، اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تلقین کرتے ہوئے اس کی صراحت کی ہے، جبکہ شہید برحق شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے منبروں پر، مجلسوں میں اور جلسہ گاہوں میں بے لاگ انداز میں کھلے عام اس کا اظہار کیا ہے۔

میرا یہ گمان ہے کہ بلاد ہند میں سلفی تحریک کے بانی مبانی شاہ اسماعیل شہید ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ ان کا جہاد اور امت میں فساد کے وقت سنت کا اعلان ہے۔ ہمارے علاقوں میں یہ سنتیں غیر معروف تھیں، ان پر عمل کرنا ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑنے کے مترادف تھا۔ بعض عام لوگ احناف اور وہابیوں کے درمیان یہی فرق خیال کرتے تھے، بلکہ یہ کفر اور اسلام کے درمیان خط امتیاز تھا۔ اسی طرح شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں جو فرمایا ہے اسے بھی کفر و اسلام کا معیار قرار دے رکھا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حالات غیر موافق تھے اور فضا غبار آلود تھی، ہر طرف شر پھیلا ہوا تھا لیکن انھوں نے انجام سے بے پرواہ ہو کر پردے چاک کر دیے اور بانگ دہل اعلان کر دیا۔ یہ ہے فرق عام علماء اور ایک مجدد کے درمیان۔ مجدد حالات سے واقفیت رکھتا ہے اور ان کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

۱۱۔ تحریک کا ظہور:

شاہ صاحب کے جو دل میں تھا انھوں نے اس کا اظہار کیا اور گلیوں بازاروں میں اپنی آواز بلند کی۔ پھر انھوں نے خود اور ان کے رفقاءِ کار نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ یہ

اس سلفی تحریک کے ظہور کا آغاز تھا، پھر یہ تحریکِ بیداری ایک زندہ عوامی اور انقلابی تحریک بن گئی، اب یہ ان مفاسد کی اصلاح کا وقت تھا جو مغلوں سے ہمیں ورثے میں ملے اس کے بعد فوراً انھوں نے ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے اعلانِ جہاد کر دیا۔

جماعتِ مجاہدین نے سکھوں کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا، جنھوں نے پنجاب میں مسلمانوں کے دین اور اخلاق کو بگاڑ دیا تھا۔

شاہ صاحب نے یہ اعلان کیا کہ حکومت کا دینی نظام خالص قرآنی اور کتاب وسنت کے مطابق ہوگا۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید نے دہلی سے ہجرت کی، اس کی رونق، محلات اور بازاروں کو خیر آباد کہا اور انگریز کے ڈر سے، جو سکھوں کا خیر خواہ تھا، بلند و بالا پہاڑ عبور کر کے پشاور کی حدود میں ڈیرے ڈال لیے اور ٹھنڈی چمکدار برفوں کے درمیان افغانیوں کی سرحدوں کو آباد کر دیا۔ جنگ کی ابتدا ہوگئی اور قتال کے میدان سج گئے، کچھ عرصے کے بعد انھوں نے سکھوں کے انقلاب کو توڑ دیا اور ان کی دولت لوٹ لی۔

ان مشکل علاقوں اور گہری کھائیوں کو میدانِ قتال منتخب کرنے میں جو حکمت تھی جنگی ماہرین اس سے بخوبی واقف ہیں، یہاں ان اسباب کی کھوج لگانے کا مقام نہیں۔

یہ سارا کام سنت کے مطابق تھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر انھوں نے اپنا وقت قتال اور قلمی جہاد میں گزار دیا، مطبوعہ لٹریچر عام کیا۔ جہاد اپنی ذات میں ایک زندگی ہے جسے کسی جھوٹے پروپیگنڈے اور خوشنما اعلان کی ضرورت نہیں۔

یہ جماعت گویا فرشتوں کی جماعت تھی، جنھوں نے محسوس کر لیا کہ ان جیسے حالات میں ان پر کیا ذمے داری عائد ہوتی ہے؟ اسباب کے نہ ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی استطاعت کے مطابق عملی اقدامات اٹھائے۔ فقر، توکل اور رجوع الی اللہ ان کے ہتھیار تھے۔ ایک وقت تک میدانِ قتال لڑائی کی آگ سے بڑھکتا، سلگتا اور جلتا رہا۔ پھر اس کے بعد فضا صاف ہوگئی، غبار چھٹ گیا، سکھوں کی قوت تتر بتر ہوگئی، ان کی

وحشیانہ جبلتوں پر کمزوری اور سستی کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے اور پھر وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہوا ہو گئے۔

مجاہدین غالی بدعتی مسلمانوں کی غداری کے سبب ان فتوحات سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے، لیکن سکھ انقلاب ٹوٹ گیا، جو تقدیر کا حتمی فیصلہ تھا۔

ان لڑائیوں نے سکھوں کے زور کو توڑ کر رکھ دیا، اور ایسا ہونا ہی تھا، لیکن بدعتی اور رافضہ بھی ان کے نتائج سے محفوظ نہ رہ سکے، وہ بے چینی اور اضطراب کا شکار ہوگئے اور انھوں نے وہابیوں کے خلاف خود ساختہ، فرضی اور بغض کی بدبو سے بھرپور فتوؤں کی بھرمار کر دی، پھر ان فتوؤں کو انھوں نے سرحدی افغانیوں میں تقسیم کیا، اور اس سیاسی اور فکری حریت کی کوکھ سے جنم لینے والی تحریک کے خلاف فتنے کی آگ بڑھکا دی لیکن یہ اشتعال انگیزی بھی ان کے کسی کام نہ آئی، بلکہ انگریز اس سے فائدہ اٹھا گیا اور اس نے سکھوں کے بعد پنجاب میں اپنے پنجے گاڑ لیے اور ان شر انگیز بدعتیوں اور رافضہ کے ہاتھ رونے دھونے کے سوا کچھ نہ آیا، لیکن انگریزی تخت کے گرم سائے تلے، جس میں ٹھنڈک تھی نہ عزت، یہ پرسکون ہوگئے۔

تحریک کے قائد سید احمد بریلوی اور ان کے وزیر اور دلی دوست شاہ اسماعیل شہید راہِ حق میں جان کا نذرانہ پیش کر کے رحمتِ حق کے پڑوسی بن گئے، اور شہادت کے درجے پر فائز ہوگئے۔ سیاسی قوت ٹوٹ جانے اور اس دینی سلفی تحریک کے سقوط کے بعد موجودہ صورت حال میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا خواب ٹوٹ گیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!

۱۴۔ کاموں کی تقسیم:

اس کے بعد تحریک کے قائدین اور رفقاء کار، جو تلوار کی زد میں آنے سے بچ گئے، امور کی ایک اور طرح کی تنظیم اور تقسیم کے لیے مجبور ہوگئے جو حالات اور واقعاتی صورت حال کے مطابق تھی۔ کچھ لوگوں کو سیاسی مقاصد کے شعبے کے ساتھ منسلک کر دیا گیا، یہ

انگریز کے خلاف تو تھے ہی، اس مقصد کی خاطر فوج سازی کرنے کی ذمہ داری بھی انھیں کی تھی، اس کام کے لیے انھوں نے اپنی قیمتی جانیں تک گنوا دیں اور ہزاروں ملین خرچ کر ڈالے، مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہوا۔

ایک شعبہ اصلاحِ احوال کی تکمیل کے لیے قائم کیا گیا، جس کا کام ایسے انداز کے مطابق مدارس اور تدریس و تعلیم کی تنظیم کرنا تھا جو سلفی نقطہ نظر کے مطابق ہو۔ تحریک کے مفاد کے مطابق کتبِ حدیث کی تقسیم کی جائے اور ان کی شرح اور حاشیہ نگاری کا کام کیا جائے، بدعات اور شرکیہ رسوم و رواجات کا جواب دیا جائے، تقلید و جمود اور ہر اس سوچ کا قلع قمع کیا جائے جو حریتِ فکر کے خلاف ہو۔

۱۳۔ کامیابی اور نقصان:

اب اگرچہ ہم سیاسی نقصان اور دینی حکومت قائم نہ کر سکنے کی وجہ سے کف افسوس ملتے ہیں، تاہم اس وقت ہم اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور خوشی ہماری نس نس میں پھیل جاتی ہے کہ ہم نے بدعات کا خاتمہ کر دیا، شرکیہ رسوم کو ان کے وطنوں سے مار بھگایا اور سنت پر عمل کرنے اور اسے اختیار کرنے کے لیے فضا کسی قدر صاف ہوگئی۔ ہم نے احادیث کے مجموعوں کی اشاعت کے لیے کوشش کی، ان کے تراجم کیے، اور آج ہمیں اس کام پر فخر ہے، اور ہماری خوشی مزید دوبالا ہوگئی جب تقلید کے لشکر دُم دبا کر بھاگ گئے اور اس کے مسلط کا خاتمہ ہوگیا۔ ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾

یہ ہمارے امام اور استاذ شیخ نذیر حسین محدث دہلوی ہیں جو شہرہ آفاق محدث مولانا محمد اسحاق، شاہ عبدالعزیز کے دوتے اور ان کے شاگرد کے شاگرد تھے۔ شاہ محمد اسحاق نے شاہ عبدالعزیز سے علم حاصل کیا اور ان سے سماع حدیث کے بعد جب ۱۲۵۸ھ میں مکہ مکرمہ ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے اجازتِ حدیث بھی لی۔ اسی طرح استاذ محدث

علامہ حسین بن محسن انصاری یمنی بھوپالی بھی ہیں، ان دونوں کے فیض اور شاگردوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ ایسے ہی شیخ امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ بھی ایک بحر بے کنار تھے۔ ان کی قابل قدر تصانیف مشرق و مغرب میں پھیل گئیں اور عوام اور علما سب نے ان سے استفادہ کیا۔ اس تحریک میں ہمیں تعصب اور عناد کی جس قدر کوششوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کے باوجود ہماری تعداد دنیا میں لاکھوں تک پہنچ چکی ہے، اور الحمد للہ، ہماری قوم ہر طرح کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر طرح سے تیار ہے۔

ہمارے مدارس ہیں، مساجد ہیں، مجالس ہیں، اور کتاب وسنت کے دروس کے سلسلے ہیں۔

۱۴۔ آج:

انگریز کے ساتھ طویل جدو جہد اور لمبی سرد جنگ کے بعد اگرچہ اہل سنت کی صفوں میں کچھ سستی اور ان کے نظام میں کچھ رخنے پیدا ہو چکے ہیں اور ارادوں میں کمزوری بھی واقع ہو چکی ہے۔ تاہم ہم اور ہمارے بہت سارے مخلص ساتھی اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اہل توحید سلفی حضرات کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ہم توحید و سنت کا احیا کرنے والے اپنے سلفی بھائیوں سے امید کرتے ہیں کہ وہ اہل توحید کی اس شیرازہ بندی میں ہمارے ساتھ ملیں اور دور دراز کے علاقوں میں اس صف بندی کی کوشش میں تعاون کریں، کیونکہ جمہوری دور میں اجتماعی آواز ایک قوت رکھتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں صف بندی اور اس کے دین کی نصرت کی توفیق دے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ چند سطریں اہل عرب کو ان کے پاکستان و ہندوستان میں سلفی بھائیوں کے متعلق حالات کے بارے میں باخبر کرنے کے سلسلے میں معاون ثابت ہوں گی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دست بستہ عرض گذاشتہ ہیں کہ وہ ہمیں ایک عالمی جمعیت اہلحدیث قائم کرنے کی توفیق دے جو سلفی حضرات کے درمیان خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے درمیان عموماً بھائی چارے اور عمومی محبت کا ذریعہ ہو۔ والحمد للہ رب العالمین."]

ایک مقدس تحریک

جو مظالم کا تختۂ مشق بنی رہی

مادی حکومتوں میں جس طرح توڑ پھوڑ ہوتا رہتا ہے اسی طرح دینی تحریکات اور فروعی اور اصولی نظریات میں بھی کسر اور انکسار کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ مقدمہ ابن خلدون اور مقریزی کی المواعظ میں ان حوادث کا تسلسل نظر آتا ہے۔ مسائل میں اختلاف، اہلِ علم کی باہمی رقابتیں اور شکر رنجیاں تاریخ مذاہب میں مدو جزر کی کیفیت پیدا کر رہی ہیں، اس کے مادی ذرائع پر بحث تاریخ کا ایک خاص موضوع ہے۔ تاریخ، طبقات اور ملل ونحل کی کتابوں میں اس کی خاصی تفصیل ملتی ہے۔

فارس کے علاقوں میں ایران اور ماوراء النہر میں جس طرح مذہبی انقلابات آئے، ایک گروہ نے دوسرے پر یورش کی، اسے ختم کیا، اس قسم کا مواد تاریخِ عالم میں کافی ملتا ہے۔ ائمہ حدیث اور علمائے سنت کی کثرت، پھر ائمہ شوافع کا زور، اس کے بعد علمائے احناف کی یورش، پھر تشیع کا غلبہ، یہ سب حوادث تھوڑی سی مدت میں رونما ہوگئے۔

آج بھی ایران اور عراق میں سنی بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں لیکن شیعی حکومت کے استبداد نے سب کی زبانیں بند کر رکھی ہیں۔ روسی ترکستان، ازبکستان، تاشقند میں فرقہ پرستی کی تنگ نظری اور فقہی استبداد نے لادینی اور کمیونزم کے لیے راہ ہموار کر دی، یہاں عملاً اسلام ہی کو خارج البلد کر دیا گیا ہے۔ نکتہ ور، دور اندیش طبائع کے لیے اسی میں درسِ عبرت ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

[ق: ۳۷]

مصر اور سوڈان کے علاقوں میں اہل علم اور ائمہ سنت کا طوطی بولتا تھا، قرآن و سنت اور سلف کا طریق عام تھا۔ حضرت امام شافعی ۱۹۸ھ میں تشریف لائے اور اپنے علمی فیوض سے سرزمینِ مصر کو سیراب فرمایا۔ ربیع بن سلیمان، امام اسماعیل بن یحییٰ مزنی، حافظ یوسف بن یحییٰ بویطی وغیرہم کی وجہ سے شافعیت مصر میں عام ہوگئی۔ (الخطط: ٤/ ١٤٥)

اس کے بعد فاطمیوں کے عروج نے ساری صورت حال بدل کر رکھ دی۔ ۳۵۸ھ میں مصر پر تشیع اور رفض چھا گیا، فاطمی اور دوسرے روافض جو دھاندلیاں کر سکتے تھے کرتے رہے، مصر کے در و دیوار پر صحابہ اور ائمہ سلف پر تبرّا کے بورڈ آویزاں تھے۔ ۵۶۴ھ کے پس و پیش سلطان نور الدین محمود زنگی کی فوجوں نے اس دور کا خاتمہ کیا، فقہائے موالک اور شوافع کے دور کا پھر آغاز ہوا اور رفض و تشیع کا اس سرزمین سے خاتمہ ہوگیا۔

مقریزی نے خطط جلد چہارم میں اس مد و جزر اور عروج و زوال کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے۔ مقریزی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے مذاہبِ اربعہ میں مناقشات جاری رہے، عہدۂ قضا کی وجہ سے اکھاڑ پچھاڑ کا سلسلہ جاری رہا، یہ اہل علم کی کمزوری تھی کہ مسلمان اور سنّی سمجھنے کے باوجود مدارات اور باہم خوشدلی سے گزر نہ کر سکے، افتا اور قضا نے کاروباری انداز اختیار کر لیا، وقت کی حکومت بھی ان حضرات کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتی اور اپنے سیاسی مفاد حاصل کرتی رہی۔

ابتداءً ائمہ اسلام ان درباروں کی حاضری سے پرہیز کرتے رہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو عباسی اور اموی دونوں درباروں نے عہدۂ قضا کی پیش کش کی، امام موصوف مدت العمر اس سے انکار فرماتے رہے اور قریباً دونوں درباروں کے معتوب رہے، لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے یہ عہدے قبول کر لیے۔❶ مصالح بدلتے رہتے ہیں، ممکن ہے اس سے کوئی نقصان بھی ہوا ہو مگر بظاہر تو امام

---

❶ علاوہ ازیں ان کے شاگردوں میں سے پندرہ کے قریب افراد نے عہدۂ قضا قبول کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: اللمحات (٤/ ٢٥٣)

ابو یوسف رحمہ اللہ کو دینی اور دنیوی دونوں قسم کے فوائد حاصل ہوئے۔① فقہ حنفی کی اشاعت میں ان کے اس تعلق سے بہت مدد ملی۔ مذاہب اربعہ کا جہاں بھی زور ہے وہاں دلائل سے زیادہ اسی قسم کے مؤثرات کا نتیجہ ہے۔ الخطط للمقریزی، مقدمہ ابن خلدون، البدایہ والنہایہ وغیرہ کتبِ تاریخ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اگر حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روش کی پابندی فرماتے تو قرینِ قیاس ہے کہ حنفی مسلک کی اس قدر کثرت نہ ہوتی۔ لوگوں نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اس روش پر تنقید کی ہے، کچھ جھوٹی سچی کہانیاں بھی تاریخ الخلفاء للسیوطی اور بعض دوسری کتب میں مرقوم ہیں۔② صورت حال کوئی بھی ہو مگر مسلک کی اشاعت میں یقیناً اس سے بڑی مدد ملی۔ اسی طرح افریقہ، حجاز، مصر اور نجد میں حکومتوں نے جن مسالک کی اعانت حکومت کی سطح پر کی ان علاقوں میں ان مسالک کو بڑی ترقی ہوئی اور خوب پھیلے۔

مسلک اہل حدیث کو یہ مواقع کم ملے، یہ بے چارے یوں ہی درباروں کی زندگی سے بھاگتے رہے، اس لیے تاریخ نے انھیں نسیان وخمول کی دبیز تہوں میں دبا دیا۔ اچھے پڑھے لکھے حلقوں میں اب بھی علی الاعلان کہا جا رہا ہے یہ کوئی مکتبِ فکر ہی نہ تھا، یہ محض حفاظِ حدیث کی جماعت تھی جس میں تفقہ اور درایت ناپید تھی، وہ اجتہاد اور استنباط کی راہوں سے ناآشنا تھے، حالانکہ تمام مسالک جن کا تعلق سنت سے ہے یا بدعت سے وہ اپنی اور اپنے مسلک کی صحت اور درستی کے لیے اسی مسلک کو معیار اور کسوٹی سمجھتے تھے، اور یہ حضرات بھی علم کلام اور فلسفہ سے لے کر فقہ، اصول فقہ، تجوید، نحو، معانی، بیان، ادب وتاریخ میں مجتہدانہ افکار رکھتے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

① بلکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے: "من نظر في الرأي ولم يل القضاء فقد خسر الدنيا والآخرة" (تاريخ بغداد: ١٤/ ٢٤٩)

② دیکھیں: تاريخ الخلفاء (ص: ٢١٥) أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٩٢)

”حدیث اور سنت کی عظمت پر تمام فرقوں کا اجماع ہے، اور ان کی متفقہ شہادت ہے کہ حق ائمہ سنت میں ہے، اسی لیے جو لوگ ائمہ حدیث کے زیادہ موافق ہوں وہ ان فرقوں میں دوسرے کی نسبت زیادہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، خود امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری چونکہ امام احمد اور دوسرے ائمہ سنت سے زیادہ قریب تھے اس لیے وہ اپنے اُتباع میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ قاضی ابوبکر باقلانی کا بھی یہی حال ہے، ان کی عزت ائمہ حدیث کی موافقت کی وجہ سے ہے۔ امام الحرمین ابوالمعالی جوینی (۴۷۸ھ) اور امام غزالی (۵۰۵ھ) اشعری کے بعض اصولوں کی مخالفت کے باوجود ان کی عزت حدیث اور سنت کی موافقت ہی کی وجہ سے ہے۔ فقہی فروع میں امام شافعی کے اتباع کی وجہ سے ان کو حدیث سے تعلق ہوا اور علم کلام میں بھی سنت کی موافقت یا مخالفت کے تناسب ہی سے ان کا احترام کیا گیا ہے۔ معیار حق حدیث اور ائمہ حدیث ہی قرار پائے ہیں، یہ عجیب ہے کہ وہ فقہ و درایت سے خالی لیکن حق و باطل کا معیار بھی ٹھہریں!“ (نقض المنطق، ص:١٦)

تقلید اور جمود کے اثرات:

مروجہ تقلید اور جمود نے صرف ائمہ حدیث ہی کو ایذا نہیں دی بلکہ اپنے مسلک پر جمود کی وجہ سے دوسرے ائمہ کو حق پر سمجھنے کے باوجود وہ ان کے اُتباع سے انصاف نہیں فرما سکے۔ آپ اس سلسلے میں اقتداء بالمخالف ہی کو لے لیجیے۔ یہ مسلّمہ ہے کہ ائمہ اربعہ حق پر ہیں، ① یہ چاروں نہریں ایک ہی دریا سے نکلی ہیں، یہ پانی ایک ہی منبع سے تقسیم ہوا

---

① یعنی حضرات مقلدین کے ہاں یہ ایک مسلمہ امر ہے وگرنہ امر واقع اس کی تردید و تکذیب ہی کرتا ہے۔ کیونکہ اصول و فروع میں ان کا بہت اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ما الحق إلا واحد، قولان مختلفان يكونان صوابا جميعا؟! ما الحق والصواب إلا واحد“ (جامع بيان العلم: ٢/ ٨١)

ہے، اور منبع کی طہارت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ میزان شعرانی ملاحظہ فرمایئے۔ ❶ وہاں حوض کوثر کی تقسیم اور میزان اعمال کے وقت حضرات ائمہ کرام بڑی توجہ سے میزان کے کام کو ملاحظہ فرما رہے ہیں، پل صراط کے پاس بھی اپنے اُتباع کی رفتار کا بڑا غائر مطالعہ فرما رہے ہیں۔ قیامت کے محاسبہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعرانی رحمہ اللہ کی نگاہ میں ان حضرات کا موقف بھی انبیاء علیہم السلام کے قریب قریب ہے۔ اس احترام اور حق کے ساتھ اس وابستگی کے باوجود جب اقتداء بالمخالف کا سوال سامنے آیا تو متاخرین فقہا بڑی احتیاط سے ایک دوسرے کا عمیق محاسبہ فرمانے لگے اور ایک دوسرے کا اس طرح محاسبہ شروع فرمایا جیسے ایک مسلم، غیر مسلم کا محاسبہ کرتا ہے، حالانکہ ان فروعی اختلافات کے باوجود معاملے میں کوئی دِقت نہیں تھی، شرح صدر سے کہا جاتا کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بلاتأمل ایک دوسرے کی اقتدا کر سکتے ہیں، چاروں کو حق پر کہنے کے بعد نہ مقتدی کے خیالات پیش نظر ہونے چاہییں نہ امام کے، ان اختلافات کی موجودگی میں ہم نے ان سب کو حق پر تسلیم کیا ہے لیکن اس میں احتیاط کا پہلو ملاحظہ فرمایئے۔

قاضی خاں علامہ حسن بن منصور اوزجندی (۵۹۲ھ) جو اصحابِ ترجیح تسلیم کیے گئے ہیں، فرماتے ہیں:

> ”أما الاقتداء بشافعي المذهب، قالوا: لا بأس به إذا لم يكن متعصبا، ولا شاكا في إيمانه، ولا منحرفا تحريفا فاحشا عن القبلة، ولا شك أنه إذا جاوز المغارب كان فاحشا، وأن يكون متوضئا من الخارج النجس من غير السبيلين، ولا يتوضأ بالماء القليل الذي وقعت فيه النجاسة.“ ❷ اھ

شافعی امام کی اقتدا ان شروط کے ساتھ درست ہے:

① متعصب نہ ہو۔

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیں: المیزان الکبریٰ للشعراني (۱/ ۱۵۲)

❷ فتاویٰ قاضي خاں (۱/ ۴۳)

② اپنے ایمان کے متعلق ان شاء اللہ نہ کہتا ہو۔

③ قبلہ سے انحراف نہ کرے۔

④ اگر سبیلین کے سوا اس کے بدن پر نجاست کا اثر ہو تو اس سے وضو کرے۔

⑤ تھوڑے پانی میں اگر نجاست گری ہو تو اس سے وضو نہ کرے۔

ان شرائط کی عدم پابندی کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شافعی رہ کر احناف کا امام نہیں بن سکتا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ رد المحتار (۱/ ۵۸۸) میں شرح منیہ سے نقل فرماتے ہیں:

"أما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلوٰة على اعتقاد المقتدي."

"شافعی وغیرہ مخالفین کی اقتدا اس وقت درست سمجھتے ہیں جب امام مقتدی کے خیال اور مذہب کے مطابق کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے۔"

پھر اسی صفحہ پر ملا علی قاری رحمہ اللہ کے رسالہ "الاهتداء في الاقتداء" سے نقل فرماتے ہیں:

"ذهب عامة مشائخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في مواضع الخلاف وإلا فلا، والمعنىٰ أنه يجوز في المراعي بلا كراهة وفي غيره معها، ثم المواضع المهمة للمراعاة أن يتوضأ من الفصد، والحجامة، والقيئ، والرعاف، ونحو ذلك." (۱/ ۵۸۸)

"عام مشائخ حنفیہ شافعی امام کی اقتدا جائز سمجھتے ہیں جب وہ اختلافات کے مقامات میں احتیاط کرے (ورنہ نہیں) احتیاط سے مراد یہ ہے کہ فصد، سنگی، قے اور نکسیر وغیرہ کے بعد وضو کرے۔"

علامہ خیر الدین آملی فرماتے ہیں:

"الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسدة."❶

---

❶ مصدر سابق

"میرا دلی رجحان یہ ہے کہ اگر شافعی امام سے کوئی مفسدہ ظاہر نہ ہو تو اس کی اقتدا درست ہے۔"

علامہ بیری اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ شافعی امام کی اقتدا سے اکیلے پڑھنا افضل ہے، کیونکہ وہ نماز میں ایسے کام کرے گا جن سے نماز لوٹانا ضروری ہوگا یا مستحب ہوگا۔

خیر الدین آملی شافعی سے منقول ہے کہ اگر اپنا ہم مذہب مل جائے تو پھر دوسرے کی اقتدا مکروہ ہے، البتہ اکیلے پڑھنے سے اقتدا کرنا افضل ہے۔ یہی فتویٰ رملی کبیر، اِسنوی اور سبکی سے بھی منقول ہے۔

شیخ خیر الدین فرماتے ہیں:

"والحاصل أن عندهم في ذلك اختلافا، وكل ما كان لهم علة في الاقتداء بنا صحة وفسادا وأفضلية كان لنا مثله عليهم." اھ

(شامی: ۱/ ۵۸۸)

"حاصل یہ ہے کہ شافعی ہماری اقتدا کے متعلق صحت، فساد، یا افضلیت کے متعلق جو راہ اختیار کریں ہم بھی وہی کہیں گے۔"

مندرجہ بالا ارشادات سے ظاہر ہے کہ دین کی بجائے حضرات فقہائے کرام کی باہمی رقابت کارفرما ہے۔

اس کے بعد علامہ شامی نے ایسے مقامات کا ذکر فرمایا ہے جہاں مخالف اور موافق حضرات کی متعدد جماعتیں ہوتی ہوں، بعض نے فرمایا اگر پہلی نماز شوافع کی ہو تو اس میں شامل ہو جانا چاہیے، یہی افضل ہے، لیکن علامہ ابراہیم بیری فرماتے ہیں اگر اپنے مذہب کی جماعت نہ ملے تو اکیلے پڑھنا افضل ہے، شافعی کی اقتدا نہ کرے۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ، امام ابن الہمام کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ شافعی اگر رعایت بھی کرے تو بھی بہتر ہے کہ اکیلا پڑھے اور اقتدا نہ کرے۔

اس کے بعد علامہ علی قاری کی رائے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر اپنی جماعت مل

سکے، پہلے ہو یا پیچھے، پھر مخالف کی اقتدا نہیں کرنی چاہیے۔ غرض علامہ شامی نے اقتدا کے متعلق فقہاء و مذاہب کی آرا کا تذکرہ بڑی تفصیل سے فرمایا ہے، اور حرمین تعامل کے پیش نظر اجازت دی ہے کہ اگر اپنے مذہب کا امام مل سکے تو شوافع کی ار میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے بالمقابل بدعتی اور فاسق کی امامت کو مکروہ تنزیہی فرمایا ہے۔

در المختار (۱/۵۸۴) میں ہے: "ویکرہ تنزیھا الخ" اور قاضی خاں میں فرماتے ہیں:

"ویصح الاقتداء بأهل الأهواء إلا الجهمية والقدرية والرافضي الغالي، ومن يقول بخلق القرآن." (شامی: ۱/ ۷۶، مطبوعہ مصر)

"جہمیہ، قدریہ، غالی روافض اور قائلین خلقِ قرآن کے علاوہ باقی اہل ہوا فرقوں کی اقتدا صحیح ہے۔"

نیز فرماتے ہیں:

"إذا صلى الرجل خلف فاسق، أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة." اھ (۱/ ۷۷)

"اگر فاسق اور بدعتی کی اقتدا کرے تو اسے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔"

شامی (۱/ ۵۸۸) اور طحطاوی (۱/۲۲۴) میں ہے کہ بدعت مکفرہ نہ ہو تو اقتدا درست ہوگی ورنہ نہیں۔ علامہ کاسانی نے "البدائع والصنائع" میں بدعت کے متعلق زیادہ وضاحت سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف بدعتی کے پیچھے علی الاطلاق نماز ناپسند فرماتے ہیں لیکن کاسانی اس کی بھی یہی توجیہ فرماتے ہیں:

" والصحيح أنها إن كان هوى يكفره لا تجوز، وإن كان لا يكفره تجوز." (۱/ ۱۵۷)

"صحیح یہی ہے کہ اگر بدعت مکفرہ نہ ہو تو اقتدا درست ہے۔"

فقہاء کرام کے ان گرامی قدر ارشادات سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے اہل

بدعت اور ھوا کے متعلق وہ پیش بندی اور احتیاط نہیں برتی گئی جو سنی مخالفین خصوصاً ”ولا شاكا في إيمانه“ کہہ کر ائمہ شوافع پر اور اہلحدیث پر جو تعریض کی گئی ہے بڑی نامناسب اور بے انصافی پر مبنی ہے۔ اگر واقعی امام شافعی اور ان کے اُتباع کا ایمان مشکوک ہے، ان کو اپنے ایمان میں شبہ ہے تو کسی طرح بھی ان کی اقتدا درست نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام ائمہ حدیث اور ائمہ سنت ایمان میں استثنا کے قائل ہیں، جسے ”شاكا في إيمانه“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔❶

شوافع کا قیام:

حالانکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اُتباع سچے سنی ہیں، ان کے مسلک کی حقانیت کا اعتراف علمائے احناف نے بھی فرمایا ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ”فهذه المذاهب المختلفة للأئمة ومجتهدي الأمة كلها تتصل بأنهار الصحابة، وهي متصلة بمنبعها، وهو حضرة الرسالة، فكلهم على هدى، من اقتدى بأيها اهتدى، ومن توهم أن واحدا منها على هدى، و سائرها في ضلالة فقد وقع في حفرة الضلالة.“ (الفوائد البهية، ص: ٩)

> ”ائمہ مجتہدین کے مذاہب کا تعلق صحابہ سے ہے اور وہ نبوت کے منبع سے بہہ رہے ہیں، ان میں سے ایک کو حق پر کہنا اور باقی کو گمراہ سمجھنا خود گمراہی ہے۔“

اس توثیق کے بعد شوافع کے متعلق یہ احتیاط اور اقتدا کی یہ شرائط بالکل بے محل ہیں اور انصاف سے بمراحل دور، حالانکہ معلوم ہے کہ اعتزال و تجہم سے نہ احناف بچ سکے نہ موالک اور شوافع، بلکہ ان حضرات نے عقائد میں ان ائمہ اجتہاد کی راہ ہی ترک

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیں: كتاب الاعتقاد للبيهقي (ص: ١٨٢) السنة للخلال (٣١/ ٥٧٢) السنة لعبد الله بن أحمد (١/ ٣٤٧)

فرما دی، وہاں کے امام اور مجتہد اشعری ماتریدی قرار پائے۔ طحطاوی فرماتے ہیں:

> ”ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف أي مخالف لمذهبه كذلك.“ (۱/ ۲۸۱)

> ”اس تفصیل میں شافعی کی کوئی تخصیص نہیں، کسی مخالف کے پیچھے بھی کوئی حنفی نماز ادا کرنا چاہے اس کی تفصیل اسی طرح ہے۔“

ہدایہ اور اس کی شرح کفایہ مطبوعہ بمبئی میں سابقہ تفصیل کسی قدر اختصار سے مرقوم ہے مگر مقصد میں کوئی فرق نہیں۔ ❶

گفتگو کے لیے دوسرا محاذ:

شوافع اور دوسرے ائمہ سنت کے ساتھ اقتدا میں یہ احتیاط اور تنگ نظری طبعاً اچھی معلوم نہیں ہوتی تھی اس لیے گفتگو کے لیے ایک اور محاذ بنا لیا گیا کہ اس صورت میں جب امام اور مقتدی میں فرعی اختلاف ہو تو اقتدا میں ایثار امام کو کرنا چاہیے یا مقتدی کو؟ اور رعایت کی ذمہ داری امام پر ہے یا مقتدی پر کہ از راہ شفقت درگزر کرے؟

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

> ”هذا بناءا على أن العبرة لرأي المقتدي وهو الأصح، وقيل لرأي الإمام، وعليه جماعة.“ (رد المحتار: ۱/ ۵۸۸)

> ”یہ احتیاط کا حکم اس بنیاد پر ہے کہ اقتدا میں مقتدی کی رائے کا اعتبار ہے یا امام کی رائے کا؟ صحیح یہ ہے کہ مقتدی کی رائے ہی معتبر ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ امام کی رائے پر اعتماد ہوگا۔“

علامہ بدر الدین عینی اور صاحب ہدایہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ابن عابدین فرماتے ہیں کہ صحیح پہلی بات ہے، یعنی امام کو مقتدی کی رعایت کرنی چاہیے۔ گفتگو کا محاذ ضرور بدل گیا، ائمہ کی بجائے موضوع بحث امام اور مقتدی ہو گئے لیکن شناعت اور بڑھ گئی، یعنی امام کو مقتدی کے تابع فرما دیا گیا، یعنی تانگہ گھوڑے کے آگے باندھ دیا

---

❶ دیکھیں: الهداية مع شرح الكفاية (۱/ ۳۱۱)

گیا۔ یہ تعصب کی کارفرمائیاں ہیں!

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فتاویٰ جلد ثالث (ص:۱۵۳) میں دونوں مسالک کا ذکر کر کے خاموش ہو گئے۔ اندازہ ہوتا ہے ان کا رجحان یہ ہے کہ امام کو مقتدی کے تابع نہیں ہونا چاہیے۔ ہدایہ کے حاشیہ میں مولانا نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔❶

قاضی خاں وغیرہ فقہا کی شرائط اور ان کی مراعات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> "قلت: هذا يرجع إلى أن يصير حنفيا" (هداية، ص: ۱۲۹)
>
> ''اس رعایت کا مطلب تو یہ ہوگا کہ امام شافعی حنفی ہو جائے۔''

اس کے بعد ان ساری مراعات وشرائط کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔

آخر میں فرمایا ہے:

> "وأما اشتراط مراعاة مواضع الخلاف كما اختاره أكثر أصحابنا فغير موجه، إذ مراعاة ذلك مستحب ليس بواجب عند أحد، فلو لم يراع، وفعل ما فعل على طبق مذهبه لم يقدحه في ذلك قادح، فأي مانع في جواز الاقتداء به؟ فافهم هذا بنظر الإنصاف" (هداية أولين: ۱/ ۱۱۹)
>
> ''مواقع خلاف میں رعایت کی شرط ہمارے اکثر مشائخ نے لگائی ہے، یہ نامناسب ہے کیونکہ یہ رعایت کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں، اگر وہ تمام کام اپنے مذہب کے مطابق کرے تو اس میں کون سی برائی ہے؟ زیادہ سے زیادہ ایک مستحب کا ترک ہوگا، اس سے اقتدا کے عدم جواز کی کون سی وجہ ہوگی؟ اسے سمجھو اور انصاف سے غور کرو۔''

بات بالکل صاف ہے لیکن شامی کے "عند أكثر المشائخ" اور "على الأصح" کا کیا کیا جائے؟ بہر کیف یہ محاذ بھی معقول معلوم نہیں ہوتا۔

---

❶ حاشية الهداية للكنوي (۱/ ۱۵۱)

ایک اور محاذ:

اقتداء بالمخالف کے متعلق متقدمین فقہا کے چھ قسم کے خیالات منقول ہیں، جن کا تذکرہ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے حواشی ہدایہ میں فرمایا ہے۔❶ اور مطلقاً جواز کو راجح فرمایا ہے۔ ہمارے ملک میں شوافع کی جگہ اہلحدیث کو ملی ہے، گو ہمارے ہاں احناف اور شوافع کا احترام برابر ہے، اس لیے یہاں بھی اقتداء بالمخالف کا اثر اہل حدیث پر پڑا ہے، بلکہ ہمارے بزرگ کچھ زیادہ ہی تیز ہوجاتے ہیں۔ بریلوی حضرات تو ”لا مساس“ کے قائل ہیں، وہ کسی موحد کی اقتدا نہیں فرماتے، اہل حدیث ہو یا حنفی ان کے ہاں مذہب چند رسوم اور نعروں کا نام ہے اور بس۔ پھر ان کا اندازِ گفتگو علم و استدلال پر مبنی نہیں بلکہ محض جذباتی ہے۔ ہمارے دیوبندی حضرات بعض ان مسائل کی آڑ لیتے ہیں جن کی رعایت کی امید شوافع سے کی گئی ہے لیکن وہ اختلافات اب کچھ موزوں معلوم نہیں ہوتے، اس لیے ایک نیا محاذ کھولا گیا۔

ہمارے یہ دوست فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کی اقتدا اس لیے درست نہیں کہ یہ استنجا میں ڈھیلا استعمال نہیں کرتے، ان کی طہارت درست نہیں۔ یہ عذر بے حد کمزور بھی ہے اور غلط بھی۔ یہ تو معلوم ہے کہ طہارت کے بغیر نماز کو کوئی بھی درست نہیں سمجھتا، طہارت اہل حدیث کے نزدیک بھی اتنی ہی ضروری ہے جس قدر احناف کے نزدیک، فرق صرف طہارت کے طریقہ میں ہے۔ صرف پانی سے ہوگی یا صرف مٹی سے؟ یا پانی اور مٹی دونوں سے؟ تمام ائمہ متفق ہیں کہ طہارت تینوں طرح ہوجاتی ہے، اگر کوئی مٹی اور پانی دونوں استعمال کرے تو بہتر ہے۔ مطلق طہارت کے سوا ان طریقوں سے کوئی طریقہ امامت اور اقتدا کے لیے شرط نہیں۔ اب مٹی کے استعمال کو ضروری قرار دینا تعجب ہے، یہ ذہنی بغض اور عصبیت کی ترجمانی تو کرسکتا ہے، ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں، یہ ہمارے ملک کی پیداوار ہے۔

---

❶ حاشیہ ھدایة (١/ ١٢٦) [مؤلف]

فنِ طہارت یا وہم؟

۱۹۵۳ء تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں علمائے کرام کی طہارت اور اس کی مختلف اقسام اور اس پر اصرار کا تجربہ ہوا۔ بعض حضرات پیشاب سے فارغ ہو کر ازار بند منہ میں تھام لیتے اور کافی دیر ٹہلتے رہتے، بائیں ہاتھ سے ڈھیلا استعمال کرتے اور اس میں خاص قسم کی حرکات فرماتے، بیس منٹ آدھ گھنٹہ تک یہ کھیل جاری رہتا، پھر یقین ہوتا کہ اب طہارت ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک یہ پورا ڈرامہ نہ کیا جائے طہارت مکمل نہیں ہوتی۔ بعض حضرات مٹی کے ساتھ دونوں رانوں سے بھی طہارت میں کافی مدد لیتے، وہ بائیں ہاتھ سے مسلنا کافی نہیں سمجھتے تھے۔ بعض حضرات اس اثنا میں کئی کئی دفعہ ازار بند کے اندر جھانکتے، مٹی کو ملاحظہ فرماتے، وہ اسی مشق میں مٹی کا خشک ہونا بھی ضروری خیال فرماتے۔ بعض حضرات بڑے اہتمام سے ڈھیلے بناتے اور خاص ترکیب سے بناتے، کئی کئی دن خشک ہونے کے لیے دھوپ میں رکھے رہتے اور تحفہ کے طور پر یہ ڈھیلے اس قسم کے وہمی اُتقیا میں تقسیم فرماتے، اور وہ بھی اسے لے کر بہت ممنون ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب وہم پرستی ہے، اس میں کوئی چیز نہ حنفی مذہب میں ضروری ہے نہ باقی ائمہ میں، یہ وہم کا مرض ہے، جو اس میں مبتلا ہو وہ تسکینِ قلب کے لیے مجبور ہے جو چاہے کرے لیکن دوسرے کو اس وہم پرستی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

عموماً یہ مرض کیمبل پور، ہزارہ، راولپنڈی کے لوگوں میں ہوتا تھا، یا پھر یو، پی، سی، پی کے حضرات میں، خصوصاً وہ لوگ جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اہل حدیث کی اقتدا ان حضرات کے نزدیک اس وقت درست ہو سکتی ہے جب وہ طہارت کے ان فنون میں مہارت پیدا کریں، پھر شاید اس کی سند حاصل کریں اور اس وہم میں بھی مبتلا ہوں۔ ہمارے اہل حدیث حضرات میں بھی بعض حضرات پانچ پانچ چھ چھ لوٹے استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ان حضرات کو حافظ ابن القیم کی ”إغاثة اللهفان“

کے ابتدائی ابواب، نقد العلم والعلماء لابن جوزی اور شوکانی کے رسالہ ذم الموسوسین کا مطالعہ فرمانا چاہیے، شاید ان کو فائدہ ہو۔

اہل حدیث تو نہ امامت کے شائق ہیں نہ اس مشق کے لیے تیار، دراصل یہ سب امراض اس دور کے ہیں جب ملک میں پانی کی قلت تھی، ورنہ یہ کوئی مسئلہ نہیں، یہ وہم اور قلتِ علم کی پیدوار ہے اور عوام کے ذہنوں میں عصبیت اور نفرت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ۔ جہاں اُتباعِ ائمہ میں تقلید کے باوجود اس قدر سختی برتی گئی ہو اور جمہور علما ایک دوسرے کے خلاف اس قدر غلو فرماتے ہوں وہاں بچارے اہل حدیث ان حضرات سے کس وسعتِ ظرف کی امید کر سکتے ہیں؟ اور یہ بزرگ کب اجازت دے سکتے ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور مسلک بھی دنیا میں زندہ رہے؟ اسی عصبیت کا نتیجہ ہے کہ اچھے پڑھے لکھے حضرات فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کوئی مکتبِ فکر نہیں، یہ محض حفاظ کی جماعت تھی، فقہ، درایت سے خالی تھی۔ یہ عصبیت قرون وسطیٰ میں اہل تقلید کے تغلب اور حکومت اور اربابِ اقتدار کی سیاسی مصالح کی پیداوار ہے، درباری حضرات کی چیرہ دستیوں نے اس مسلک کو تاریخ کے اندھیروں اور عصبیت کی دلدلوں میں دبا کر رکھ دیا۔

اہل حدیث تاریخ کے مختلف ادوار میں:

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی ولادت اور وفات کے سنین پر غور کیا جائے تو ۸۰ھ سے شروع ہو کر امام احمد کی وفات ۲۴۱ھ تک ختم ہوتا ہے، ان ایام کے بعد برسوں اس جمود اور تقلید کا پتہ نہیں چلتا جسے آج کل واجب کہا جا رہا ہے، اور اس سے اعراض کو بے دینی وغیرہ القاب سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس پر فخر یا اس کی طرف دعوت کسی صورت میں بھی چوتھی صدی سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ فتح ہند سے پہلے پہلا لشکر جو ساحل ہند پر اترا اس وقت ان مروجہ مذاہب کا نام و نشان عرب میں تھا نہ عجم میں، تقلیدِ ائمہ کے موجودہ انداز سے ذہن بالکل خالی تھے۔

معلوم ہے ہند پر پہلا حملہ ۹۲ھ میں ولید بن عبدالملک کی حکومت میں ہوا، عرب میں تو اس وقت علماءِ تابعین کی کثرت تھی، ائمہ اربعہ کا خیال بھی اس وقت ذہن میں نہیں آ سکتا تھا۔ خراسان، ایران اور فارس میں اس وقت ائمہ حدیث کی کثرت تھی، احادیث کا حفظ وضبط، نقل وروایت ان حضرات کا محبوب ترین مشغلہ تھا، حدیث کی جمع وتدوین کے اس دور میں ائمہ کی فقہوں کا احساس بھی موجود نہ تھا، صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بلا تخصیص وتعیین اہلِ علم کی نظر میں تھے، وہ مدار استناد تو تھے لیکن تقلید کا اس وقت شائبہ تک نہ تھا، اس وقت کی شافعیت اور حنفیت محض اساتذہ کے جزوی تأثرات تھے۔ اہل حدیث کا مقصد بھی یہی تھا، اس لیے اسلامی قلمرو کے تمام گوشوں میں بھی یہی مسلک پایا جاتا تھا جسے آج ہم اہل حدیث کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، قدماءِ احناف کی کتابوں میں اسی مکتبِ فکر کا تذکرہ عام ملتا ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن احمد بخاری مؤلف کشف الاسرار (۴۸۱ھ) شرح اصول بزدوی میں صحابی کی تعریف کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"اختلفوا في تفسير الصحابي، فذهب عامة أصحاب الحديث وبعض أصحاب الشافعي إلى أن من صحب النبي ـصلى الله عليه وسلمـ لحظة فهو صحابي." (كشف الأسرار: ۲/ ۷۰٤)

"ایک لحظہ جس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے۔"

یہاں اصحاب الحدیث کا ذکر ائمہ اصول کے تذکرہ میں آیا ہے۔

اصول بزدوی اور کشف الاسرار (۲/ ۲۹۱) میں مرقوم ہے:

"ذهب أكثر أصحاب الحديث إلى أن أخبار التي حكم أهل الصنعة بصحتها توجب علم اليقين." اھ

"جن احادیث کو ائمہ فن نے صحیح کہا ہے وہ اہل حدیث کے نزدیک یقین کا فائدہ دیتی ہیں۔"

اس کے باوجود ایسے بزرگ دنیا میں موجود رہے جو مروجہ مذاہب سے تعلق اور ائمہ کے احترام کے ساتھ اس عصبیت کو ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ مولانا احمد بن مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ (۹۶۸ھ) نے "مفتاح السعادة و مصباح السيادة" میں فقہ اور فقہا کے متعلق بڑا معنی خیز اور پُراز معلومات مقالہ لکھا ہے۔ ① اس کے آخر میں فقہاءِ مذاہب اور ان کی فرقہ وارانہ عصبیت کے متعلق بڑا دردمندانہ شکوہ فرمایا ہے۔ آج کل دیوبند کی نوآموز پود اسی ڈگر پر جا رہی ہے جس کی شکایت علامہ نے فرمائی ہے خود دیوبند اور اس کی پاک و ہند برانچوں میں تعلیم و تربیت کا انداز اس قدر غلط ہو رہا ہے کہ ان مدارس میں علم اور للہیّت کی جگہ تعصب اور فرقہ پرستی پرورش پا رہی ہے، مختلف فیہ مسائل پر لکھنے کا انداز اتنا غلط ہو رہا ہے کہ اس پر بد دیانتی اور خیانت کا شبہ ہوتا ہے، تقاریر میں تقویٰ اور عبادت کی بجائے باہم مناقشات بڑھائے جا رہے ہیں، مجالسِ درس میں طلبہ کی ذہنی تربیت بھی عصبیت کے جراثیم ہی سے کی جا رہی ہے، اور نوآموز حضرات کا یہ غلط رویہ اکابر کو بھی متاثر کر رہا ہے، اہل حدیث مدارس میں بھی یہ زہر آلود جراثیم اثر انداز ہو رہے ہیں۔

بریلوی حضرات سے یہ شکایت ہی بے سود ہے، ان کے ہاں بظاہر کوئی اصلاحی پروگرام ہی نہیں، مذہب کے متعلق چند بدعی تصورات اور عوام کی خوشنودی کے سوا ان کے ہاں مذہب کا کچھ مقصد نہیں۔ علامہ طاش کبریٰ زادہ کا یہ اصلاحی شذرہ دیوبندی اور اہل حدیث مکاتبِ فکر کے لیے مستقبل کی اصلاح میں بے حد مفید ثابت ہوسکتا ہے:

"عصبیت دراصل علم و دیانت کی موت کے مرادف ہے، جو شخص حدیث "اختلاف أمتي رحمة" ② کے مفہوم پر غور کرے اور اسے معلوم ہو کہ فرعی مسائل میں اختلاف کی بنیاد ظن پر ہے وہ کسی ایک مجتہد کے حق میں تحکم اور تعصب نہیں رکھ سکتا،

---

① دیکھیں: مفتاح السعادة و مصباح السيادة لطاش کبریٰ زادہ (۲/ ۱۶۳)

② موضوع۔ یہ ایک موضوع اور بے اصل روایت ہے جس کی سند ہی معلوم نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (۵۷)

وہ زیادہ سے زیادہ اپنے مذہب کی صحت اور مخالف کی غلطی کا ظن کرسکتا ہے لیکن اپنے مخالف کو مطلقاً خطا کار نہیں کہہ سکتا کیونکہ کئی مسائل میں ائمہ اربعہ متفق ہیں، جب فرعی مسائل ظن ہی کے مقام پر ہیں تو اس لیے دونوں مخالف فریق صحت اور خطا کا احتمال رکھ سکتے ہیں، صحت اور خطا کا یقین نہیں کیا جا سکتا، مقلد اور مجتہد زیادہ سے زیادہ صحت اور خطا کا ظن ہی کر سکتے ہیں، اس لیے اس میں تعصب کا کوئی مقام نہیں۔

''ہمارے زمانے میں بعض مقلد اربابِ مذاہب کو تعصب کا دورہ ہوتا ہے اور وہ الٹی سیدھی باتیں بنانا شروع کر دیتے ہیں، اور یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ ان سے بعض حضرات میں اتنا شدید تعصب ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی اقتدا کی اجازت نہیں دیتے، اس کے علاوہ بھی کئی قبیح اور نا مناسب باتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر افسوس ہے یہ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ اگر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ ﷭ زندہ ہوتے تو ان کی ان حرکات کے خلاف سخت نا پسندیدگی اور ان سے بیزاری کا اظہار فرماتے۔ میں نے لا تعداد آدمیوں کو دیکھا ہے وہ آستینیں چڑھا کر امام شافعی کی مخالفت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ بلا تسمیہ ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں، احناف پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ شرم گاہ کو مس کرتے ہیں اور بے وضو نماز پڑھتے ہیں، اور مالکی بسم اللہ کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، حنبلی زوال سے پہلے جمعہ پڑھتے ہیں۔ اپنا حال یہ ہے کہ وہ ترکِ نماز کو گوارا کرتے ہیں، گھر کے لوگوں کو نماز کے ترک پر سرزنش نہیں کرتے حالانکہ شوافع، موالک، حنابلہ بے نماز کے متعلق قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔

''افسوس! کیا یہ لوگ فقیہ ہیں؟ ایسے فقیہوں کو خدا تعالیٰ تباہ کرے، تمھیں کیا ہوگیا ہے ان فرعی مسائل پر اتنا زور دیتے ہو اور ہزاروں اجماعی محرمات اور ناجائز ٹیکسوں کی پرواہ تک نہیں کرتے اور نہ تمھیں اس پر غیرت ہی محسوس ہوتی ہے؟ تمھاری غیرت کا سارا زور ابوحنیفہ اور شافعی اختلافات پر پڑتا ہے، جس سے افتراق ہوتا ہے اور جاہل تم پر مسلّط ہوجاتے ہیں، عوام میں تمھاری کرکری ہوتی ہے، بیوقوف تمھارے متعلق ایسی

باتیں کرتے ہیں جو تمھارے احترام کے سراسر منافی ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں۔ تمھارا گوشت زہریلا ہے۔ بہر کیف تم اہل علم ہو ان امور کی وجہ سے تباہی کی طرف جا رہے ہو، اللہ تمھیں علم اور علما کے احترام سے نیکی کی توفیق دے اور ہمیں تعصب سے بچائے۔"

علامہ طاش کبریٰ زادہ نے اپنے وقت کے متعصب علما کو کس قدر درد انگیز لہجہ میں تنبیہ فرمائی اور ترکِ اقتدا اور اس میں شرائط کو ناپسند فرمایا ہے۔ اب ایک اور پاکباز کا ارشاد سنیے جسے اللہ تعالیٰ نے صاف ذہن مرحمت فرمایا ہے۔ ائمہ کے احترام کے ساتھ شریعت کے مصالح بھی اس کے پیشِ نظر ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اسم گرامی سے علمی حلقوں سے کون واقف نہیں؟ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک حنفی وتر کی نماز میں یا جمع بین الصلوٰتین میں شافعی کی اقتدا کر سکتا ہے اور اسے اجازت ہے کہ ایسے مسائل میں وہ شافعی امام کی تقلید کرے یا ایسا کرنا حنفی کے لیے درست نہیں؟

جواب: ہاں بارش میں حنفی مقتدی شافعی امام کی تقلید اور اقتدا کر سکتا ہے کیونکہ یہ جمع بین الصلاتین جمہور علما کا مذہب ہے، شافعی، مالک، احمد رحمہم اللہ اسے جائز سمجھتے ہیں، ابن عمر امراءِ مدینہ کے ساتھ بارش میں نماز جمع فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ کے سوا کسی خاص آدمی کی تمام مسائل میں تقلید درست نہیں، مسلمان ہمیشہ علماء سے مسائل دریافت فرماتے رہے، کبھی ایک سے کبھی دوسرے سے، کبھی ایک کی بات مانتے کبھی دوسرے کی، کسی معین کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ جب مقلد کسی مسئلے کو راجح اور اصلح سمجھے اس میں ایک کی تقلید کرے اور دوسرے میں دوسرے کی، جمہور علماءِ اسلام کے نزدیک درست ہے، اسے ائمہ اربعہ میں سے کسی نے ناجائز نہیں کہا۔ وتر میں بھی یہی حال ہے، مقتدی کے لیے مناسب ہے کہ قنوت میں اور وتروں کے وصل اور انقطاع میں امام کی پوری پوری اقتدا کرے، بعض علماء کا خیال ہے کہ امام اگر دو رکعت فصل کرے مقتدی جوڑ لے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/ ۳۸۷)

ناظرین! غور فرمائیں، اتحاد بین المسلمین کا سامان ابن عابدین اور طحطاوی کی

رائے میں ہے یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور طاش کبریٰ زادہ کے ارشاد گرامی ہیں؟

معتزلہ کا خیال ہے کہ پیغمبر کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں، اشاعرہ اور متکلمین نے بھی ان سے اتفاق کیا، عام ائمہ اصول کا خیال ہے کہ پیغمبر بوقتِ ضرورت اجتہاد کر سکتا ہے اور اسے وحی اور اجتہاد دونوں پر عمل کی اجازت ہے:

> "وهو منقول عن أبي يوسف من أصحابنا، وهو مذهب مالك والشافعي وعامة أهل الحديث." (كشف الأسرار: ۳/ ۹۲۵)

> "احناف سے امام ابو یوسف، امام شافعی، امام مالک اور عام اہلحدیث کا بھی یہی خیال ہے کہ پیغمبر اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتا ہے۔"

یہاں اہلحدیث کا ذکر مذاہب اربعہ کے ساتھ علماءِ اصول میں آیا ہے۔ مرسل حدیث کی حجیت کے تذکرہ میں اہل حدیث پر تشنیع کرتے ہیں کہ وہ مرسل کو حجت نہیں سمجھتے:

> "وفي رد المرسل تعطيل كثير من السنن، فإن المراسيل جمعت فبلغت قريبا من خمسين جزءا، وهذا تشنيع عليهم، فإنهم سموا أنفسهم أصحاب الحديث، وانتصبوا أنفسهم لحيازة الأحاديث." اھ (كشف: ۳/ ۷۲۵)

> "مرسل کی حجیت کے انکار سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ضائع ہو جائے گا، یہ لوگ اہل حدیث کہلا کر حفاظتِ حدیث کی بجائے حدیث کو ضائع کر رہے ہیں۔"

اہلحدیث کی یہاں بھی مستقل حیثیت ظاہر ہوتی ہے، مرسل کی حجیت کی بحث بالکل الگ مسئلہ ہے، جس مرسل کو یہ حضرات حجت فرماتے ہیں وہ دراصل حدیث ہی نہیں، اس کے انکار سے حدیث کا انکار لازم نہیں آتا۔

علامہ ابن عابدین رد المحتار میں لفظ حنفی میں یائے نسبت کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

> "إن النسبة إلى مذهب أبي حنيفة وإلى القبيلة و هم بنو حنيفة بلفظ واحد، وإن جماعة من أهل الحديث منهم أبو الفضل

محمد بن طاهر المقدسي يفرقون بينهما بزيادة ياء في النسبة إلى المذهب." اھ (١/ ١٦)

"عراقی فرماتے ہیں: قبیلہ بنو حنیفہ اور مذہب ابو حنیفہ کی طرف نسبت میں حنفی درست ہے، لیکن بعض اہلحدیث کا خیال ہے کہ مذہب کی طرف نسبت میں حنیفی کہنا چاہیے، محمد بن طاہر مقدسی علماء اہلحدیث سے بھی یہی فرماتے ہیں۔"

اس میں ان کی رائے لغت اور زبان کے ماہر کی حیثیت سے ہے۔

اذان اور اقامت میں لفظ "أکبر" کے اعراب کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وثانيها مخالفة لما فسره أهل الحديث والفقه اھ." (شامی: ١/ ٤٠١)

"راء پر اعراب اہل حدیث اور فقہاء کی تفسیر کے خلاف ہے۔"

"وقف على أصحاب الحديث، لا يدخل فيه الشافعي إذا لم يكن في طلب الحديث، ويدخل فيه الحنفي كان في طلبه أو لا. اھ"
(شامی: ٣/ ٦٦٥)

"کسی نے اہل حدیث کے لیے کوئی چیز وقف کی تو شافعی اگر حدیث کا طالب علم ہو تو اس میں شامل ہوگا اور حنفی بہر حال شامل ہوگا، حدیث پڑھے یا نہ پڑھے۔"

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی ❶

خوارج کے متعلق علماء کے اختلاف کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ذكر في فتح القدير أن الخوارج الذين يستحلون دماء المسلمين وأموالهم، ويكفرون الصحابة، حكمهم عند جمهور الفقهاء وأهل الحديث حكم البغاة، وذهب بعض أهل الحديث إلى أنهم مرتدون، قال ابن المنذر: ولا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم." اھ (شامی: ١/ ٤٥٣)

"جمہور فقہا اور اہل حدیث کے نزدیک خوارج باغی ہیں، بعض اہل

---

❶ تیری خنجر آزمائی سے دوستوں کا سر سلامت ہے۔

حدیث انھیں مرتد کہتے ہیں۔ ابن منذر فرماتے ہیں: تکفیر میں ان کی کسی نے تائید نہیں کی۔"

جمہور فقہا کے ساتھ ان فقرا کا تذکرہ مکتبِ فکر کی حیثیت سے ہوا ہے۔

اسی صفحہ میں اہل ہویٰ کے متعلق محدثین کا تذکرہ اپنی تائید میں فرماتے ہیں:

"وكذا نص المحدثون علىٰ قبول رواية أهل الأهوا." اھ (٣/ ٤٥٣)

"ائمہ اہل حدیث نے اہل ہویٰ کی روایت کے قبول کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔"

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"حكي أن رجلا من أصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجل من أصحاب الحديث ابنته عهد أبي بكر الجوزجاني، فأبىٰ إلا أن يترك مذهبه فيقرأ خلف الإمام ويرفع يديه." ❶

"ایک حنفی نے شیخ ابوبکر جوزجانی کے وقت کسی اہلحدیث سے رشتہ طلب کیا، اس نے شرط لگائی کہ اپنا مذہب چھوڑ کر فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین شروع کرو، اس نے ایسا کرلیا۔"

شیخ جوزجانی فرماتے ہیں:

"نکاح تو ہوگیا لیکن خیال ہے نزع کے وقت اس کا ایمان جاتا رہے گا، اگر دلائل کی بنا پر سابق مذہب کو ترک کر کے اہل حدیث ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحسن ہے۔"

اس سے اہل حدیث مکتبِ فکر کا تعین بھی ہوگیا اور اگر دلائل کی بنا پر کوئی اس مسلک کو پسند کرے تو ابوبکر جوزجانی فرماتے ہیں یہ بہتر ہے۔ آج کل حضرات دیوبند کی اہلحدیث پر ناراضی کچھ برمحل معلوم ہوتی ہے۔

بحر العلوم، مسلم الثبوت کی شرح میں جرح و تعدیل کے تعارض کی بحث میں

---

❶ رد المحتار (٤/ ٢٤٩)

مشاجراتِ صحابہ کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مظلومیت کا ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کی شہادت میں صحابہ سے کوئی شریک نہ تھا:

"ولم يكن فيهم واحد من الصحابة كما صرّح به غير واحد من أهل الحديث." (ص: ٤٤٢، طبع هند)

''حضرت عثمان کی شہادت میں صحابہ سے کوئی شریک نہ تھا، اہلحدیث نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔''

یہاں اہل حدیث کے تاریخی موقف کی وضاحت فرمائی ہے، ان کی نقل رجالِ تاریخ اور مشاجراتِ صحابہ میں قطعیت کی حد تک پہنچ چکی ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری (۴۸۱ھ) مؤلف کتاب التحقیق شرح حسامی نے عبادلہ کی تعیین میں عبداللہ بن مسعود کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"وعند المحدثين عبد الله بن الزبير مقام عبد الله بن مسعود."

(ص: ١٦٣، طبع هند)

یہاں فقہا کے بالمقابل محدثین کا ذکر فرمایا ہے، جس کا مطلب واضح ہے کہ رجال کی تعیین میں ان کا ایک مقام ہے اور اپنی مستقل رائے ہے۔

پیغمبر کے لیے اجتہاد کی اجازت کا ذکر فرماتے ہوئے شارح بزدوی کی طرح کتاب التحقیق کے مؤلف بھی فرماتے ہیں:

"هو منقول عن أبي يوسف من أصحابنا، وهو مذهب مالك والشافعي وعامة أهل الحديث." (كتاب التحقيق، ص: ٢٠)

''امام ابو یوسف، مالک، شافعی اور عام اہلحدیث کا یہی خیال ہے کہ پیغمبر اپنے اجتہاد پر اگر ضرورت ہو تو عمل کر سکتا ہے۔''

مؤرخین و متکلمین کی رائے:

ابن خلدون اپنے وقت کے نقاد مؤرخ ہیں جنھوں نے فنِ تاریخ کو قصص و

حکایات کی دلدل سے نکال کر اسے ایک نئی زندگی بخشی اور فن تنقید کے اسالیب کی طرف راہنمائی فرمائی۔ ابن خلدون نے مقدمہ فرائض کے تذکرے میں فرمایا ہے:

”وانقسم الفقه فيهم إلى طريقتين: طريقة أهل الرأي والقياس، وهم أهل العراق، وطريقة أهل الحديث، وهم أهل الحجاز، وكان الحديث في أهل العراق قليلاً كما قدمناه، واستكثروا من القياس ومهروا فيه، فلذلك قيل أهل الرأي. ومقدم جماعتهم الذي استقر المذهب فيه وفي أصحابه: أبو حنيفة.“ (مقدمه ابن خلدون، ص: ۳۸۹، طبع مصر)

”فقہ کے دو طریق ہوگئے: فقہ العراق اور فقہ الحدیث۔ علمائے عراق میں حدیث کم تھی جس کی وجہ ذکر ہوچکی ہے، اس لیے انھوں نے رائے اور قیاس میں مہارت پیدا کی اور اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوئے، ان کے پیش رو امام ابوحنیفہ ہیں اور اہل حجاز کی فقہ کا نام فقہ الحدیث ٹھہرا۔“

ملا کاتب چلپی (۱۰٦۷ھ) نے اصول فقہ کے تذکرہ میں امام علاؤ الدین حنفی کی کتاب میزان الاصول سے نقل فرمایا ہے:

”وأكثر التصانيف في أصول الفقه لأهل الاعتزال المخالفين لنا في الأصول، ولأهل الحديث المخالفين لنا في الفروع، ولا اعتماد على تصانيفهم.“ (كشف الظنون، ص: ۸۹، دار الطباعه مصر)

”اصول فقہ میں معتزلہ اور اہل حدیث کی تصانیف زیادہ ہیں، معتزلہ اصول میں ہمارے مخالف ہیں اور اہل حدیث فروع میں، اس لیے ان کی تصانیف پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔“

نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے ابجد العلوم (۲/ ۵٦۵) میں کشف الظنون کی عبارت نقل فرمائی ہے اور فقہ العراق اور فقہ الحدیث کا تذکرہ فرمایا، پھر تقلید اور عمل

بالحدیث پر مختصر تبصرہ فرمایا اور مذاہبِ ائمہ کی اشاعت اور کتبِ طبقات کی عصبیت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ خواہ مخواہ ہر آدمی کو ادنیٰ ممارست اور توافق سے اپنے مذہب میں شمار کر لیتے ہیں۔ اور ان اقطار اور بلاد کا ذکر فرمایا جہاں یہ مذاہب عام اور شائع ہوئے اور اہلِ حق کی کتابوں کو کس طرح طاقِ نسیاں کی نذر کیا گیا۔ فرماتے ہیں:

> "فلم يبق إلا مذهب أهل الرأي من العراق وأهل الحديث من الحجاز." (٢/ ٥٦٦)

> "اس تعصب کی دستبرد کے باوجود اہل الرائے عراق میں اور اہل حدیث حجاز میں باقی رہ گئے۔"

تقی الدین احمد بن علی مقریزی (۸۴۵ھ) نے فرمایا کہ جب ملک ظاہر بیبرس بند قداری نے ۶۶۲ھ میں مدرسہ ظاہریہ کی بنیاد رکھی اور اس کے مصارف کے لیے بہت بڑا وقف کیا تو اس میں مختلف مکاتبِ فکر کی تدریس کے لیے مختلف ایوان بنائے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:

> "وجلس أهل الدروس كل طائفة في إيوان، منها: الشافعية بالإيوان القبلي، ومدرسهم الشيخ تقي الدين محمد بن حسن بن رزين الحموي، والحنفية بالإيوان البحري، و مدرسهم الصدر مجد الدين عبد الرحمان بن الصاحب كمال الدين عمر بن العديم الحلبي، وأهل الحديث بالإيوان الشرقي، ومدرسهم الشيخ شرف الدين عبد المؤمن بن خلف الدمياطي."اھ
>
> (الخطط: ٢/ ٢١٧)

> "تمام علما اپنے اپنے ایوان میں درس دینے لگے، شافعی سامنے کے ایوان میں تھے، ان کے صدر مدرس تقی الدین محمد بن حسن حموی تھے، اور حنفی سمندری ایوان میں، ان کے صدر مدرس عبدالرحمٰن بن العدیم حلبی تھے، اور

اہل حدیث مشرقی ایوان میں درس دینے لگے، ان کے صدر مدرس شیخ شرف الدین عبدالمومن بن خلف دمیاطی تھے۔“

یہ ساتویں صدی ہے، اس میں بھی شاہی مدرسہ میں دوسرے مکاتب کے مقابل اہلحدیث کے لیے مستقل ایوان ہے۔

مقریزی فرماتے ہیں کہ یہ مدرسہ اب بھی موجود ہے، کسی قدر فرسودہ ہو چکا ہے، حنفی اور شافعی اس کی نظامت کے متعلق دست و گریباں ہوتے رہتے ہیں۔

مقریزی اہل مصر کے مذاہب اور اربابِ مذاہب کی تبدیلیوں اور اس کے اسباب کا ذکر فرماتے ہیں:

”وكانت أفريقة الغالب عليها السنن والآثار إلى أن قدم عبد الله بن فروج أبو محمد الفارسي بمذهب أبي حنيفة.“ اھ (الخطط: ١/ ١٤٤)

”افریقہ میں ابتدا میں سب لوگ سنن و آثار (مسلک اہل حدیث) کے پابند تھے، یہاں تک کہ شیخ عبداللہ بن فروج حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک لے کر آ گئے۔“

مقریزی افریقہ میں مالکی مذہب کی اشاعت کے متعلق فرماتے ہیں:

”وصار القضاء في أصحاب سحنون دولا يتصاولون على الدنيا تصاول الفحول على الشول.“ (١/ ١٤٤)

یعنی سحنون کے رفقاء محکمہ قضا پر اس طرح حملہ آور ہوتے جس طرح نر اونٹ مادہ پر۔

اس کے بعد آگے حنفی مذہب کی اشاعت کے متعلق لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف کا مرہونِ منت ہے۔ اہل حدیث بچارے اس جنگ میں کہاں کامیاب ہوتے جب انھوں نے کسی حکومت کی سرپرستی ہی قبول نہیں فرمائی؟

شعرانی تمام ائمہ سنت کا احترام کرتے ہیں، انھیں سب سے عقیدت ہے، اس کے اظہار میں وہ بڑے ہی وسیع الظرف ہیں۔ میزان صغریٰ میں امام شافعی سے نقل فرماتے ہیں:

”كان ـ رضي الله عنه ـ يقول: أهل الحديث في كل زمان

كالصحابة في زمانهم، وإذا رأيت صاحب حديث فكأنما رأيت أحدا من أصحاب رسول الله ـصلى الله عليه وسلم ـ وكان يقول: إياكم والأخذ بالحديث الذي جاءكم من العراق إلا بعد التفتيش."(ص: ٥٧)

''امام شافعی فرماتے ہیں: اہل حدیث ہر دور میں صحابہ کی طرح ہیں، جب میں کسی اہل حدیث کو دیکھتا ہوں میں سمجھتا ہوں میں نے صحابی کو دیکھا، اور فرماتے ہیں، اہل عراق کی حدیث تفتیش کے بغیر مت قبول کرو۔''

ابوبکر بن عیاش نے فرمایا:

"أهل الحديث في أهل الإسلام كالإسلام في سائر الأديان."

(ص: ٥٦)

''اہل حدیث اسلامی فرقوں میں اس طرح ہیں جیسے اسلام باقی دینوں میں۔''

ابو العباس بن شریح فرماتے تھے:

"أهل الحديث أعظم درجة من الفقهاء." (ص: ٥٤)

''اہل حدیث کا درجہ فقہا سے اُونچا ہے۔''

امام ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی کی مختلف مذاہب اور فرقوں کے متعلق بڑی جامع کتاب ہے۔ اہل سنت کے مختلف مسالک کا ذکر فرماتے ہیں:

"والصنف الثاني منهم أئمة الفقه من فريقي الرأي والحديث من الذين اعتقدوا في أصول الدين مذاهب الصفاتية في الله وصفاته الأزلية." (الفرق بين الفرق، ص: ٣٠٠)

''دوسری قسم فقہا کی ہے، جن میں اہل الرائے اور اہلحدیث دونوں شامل ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ازلیہ کو بلا تاویل مانتے ہیں اور تشبیہ اور تعطیل کے قائل نہیں۔''

اسی کتاب میں آگے چل کر اہل تصوف کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کلامهم في طريقي العبارة والإشارة على سمت أهل الحديث دون من يشتري لهو الحديث.“

”ان کا اندازِ گفتگو اور اشارات اہل حدیث کی طرح ہیں، اہل لہو ولعب کی طرح نہیں۔“

اسی طرح ان دونوں فریق کا ذکر صفحات (۳۱۴، ۳۰۲، ۱۱۴، ۷، ۱۳۱۳) میں مرقوم ہے۔ اس کتاب میں اہلحدیث کا ذکر اکثر مقامات پر آیا ہے، کہیں بطور رواۃِ حدیث اور کہیں بطور مکتبِ فکر ؎

خذ بطن هرشا أو قفاها فإنه
كلا جانبي هرشا لهن طريق ①

یہ لوگ دین کا ہر کام کرتے رہے لیکن نہ کسی فرقہ کی تاسیس کی نہ کسی دھڑے کے لیے دعوت دی، نہ اشخاص کی محبت ہی ان پر اس قدر غالب ہوئی جس سے دوسرے کی تنقیص لازم آئی۔ ان کی نظر اشخاص سے زیادہ دلائل پر رہی، شخصی تنقید سے زیادہ انھوں نے مسائل کی تحقیق فرمائی۔

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری (۳۳۰ھ) ”مقالات الإسلاميين“ میں فرماتے ہیں:

”جملة ما عليه أهل الحديث والسنة: الإقرار بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، وما جاء من عند الله، وما رواه الثقات عن رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ لا يردون من ذلك شيئاً، وأن الله ـسبحانهـ واحد صمد لا إله غيره.“ (ص: ٢٢)

”اہل حدیث اور ائمہ سنت کا عقیدہ ہے: اللہ تعالیٰ کا اقرار، ملائکہ اور

---

① ہرشا کا پیٹ پکڑ یا گدی، یہ دونوں ہی ہرشا کے دو پہلو اور ان کا راستہ ہیں۔ (ہرشا مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ایک وادی کا نام ہے)

فرشتوں اور رسولوں کا اقرار، کتابوں کا اقرار، جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں، اور جو ثقہ راویوں نے روایت کیا اس میں وہ کسی چیز کو رد نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ اکیلا اور بے نیاز ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

اس کے بعد آگے اہل حدیث کے عقائد کا تذکرہ کئی اوراق میں فرمایا۔ یہ تذکرہ معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے بالمقابل فرمایا، جس کا مطلب ظاہر ہے کہ اہلحدیث ائمہ اعتزال اور متکلمین کے مدِمقابل ہیں۔

ابن ندیم نے علماءِ عراق، ائمہ شوافع، موالک، امام داود ظاہری، فقہائے شیعہ کا مبسوط تذکرہ کرنے کے بعد فقہاء المحدثین و اصحاب الحدیث کا تذکرہ فرمایا۔ فن سادس سے تقریباً ۶۴ فقہائے حدیث کا تذکرہ فرمایا۔ ان میں امام بخاری، سفیان ثوری، ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، ابن ابی عروبہ، اسماعیل بن عبید، عبداللہ بن مبارک، امام احمد، عثمان بن ابی شیبہ، ترمذی، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، ابو داود، مسلم وغیرہ علما کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے فقہائے حدیث اگر مکتبِ فکر نہیں تو پھر انھیں ائمہ عراق وغیرہ سے الگ عنوان کے ماتحت کیوں ذکر فرمایا؟ حالانکہ امام ابوجعفر طحاوی وغیرہ حفاظِ حدیث موجود ہیں لیکن ہر حافظِ حدیث اہل حدیث نہیں ہوسکتا۔

امام محی الدین یحییٰ بن شرف النواوی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

> "إن الواجب ضربة للوجه والكفين، وهو مذهب عطاء، ومكحول، والأوزاعي، وأحمد، وإسحاق، وابن المنذر، وعامة أصحاب الحديث." (صحيح مسلم مع شرح النووي: ١/ ١٠١٠)
>
> "تیمّم میں چہرے اور ہاتھوں کے لیے ایک ضرب ضروری ہے، عطاء، مکحول، اوزاعی، احمد، اسحاق، ابن منذر، اور ائمہ اہلحدیث کا یہی مذہب ہے۔"

طلاق الحائض کے متعلق فرماتے ہیں کہ مطلق کو رجوع کے لیے کہنا چاہیے:

> "هذا مذهبنا، وبه قال الأوزاعي وأبو حنيفة وسائر الكوفيين

وأحمد وفقهاء المحدثين وآخرون."

(صحيح مسلم مع شرح النووي: ١/ ٤٧٥)

''ہمارا اور اوزاعی، ابو حنیفہ اور تمام اربابِ کوفہ، احمد اور فقہاء محدثین اور بعض دوسرے علماء کا بھی یہی خیال ہے۔''

ذہبی نے طبقات الحفاظ ،ابو محمد الفضل بن محمد کے تذکرہ میں فرمایا:

"ولقد كان في هذا العصر وما قاربه من أئمة الحديث النبوي خلق كثير، وما ذكرنا عشرهم هنا، وأكثرهم مذكورون في تاريخي، وكذلك كان في هذا الوقت خلق من أئمة أهل الرأي والفروع، وعدد من أساطين المعتزلة، والشيعة، وأصحاب الكلام الذين مشوا وراء العقول، وأعرضوا عما عليه السلف من التمسك بالآثار النبوية، وظهر في الفقهاء التقليد وتناقض الاجتهاد." اھ (تذكرة الحفاظ ذهبي: ٢/ ٦٢٧)

''اس زمانے (۲۸۲ھ) میں ائمہ حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی، یہاں میں نے ان کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا، میں نے ان کا مفصل تذکرہ اپنی تاریخ اسلام میں کیا ہے۔ اسی طرح ائمہ رائے اور فقہاءِ فروع اور شیعہ اور معتزلہ سے بھی اہل علم کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، انھوں نے آثار نبویہ اور سلف کی راہ سے اعراض کیا، اور فقہا میں تقلید اور متناقض اجتہادات کی گرم بازاری ہوئی۔''

ذہبی اس شذرہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ جب کہیں دقت محسوس ہوئی تم ہوئی کے کندھوں پر سوار ہو کر کہنے لگو گے: احمد کون ہے؟ علی بن مدینی کیا ہے؟ ابو زرعہ اور ابو داود کی حیثیت کیا ہے؟ یہ لوگ صرف محدث ہیں، یہ فقہ نہیں جانتے، اصول فقہ سے ناواقف ہیں، رائے کی حقیقت کو نہیں سمجھتے، معانی، بیان، منطق اور علم

البرہان سے ناآشنا ہیں، خدا کو دلائل سے نہیں مانتے۔ ذہبی فرماتے ہیں: یا تو چپ رہو یا علم کے ساتھ گفتگو کرو، علم وہی ہے جو ان لوگوں کی معرفت آئے۔"

اس مقام پر ائمہ حدیث کا تذکرہ فقہاء مجتہدین کے بالمقابل ذکر فرمایا ہے، ان کے تفقہ اور ان کے علم کی حقانیت کا بھی ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مستقبل میں تقلید اور متناقض اجتہادات کا دنیا میں فروغ ہو رہا ہے اور علوم حقہ اور اہل فن پر طعن کی راہیں کھل رہی ہیں۔

بقی بن مخلد کے تذکرہ میں مرقوم ہے:

"وقد تعصبوا على بقي لإظهاره مذهب أهل الأثر فدفع عنه أمير الأندلس محمد بن عبد الرحمن المرواني، واستنسخ كتبه وقال لبقي: انشر علمك." (تذكرة الحفاظ: ٢/ ٦٣٠)

"بقی بن مخلد نے اہل حدیث اور آثار کے مسلک کا اظہار کیا، لوگ ان پر تعصب کرنے لگے۔ اندلس کے امیر محمد بن عبدالرحمٰن مروانی نے ان کو ہٹایا اور ان کی کتابیں نقل کرائیں، اور فرمایا: تم اپنے علم، یعنی آثار اور احادیث، کی اشاعت کرو۔"

ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر حمیدی کے تذکرہ میں فرمایا:

"كان ورعا ثقة إماما في الحديث، وعلله، ورواته، متحققا في علم التحقيق والأصول على مذهب أصحاب الحديث بموافقة الكتاب والسنة." ❶

"حمیدی پرہیز گار، متقی اور امام تھے، حدیث اور رواۃ کے علل کو جانتے تھے، اہل حدیث کے مذہب کے مطابق اور کتاب وسنت کی روشنی میں انھوں نے اصول وضع فرمائے۔"

---

❶ تذكرة الحفاظ (٤/ ١٢١٩)

امام نووی صحیح مسلم کے باب المساقاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں:

”وبه قال مالك، والثوري، والليث، والشافعي، وأحمد، و جميع فقهاء المحدثين.“ (٢/ ١٤)

اسی صفحہ میں مرقوم ہے:

”وقال ابن أبي ليلىٰ، وأبو يوسف، ومحمد وسائر الكوفيين، وفقهاء المحدثين، وأحمد، وابن خزيمة.“ (٢/ ١٤)

”مساقات اور مزارعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے مالک، ثوری، لیث، شافعی، احمد اور تمام فقہاء محدثین نے۔ اور اسی طرح مزارعۃ کے جواز کا فتویٰ دیا ابن ابی لیلیٰ، ابو یوسف، محمد اور تمام علماء کوفہ اور فقہاء محدثین اور احمد ابن خزیمہ نے۔“

ابوابِ شفعہ میں امام نووی نے فرمایا:

”وقال الحكم، والثوري، وأبو عبيد، وطائفة من أهل الحديث: ليس له الأخذ.“ (مسلم: ٢/ ٣٢)

”مندرجہ ذکر علماء اور اہل حدیث کا خیال ہے کہ ہمسایہ کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔“

پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے کے متعلق فرمایا:

”والثاني: الإيجاب، وبه قال أحمد، و أبو ثور، وأصحاب الحديث.“ (مسلم: ١/ ٣٢)

”احمد، ابو ثور اور اصحاب الحدیث کا خیال ہے کہ ہمسایہ کو دیوار پر لکڑی کی اجازت ضروری ہے۔“

ان تمام مواقع میں اہل حدیث کا تذکرہ مکتبِ فکر کے طور پر فرمایا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے تیمّم کے تذکرہ میں فرمایا کہ ”وجه“ اور ”كفين“ پر تیمّم کے لیے ایک ضرب کے جواز کی طرف ذیل کے ائمہ گئے ہیں:

”وإليه ذهب أحمد، وإسحاق، وابن جرير، وابن المنذر، وابن

خزيمة، ونقله أبو الجهم وغيره عن مالك، ونقله الخطابي عن أصحاب الحديث." (فتح الباري: ١/ ٣٠٤)

"امام احمد، اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن خزیمہ اور امام مالک کا خیال ہے کہ تیمّم منہ اور دونوں کف پر کیا جائے۔ خطابی فرماتے ہیں: اصحاب الحدیث کا بھی یہی مذہب ہے۔"

امام نووی رحمہ اللہ نے "الأسماء واللغات" میں امام شافعی رحمہ اللہ کا تذکرہ بڑے دلنشیں انداز میں کیا ہے، یہ تذکرہ کئی اوراق میں پھیلا ہوا ہے۔ اس مقام پر امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ کا قول ذکر فرمایا:

"قال محمد بن الحسن ـرحمه الله: إن تكلم أصحاب الحديث يوماً فبلسان الشافعي." (١/ ٥٠)

"اصحاب الحدیث اگر گفتگو کریں گے تو وہ امام شافعی ہی کی زبان سے ہوگی۔"

یعنی امام شافعی کی کتابیں ان کی رہنمائی کریں گی۔ حسن بن محمد زعفرانی فرماتے ہیں:

"كان أصحاب الحديث رقوداً فأيقظهم الشافعي." (١/ ٥٠)

"اہلحدیث سو رہے تھے، شافعی رحمہ اللہ نے ان کو جگا دیا۔"

امام احمد کے ایک توصیفی ارشاد میں فرمایا:

"فهذا قول إمام أصحاب الحديث وأهله." (١/ ٥٠)

"یہ اہلحدیث کے امام کا قول ہے۔"

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث امام احمد، امام شافعی اور امام محمد سے پہلے موجود تھے، یہ ائمہ بھی اہلحدیث تھے، ان کے علوم سے اہل حدیث کو فائدہ پہنچا۔ ایک مقام پر فرمایا کہ عام علماء اور فقہاء خراسان کی زبان میں امام شافعی کے شاگردوں کا لقب اہل حدیث ہوا۔

تقلید اور جمود کا دور:

تقلید اور جمود کی ان تیرہ صدیوں میں کیا کیفیت رہی؟ اس کے متعلق صحیح اور قطعی رائے اور اس کے مدو جزر کا جائزہ لینے کے لیے گہرے اور عمیق مطالعے کی ضرورت ہے۔ ائمہ کی تصریحات اور مذہبی فرقوں کے عروج وزوال کی تاریخ اور مختلف فرق اور ملل ونحل کی کتابوں کے سرسری جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خیر میں تمام علما مجتہد نہیں تھے لیکن ائمہ اجتہاد کی کافی تعداد پائی جاتی تھی، اور ایسے اہل علم جو درجۂ اجتہاد کو تو نہیں پہنچے لیکن مسائل اور دلائل پر بقدر ضرورت ان کی نظر تھی ان کی تعداد بھی کافی تھی۔ احادیث کے حفظ کے ساتھ انھیں اللہ تعالیٰ نے تفقہ بھی عطا فرمایا تھا۔ عوام، جو دنیوی مشاغل کی وجہ سے علمی مشغلہ نہ رکھ سکے، بڑی تعداد میں موجود تھے، ان میں سب بوقتِ ضرورت اپنے سے بہتر علماء کی طرف توجہ فرماتے۔

ایک عام آدمی کے لیے یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے پہلے مجتہد کی تلاش کرے، وہ بچارا اتنا عالم ہوتا تو اسے دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوتی؟ وہ جسے عالم سمجھتے اس سے دریافت کرتے، نہ اجتہاد کا امتحان لیتے نہ مجتہد کا تعین کرتے بلکہ تقلید کی اقسام شخصی اور غیر شخصی سے وہ لوگ ناآشنا تھے۔ جسے قرآن و سنت اور درس و تدریس میں مشغول دیکھتے اس سے دریافت فرماتے، دینی فطرت کی بنا پر اطمینان ہوجاتا تو عمل کرتے ورنہ دوسرے عالم کی طرف رجوع کرتے، نہ مجتہد کے لیے بے قرار ہوتے نہ کسی ایک عالم کی تعین فرماتے۔ یہ بالکل فطری اور طبعی سا طریقہ تھا جس کے وہ پابند تھے، اس روش کی موجودگی میں فرقہ پروری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اسی بنا پر فرمایا:

”اعلم أن الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه.“ اهـ (حجة الله البالغة: ١/ ١٢٢)

”لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی خاص شخص کی تقلید پر جمع نہیں تھے۔“

اس کے بعد ابو طالب مکی کی ”قوت القلوب“ (۲/ ۳۶) سے ذکر فرمایا کہ شخصی تقلید اور فقہیات کے مجموعے سب محدث ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دوسری صدی کے بعد کسی قدر تخریجِ مسائل کا رواج ہوا۔ چوتھی صدی تک بھی لوگ ایک امام کی تقلید کے پابند نہ تھے، اجماعی مسائل میں وہ صرف آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی پابندی فرماتے۔ نماز، روزہ، وضو، وغیرہ کے تمام مسائل اپنے شہر کے علما سے بلا تخصیص دریافت فرما لیتے۔

> ”وإذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها أي مفت وجدوا من غير تعيين مذهب، وكان من خبر الخاصة أنه كان أهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث.“ (١/ ١٦٢)

> ”اگر کوئی واقعہ ہو جاتا تو بلا تعیین کسی مفتی سے دریافت فرما لیتے، اور خواص کا یہ حال تھا کہ اہل حدیث، حدیث میں مشغول ہوتے، احادیث اور آثار صحابہ سے انھیں اتنا ذخیرہ میسر آ جاتا جس سے انھیں کسی اور چیز کی ضرورت نہ رہتی، نہ وہ اقوال رجال کی طرف رجوع ہی فرماتے۔“

دوسری صدی تک ائمہ حدیث کا اثر غالب تھا، عوام اسی مسلک کے پابند تھے، تیسری اور چوتھی صدی میں اس کے ساتھ تقلید کی آمیزش ہونے لگی، یہ تقلید از قسم جمود نہ تھی، اس کا انداز تلمذ اور درس و تدریس کے اثرات سے زیادہ نہ تھا، عقیدت تھی لیکن عصبیت نہ تھی، علم کم ہو رہا تھا، سنت کے حفظ و ضبط سے عوام گھبراتے تھے اور مشہور ائمہ کی آرا اور اجتہادات پر عمل روز بروز بڑھ رہا تھا۔ چوتھی صدی کے اواخر میں تقلید کی رسم عام ہوگئی، جمود اور عصبیت کے آثار پیدا ہو گئے۔ ابن حزم رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ، ابو طالب مکی صاحب قوت القلوب، ابو شامہ مؤلف المؤمل اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہم اللہ کے ارشادات بھی قریباً اسی طرح ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا۔

امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) کی مختصر اور معانی الآثار ملاحظہ فرمائیں، امام ابن تیمیہ کو ان کی روش پر اعتراض ہے کہ وہ حنفیت کی نامناسب حمایت فرماتے ہیں۔ ائمہ حدیث کی نظر میں وہ متعصب شمار ہوتے ہیں۔ بیہقی نے سننِ کبریٰ معلوم ہوتا ہے انھی کے جواب میں لکھی، لیکن آپ ان دونوں کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امام طحاوی کی روش آج کے دیوبند سے بالکل مختلف ہے، وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ امام صاحب رحمہ اللہ سے اختلاف فرماتے ہیں، کبھی صاحبین کا قول اختیار فرماتے ہیں، کبھی ان سے کسی ایک کے ساتھ اتفاق فرماتے ہیں، بعض مقامات پر امام شافعی کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ چنانچہ امام صاحب اور صاحبین "ضب" کو حرام سمجھتے ہیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں:

"ونحن لا نری بأکله بأساً." (مختصر الطحاوي، ص: ٤٤١)

"ہم گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔"

امام طحاوی اونٹ کے پیشاب اور گھوڑے کو حلال سمجھتے ہیں۔ (مختصر الطحاوی، ص: ٤٣٤)

یہ چوتھی صدی کے اس امام کا عمل ہے جسے متعصب سمجھا جاتا تھا، آج کے حضراتِ دیوبند غور فرمائیں کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟

غرض پانچویں اور چھٹی صدی میں عصبیت اور جمود کے بادل اور بھی گھرے ہوگئے، اور محققین کی شدید قلت محسوس ہونے لگی، نمائشی القاب اور فقہی موشگافیاں مدارِ علم قرار پائیں، اور قریباً آٹھویں صدی تک یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ بحوالہ سخاوی "شیخ الاسلام" کے لفظ کے استعمال کے متعلق فرماتے ہیں:

"ثم اشتهر بها جماعة من علماء السلف حتی ابتذلت علی رأس المائة الثامنة، فوصف بها من لایحصی، وصار لقبا لمن ولي القضاء الأکبر، ولو عری من العلم والسن فإنا لله وإنا إلیه راجعون!"

"ائمہ سلف کے بعد شیخ الاسلام کا لقب آٹھویں صدی ہجری میں ذلیل ہوگیا

اور بے شمار نوجوان لوگوں پر بولا جانے لگا جو علم سے بالکل خالی تھے۔"

یہ امام سخاوی کی رائے تھی۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں:

"ثم صارت الآن لقباً لمن تولّى منصب الفتوىٰ، وإن عرىٰ عن لباس العلم والتقوىٰ." اھ (الفوائد البهية، ص: ۱۰۱)

"اب یہ ان لوگوں کا لقب بن گیا جنھیں اتفاقاً فتویٰ نویسی کا موقع مل گیا خواہ علم و تقویٰ سے کلی طور پر خالی ہوں۔"

غرض آٹھویں صدی تک جمود کا مرض چھا گیا، اہل حق ضرور موجود تھے لیکن ان کی آواز کو غیر وقیع کر دیا گیا، ان کی کاوشیں نہاں خانوں کی نذر ہو گئیں۔ اگر کہیں موقع ملا تو بعض کتابیں نذرِ آتش کر دی گئیں، لوگوں کو ان کے مطالعہ سے روکا گیا اور ایسے لوگوں کو شدید سزائیں دی گئیں، قید کیا گیا، کوڑے لگائے گئے۔ آٹھویں صدی کے پس و پیش کچھ تیز اور تند آوازیں اس جمود کے خلاف اٹھیں، بعض مجدّدین نے اربابِ جمود کے ساتھ وقت کی حکومت کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا، جو اپنی سیاسی مصالح کی بنا پر ان غلط نواز حضرات کی ہاں میں ہاں ملا دیتے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، علامہ ابن دقیق العید ان بزرگوں نے اس جامد فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا اور اصلاح کے ایک ہمہ گیر پروگرام کی طرف متوجہ کر دیا۔ ان حضرات نے پھر سے مسلکِ اہل حدیث سے پردہ اٹھایا، ائمہ حدیث اور فقہاءِ محدثین کی روش سے عوام کو آگاہ کیا، ان کی کتابوں میں مسلک اہل حدیث کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنہ میں فرماتے ہیں:

"ومن أهل السنة مذهب معروف قبل أن يخلق الله أبا حنيفة ومالكاً والشافعي، وأحمد فإنه مذهب الصحابة تلقوه عن نبيهم، ومن خالف ذلك كان مبتدعاً عند أهل السنة والجماعة." (۲/ ۲۵۲)

"اہل سنت کا ایک مسلک ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی پیدائش سے بھی پہلے دنیا میں

موجود تھا، وہ صحابہ کا مذہب تھا جو انھوں نے آنحضرت ﷺ سے سیکھا، جو اس کے خلاف ہو وہ بدعتی ہے۔''

افعالِ باری کے ذکر میں فرمایا:

"وهذا جواب كثير من الحنفية، والحنبلية، والصوفية، وأهل الحديث." (ص: ١٧٩)

''یہی جواب ہے اکثر احناف، حنابلہ اور صوفیہ اور اہل حدیث کا۔''

چند سطر کے بعد فرمایا:

"فإن أهل الحديث من أعظم الناس بحثا عن أقوال النبي ـصلى الله عليه وسلمـ وطلبا لعلمها وأرغب الناس في اتباعها." (٢/ ١٧٩)

''اہل حدیث آنحضرت ﷺ کے اقوال کی سب سے زیادہ تلاش کرتے ہیں اور اس کے اتباع کے لیے ان کو بے حد رغبت ہے۔''

"فهم (أهل الحديث) في أهل الإسلام في الملل، يؤمنون بكل رسول وبكل كتاب، لا يفرقون بين أحد من رسل الله، ولم يكونوا من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا." (٢/ ٧٩، نقض المنطق، ص: ٣٣)

''اہل حدیث اسلامی ممالک میں ایسے ہیں جیسے اسلام تمام مذاہب میں، ہر رسول اور ہر کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور تفریق نہیں کرتے۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

"وأما أهل الحديث والسنة والجماعة فقد اختصوا باتباع الكتاب والسنة الثابتة عن نبيهم ـصلى الله عليه وسلمـ في الأصول والفروع." (٢/ ١٠٣)

''اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اصول اور فروع میں کتاب و سنت کا اتباع کرتے ہیں۔''

اس کے بعد مختلف گروہوں کے اختلافات کا ذکر فرما کر فرمایا:

"ثم بعد ذلك اختلاف أهل الحديث، وهم أقل الطوائف اختلافاً في أصولهم." (۳/ ۲۱۱)

"اہلحدیث کا اصول وعقائد میں بہت کم اختلاف ہے۔ اہل حدیث کا تذکرہ علماءِ عقائد کے ضمن میں آیا ہے کہ ان لوگوں میں اختلاف بہت ہی کم ہے۔"

اس موضوع کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے شیخ الاسلام نے لکھا ہے:

"فليس الضلال والبغي في طائفة من طوائف الأمة أكثر منه في الرافضة كما أن الهدىٰ والرشاد والرحمة ليس في طائفة من طوائف الأمة أكثر منه في أهل الحديث." (۲/ ۲٤۲)

"سب سے زیادہ بے راہ روی روافض میں ہے اور سب سے زیادہ ہدایت اور نیکی اہل حدیث میں پائی جاتی ہے۔"

منہاج السنہ میں سرسری نظر سے اہلحدیث کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے۔ استیعاب سے دیکھا جائے تو پوری کتاب اہلحدیث کے ذکرِ خیر سے بھرپور ہے۔ شیخ الاسلام نے اپنی کتاب "نقض المنطق" کا آغاز مندرجہ ذیل سوال سے کیا ہے، اور پوری کتاب اس سوال کے جواب میں ہے۔

سوال:

اعتقادات میں متاخرین اور سلف کے مذہب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور ان دونوں سے آپ اپنی نسبت کس کی طرف کرتے ہیں؟ مسلکِ اہلحدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ حق پر ہیں یا ان کے مخالف؟ فرقہ ناجیہ سے کیا مراد ہے؟ ائمہ اہل حدیث کے بعد کوئی ایسے علوم ہوئے ہیں جسے وہ نہ جانتے ہوں؟ جو لوگ منطق کو فرض کفایہ کہتے ہیں، آیا یہ درست ہے؟

پوری کتاب (۲۱۱) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، یہ اسی سوال کا جواب ہے۔ ابتدا میں شیخ الاسلام نے صفاتِ باری میں تفویض کا ذکر فرمایا، تشبیہ و تجسیم اور تعطیل کی نفی فرمائی، اور فرمایا: اس باب میں ائمہ اربعہ اور اہل سنت کا وہی مذہب ہے جو اہل حدیث کی طرف منسوب ہے، اعتزال، تجہم، تعطیل و تشبیہ اور تجسیم کی راہیں بدعت کی ہیں، فلاسفہ اور متکلمین کے مدمقابل عقل و نقل ہیں، جس جماعت نے ان بدعات کا صدیوں مقابلہ کیا وہ اہل حدیث ہی تھے۔ امام اسماعیل بن عبدالرحمٰن صابونی (۴۴۹ھ) کا قول ذکر فرمایا:

> ”إن أصحاب الحديث المتمسكين بالكتاب والسنة يعرفون ربهم ـتبارك وتعالىٰـ بصفاته التي نطق بها كتابه وتنزيله، وشهد له بها رسوله علىٰ ما وردت به الأخبار الصحاح، ونقله العدول الثقات، ولا يعتقدون تشبيها لصفاته بصفات خلقه، ولا يكيفونها تكييف المشبه، ولا يحرفون الكلم عن مواضعه تحريف المعتزلة والجهمية.“ (نقض المنطق، ص: ٤)

> ”اہل حدیث کتاب و سنت سے تمسک کرتے ہیں، خدا کی وہی صفات بیان کرتے ہیں جو کتاب و سنت میں آئی ہیں یا صحیح احادیث میں ثقات سے منقول ہیں، نہ اس میں تشبیہ ہے نہ کیفیت کا بیان، نہ معتزلہ اور جہمیہ کی طرح تحریف۔“

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

> ”اہلحدیث اچھی باتوں میں تمام لوگوں کے ساتھ متفق ہیں، بعض چیزوں میں عام لوگوں سے ممتاز ہیں، ان کے مخالف معقول، منقول، قیاس، رائے، کلام، نظر و استدلال، حجت، مجادلہ، مکاشفہ، وجد و ذوق وغیرہ سے اہلحدیث کا مقابلہ کریں تو اہل حدیث ان تمام طریقوں میں ان سے بدرجہا بہتر اور اعلیٰ ہیں۔“

آخر میں فرمایا:

”وهذا هو للمسلمين بالنسبة إلٰى سائر الأمم، ولأهل السنة والحديث بالنسبة إلى سائر الملل.“ (ص: ۸)

”مسلمانوں میں ذہانت اور خوبیاں تمام امتوں سے زیادہ ہیں، اہل حدیث میں باقی مذاہب سے زیادہ ہے۔“

فرمایا: ائمہ اربعہ اور باقی تمام فقہاءِ محدثین کو دنیا میں اس لیے برتری حاصل ہے کہ وہ ائمہ اہل حدیث اور سنت کے موافق تھے، اسی طرح بدعتی فرقوں کا حال ہے، جہاں تک وہ اہل حدیث کے موافق ہیں ان کی تعریف کی گئی ہے اور جہاں تک وہ اہل حدیث کے مخالف ہیں علمی حلقوں میں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ (ص: ٦ سے ١١)

گویا حق و باطل کا معیار ہمیشہ اہلحدیث رہے ہیں۔ شیخ الاسلام اسی لقب کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ونحن لا نعني بأهل الحديث المقتصرين على سماعه، أو كتابته، أو روايته بل نعني بهم: كل من كان أحق لحفظه ومعرفته وفهمه ظاهرا وباطنا واتباعه باطنا وظاهرا، وكذلك أهل القرآن.“

(نقض المنطق، ص: ٨١)

اہل حدیث اور اہل قرآن سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں جو صرف حدیث کے سماع یا روایت یا کتابت تک ہی محدود ہوں بلکہ مراد وہ لوگ ہیں جو حدیث کے حافظ، اس کے مفہوم کو ظاہری اور باطنی طور پر پوری طرح سمجھتے ہوں اور پوری طرح اس کا اتباع بھی کرتے ہوں، یعنی ان میں بصیرت اور تفقہ بدرجۂ اتم موجود ہو۔

صفحہ (۴۷) پر لکھتے ہیں:

”إن علامة الزنادقة تسميتهم لأهل الحديث حشوية.“

”بے دین لوگ اہل حدیث کو لفظ پرست اور حشوی کہتے ہیں۔“

اس کے بعد فرمایا:

”فقهاء الحديث أخبر بالرسول من فقهاء غيرهم، وصوفيتهم أتبع للرسول من صوفية غيرهم، وأمراؤهم أحق بالسياسة النبوية من غيرهم، وعامتهم أحق بموالاة الرسول من غيرهم.“

(نقض المنطق، ص: ٨١)

”فقہاءِ اہل حدیث دوسرے فقہا سے حدیث کو زیادہ سمجھتے ہیں، دوسرے صوفیوں سے اہل حدیث صوفی آنحضرت ﷺ کے زیادہ اطاعت گزار ہیں۔ ان کے اہل سیاست، سیاست نبوی کو دوسرے امرا سے بہتر سمجھتے ہیں، ان کے عوام دوسرے فرقوں کے عوام سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں۔“

ابن ابی قتیلہ نے اہل حدیث کے متعلق ”قوم سوء“ کہا تو امام احمد ناراض ہوئے اور تین دفعہ فرمایا: یہ زندیق ہے۔

ایک جگہ فرمایا: علماءِ اہلحدیث کا مخالف منافق ہے یا جاہل۔ (ص: ۸۵)

پھر ارشاد فرمایا:

”اشتباہ! ضروری ہے کہ جو آدمی کسی طرح بھی سمجھے کہ کوئی گروہ امور غیبیہ کے حقائق کو اہل حدیث سے بہتر سمجھتا ہے یا اللہ پر ایمان اور واجب الوجود اور نفس ناطقہ اور تزکیہ کو زیادہ جانتا ہے تو اس میں نفاق کی بو ہوگی۔“ (ص: ۱۱۵)

”والثاني: إنا ذكرنا عن نقل مذهب السلف من جميع طوائف المسلمين من طوائف الفقهاء الأربعة، ومن أهل الحديث والتصوف وأهل الكلام كالأشعري.“ (ص: ١٣٥)

”ہم نے سلف کے مسلک کی نقل مسلمانوں کے تمام گروہوں میں سے کی ہے۔ فقہاء، مذاہب اربعہ، اہل حدیث، اہلِ تصوف اور متکلمین وغیرہ۔“

پوری کتاب میں اسی انداز سے مسلک اہلحدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک پرانا اور اہم مکتبِ فکر ہے، جس کے تحقیقی کارنامے فقہ، تصوف،

حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ، کلام، تجوید غرض علوم کے تمام گوشوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

القواعد النورانیہ:

شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) نے "نقض المنطق" میں متکلمانہ انداز سے مختلف فیہ مسائل کا ذکر فرمایا ہے، فقہی فروع میں ان کی کتاب "القواعد النورانیہ" کے نام سے مشہور ہے، اس میں فقہی مکاتبِ فکر کے اختلافی مسائل اور فقہاء محدثین کے فقہیات پر محققانہ بحث فرمائی ہے۔ اس میں مسلک اہل حدیث کا تذکرہ بطور مکتبِ فکر بار بار فرمایا ہے۔ کتاب کے شروع ہی میں اہلِ کوفہ اور اہل حجاز کے فقہی نظریات کے تذکرہ میں اہلحدیث کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ کے متعلق فرمایا کہ وہ ہر مسکر کو حرام سمجھتے ہیں لیکن کھانے کی چیزوں کے متعلق ان کی رائے مختلف ہے، وہ شکاری اور غیر شکاری سب پرندوں کو حلال سمجھتے ہیں، حشرات الارض کے متعلق بھی ان کی قریباً یہی رائے ہے، ایک روایت میں حلال اور ایک روایت میں انھیں مکروہ سمجھتے ہیں۔ فقہاءِ کوفہ کی رائے مشروبات کے متعلق اہل مدینہ سے مختلف ہے، وہ خمر صرف انگور کی شراب کو سمجھتے ہیں اور باقی مسکرات کو تھوڑی مقدار میں استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں، اور کھانے کے متعلق یہ حضرات متشدد ہیں، گھوڑے اور ضب کو حرام سمجھتے ہیں۔

شیخ الاسلام اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

"ومذهب أهل الحديث في هذا الأصل العظيم الجامع وسط بين العراقيين والحجازيين." (القواعد النورانية، ص: ۱)

اسی نسق میں شیخ فرماتے ہیں:

"فأخذ أهل الحديث في الأشربة بقول أهل المدينة و سائر أهل الأمصار موافقة للسنة المستفيضة عن النبي ـصلى الله عليه وسلمـ وأصحابه في التحريم." (ص: ۳)

”اہل حدیث نے اشربہ کے متعلق اہل مدینہ اور باقی مسلم ممالک کے عمل کو سنتِ مشہورہ کے موافق حرام سمجھا۔“

اس کے بعد چند سطور میں اس کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

”وأخذوا في الأطعمة بقول أهل الكوفة لصحة السنن عن النبي -صلى الله عليه وسلم- بتحريم كل ذي ناب من السباع، وكل ذي مخلب من الطيور، وتحريم لحوم الحمر.“ (ص: ۳)

”اور کھانے کے متعلق ائمہ اہل حدیث نے اہل کوفہ کے مذہب کو سنت کے مطابق پایا، اڑنے والے اور جنگلی درندوں اور اہلی گدھوں کو حرام تصور فرمایا۔“

ان کی نظر میں قرآن اور احادیث کی ایک ہی حیثیت ہے۔ آخر میں اہل حدیث نے ان مسائل میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ سے کلی اتفاق نہیں فرمایا بلکہ گھوڑے اور ضب وغیرہ کو حدیث کی بنا پر حلال فرمایا ہے، اور اہل مدینہ کے ساتھ بعض اشربہ میں اختلاف کیا ہے۔ اس کے بعد شیخ نے ان مسائل میں مذہبِ اہل حدیث کا تفصیلی تجزیہ فرمایا ہے جسے طوالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مضمون پھیلتا جا رہا ہے، اس کو مختصر کرنے کے لیے ”قواعد نورانیہ“ کے صفحات لکھے جا رہے ہیں جہاں شیخ الاسلام نے اس مکتبِ فکر کا بطور مکتب ذکر فرمایا ہے، عبارات اور ترجمہ دونوں نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔

صفحات کے نمبر یہ ہیں: (۱۰، ۱۱، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳)

شیخ الاسلام نے کہیں اہل حدیث کہیں فقہاءِ اہل حدیث کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تذکرہ دوسرے مکاتبِ فکر ہی کی طرح آیا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے مسلک اہل حدیث کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

”فهم حملة علمه، ونقلة دينه، وسفرته بينه وبين أمته، وأمناؤه في تبليغ الوحي منه، فحري أن يكونوا أولى الناس به في حياته ووفاته، وكل طائفة من الأمم مرجعها إليهم في صحة حديثه

وسقيمه، ومعولها عليهم فيما يختلفون في أمره، ثم كل من اعتقد مذهبا فإلى صاحب مقالة التي أخذ بها ينتسب، وإلى رأية ينتسب إلا أصحاب الحديث فإن صاحب مقالتهم رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ فهم إليه ينتسبون، وإلى علمه يستندون وإليه يفزعون، وبرأيه يقتدون، وبذلك يفتخرون... الخ."

(صون المنطق والكلام، ص: ١١)

"اہل حدیث آنحضرت ﷺ کے علم کے حامل، ان کے دین کے ناقل ہیں، اور آنحضرت ﷺ اور امت کے درمیان سفیر ہیں اور ان کی وحی کی تبلیغ میں ان کے امین ہیں، وہ موت اور زندگی میں آپ کے قریب ہیں۔ تمام گروہ حدیث کی صحت اور سقم میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے اختلاف میں ان کی رائے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر صاحبِ مذہب اپنی نسبت اپنے امام کی طرف کرتا ہے اور اس کے مقالات کو اپناتا ہے لیکن اہل حدیث اپنا تعلق آنحضرت ﷺ کے ساتھ بتاتے ہیں اور آپ ہی کے مقالات سے استناد کرتے ہیں، انھی سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے دل کی بے قراریاں آپ ہی کے لیے ہیں، آپ ہی کی اقتدا کرتے ہیں، آپ ہی کی ذات گرامی پر فخر کرتے ہیں، ان کی نسبت قرآن کی طرف ہے، کیونکہ وہ احسن الحدیث ہے اور حدیث کی طرف بھی اس لیے کہ وہ اس کے حافظ اور حامل ہیں۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"فهي الطائفة المنصورة، والفرقة الناجية، والعصبة الهادية، والجماعة العادلة المتمسكة بالسنة التي لا تريد برسول الله بديلا، ولا عن قوله تبديلا، ولا عن سنته تحويلا." (ص: ١١)

”طائفہ منصورہ، فرقہ ناجیہ، اہلحدیث کا گروہ، عادل جماعت جس نے سنت سے تمسک کیا۔ کسی کو آنحضرت ﷺ کا بدل نہیں سمجھتے، نہ آپ کے قول اور سنت میں کوئی تبدیلی کرتے ہیں۔“

سیوطی نے حافظ ہبۃ اللہ بن حسن ابو القاسم لالکائی کی کتاب ”اصول السنۃ“ سے یہ تلخیص فرمائی ہے۔

”الانتصار لأهل الحديث“ سمعانی (۴۸۹ھ) کے حوالے سے نقل فرمایا:

”قد لهج بذم أصحاب الحديث صنفان: أهل الكلام، وأهل الرأي، فهم في كل وقت يقصدونهم بالثلب والعيب، وينسبونهم إلى الجهل وقلة العلم.“ (صون المنطق، ص: ٤٧)①

”متکلمین اور اہل الرائے کی زبانیں اہلحدیث کے خلاف چلتی رہتی ہیں، وہ انھیں کم علم اور جاہل کہتے ہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے رہتے ہیں۔“

خبر واحد کے متعلق فرمایا کہ اس سے علم حاصل ہوتا ہے:

”هذا قول عامة أهل الحديث والمتقنين من القائمين على السنة، وإنما هذا القول الذي يذكر أن خبر الواحد لا يفيد العلم بحال، ولابد من نقله بطريق التواتر لوقوع العلم شيء اخترعته القدرية والمعتزلة، وكان قصدهم منه رد الأخبار، وتلقفه منهم بعض الفقهاء الذين لم يكن لهم في العلم قدم ثابت.“ (صون المنطق، ص: ١٦١)

”خبر واحد کی حجیت اور مفید علم ہونا اہل حدیث اور اربابِ سنت کا قول ہے، اور خبر واحد کا غیر مفید ہونا اور خبر کے مفیدِ علم ہونے کے لیے تواتر کی شرط یہ معتزلہ اور قدریہ کا اختراع ہے، جس سے ان کا مقصد احادیث کے رد کے سوا کچھ نہیں، بعض کم علم فقہا نے ان سے یہ مسئلہ سیکھ لیا ہے۔“

---

① نیز دیکھیں: الانتصار لأصحاب الحديث للسمعاني (ص: ١)

یہ کتاب کئی کتابوں کی تلخیص ہے، اس میں سیوطی نے بڑی کثرت سے اہل حدیث مکتبِ فکر کا ذکر فرمایا ہے۔❶ یہ کتاب سیوطی نے منطق اور کلام کی اغلاط کے متعلق لکھی ہے، ائمہ سنت کی کئی کتابوں کی تلخیص فرمائی اور جابجا مسلک اہل حدیث کا ذکر کیا ہے۔❷ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہائے حنفیہ سے اصول فقہ میں جہاں جہاں لغزش ہوئی ہے وہ دراصل معتزلہ کا اثر ہے، کیونکہ فقہاءِ عراق ابتدا میں معتزلہ سے متاثر ہوگئے تھے، ان حضرت ہی نے بعض کتابیں اصول فقہ پر لکھیں، جن میں جا بجا اعتزال کا اثر پایا جاتا ہے۔❸ الجواهر المضية اور الفوائد البهية میں ایسے بہت سے احناف کا ذکر فرمایا ہے جو اعتزال سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ متاخرین علماءِ اصول زیادہ تر انھی حضرات پر اعتماد فرماتے ہیں۔ آج کل کی درسیاتِ اصول فقہ میں اعتزال ہی کا اثر ہے، بچارے ملا جیون اور علامہ نظام الدین معتزلہ ہی کے خوشہ چین ہیں۔❹

---

❶ دیکھیں: (ص: ١٦٤، ١٦٥، ١٦٦، ١٦٨، ١٧١) [مؤلف]

❷ دیکھیں: صون المنطق والكلام (ص: ١٦٤۔ ١٦٨)

❸ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وكذلك يخلط بمذهب أبي حنيفة شيئا من أصول المعتزلة والكرامية والكلابية، ويضيفه إلى مذهب أبي حنيفة، وهذا من جنس الرفض والتشيع" (منهاج السنة النبوية: ٥/ ١٨١)

نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وبعضهم يزعم أن بناء المذهب على هذه المحاورات الجدلية المذكورة في مبسوط السرخسي والهداية والتبيين ونحو ذلك، ولا يعلم أن أول من أظهر ذلك فيهم المعتزلة، وليس عليه بناء مذهبهم." (حجة الله البالغة، ص: ٣٣٦)

❹ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فكم من حنفي في الفروع معتزلي عقيدة كالزمخشري وغيره كمؤلف القنية والحاوي، والمجتبى شرح مختصر القدوري نجم الدين الزاهدي۔ وقد ترجمتهما في الفوائد البهية وغيرهم ۔ وكم من حنفي حنفي فرعا مرجئ أو زيدى العقيدة، فمنهم الشيعة، ومنهم المعتزلة، ومنهم المرجئة." (الرفع والتكميل، ص: ٣٨٥)

حافظ ابن قتیبہ دینوری (۲۷۶ھ) نے مسلکِ اہل حدیث کی حمایت میں مستقل کتاب لکھی ہے: "تأويل مختلف الحديث في الرد على أعداء أهل الحديث" اس میں حدیث اور اہل حدیث دونوں کا دفاع فرمایا ہے:

> "ذكر أصحاب الحديث: قال أبو محمد: فأما أصحاب الحديث فإنهم التمسوا الحق من وجهته، وتتبعوه من مظانه، وتقربوا من اللہ تعالیٰ باتباعهم سنن رسول اللہ ـصلی اللہ علیه وسلمـ وطلبهم لآثاره وأخباره برا وبحرا، شرقاً وغربا... إلى أن قال: وعرفوا من خالفها من الفقهاء إلى الرأي فنبهوا على ذلك حتى نجم الحق بعد أن كان عافيا، وبسق بعد أن كان دارسا، واجتمع بعد أن كان متفرقاً، وانقاد للسنن من كان عنها معرضا، وتنبه عليها من كان عنها غافلا، وحكم بقول رسول اللہ ـصلی اللہ علیه وسلمـ بعد أن كان يحكم بقول فلان وفلان، وإن كان فيه خلاف على رسول اللہ ـصلی اللہ علیه وسلم.❶"

> ''اہلحدیث نے حق کی تلاش اس کے اصل مقام سے کی اور آنحضرت ﷺ کے آثار اور سنن سے اللہ کا قرب تلاش کیا، اور احادیث کی تلاش میں خشکی اور سمندر، مشرق اور مغرب کے سفر کیے، ایک حدیث کی تلاش میں طویل سفر کیے، تاکہ اصل راویوں سے صحیح حدیث سن سکیں، اور بحث وتنقید سے صحیح، ضعیف اور منسوخ کا پتہ چلایا، اور فقہا اور اہل الرائے کی مخالفت پر بھی متنبہ کیا، یہاں تک کہ حق ظاہر ہوگیا، متفرق احادیث جمع ہوگئیں اور جو لوگ فلاں فلاں کی اطاعت کرتے تھے وہ حق کی اطاعت کرنے لگے۔''

ایک مقام میں فرمایا کہ لوگوں نے اہل حدیث کے مختلف نام رکھے لیکن نام بے

---

❶ تأويل مختلف الحديث لابن قتيبة (ص: ٧٤)

محل استعمال سے صحیح نہیں ہو سکتے، صیقل کرنے والا موچی نہیں کہلا سکتا، نہ بڑھئی ہی کو لوہار کہا جا سکتا ہے۔ یعنی اہلحدیث کو حشوی یا ظاہری کہا جائے تو وہ حشوی یا ظاہری نہیں ہوگا، نام کی کچھ حقیقت ہوتی ہے جس پر وہ بولا جاتا ہے۔ ❶

علامہ ابوبکر محمد بن حسن بن فورک (۴۰۶ھ) نے ''مشکل الحدیث'' میں ملحدین کے تذکرہ میں تعارف کے طور پر فرمایا:

> "وخصوا بتقبيح ذلك الطائفة التي هي الظاهرة بالحق لسانا وبيانا وقهرا وعلوا وإمكانا، الطاهرة عقائدها من شوائب الأباطيل وشوائب البدع والأهواء الفاسدة، وهي المعروفة بأنها أصحاب الحديث." (ص: ۳)

> ''ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس گروہ کی تنقیص کرتے ہیں جن کی زبان و بیان پر ظاہراً باطناً حق غالب ہے، ان کے عقائد بدعات اور اباطیل سے پاک ہیں، وہ اصحاب الحدیث کے نام سے مشہور ہیں۔''

اس کے بعد ان کی دو قسمیں ہیں: ایک جن کا مشغلہ اسانید اور ان کے متون کا ضبط ہے، اور دوسرے وہ جو اسباب و عِلَل اور قیاس و نظر سے احادیث میں بحث کرتے ہیں۔ ❷

اسی طرح ابو الفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (۵۴۸ھ) نے "الملل والنحل" میں اس مکتبِ فکر کا ذکر فرمایا۔ ❸

حافظ ابن حزم أندلسی الظاہری (۴۵۶ھ) گو ظاہری ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو اہل حدیث شمار فرماتے ہیں، تقلید و جمود پر سختی سے تنقید فرماتے ہیں۔ اپنے وقت کے مالکی علما و صحابہ کے فروعی اختلافات کے متعلق فرمایا:

---

❶ تأويل مختلف الحديث (ص: ۸۱)

❷ دیکھیں: مشكل الحديث و بيانه لابن فورك الأصبهاني (ص: ۳۷)

❸ دیکھیں: الملل و النحل للشهرستاني (۱/ ۲۰، ۱۰۰، ۱۵۳، ۱۷۲، ۲۰۵)

”فأما ما اجتمعوا عليه فنحن الذين اتبعوا إجماعهم، ولله الحمد كثيرا، وإنما خالف إجماعهم من دعا إلى تقليد إنسان بعينه كما فعل هؤلاء في تقليدهم مالكا دون غيره، ولم يكن قط في الصحابة، ولا في التابعين، ولا في القرن الثالث واحد فما فوقه فعل هذا الفعل، ولا أباحه لفاعل.“ ❶ اهـ (التعنيف، ص: ٨٩)

”اگر صحابہ کا کسی مسئلہ پر اجماع ہو تو ہم بحمد اللہ اسے قبول کرتے ہیں، لیکن جن لوگوں نے تقلید شخصی کی دعوت دی ان لوگوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے، جس طرح مالکیوں نے صرف امام مالک کی تقلید کی۔ صحابہ، تابعین اور تیسری صدی تک کوئی آدمی نہیں جس نے یہ فعل کیا ہو یا اس کو جائز کہا ہو، اجماع کے مخالف دراصل وہی لوگ ہیں جو تقلید شخصی کی دعوت دیتے ہیں۔“

حافظ ابن حزم کی ”الإحکام“، ”المحلی“، ”الفصل“ وغیرہ اسی مواد سے بھری پڑی ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے تجدیدی کارناموں سے ساتویں اور آٹھویں صدی دونوں متاثر تھیں، شیخ کی آواز مدارس اور ایوانِ حکومت میں یکساں گونجتی تھی، شیخ کی تنقید سے حکومت کے دربار لرزتے تھے، صوفیوں کی خانقاہیں شیخ کے اصلاحی پروگرام کے سامنے جھکتی تھیں، غرض شیخ کے اصلاحی کارنامے زندگی کے ان تمام گوشوں پر اثر انداز ہوتے تھے جن کا دین سے کچھ بھی تعلق تھا۔

شیخ کا حلقۂ درس بھی کافی وسیع تھا، دعوت و تبلیغ کی مساعی بھی ہمہ گیر تھیں، شیخ کے تلامذہ اور رفقاء کا حلقہ بھی اسی طرح وسیع تھا، حافظ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ، حافظ جلال الدین المزی، حافظ ذہبی، حافظ عماد الدین ابن کثیر، محمد بن احمد ابن عبدالهادی مقدسی وغیرہم رحمہم اللہ کبار ائمہ، امام کے علوم سے مستفیض تھے۔ یقیناً شیخ الاسلام کا اثر شیخ کے بعد برسوں قائم رہا ہوگا۔

---

❶ دیکھیں: رسائل ابن حزم (۳/ ۷۷)

شیخ کے تلامذہ میں سے ابن القیم رحمہ اللہ ، ان کے تلامذہ سے شیخ محمد بن یعقوب رحمہ اللہ فیروز آبادی (۸۱۷ھ) صاحب قاموس، ان کے تلامذہ سے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)، احمد بن علی المقریزی المؤرخ (۸۴۵ھ) ایسے ائمہ کو ان سے استفادہ کا موقع ملا۔ پھر حافظ ابن حجر کے تلامذہ میں یہ اثر قائم رہا، اور تحقیق کی یہ شمع جلتی رہی اور جمود کا اثر غالب نہ ہوسکا، گو دونوں نظریات میں تصادم کے آثار ملتے ہیں۔

حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) شیخ عبدالوہاب المتقی، شیخ محمد طاہر پٹنوی صاحب مجمع البحار اور حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد المجدد السرہندی (۱۰۳۴ھ) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) مرزا مظہر جان جاناں (۱۲۱۸ھ) فاخر الہ آبادی (۱۲۶۴ھ) حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹ھ) شاہ اسماعیل شہید (۱۲۴۷ھ) رحمہم اللہ ماحول کی وجہ سے حنفیت کی طرف معمولی رجحان کے باوجود ان میں سے کوئی بھی تقلید اور جمود کا داعی نہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان میں تقلید و جمود کے خلاف جو جذبہ اس وقت کارفرما ہے اس کے مؤسس و بانی در اصل یہی مقدس حضرات ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم۔ ان تمام أعلام کے ارشادات کے تذکرہ سے مضمون اور بھی واضح ہوگا۔ ان بزرگوں کے کارنامے اور علمی نوشتے اہل علم کی نظروں میں پوشیدہ نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ، الانصاف، عقد الجید، الخیر الکثیر، تفہیمات اول وثانی، المقالہ الوضیہ اور الانتباہ وغیرہ میں اس موضوع پر اتنا لکھا ہے کہ اس سے زیادہ لکھنا مشکل ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ (۱/۱۲۴) میں عزبن عبدالسلام سے نقل فرمایا:

> "ومن العجيب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا، وهو مع ذلك يقلده فيه، ويترك من شهد الكتاب والسنة، والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه، بل يتحيل لدفع ظاهر

الكتاب والسنة، ويتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده، وقال: لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد لمذهب، ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين."

"تعجب ہے کہ فقہاء مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کا ضعف بھی معلوم ہو جاتا ہے اور وہ اس کی مدافعت بھی نہیں کر سکتا، اس کے باوجود اس کی تقلید کرتا ہے اور ظاہر کتاب وسنت اور قیاس صحیح کو ترک کر دیتا ہے، اور کتاب وسنت کو ٹالنے کے لیے بہانے بناتا ہے تاکہ اپنے امام کو بچا سکے۔ لوگ ہمیشہ حسبِ اتفاق علما سے دریافت کرتے رہے، یہاں تک کہ مروجہ مذاہب اور متعصب لوگ پیدا ہو گئے جو امام کو پیغمبر کی طرح سمجھتے ہیں۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

"یہ لوگ دوسرے مسلک کے مفتی سے فتویٰ پوچھنا جائز نہیں سمجھتے اور نہ اقتدا ہی کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ صحابہ، تابعین اور قرون اولیٰ کے اجماع کے خلاف ہے۔" (حجة الله البالغة: ١/ ١٢٤)

نیز حجۃ اللہ (۱/۱۲۲) میں فرمایا:

"وكان صاحب الحديث أيضاً قد ينسب إلى هذه المذاهب لكثرة موافقته له كالنسائي، والبيهقي ينسبان إلى الشافعي." اھ

"یعنی طبقات کی کتابوں میں بعض اہل حدیث علما کو مروجہ مذاہب کی طرف منسوب کرایا جاتا ہے، اس لیے کہ اس کی تحقیق ان سے موافق ہو جاتی ہے، جیسے نسائی اور بیہقی، لوگ انھیں شافعی کہتے ہیں حالانکہ وہ اہل حدیث ہیں۔"

شاہ صاحب نے تفہیمات میں فرمایا:

فقہ حنفی و شافعی کو ملا کر کتاب وسنت پر پیش کرنا چاہیے، جو موافق ہو اس پر

عمل کیا جائے، ورنہ مختلف فیہ مسائل کو روایات کے طور پر قبول کر لیا جائے۔“①

شاہ صاحب عملی فروع میں بھی عموماً شوافع کی طرف جھکتے ہیں، آمین بالجہر، رفع الیدین، زیارتِ قبور، قراءتِ فاتحہ وغیرہ میں شافعی مذہب کو راجح سمجھتے ہیں۔

خیر کثیر میں تو امام شافعی رحمہ اللہ کی عجیب انداز سے تعریف فرمائی ہے:

”أما المتعمقون في الرأي فليسوا من أهل السنة في شيء، وأما هذه المذاهب الأربعة فأقربها إلى السنة مذهب الشافعي المنقح والمصفىٰ، وكان نظره يصل إلى حقيقة العلل والأسباب.“ اھ

(خير كثير، ص: ١٢٤)

”رائے اور قیاس میں غالی قسم کے لوگ یہ قطعاً اہل سنت نہیں ہیں، اور مذاہبِ اربعہ سے امام شافعی کا مسلک سنت سے زیادہ قریب ہے، ان کی نظر اسباب وعلل پر زیادہ گہری ہے۔“

تفہیمات (۲/ ۲۴۰) میں پہلے عقائد کا ذکر اور تاکید فرمائی ہے کہ تاویل سے بچ کر مسلک سلف کا اتباع کیا جائے۔ فروع کے متعلق فرمایا:

”ودر فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن و آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن امت ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وسخن متقشفۂ فقہا کہ تقلید عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند شنیدن و بدیشاں التفات نہ کردن وقربت خدا جستن بدوری ایناں۔“②

”فروع میں فقہاء محدثین کی پیروی کرنا، فقہی جزئیات کو کتاب وسنت پر

---

① تفهيمات (١/ ٢١٢)

② تفهيمات (٢/ ٢٤٠)

پیش کرنا، موافق کو قبول کرنا، مخالف کو پھینک دینا، امت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اجتہادیات کو کتاب و سنت پر پیش کریں اور خشک فقیہ، جن کے لیے تقلیدِ شخصی سے بڑی کوئی دستاویز نہیں، نے کتاب و سنت کے تتبع کو ترک کیا ہوا ہے، ان سے دوری میں خدا کی رضا مندی ہے۔"

جامد تقلید کے متعلق شاہ صاحب کے جذبات قابل ملاحظہ ہیں:

"وترى العامة سيما اليوم في كل قطر يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين، يرون خروج الإنسان من مذهب من قلده، ولو في مسألة، كالخروج من الملة، كأنه نبي بعث إليه، وافترضت طاعته عليه، وكان أوائل الأمة قبل المائة الرابعة غير متقيدين بمذهب واحد." (١/ ١٥١)

"ہر علاقے کے عوام مروجہ مذاہب سے ایک کی تقلید کرتے ہیں، اسے ترک کرنا ارتداد کے برابر سمجھتے ہیں، گویا امام ان کا نبی ہے جس کی اطاعت ان پر فرض ہے، چوتھی صدی سے پہلے یہ کیفیت نہ تھی۔"

آج احبابِ دیوبند غور فرمائیں! آپ جس انداز سے تقلید کی دعوت دیتے ہیں، ترکِ تقلید کی مخالفت کرتے ہیں، یہ وہی انداز تو نہیں جس کی شاہ صاحب نے شکایت فرمائی ہے؟!

اسی طرح تفہیمات (١/ ١٥٢) میں ایسے محققین کا ذکر فرمایا ہے جو تقلید نہیں کرتے تھے، جیسے ابن العربی، ابو محمد جوینی۔ نیز تفہیمات (٢/ ٢٠٢، ١/ ٢١٥) میں فرمایا:

"إن آمنتم بنبيكم فاتبعوه خالف مذهبا أو وافقه." اھ

"اگر آنحضرت ﷺ پر ایمان ہے تو ان کی اطاعت کرو، مذہب کے خلاف ہو یا موافق!"

تفہیمات اس قسم کی دعوت سے بھرپور ہے۔

تفقہ اور ظاہریت:

شاہ صاحب کے نزدیک حق تفقہ اور ظاہریت کے بین بین ہے:

”ومنهم إني أقول لهؤلاء المسمين أنفسهم بالفقهاء الجامدين على التقليد يبلغهم الحديث من أحاديث النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ بإسناد صحيح، وقد ذهب إليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين، ولا يمنعهم إلا التقليد لمن لم يذهب إليه، ولهؤلاء الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم طراز حملة العلم، وأئمة أهل الدين إنهم جميعا على سفاهة وسخافة و ضلالة، وإن الحق أمر بين بين.“ (تفهيمات: ١/ ٢٠٩)

”میں ان برائے نام فقہا سے کہنا چاہتا ہوں کہ تقلید جامد کی وجہ سے جن کو صحیح حدیث پہنچتی ہے اور وہ فقہا کو معلوم بھی ہے لیکن وہ اپنے علما کی تقلید کے سبب اسے نہیں مانتے، اور یہ ظاہری حضرات جو فقہ کے انکار اور فقہا اور ائمہ دین رحمہم اللہ پر یقین نہیں رکھتے، یہ سب بے وقوف اور غلط کار ہیں اور حق ان کے بین بین ہے۔“

مسلک اہل حدیث بالکل یہی ہے۔

پھر (۱/ ۲۱۱) فرمایا:

”وأشهد لله بالله أنه كفر بالله أن يعتقد في رجل من الأمة ممن يخطئ ويصيب، أن الله كتب علي اتباعه حتما، وأن الواجب علي هو الذي يوجبه هذا الرجل علي، ولكن الشريعة الحقة قد ثبتت قبل هذا الرجل بزمان، قد وعاها العلماء، ورواها الرواة، وحكم بها الفقهاء، وإنما اتفق الناس على تقليد العلماء على معنى أنهم رواة الشريعة عن النبي صلى الله عليه وسلم، وأنهم علموا ما لم نعلم، وأنهم اشتغلوا بالعلم ما لم نشتغل

ولذلك قلدوا العلماء، فلو أن حديثا صح، وشهد بصحته المحدثون، وعمل به طوائف فظهر فيه الأمر، ثم لم يعمل به هو؛ لأن متبوعه لم يقل به فهذا هو الضلال البعيد." اھ

"میں اللہ کے لیے اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک ایسے آدمی کے متعلق جس سے خطا اور ثواب سرزد ہو سکتے ہیں یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی اطاعت فرض ہے، جس چیز کو یہ واجب کہے وہ واجب ہے، حالانکہ شریعت اس شخص سے پہلے موجود ہے، علما نے اسے حفظ اور روایت کیا، فقہا نے اس کے مطابق فیصلے کیے۔ تقلید کا مفہوم تو صرف اس قدر ہے کہ علما شریعت کے راوی ہیں، وہ جانتے ہیں جو عوام نہیں جانتے۔ علما نے اسے اپنا مشغلہ قرار دیا کہ عوام ایسا نہیں کر سکتے، اس لیے علما کی تقلید کی گئی، اب اگر ایک حدیث کی صحت ثابت ہو، علما نے اس پر عمل بھی کیا ہو اور بات واضح ہو جائے، پھر اس پر عمل نہ کیا جائے اس لیے کہ فلاں امام نے اس پر عمل نہیں کیا، یہ سب سے بڑی گمراہی ہے۔"

ایک مقام پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے دل میں ملاء اعلیٰ کی طرف سے ڈالا گیا ہے کہ حنفی اور شافعی امتِ مرحومہ میں دونوں مشہور مذہب ہیں، اور اکثر لوگ انھیں دونوں مذاہب کے متبع ہیں۔ اکثر فقہا، محدثین، مفسرین اور متکلم صوفی شافعی تھے اور عام بادشاہ اور یونان کے لوگ حنفی تھے۔ ملاء اعلیٰ کا منشا یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب قرار دیا جائے اور احادیث پر پیش کیا جائے، جو موافق ہو اسے رکھ لیا جائے، جس کی اصل نہ ملے اسے دو قول یا دو روایت قرار دے دیا جائے۔ (۱/ ۲۱۲)

شاہ صاحب کے ان ارشادات کا آج دیو بند کی دعوتِ جمود میں کیا ربط ہے؟ اس پر اربابِ ربط کو غور کرنا چاہیے۔ مسلک اہل حدیث کا اجمالاً یہی تقاضا ہے کہ جمود کو قطعاً جگہ نہ دی جائے اور نصوص پر نظر رکھی جائے۔

اسی دعوت کا ایک اور مقام پر اس طرح اعادہ فرماتے ہیں:

> ”کیا تم نہیں جانتے کہ حکم صرف اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا؟ بہت لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی حدیث پہنچ جاتی ہے لیکن وہ کہتا ہے: میں فلاں مذہب پر عمل کروں گا، حدیث پر عمل نہیں کروں گا۔ پھر یہ خیال کرتا ہے کہ حدیث صرف ائمہ اور ماہرین ہی سمجھ سکتے ہیں، ائمہ رحمہم اللہ نے ایسی حدیث پر عمل کسی وجہ سے ہی ترک کیا ہوگا، منسوخ ہو یا مرجوح۔ یقیناً جان لو یہ قطعاً دین نہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ پر ایمان ہے تو آپ کی اطاعت کرو، کسی مذہب کے مطابق ہو یا مخالف۔ اللہ کی رضا اسی میں ہے کہ اللہ کی کتاب اور سنت پر عمل کیا جائے۔ اگر آسانی سے سمجھ میں آجائے تو بہتر ورنہ پہلے علما کی رائے سے جو کتاب وسنت کے قریب ہو اس پر عمل کرو۔“
>
> (تفہیمات: ۱/ ۲۱۵)

یعنی بلا تعیین ان کے افکار کی اطاعت کی جائے۔ الفاظ کی بحث بے سود ہے، حقائق کی وضاحت کے بعد ظاہر ہے کہ مسلک اہل حدیث نے ہندوستان کے مذہبی جمود کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جس قدر شاہ صاحب نے فرمایا۔ اس کا نام تقلید رکھیے یا ترکِ تقلید، حنفی کہیے یا اہل حدیث، اس میں وہ جمود بہر حال نہیں جس کی دعوت آج کل بریلی اور دیوبند سے دی جا رہی ہے۔ مروجہ تقلید کے خلاف اہل حدیث نے اب تک جو کچھ کہا شاہ صاحب کے ارشادات میں وہ پورا مواد موجود ہے، اس کے خلاف اکابرِ دیوبند یا عظماءِ بریلی نے جو فرمایا شاہ صاحب کے ارشادات کی روح اس کے خلاف ہے۔ شاہ صاحب سے عقیدت کے ساتھ جمود اور تقلید کی دعوت بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے!

عرصہ ہوا بعض بزرگانِ دیوبند نے انکشاف فرمایا کہ حضرت مولانا شہید کا ابتدا میں رجحان ترکِ تقلید کی طرف تھا لیکن حضرت سید احمد صاحب کی تفہیم کے بعد یہ رجحان ختم ہوگیا اور رفع الیدین وغیرہ مسنون اعمال پر شاہ صاحب نے عمل ترک کر دیا۔

میرے خیال میں حضرت شہید پر یہ محض بدگمانی ہے، جس کے لیے ثبوت ملنا مشکل ہے۔ مصالح جہاد کی وجہ سے ہوسکتا ہے اس پر کسی وقت عمل نہ کیا گیا ہو لیکن ذہن نہیں بدلا، سید احمد صاحب کا ذہن یہی تھا پھر یہ تفہیم کیسی؟

شاہ صاحب کی مشہور تصانیف سے "إیضاح الحق الصریح في أحکام المیت والضریح" ہے۔ یہ مرحوم کی نامکمل اور آخری کتاب ہے، جس میں مرحوم تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلقہ رسوم کے متعلق لکھنا چاہتے تھے۔ بدعت کے متعلق لکھا تھا کہ شہادت کا حادثہ پیش آ گیا۔ کتاب مطبع اشرفیہ دہلی میں مع ترجمہ چھپی ہے۔ شاہ شہید کا یہ ارشاد قابل غور ہے:

> "بخلاف قسم ثانی کہ ہر کسے را تحقیق احکام قیاسیہ واشغال صوفیہ وقوانین عربیہ ضرور نیست و ارادہ تقلید شخصے معین از مجتہدین مشائخ و ارکان دین نہ بلکہ ہمیں قدر کافی است کہ وقتے کہ حاجتے پیش از کسے از ایشاں استفسار کردہ شود نہ آنکہ ارادہ وتقلید اہم مثل ایمان بالانبیاء از ارکان دین شمردہ شود و لقب حنفی و قادری بمشابہ لقب مسلمان وسنی اظہار کردہ شود۔" الخ (إیضاح، ص: ۸۸)

یعنی ہر آدمی کے لیے قیاسی احکام، صوفیوں کے مشاغل اور عربی قواعد کا جاننا ضروری نہیں۔ ائمہ اجتہاد اور مشائخ سے معین آدمی کی تقلید بھی ضروری نہیں، صرف اس قدر کافی ہے کہ ضرورت کے وقت علما اور صوفیا میں کسی سے دریافت کرلیا جائے، تقلید کو انبیا پر ایمان کی طرح نہ سمجھ لیا جائے، حنفی قادری کا لقب مسلمان سنی کی طرح واجب نہ تصور کیا جائے۔

صفحہ نمبر (۹۰) میں فرمایا:

> "عنوان شعار خود محمدیہ خالصہ وتسنن قدیم باید داشت نہ تمذھب بمذھب خاص وانسلاک در طریقہ مخصوصہ۔"

> "اپنا عنوان نشان خالص محمدی رکھنا چاہیے، کسی خاص مذہب اور طریقہ میں منسلک نہیں ہونا چاہیے۔"

شاہ صاحب نہ تو فروع فقہیہ میں کسی خاص امام یا کسی فرقہ کا تعین پسند فرماتے

ہیں نہ تصوف کے متعارف سلاسل میں کسی خاص سلسلہ سے انسلاک ان کی نظر میں مناسب۔ محمدیت خالصہ ان کے پیشِ نظر۔ یہ بالکل شاہ ولی اللہ صاحب کی دعوت ہے، جسے ان کے ابناء و احفاد نے رواج دیا، بلکہ اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف فرمائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے تلامذہ اور ان کا خاندان ان الفاظ سے بالا رہ کر فقہی جمود اور تصوف میں جمود کو توڑنا چاہتے ہیں، اور وہ اس مہم کو کسی تنفر کے بغیر ذہنوں میں نقش کرنا چاہتے تھے۔ ۱۲۴۶ھ جب بالاکوٹ میں ان کی شہادت کا دل فگار واقعہ پیش آیا ترک تقلید سے وابستگی میں تصادم نہیں، موحدین کے اس شک میں اختلافِ خیال تو ہوگا مگر اسے کبھی اُبھرنے کا موقع نہیں ملا۔

سانحہ شہادت کے چند ماہ بعد جماعتِ مجاہدین کے پورے نظم کی ذمہ داری صادق پوری حضرات نے اپنے سر پر لے لی۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی وغیرہم نے جہاد اور تبلیغ کے دونوں نظام بڑی کامیابی سے چلائے۔ یہ حضرات شاہ شہید رحمہ اللہ سے زیادہ متاثر تھے، اس لیے یہ اتباعِ سنت کے ساتھ تقلید اور جمود کی حوصلہ افزائی نہیں ہونے دیتے تھے، اس لیے ۱۲۴۶ھ کے بعد تقلید پسند طبقہ پچھلی صفوں میں چلا گیا۔ یہ حضرات فقہیات پر تنقید فرماتے لیکن فقہا پر تنقید نہ کرتے، ائمہ اربعہ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے اجتہادات کے لیے صحیح محل تلاش فرماتے تھے لیکن حنفی نقطۂ نظر سے نہیں گھبراتے تھے مگر تقلید اور جمود کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ سید شہید رحمہ اللہ کے بعد مولانا ولایت علی ۱۲۶۹ھ جماعت کے امیر قرار پائے۔ ان کی کتاب "عمل بالحدیث" اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ مولانا نے فرمایا:

> "باید دانست کہ انسان اگر عامی باشد و بسبب مشاغل ویگر از نوشت وخواند و در اکتفا بر دریافت از علماء نماید برائے آں مناسب ایں است کہ از علمائے محدثین دیندار کہ در دیانت و خوفِ خدا دانست قرآن وحدیث مشہور شدہ باشند سوال نمائند بایں طور کہ ما را دریں مسئلہ طور محمدی تعلیم نمایند واگر مرد

> طالب علم است وشوق تعلیم در دل دارد مناسب ایں است۔ اول قرآن و حدیث بخواند بعد ازاں بکتب دیگر نظر ہمت گمارد تا آئینہ دار ظاہر شود کہ رائے کدام بزرگوار در کدام جا صواب یافتہ و کجا روئے خطا دیدہ، پس ہر مسئلہ کہ مصرح بقرآن وحدیث باید در آں تقلید ہیچ مجتہد نہ کنند کہ در مصرحات اجتہاد را دخلے نیست۔" (ص:۱۶)

یعنی اگر عام آدمی شغل کی وجہ سے علم نہ حاصل کر سکے تو وہ علماء اہلحدیث کی طرف، جن کے علم و دیانت کی شہرت ہو، رجوع کرے کہ مجھے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی طرف راہنمائی کی جائے، اگر آدمی علم کا شوقین ہو تو اسے سب سے پہلے قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ظواہر نصوص میں کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

اور یہ بالکل وہی انداز ہے جس کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، ان کے رفقا اور تلامذہ کرتے رہے۔ اس نے تیرھویں صدی ہجری میں سکھوں اور انگریزوں کے اتحاد اور کم فہم علمائے ہند کی مخالفت کی وجہ سے سیاسی اسباب و دواعی کے ماتحت تحریک جہاد اور ہندوستان کی آزادی کے لیے ابتدائی کوشش کی صورت اختیار کی، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نگرانی میں سید احمد کی قیادت اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ، مولانا عبدالحی بڈھانوی وغیرہ کی راہنمائی میں جہاد کا پروگرام بنانا پڑا، کلکتہ کے اطراف میں انگریزوں اور پنجاب میں سکھوں کے اثر کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنی حریت پسند مساعی کے لیے صوبہ سرحد کا انتخاب کیا، ان کا خیال تھا کہ یہاں کی مسلمان اکثریت ان کے ساتھ پورا تعاون کرے گی۔

تحریکِ حریت کے مقاصد:

ان کے سامنے اس وقت دو مقصد تھے: پورے ہندوستان کی انگریزوں اور سکھوں سے آزادی اور اس ملک میں ایک ایسی حکومت کی تاسیس جس کی بنیاد قرآن اور سنت پر ہو۔ اس ضمن میں وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مغل دربار کی لاعلمی کی وجہ سے جو

بدعات اور مشرکانہ رسوم اور تشیع کے مہلک اثرات، جو اس ملک کی گھریلو زندگی کا جزو بن چکے ہیں، انھیں زائل کیا جائے اور سلفی انداز کی سادہ حکومت اس ملک میں قائم کی جائے۔ اس کے لیے ان کے سامنے دو پروگرام تھے: وعظ و تبلیغ، درس و تدریس اور نشرو اشاعت کے ذریعے کتاب و سنت کی اشاعت، اور جہاد کے ذریعے انگریزوں اور سکھوں کے ظلم سے نجات۔ جہاد کی تحریک زیرِ زمین چلتی رہی، اس کا خاتمہ قریباً ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے بعد ہوا، جبکہ پاکستان کے نام سے ایک اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ اس کی تفصیل ایک مستقل موضوع ہے جو مستقل وقت اور فرصت کا محتاج ہے۔ تبلیغ و وعظ اور نشرو اشاعت کے لیے نواب صدیق حسن خاں اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی کی مساعی اپنے وقت میں غیر مترقبہ نعمت تھیں۔

اس ضمن میں بھوپال، بنارس، کلکتہ، دہلی، لاہور، پشاور، راولپنڈی وغیرہ شہروں سے بے شمار لٹریچر شائع ہوا، حدیث، شروح حدیث اور تراجم حدیث کے انبار لگا دیے گئے، فقہ الحدیث کے ذخائر سے اہل علم کی الماریاں بھرپور ہوگئیں۔ ان تمام مساعی میں شاہ ولی اللہ اور ان کے حکیمانہ تجدیدی کارنامے جلوہ افروز تھے، اس وقت کسی تنفر کے بغیر جمود کو توڑنے اور علم و تحقیق کے چراغ روشن کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ حضرت شیخ الکل و شیخ الاسلام سید نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ کی قریباً یہی حکیمانہ روش رہی کہ کسی ہنگامہ آرائی کے بغیر حق کی آواز کو دلوں میں جگہ دلائی جائے۔

یمن کی راہ:

تقلید و جمود کے خلاف ایک آواز یمن سے بھی آئی، امام شوکانی کے تلامذہ اور ان کی تصانیف میں جمود کے خلاف لہجہ کسی قدر تیز اور جارحانہ تھا، مولانا ولایت علی بھی شوکانی کے شاگرد تھے لیکن ان پر ولی اللٰہی انداز غالب تھا۔ اس کے ساتھ جمود پسند علما کی جارحیت نے تحریک میں شدت پیدا کر دی، جارحانہ رسائل کا باہم تبادلہ ہوا، دروس، مواعظ، مدارس،

مجالس میں چند سال خاصی گرمی آ گئی، انگریزی عدالت تک مقدمات پہنچے۔

شاہ صاحب تقلید و جمود کی مخالفت کے باوجود حنفی شافعی قسم کے القاب سے پرہیز نہیں کرتے بلکہ اسے بسا اوقات پسند کرتے ہیں۔ شاہ صاحب اور ان کے اُتباع ایک حد تک حنفی شافعی کہلانا کچھ عیب نہیں سمجھتے، بشرطیکہ تقلید اور جمود کے زیر اثر کتاب و سنت اور فقہ الحدیث کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ شاہ صاحب کی اس واضح حکیمانہ دعوت کے بعد آج کے حضراتِ بریلی اور دیوبند کے لیے دو ہی راہیں ہو سکتی ہیں: یا جمود کو رخصت کریں اور تقلید کی طرف دعوت سے کلیتًا پرہیز کریں یا پھر شاہ صاحب سے عقیدت کو ختم کریں۔ ان دونوں چیزوں کا معاً چلنا ''منکر بے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن''① کے مترادف ہوگا۔ شاہ صاحب کی مصلحت آمیز حنفیت سے کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، یکم جولائی ۱۹۶۶ء، جلد: ۱۷، شمارہ: ۴۸ تا ۲/ستمبر ۱۹۶۶ء جلد: ۱۸، شمارہ: ۲۵)

---

① انکار بھی کرنا اور ہمرنگ مستاں بھی ہونا۔

تحریک اہلحدیث
کا
تاریخی موقف اور اس کی خدمات

دنیا میں اچھی اور بُری تحریکیں پیدا ہوتی اور مٹتی رہی ہیں، بعض تحریکات کی قوت سے حکومتیں تک متزلزل ہوگئیں، حسن بن صباح اور حشیشین کا اتنا رُعب تھا کہ بادشاہ رات کو اپنی آرام گاہوں میں سو نہیں سکتے تھے۔

صالح تحریکوں کا اثر بھی صدیوں تک دلوں کو متاثر کرتا رہا، طوعاً و کرہاً لوگ ان تحریکوں سے بہرحال تعاون کرتے۔

تحریک معتزلہ نے مامون الرشید جیسے دانشمند بادشاہ کو بُری طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ فتنہ متوکل علی اللہ کے زمانے تک ائمہ سنت کے لیے وبالِ جان بنا رہا۔ امام احمد اور عبدالعزیز کنانی جیسے اہلِ حق حضرات حق گوئی کی وجہ سے مصائب میں مبتلا رہے۔ بڑے بڑے ائمہ نے "فاز أحمد وخسرنا" کہہ کر حالات کی ناہمواری کا اعتراف فرمایا۔ رحمهم الله.

تحریک اہلحدیث:

یہ بھی اپنے وقت کی ایک تحریک ہے جس کا مقصد:

① اسلام میں اعتقادی اور عملی سادگی کو قائم رکھنا اور افراط و تفریط میں اعتدال کی راہ کا تعین اور اس کی پابندی کرنا۔

② محبت اور بغض میں عموماً انسان اعتدال کی حدوں کو پھاند جاتا ہے، ائمہ حدیث ایسے موقع پر ہمیشہ نقطۂ اعتدال کی تلاش فرماتے اور لوگوں کو اس سے آگاہ فرماتے۔

③ قرآن وسنت اور ان کے متعلقہ علوم کی تدوین واشاعت۔

④ زندگی کے تمام شعبوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام۔

روافض کو اہل بیت کی محبت میں غلو تھا اور خوارج کو ان کے بغض میں، اہل سنت نے اعتدال کی راہ اختیار کی۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو عام انسانوں کی طرح مجسم مانتے تھے اور بعض اس کی صفات کو ایک مفہوم کی حد تک سمجھتے اور ان کی حقیقت سے صاف انکار کرتے، ائمہ حدیث نے صفات کی حقیقت کو تسلیم فرمایا اور تشبیہ اور مماثلت کی نفی فرمائی، یہی معتدل راہ تھی۔

قیاس کے ہمہ گیر اثر نے نصوص اور صحیح احادیث کو بے کار کر کے رکھ دیا اور ظاہریت کی طغیانی نے قیاس کا سرے ہی سے انکار کر دیا، حالانکہ نظائر اور ملتی جلتی چیزوں کے احکام بھی باہم متشابہ رہنے چاہئیں، عقل سلیم کا یہی فتویٰ ہے۔ قرآن حکیم نے ﴿اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ﴾ فرما کر قیاس کے اسی پہلو کو واضح فرمایا ہے۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی ”محلّٰی“ کے بعض قیمتی مباحث اہل حق کی آنکھوں کے لیے نور ہیں لیکن بعض مضحکہ خیز توجیہات بھی اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں جہاں وہ رُکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کو تو منع فرماتے ہیں لیکن پاخانہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔①

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں اہل حق کے موقف کی پوری وضاحت فرمائی ہے، قیاس کی سمیّت کا یہ اثر تھا کہ مسکرات اور محرمات کی جزوی رُخصت دے کر حرام کو حلال بنانے کی کوشش کی گئی، چنانچہ نبیذ اور طلا وغیرہ کے مباحث فقہا رحمہم اللہ کی مستندات میں مرقوم ہیں۔ منکرین قیاس نے پاخانے کی نجاست کو پیشاب سے بھی کم تصور فرمایا ہے، اس لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ میزان اہلحدیث کے ہاتھ میں ہے جنھوں نے نبیذ اور طلا کا فیصلہ ”کل مسکر حرام“② کی روشنی میں کیا۔ مسکر کا استعمال تو کہیں

---

① دیکھیں: المحلی (١/ ١٦٦)

② صحیح البخاري، رقم الحديث (٤٠٨٧) صحیح مسلم، رقم الحديث (١٧٣٣)

رہا اس کی صورت کو بدل کر سرکہ بنانے کی بھی ممانعت فرما دی، اور نجاست کے معاملے میں پیشاب وغیرہ اور نجاستوں کا ایک ہی حکم تصور فرمایا۔ قیاس صحیح کا بھی یہی تقاضا تھا اور نصوص کا بھی یہی مفاد۔

اہلحدیث اور باقی تحریکات:

عموماً تحریکات وقتی تقاضوں کی پیداوار ہوتی ہیں، اس لیے وقتی اور مخصوص مقاصد کی تحصیل کے بعد ان تحریکوں کی عمر ختم ہو جاتی ہے، مثلاً خاندانِ نبوت کے بہی خواہوں نے سمجھا کہ خلافت کا حق موروثی طور پر اسی خاندان کو ملنا چاہیے، اس لیے اہل بیت کی طہارت وعصمت میں غلو کیا گیا، حضرت علی ﷜ کو آنحضرت ﷺ کا وصی قرار دیا گیا، نماز اور اذان تک اسی مقصد کے مطابق تبدیل کر دی گئیں، لیکن جب اموی اقتدار نے محمد بن الحنفیہ جیسے خاندانی لوگوں کو یزید کی دوستی پر مجبور کر دیا تو تحریک کی معنویت ختم ہوگئی اور اس کے انقلابی ارادے عدم کی نظر ہو گئے۔ تحریک کے ناکام لیڈروں نے تحریک کو عقیدے اور مذہب کا رنگ دے دیا اور اس طرح یہ وقتی مسئلہ ہمیشہ کی تفریق اور دشمنی کا موجب ہو گیا۔ لیڈروں کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی یہی صورت تھی، جس کے نتیجے میں اہل بیت کا تقدس بڑھ چڑھ کر بیان کیا گیا، ان کی قبریں پجنے لگیں، مجلسِ عزا نے ایک جشن کی سی صورت اختیار کر لی اور ماتمی جلسہ تقریبِ شاہی کی نمائش کرنے لگا۔ تحریک مقصدِ حیات کے لحاظ سے ختم ہوگئی لیکن لازوال دشمنی اور تفریق کی ایک بیماری سی اُمت میں چھوڑ گئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ اور سنی مسلمان میں ایک نوع کا بُعد سا پیدا ہو گیا۔

خوارج نے اس غلو کو توڑنا چاہا، ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل بیت بشری تقاضوں سے بالا نہیں ہیں، نہ وہ معصوم اور بے گناہ ہیں اور نہ غلطیوں سے محفوظ، بلکہ فی الواقع ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں، اس اظہارِ بیان نے غلو کی صورت اختیار کی اور اہل بیت

کی تکفیر تک نوبت پہنچ گئی، اہل بیت کے اقتدار کے خاتمے کے ساتھ تحریک کی عملی حیثیت بھی ختم ہوگئی، تحریک کے ناکام لیڈروں نے اسے بھی مذہب اور فلسفہ کا رنگ دے کر ایک جدید مذہب کی بنیاد رکھ دی، جس کا اسلام سے بہت کم تعلق ہے۔

متکلمین ومبتدعین:

اسی طرح بعض عقل پرست حضرات نے اسلام کو اصطلاحی عقل اور عرفانی فلسفہ کے ساتھ آمیز کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں اعتزال اور جہمیت پیدا ہوئی، خلقِ قرآن اور صفتِ باری کی عینیت اور غیریت کے بے ضرورت مباحث پیدا ہوگئے، اسلام کو عقل کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے اسلام کے بعض اساسی اور بنیادی مسائل کا انکار کیا جانے لگا۔ ہمارے متکلمین پر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی یہ پھبتی کس قدر صحیح ہے:

> "لا للإسلام نصروا، ولا للفلسفة كسروا." ❶
>
> ''نہ اسلام کی مدد کر سکے اور نہ فلاسفہ ہی کی یورش کا مقابلہ کر سکے۔''

آخر علماءِ اسلام اور ائمہ حدیث نے جب یونانی فلسفہ کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا اور یونانی فلسفہ کے وکیل مقدمہ ہار گئے اور ائمہ سنت نے مدافعت کی بجائے فلسفہ پر براہِ راست حملے شروع کیے تو اعتزال وجہمیت جیسی تحریکیں اور متکلمین کی موشگافیاں ہی ختم ہوگئیں اور یہ تحریک بھی صرف کتابوں کے اوراق کی زینت بن کر رہ گئی، غرض ہر وقتی تحریک کا یہی حشر ہوا اور وہ اپنا کام کر کے یا ناسازگاری حالات کے اثر سے بے اثر ہوگئی۔

معمر ترین تحریک:

اس سارے عرصہ میں تحریکِ اہلحدیث بدستور کام کرتی رہی، اس میں جامعیت تھی کہ اس کے خدمت گزاروں کو دنیا کے ہر گوشے میں کام ملتا رہا اور ان کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ پہلی صدی ہجری میں حفظ اور کتابتِ حدیث، دوسری میں تدوینِ

---

❶ الصواعق المرسلة (٣/ ٩٧٣)

حدیث اور تصنیف و تالیف کی تاسیس کے کام، اس کے علاوہ اعتقادی اور عملی بدعات سے دست بدست لڑائی، ان بدعات نے جن چور دروازوں کو تخریب اسلام کے لیے کھولا تھا ان کی نگرانی، اس کے ساتھ مسلمانوں کے جماعتی شیرازہ کی حفاظت تاکہ بیرونی حملوں سے اسلام کی سیاسی قوت تباہ نہ ہوجائے۔ یہ وہ دور اندیشیاں ہیں جن کے نتائجِ فکر نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسے بحرِ زخار کو بار بار جیل جانے پر مجبور کیا، پھر بوقت ضرورت اسی حکومت کی حمایت میں، جس نے شیخ کو جیل بھیجا، ایک سپاہی کی طرح میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دیتے نظر آئے اور ہلاکو اور چنگیز کی فوجوں سے برسوں سینہ سپر رہے۔ یہ اعتدالِ مزاج اور حفظِ مراتب کے وہ عظیم الشان کارنامے اور فوق العادت کام ہیں جو شاید ائمہ سنت اور اربابِ حدیث ہی کا حصہ تھا، اور یہ تحریک سب سے معمر اور قدیم ترین تحریک ہے جو ان فتنوں سے عہدہ برآ ہو کر زندہ رہی کیونکہ یہ تحریک نہ وقتی تھی نہ ظروف و احوال کی پیداوار بلکہ اس کا مقصد پورے اسلام کی خدمت تھا۔

فتحِ ہند اور اہلحدیث:

سب سے پہلا قافلہ جو فاتحانہ حیثیت میں ساحلِ ہند پر وارد ہوا وہ اہلحدیث کا تھا، آج بھی سندھ میں شیخ بدیع الدین، ان کا خاندان اور ایک عظیم الشان مکتبہ ہے، جس میں حدیث اور رجال کا بے نظیر ذخیرہ موجود ہے، قرون ماضیہ کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ اس وقت گو سندھ میں اہل توحید کو وہ قوت حاصل نہیں لیکن تاریخ کے اوراق ان کی خدمات کو نہیں بھول سکتے، اسی طرح مغل فاتحین بھی اسلامی سادگی اور دینِ فطرت کی روشنی سے زیادہ فارسی تہذیب سے آشنا تھے۔

اس لیے ہندوستان میں اسلامی سادگی اور کتاب و سنت کی تعلیمات کا زور زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور نہ ہی خدام حدیث کی اس قدر کثرت ہوسکی جس قدر بعض دوسرے ممالک میں تھی۔ شیخ علی المتقی صاحب کنز العمال اور شیخ محمد طاہر مؤلف مجمع البحار،

شیخ مجدد احمد سرہندی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہما اللہ اس وقت مغتنمات میں سے تھے۔ اکبری فتنوں کے سامنے کوئی طوطی کی آواز کو سنے یا نہ سنے مگر طوطی نے اپنا فرض ادا کرنے میں کمی نہیں کی۔ اس وقت اہلِ حق کس قدر کمزور تھے؟ شیطانی طاقتیں کس قدر جمع ہو رہی تھیں؟ فتنوں کا سیلاب کتنا تباہی خیز تھا؟ حکومت کا لادینی جذبہ اہلِ حق کے لیے کتنی مصیبت کا باعث تھا؟ اعراس اور موالید کو بعض لوگوں نے اسلام کا بنیادی مسئلہ سمجھ رکھا تھا، تاہم ان بزرگوں نے ان بدعات پر کڑی نکتہ چینی کی، غیر اسلامی رسوم اور غیر اسلامی نظریوں کے خلاف ان مجددینِ وقت کی پُرشکوہ آواز فضائے دہر میں گونجتی رہی۔ رضي الله عنهم وأرضاه.

بدعی استیلا:

اس ناخوشگوار ماحول نے اکبر جیسے ملحد انسان پیدا کر کے اہلِ حق کے لیے فضا کو اور بھی مکدّر کر دیا، ملّا مبارک کا خانوادہ اسی ظلمت کدہ میں ”ظلمات بعضها فوق بعض“ کا حکم رکھتا ہے۔ یہ ایک بدعی ابتلا تھا جس کے لیے ایک تیز مسہل کی ضرورت تھی، جس کا نضج تو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کیا اور آخری تدبیر کار کے لیے کارکنانِ قضا وقدر نے صاحبِ سیف وقلم حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کو منتخب فرمایا، جن کی مساعی نے مریض کو موت وحیات کی کش مکش سے نکال کر صحت کے آثار نمایاں فرما دیے۔

اس وقت جماعت کے سامنے سب سے اہم اور پہلا مقصد یہ تھا کہ وہ ہندوستان میں ایک دینی حکومت قائم کرے، جس کے اربابِ اقتدار صحابہ کرام کی سیرت رکھتے ہوں، جن کے اسلام پر غیر مسلم اقلیتیں مطمئن ہوں۔

اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ظالم کا بدلہ مظلوم سے لیا جائے، ایسی سفاکانہ حرکتیں غیر مسلم تہذیب گوارا کر سکتی ہے، اسلام اسے قطعاً برداشت نہیں کرتا۔

دوسرا مقصد عملی بدعات کے خلاف جہاد تھا، اس وقت کے سنّی بھی عجیب و

غریب تھے، اہل سنت کے گھروں سے تعزیہ کے جلوس نکلتے تھے، عشرۂ محرم میں سنی بھی سوگوار رہتے، حالانکہ ہمارے ہاں ایسے سوگ تین دن سے زیادہ نہیں۔ سالہا سال تک سوگ اسلام کا طریقہ نہیں، محرم کی نیاز، اس ماہ میں نکاح کی ممانعت اسلامی حکم نہیں۔

اعتقادی خرابیاں، قبر پرستی، مزار پرستی کا عام رواج تھا۔ اخلاق کا یہ حال تھا بازاری عورتیں گانے بجانے کے لیے اچھے اچھے شریف گھرانوں میں آتی تھیں اور پورے معاشرے میں اسے کبھی بُرا نہیں منایا جاتا تھا۔

ارکانِ اسلام عموماً متروک تھے، قبور اور مشاہد کے طواف حج کعبہ کا نعم البدل تھے، تعلیمی اداروں کا زیادہ زور منطق اور یونانی فلسفہ پر تھا، علومِ سنت قطعاً متروک تھے، ربع مشکوٰۃ تبرکاً طلبہ دیکھ لیتے۔ اصلاحِ حال کا سارا بوجھ صرف شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے خاندان پر تھا، قرآن کے ترجمہ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ پر مصیبت برپا کر دی، طاغوتی طاقتیں سارے معمورہ میں پھیل رہی تھیں، شیطان ننگا ناچ رہا تھا، اہل حق مجبور تھے کہ مصلحت اندیشی سے کام لیں۔

نتائج وعواقب:

نظامِ حق کی اشاعت کے لیے سنتِ نبوی کے مطابق سید شہید نے حضرو میں آخری جنگ لڑی، جس میں بظاہر ناکامی ہوئی اور بقیۃ السیف پنجاب اور پورے ہندوستان میں پھیل گئے، انگریز نے عیارانہ طور پر تحریک کا تعاقب کیا۔ تحریک خفیہ (انڈر گراونڈ) ہونے پر مجبور ہوگئی اور جماعت کے کام میں خلفشار سا ہوگیا، پنجاب میں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی انگریزی حکومت سے تعاون کے حق میں تھے اور بظاہر انگریزی نظام کے ثناخواں، جس کا سبب انگریزی حکومت کا تشدد اور سخت گیری تھا، اور بعض لادینی تحریکوں کا نشو ونما۔ قادیانی اور آریہ سماجی تحریکات کا انگریز کے سہارے زندگی بسر کرنا اور اس کے ساتھ ہی اہل حق کی چغل خوری ان لوگوں کا شیوہ تھا۔ اس لیے مجھے یہ ناخوشگوار اعتراف کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ مرحوم مولانا محمد حسین صاحب

جید عالم اور دُور اندیش مفکر ہونے کے باوجود اپنے دوسرے رفقا کی طرح مقامِ عزیمت پر قائم نہ رہ سکے۔ حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی ﵀ اور حضرت الاستاذ حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم ومغفور وزیر آبادی، لکھوی علماء کرام اور بعض دوسرے اہل فکر صرف قرآن عزیز اور حدیث شریف کی نشر واشاعت پر قانع ہوگئے، ان بزرگوں کے اثر سے قرآن وحدیث کے درس جا بجا کھل گئے، اعتقادی وعملی بدعات ایک ایک کر کے رُخصت ہونے لگیں۔ والحمد لله على ذلك.

مصائب وآلام کے جس سیلاب سے تحریک اہلحدیث کو اس وقت گزرنا پڑا، دریائے شور کی سیر جس طرح ہمارے اکابر نے کی، جو جیل کی اذیتیں ان بزرگوں نے سہیں، آج لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مجاہدین کا گروہ:

حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حضرت مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری، صوفی ولی محمد صاحب فیروز پوری، مولوی اکبر شاہ سخانوی، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا فضل الٰہی صاحب ﵀ بدستور نظام اسلامی کی اقامت کے لیے کوشش فرماتے رہے۔ یہ کوششیں خفیہ طور پر جاری رہیں اور عام حریت پرور تحریکات میں جماعت کی اکثریت کام کرتی رہی۔ خلافت، کانگریس، احرار، مسلم لیگ وغیرہ جماعتوں میں اہلحدیث نے صرف اسی نقطۂ نگاہ سے کام کیا کہ اس ملک میں کلمۃ اللہ کو بلند کیا جائے، اس مجاہدانہ تحریک کو ناکام کرنے کے لیے یورپ کے مدبر پوری کوشش سے سرگرم تھے، اور یہاں اقامتِ دین اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے شاہ ولی اللہ صاحب ﵀ اور ان کے خاندان کی مساعی کارفرما تھیں، اور اصلاحِ حال کا سارا بوجھ اسی مختصر جماعت پر تھا جن کے پاس دولتِ ایمان کے سوا کچھ بھی نہ تھا، اور اس کے علاوہ ملک کے شکست خوردہ ذہن "وہابی" کے لفظ سے اس قدر بدکتے تھے ﴿كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ﴾ [المدثر: ٥١]

مناظرانہ سرگرمیاں:

بعض بزرگوں نے مناظرات کی راہ اختیار کی، وقتی خطرات کے لیے یہ ایک مفید علاج تھا، ممکن ہے ان کی افادیت میں کسی دوست کو اختلاف ہو لیکن وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ان کے مفید ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا، قادیانیت اور بعض دوسرے فرقوں نے عوام میں جس طرح بدعی خیالات کی اشاعت کرنی شروع کی تھی اگر اس کا بروقت علاج نہ کیا جاتا تو آج پانی سر سے گزر گیا ہوتا، اگر صورت حال کو جلد از جلد درست نہ کیا جاتا تو قادیانیت ایک عظیم فتنہ کی صورت اختیار کر لیتی۔

نصف صدی کی یہ کوشش یقیناً ان فتنوں کے دفاع میں کافی مفید ثابت ہوئی، ورنہ انگریز بہادر کی عطا کردہ نبوت آج ایک مصیبت بن چکی ہوتی۔

میرا مقصد ان گزارشات سے جماعت کی ان خدمات کا مختصر سا جائز لینا تھا جو جماعت نے مختلف طریقوں سے ادا کیں، تاکہ عامۃ المسلمین اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ اس تحریک نے اسلام کے لیے کیا کچھ کیا اور ماضی اور مستقبل کی تحریکات اور اس تحریک میں کیا فرق ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اتفاق، خلوص اور عملِ صالح کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم اسلام اور اہل اسلام کے لیے مفید تر ثابت ہو سکیں۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۱۹/ اگست، ۱۹۴۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت کے ماضی اور حال پر ایک نظر

اور

مستقبل کے لیے ایک لمحہ فکریہ کی ضرورت

یہ معلوم ہے کہ جماعتوں کی اصلاح اور صحیح اصولوں کی تشہیر کا سب سے بہتر اور پر امن ذریعہ تعلیم ہی کی اشاعت ہے، تعلیمی اداروں کی تکمیل اور درستی بہت سے ایسے وسائل سے مستغنی کر دیتی ہے جن پر لاکھوں روپیہ خرچ ہونا چاہیے، مثال کے طور پر میں آپ کی توجہ جماعت اہل حدیث کے دو زمانوں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

شاہ ولی اللہ صاحب:

بلاشبہ حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی تصانیف سے فن حدیث کی طرف توجہ ہوئی، نکتہ رس طبائع نے اس کی ضرورت کو محسوس کیا۔ حضرت شہید رحمہ اللہ اور ان کے رفقا کا رجحان الی السنۃ اور تقلیدی رسوم سے بیزاری انھی دواعی و اسباب کی مرہون تھی۔

اصلاح کے لیے ایک زبردست اقدام کی ضرورت:

یہ سب کچھ تھا لیکن اصلاح مسلمین کے لیے جس زبردست اقدام اور ہجوم کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اس کے لیے بہت سا مواد اور تعلیمی اداروں میں کافی اصلاح درکار تھی۔ جس کا حصول اس ظرف و ماحول میں نہ صرف مشکل تھا بلکہ قریبِ محال۔ حضرت شہید رحمہ اللہ کے معمولی اقدام پر، جو اصلاح مسلمین کی طرف کیا گیا، کونسی جہالت تھی جو اس وقت کے نمائشی علما نے نمایاں نہ کی؟ کونسی غیر مشروع اور غلط راہ تھی

جس پر وہ سرپٹ نہ چلے؟ شاہی دربار میں شکایتیں ہوئیں، قتل کے منصوبے ہوئے، مار کی دھمکیاں دی گئیں، غرض اس پاکباز کو ناکام کرنے کے لیے کونسی نارسا کوشش تھی جس کا ارتکاب نہ ہوا؟ اس ماحول میں ظاہر ہے کہ کسی ایسی تعلیمی ادارے کی تشکیل جو تقلیدی بندشوں کو توڑ کر صحیح علم کی طرف رہنمائی کرے کیسے ممکن تھی؟ صرف ربع مشکوۃ پر کفایت کرنے والے حضرات، اور وہ بھی تبرکاً صحاح کی پوری چھ کتابیں پڑھنے کی تکلیف کیسے گوارا فرماتے اور پھر پوری بحث وتنقید کے ساتھ؟!

نظام تجدید کی تشکیل کے لیے الٰہی طاقتوں کی سرگرمی:

لیکن رب السموات کی قوت ربوبیہ اصلاح تجدید کے پروگرام کو پوری سرگرمی سے مرتب فرما رہی تھی، اس لیے ضروری تھا کہ دنیا کو ایک بار پھر اس سیزدہ سالہ اسوہ کی طرف متوجہ کیا جائے اور تحقیق کی سوئی ہوئی قوتوں کو بیدار کر کے کتاب و سنت کے میٹھے اور خوشگوار چشموں سے نہ صرف آشنا بلکہ سیراب کر دیا جائے چنانچہ حضرت شیخ الکل مولانا وشیخنا السید محمد نذیر حسین صاحب مرحوم کی ذات گرامی کو اس مجددانہ کار فرمائی کے لیے انتخاب فرمایا گیا۔

ضرورت کا احساس:

درس حدیث کے شروع ہوتے ہی دلوں کی باگیں دہلی کی طرف پھیر دی گئیں۔ مروجہ مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ جوق در جوق جمع ہونے لگے، مقدس ارادوں کی مرصع سواریاں دہلی کے در و دیوار کو زینت دینے لگیں۔ یہ چرچا صرف ہندوستان تک محدود نہ تھا بلکہ حجاز، عراق، نجد، بحرین، شام، افغانستان، چین تک کے تشنہ لبوں کے لیے سیرابی کا سامان مہیا کیا گیا۔

اس تعلیم کا اثر ہندوستان پر:

ہندوستان پر ان مدارس کا یہ اثر ہوا کہ کوئی شہر یا قصبہ خالی نہ رہا جہاں کتاب و سنت کا چرچا نہ ہو، پرانی رسوم کے شیدائی اپنی سابقہ کارکردیوں پر خود ہی مضحکے اُڑانے

لگے، تقلید کی بندشیں ٹوٹنے لگیں، علما کی وہ کثرت ہوئی جس کی نظیر پہلے زمانوں میں بھی کم ملے گی۔

شیخ حافظ عبدالمنان صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جلسہ آرہ پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علما کی تعداد عام سامعین سے کہیں زیادہ تھی، حضرت شیخ یہ تذکرہ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے۔ حضرت میاں صاحب کے تلامذہ نے کتاب وسنت کے مقفل قلعوں کو ہر سلیم دل کے لیے کھول دیا، توحید اور عمل بالحدیث کے دریا ہر سو بہنے لگے۔ صدیوں کی چھپی ہوئی امانت حق داروں کے ہاتھوں پہنچنے لگی۔ پنجاب اور ہندوستان کے دیہات اور قصبوں تک چھوٹے چھوٹے مکاتب اور مدارس پھیل گئے۔ ہر جگہ حسبِ وسعت تدریسِ حدیث کا چرچا ہونے لگا۔

شوق کی کیفیت:

اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ ہر جگہ کے مقامی لوگ پورے خلوص سے اس بوجھ کو برداشت کرتے تھے۔ سفرا بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ علما کو مدارس کی ضروریات کے لیے بادیہ پیمائی اور آوارہ گردی کی تکلیف برداشت نہیں کرنی پڑتی تھی، سنت کی اشاعت اور دلائل کے وضوح کا یہ اثر تھا کہ دیرینہ رسوم کی تقلیدی بندشیں ایک ایک کر کے ٹوٹ رہی تھیں، نصوص کی اہمیت دلوں میں بڑھ رہی تھی، اقوالِ رجال اپنے صحیح مرتبہ پر آ چلے تھے۔ مسند افتاء وارشاد پر بیٹھ کر اپنی ہر من مانی منوانے والے کتابوں کی ورق گرسانی سے ہاتھ گھسنے لگے، اقوالِ فقہا کی جگہ احادیثِ نبویہ فتوؤں کی زینت ہونے لگی، یہ چند جو بڑی مقدس برکات تھیں جوان مخلصین کی بدولت برروئے کار آئیں ؎

بہار اب جو گلشن میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود ان کی لگائی ہوئی ہے

کاش ہماری آنکھیں اس منظر کو کچھ دیر تک دیکھ پاتیں اور ان مستعار مسرتوں سے ہماری حسرت بھری نگاہیں اس قدر جلد خیرہ نہ ہوتیں۔

جن کو یہ پسند نہ تھا:

مخالفین بلکہ معاندین اس خوش کن اور کیف آور منظر کو اچھی نگاہوں سے نہ دیکھ سکے، انھوں نے اس کے مقابلے میں جدل و مناظرہ کی صحبتیں گرما دیں۔ دیانت نمائی اور علم فروشی کے اڈے قائم کیے، مسلم اور غیر مسلم دونوں طاقتیں حکومت کی غائبانہ اور رضا کارانہ امداد کے بل بوتے پر اس طریق تعلیم کے مٹانے میں مصروف ہو گئیں۔

چنانچہ جماعت کے کارکن اور ذکی افراد کی توجہ تعلیم و تعلم سے ہٹ کر یکسر جدل و مناظرہ کی طرف ہوگئی۔ یہ نجس العین اور حرام شے، جو بوقت ضرورت ہی استعمال کی جا سکتی تھی، علی الاعلان بصورت کسب و حرفت استعمال ہونے لگی۔ کسی جماعت کی کارکردگی کی یہ سب سے بڑی دلیل سمجھی جانے لگی کہ اس نے پورے سال میں ڈھونگ رچائے، اس کے افراد بہت بڑے جدلی ہیں، ان کی مناظرہ بازی کا یہ عالم ہے کہ فلاں پنڈت کو انھوں نے باتوں ہی میں ذلیل کر دیا۔ فلاں کو ایسا مذاق کیا کہ وہ کھسیانہ ہو کر رہ گیا۔ غرض کسی کو بے آبرو کر دینا ان مناظروں کا پہلا جوہر قرار پایا۔ ع

بہار جس کی یہ ہے اس کی خزاں نہ پوچھ

غرض جماعت کا ایک بہترین اور ذہین حصہ تو اس غلط کاری میں اس طرح منہمک ہوا کہ گویا قدرت نے انھیں کسی مفید اور تعمیری کام کے لیے پیدا ہی نہیں کیا، جہاں کہیں کسی ملحد یا غیر مسلم سے کوئی اس قسم کا اکھاڑہ ہوا وہاں رن میں اترنے کے لیے ہمارے ہی پہلوان کی طلبی ہوئی اور اس مہم کو سر کرنے کے لیے وہی لوگ سامنے آئے جن کے آب و گل کی تخمیر کتاب و سنت کے پاکیزہ عناصر سے کی گئی تھی، اور بایں ہمہ وہ صرف وکیل کی حیثیت رکھتے تھے، چونکہ وہ غیر مقلد ہیں کافر ہیں اس لیے گردن زدنی ہیں ؎

فإذا تكون كريهة أدعىٰ لها
وإذا يحاس الحيس يدعى جندب ①

---

① جب کسی مصیبت کا وقت ہو تب مجھے بلایا جاتا ہے اور جب حلوہ بنایا جاتا ہے تب جندب کو دعوت دی جاتی ہے۔

غرض دنیا اپنی تعمیر میں مصروف رہے اور ہم تخریب میں اپنے اور ساری دنیا کے وکیل! ع

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس وکالت پیشگی کا اثر اپنی جماعت پر یہ ہوا کہ جماعت کا ایک معتد بہ حصہ حال کی کیف آور لیکن محنت طلب محفلوں سے رخصت ہو کر قال کے شورش نواز لیکن سہل الحصول اکھاڑوں میں اُتر پڑا اور نظم تدریس جیسی تعمیری چیزوں کو یکسر نظر انداز کر دیا، اور ایک حصہ ان بے کا کارندوں اور بے شغل مشغلوں کے پیچھے آوارہ گردوں کی طرح ہو لیا۔ اکھاڑوں کی رونق اور آبرو ریزوں کی حوصلہ افزائی میں کمائی کا بہترین حصہ صرف نہیں بلکہ تلف ہونے لگا۔ مناظرین بھی اس بیماری کے ایسے خوگر ہو گئے کہ جہاں ایسی کوئی حرکت نہ ہو وہاں ترغیب اور تحریف سے ایسی فضا پیدا کر لی کہ ان کی مناظرانہ قابلیتوں کے اظہار کا موقع بہم آسکے۔

عارضی فائدہ:

اس مناظرہ بازی سے کچھ معمولی اور عارضی فائدہ بھی ہوا اور تعداد بڑھی، اور ایسے مجادلین کی طرف بھی کافی توجہ ہوئی، ان کی ضروریات کا بہت کچھ لحاظ کیا گیا، یہاں تک کہ ان کی گفتار و رفتار اور خیالات وعزائم سے سرمایہ دارانہ غرور ٹپکنے لگا۔ اور وہ جماعت جو از سرتاپا حال تھی قال کی قبر میں دفن ہو کر بستی کے کھنڈروں کی طرح دوست دشمن کے لیے سامان عبرت ہو گئی، بجز چند مدارس اور چند پرانے علما کے اس کی گذشتہ عظمت کا کوئی نشان بھی دنیا کے سامنے نہیں ہے

اک رفتگان عشق سے باقی رہے ہیں یہ
رہنے دے موت انھیں عبرت کے واسطے

میری سمع خراشی کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ میں مناظرات کو بے سود سمجھتا ہوں یا ان اکھاڑوں کو یکسر ناجائز تصور کرتا ہوں، بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہے جسے پہلے بھی

غیر مبہم الفاظ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ مناظرات بوقت ضرورت ہونے چاہییں، یہ کوئی پیشہ اور صنعت نہیں ہے، جو جماعت ان مناظرات کو افراط سے استعمال کرے گی نقصان دیانت کے علاوہ بے عملی کی موت مرے گی۔

جماعت اہل حدیث نے یہی غلطی کی کہ تعلیم و تدریس، نظم و انضباط ایسے مفید کام چھوڑ کر اپنی تمام تر توجہ اسی طرف کر لی اور جو لوگ اس غلط راہ کے نتائج سے واقف تھے اور کوئی ٹھوس کام کرنا چاہتے تھے ان کو جماعت کی بے ذوقی اور بے توجہی سے مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، پرانے مدارس یا تو خالی ہوگئے یا بحالت نیم بسمل زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہے ہیں۔ إن في ذلك لعبرة!

مناظروں کی پود:

ان مناظرات سے جو لوگ جماعت میں شامل ہوئے وہ عامل اور متقی نہیں بلکہ ہر چڑھتی صبح کے نئے نقال اور قوال کے متلاشی رہتے ہیں، جب انھیں کوئی ایسا آدمی مل جائے تو وہ اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی ملحد اور بے دین کیوں نہ ہو؟ ان کے نزدیک سچائی کا معیار چند وہ چٹ پٹی باتیں ہیں جو کسی مخالف کے سامنے کر دی جائیں، اور وہ اخلاقاً گرے ہوئے الفاظ جو صرف مقابل کو نادم کرنے کے لیے دہرائے جائیں۔ ایسے لوگوں کے ہاں نماز کی ذوقی کیفیتیں سچائی کا نشان نہیں ہو سکتیں، کسی عالم کے لیے رات کو جاگنا کوئی مستحسن امر نہیں، گفتگو میں وقار ضعف دلیل بلکہ جھوٹا ہونے کی علامت ہے اور مخالف کی کسی سچائی کا اعتراف شکست کا مرادف ان مناظرات میں بدزبانی استہزاء، تمسخر، فخر و مباہات کا بہتر سرمایہ ہے، یہ ہیں جماعت کے وہ دو دور جن کی طرف میں جناب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا تھا۔

دونوں کے نتائج:

میری دانست میں پہلے دور کی پیداوار کچھ عبداللہ غزنوی تھے اور کچھ صدیق الحسن، کئی عبدالجبار غزنوی ہوئے اور کئی عبدالمنان رحمہ اللہ، شمس الحق ڈیانوی، عین الحق آروی،

عبداللہ غازی پوری اسی دور کی سرسبز اور شاداب سرزمین کے لہلہاتے اشجار تھے۔

اسی امت کے ایک فرد مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری ہیں جن کی تصانیف جماعت کی پرانی عظمتوں کی بہترین یادگار ہیں ؎

وہاں پہ بار خدایا یہ کن کا نام آیا
لبوں نے میرے بوسے میری زبان کے لیے

انھی مساجد اور مدارس نے محمد حسین بٹالوی، محمد بشیر سہسوانی اور عبدالعزیز رحیم آبادی بھی پیدا کیے، جن کی کوہ وقار شخصیتوں کے تخیل سے مخالفین کے دلوں کی بستیاں تھرا اُٹھتی تھیں، دوست دشمن کی زبانیں ستائش کے پھول ان پر نچھاور کرتی تھیں۔ موافق اور مخالف ان کے محاسن کا اعتراف کرتے تھے۔

یہ لوگ ایک طرف انتہائی بے سروسامانی میں اگر درس و تدریس کے ایک وسیع سلسلہ کے بانی تھے تو دوسری طرف تالیف وتصنیف اور شروح حدیث کا اس قدر وسیع مواد ان کی برکات سے موجود ہوگیا جس سے اپنے اور بیگانے سب ہی مستفید ہو رہے ہیں۔ معترضین کی تشنہ کامی کے لیے بھی اس قدر سامان مہیا تھا جس سے وہ حسب ضرورت و مقتضائے وقت سیراب ہوسکتے تھے۔ غرض یہ وہ دور ہے جس کے خوشگوار نتائج پر اعجاز کا اشتباہ ہونے لگتا ہے۔ وفي ذلك فليتنافس المتنافسون.

اب دوسرے دور پر بھی غور کریں تو ان کے ثمرات بعض میں عبدالحق پادری اور سلطان احمد پال ایسے لوگ ہیں اور بعض دھرم پال ایسے، اور کچھ ہم ایسے نا اہل! وھو كل على مولاه أين ما يوجهه لا يأت بخير.

جہاں تک میرا خیال ہے آج کل کے متعارف مناظرے کبھی اہل حق نے کیے اور نہ قرون خیر میں ان کا کہیں پتہ چلتا ہے۔ تشبث بالحشیش کے طور پر علیہم السلام کے جن وقائع کو اپنی دلجمعی کے لیے مناظرہ کا نام دیا جاتا ہے قطع نظر اس سے کہ ان کی حقیقت کیا ہے، وہ اس قدر کم ہیں کہ کوئی قوم ان واقعات کی بنا پر مناظرات کو اپنے لائحہ عمل کا

لازمی جز نہیں قرار دے سکتی اور نہ اس کی کارگزاریوں کا یہ کوئی قابل فخر کام ہی ہے۔

اب جماعت کا فرض ہے کہ ان دو راہوں سے جسے چاہے پسند کرے۔ اس کے نتائج کی اچھی یا بری توقعات بر آنے والے دور کی بنیاد رکھے ؎

فسوف تری إذا انکشف الغبار
أ فرس تحت رجلك أم حمار①

اسماعیل کان اللہ لہ
گوجرانوالہ
(تنظیم اہلحدیث روپڑ، یکم دسمبر، ۱۹۳۳ء)

---

① جب غبار چھٹ جائے گا، تب تو دیکھے گا کہ تیرے پاؤں کے نیچے گھوڑا ہے کہ گدھا۔

تحریکِ اہلحدیث کے تین دَور

مغل حکومت کے بعض بادشاہوں کی غلط روی کے سبب سے جس قدر بدعات و مفاسد کا رواج ہو چکا تھا، اس کی اصلاح کے لیے ۵۷ء سے پہلے ہی مصلحینِ ملّت و مجدّدینِ امت کی توجہ ہو چکی تھی۔ حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی تصانیف اس پر سکون حرکت کا پتہ دیتی ہیں۔ خواجہ سراؤں کی بدولت ہندو گھرانوں میں بیسیوں قبیح رسمیں اور بدعی عادات معمولی قطع و برید کے بعد محلات شاہی میں رواج پا جاتی تھیں اور حکومت کی حمایت ان کے ساتھ ہوتی۔ اکثر علماء اس گندگی کو بادلِ ناخواستہ برداشت کرتے اور خاموش رہتے۔

۵۷ء کے واقعات کمپنی کے غلط طریقِ حکومت کا نتیجہ تھا۔ چونکہ حکومت کی تحقیق میں یہ مذہبی جنون کا نتیجہ تھا، اس لیے اس کا اثر ان مصلحین پر ہی پڑا جو پوری خاموشی کے ساتھ اخلاق اور سیاست کی اصلاح چاہتے تھے۔ اس لیے یہ تحریکِ اصلاح ایک عرصہ کے لیے بند ہوگئی اور علما کی ایک جماعت ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہوگئی۔ ہم آج ان مصلحینِ امت کے نام سے آشنا ہیں اور نہ کام سے۔

بانکی پور پٹنہ کے مقدمات میں ایسے ہی باغی محبوس تھے جو اپنی آنکھوں ان مفاسد کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ پھانسی اور عبور دریا شور کی سزائیں انھیں لوگوں کی آرائش کا موجب ہوئیں جو اسلامی حکومت کا تخیل اپنے سامنے رکھتے تھے اور اصلاحِ خلق سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظام میں اصلاح وتبدیلی کے خواہشمند تھے۔ اتفاقِ زمانہ سمجھیے کہ یہ بے قرار دل اور مضطرب روحیں انھیں اجسام میں تھیں جو توحید اور عمل بالحدیث

کے داعی تھے۔ جنھیں ان کے خیر اندیش ''وہابیت'' کے نام سے یاد کرتے ہیں ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را ①

جونھی حکومت ان اہل حق کی سرکوبی سے فارغ ہوئی حکام کی رنگین کارروائیاں ختم ہوئیں، ملک نے ایک راضی سکون ختم کیا، بقیۃ السیف مصلحین نے اپنا کام پھر سے شروع کر دیا، لیکن اب کا پروگرام پہلے پروگرام سے کسی قدر مختلف تھا۔ ۵۷ء کے مظالم کی بربریت کے سبب سے سیاسی تنقید حکومت بجائے خود رہی بلکہ ظلم کیشوں پر اظہارِ تاسف بھی اب کے پروگرام میں شامل نہ تھا۔ ایک طرف دنیا پرست اہل علم حکومت کی ہر کج نگاہ کو ادائے ناز سمجھتے تھے اور ہر ظلم کو عین مقتضائے انصاف و دانش۔ مگر اہل حق کا یہ حال تھا کہ شمس العلماء ایسے رفیع لقب کو حکومت کی خوشنودی کے لیے مستحقِ شکریہ بھی نہ سمجھتے تھے۔

دوسرا دور:

غدر کے بعد یہ بے گناہ بندے سلاسل کی جھنکار سے کچھ ایسے مخمور و مست تھے کہ پھانسی سے کم حکومت کی کسی عطا پر وہ راضی ہی نہ ہو سکے۔ رضي الله عنهم و أرضا عنهم اس کے ساتھ ہی وہ اپنے بعد ایک ایسا ہیبت ناک منظر اور خطرناک ماحول چھوڑ گئے کہ برسوں تک اس مقامِ بلندی کی آرزو بھی حافظوں کی زینت کا موجب نہ بن سکی ع

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اس ظرف میں سیاسیات سے تھکے ہوئے دماغوں نے اپنے لیے اصلاح کی ایک ٹھوس راہ تجویز کی، تاکہ وہ مشغول بھی رہیں اور سستا کر کچھ آرام بھی کر لیں۔ اس

---

① انھوں نے خاک وخون میں مل کر ایک اچھی رسم کا آغاز کیا ہے، اللہ ان نیک فطرت عاشقوں پر رحمت کرے۔

لیے ہندوستان کے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کتاب وسنت کی اشاعت ہی سب سے بہتر کام تھا جسے شروع کر دیا گیا۔ یہ کام جس ماحول میں شروع کیا گیا وہ بھی ایک جہاد اصغر تھا۔ اور مشکلات کا لامشاغل سلسلہ اس راہ کو روکے ہوئے تھا۔ عوام مخالف، علما مخالف۔ فقہیات کے لیے نو شروح وحواشی کا ایک انبار علما کے کتب خانوں میں موجود، لیکن کتاب وسنت کے لیے ایسا سامان چند ایک مقامات کے سوا قریباً ناپید۔ غدر کی ہلاکت آفرینیوں کے بعد مال و دولت ناپید، وسائل مفقود، گویا کتاب وسنت کی اشاعت صرف ایسی چیز ہی نہ تھی جو حل طلب نہ ہو بلکہ اس وقت یہ ایک ایسی ضمیر تھی جس کی طلب کے تخیل کے لیے بھی دماغوں کے پاس کوئی جگہ نہ تھی۔

ان مشکلات کے باوجود یہ ایک وقت کی ضرورت تھی اور ملأ اعلیٰ کی اس خاکستان کے لیے حقیقی خواہش۔ وہ جیسے دلوں کی آواز تھی، دلوں پر ہی اس کا نشانہ تھا، دلوں میں ہی اس کے تیر پیوست ہوئے۔ گویا آن کی آن میں دہلی پھاٹک حبش خاں کے ایک تنگ وتاریک کوچہ میں ایک دارالعلوم جس میں اصحاب صفہ کے جنود مجندہ اطرافِ عالم سے جمع ہونے لگے۔

"یضرب الناس أکباد الإبل"① کا سماں مدینہ طیبہ کے بعد دہلی میں بھی نظر آنے لگا۔ چند سالوں میں اس سراج منیر نے تقریباً دنیا کے مشرق ومغرب تک اپنی روشنی کو پھیلا دیا۔ اور عجب یہ ہے کہ وہاں پر نہ کوئی کالج نما عمارت ہے اور نہ ہی کوئی عظیم الشان بلڈنگ، لیکن کثرتِ تلامذہ کا یہ حال ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں چلے جایئے، اہل

---

① یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں مذکور ہے کہ عنقریب ایک وقت آئے گا جب لوگ طلبِ علم کے لیے سواریوں پر نکلیں گے لیکن مدینہ کے عالم سے بڑھا اور کوئی عالم نہ دیکھیں گے۔ (سنن الترمذي، رقم الحدیث: ۲۶۸۰) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعیفة، رقم الحدیث (۴۸۳۳)

علم کی محفلوں میں آپ کو اس مقدس درسگاہ کے تذکرے ملیں گے۔ یہ عریش کا مدرسہ اور دہلی کی تنگ تاریک گلیاں عجیب محبت بھرے الفاظ سے یاد کی جاتی ہیں۔

لطیفہ:

سفرِ حج میں مجھے اور میرے محترم رفیق برادرم حافظ عنایت اللہ کو خیال ہوا کہ یہاں کے علما سے اجازتِ حدیث حاصل کریں۔ اس مقصد کے لیے علمائے نجد، یمن، حجاز اور شام سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ تعجب ہے کہ سب کے پاس سب سے اعلیٰ سلسلہ حضرت شیخ الکل کا تھا۔ شیخ ابوبکر خوقیر کے الفاظ کس قدر لذیذ ہیں:

”ولي إجازة من عدة أساتذة أوثقهم عندي الشيخ نذير حسين الدهلوي.“

غرض اس دور کی تعلیمی برکات نے اہلحدیث خیالات کو اس قدر سربلند کیا کہ بعد کی مساعی میں اس کا عشرِ عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ اس مدرسہ کے غیر منظم شعبے امرتسر اور لاہور، بھوپال وغیرہ میں خدمتِ حدیث میں مشغول تھے جنھوں نے علمِ سنت کی بہترین خدمات انجام دیں۔

تیسرا دور:

اس کے بعد یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ درس و تدریس کی مقدس راہ کو چھوڑ کر جماعت کی توجہ یکسر مناظرات کی طرف کیوں ہوگئی؟ درسگاہیں کیوں ٹھنڈی پڑ گئیں؟ بہر حال ترقی کا تیسرا دور یہی مناظرات ہیں۔ میری ناقص رائے میں اس کی ابتدا پنڈت دیانند کی ستیارتھ پرکاش سے ہوئی۔ پنڈت جی نے عربیت سے قطعاً نابلد ہونے کے باوجود اپنی طبع آزمائی کے لیے قرآن حکیم کا انتخاب کیا۔ عموماً اعتراض کی بنا لاعلمی پر مبنی تھی۔ اہل علم نے پنڈت جی کی اس خامی کو فوراً بھانپ لیا اور اسے وقت کی آواز جان کر درس و تدریس کے سنگلاخ میدان سے نکل کر اس کمزور شکار پر فوراً ٹوٹ

پڑے۔ حکومت کو بھی ضرورت تھی کہ ۵۷ء کی تلخیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی نیا مشغلہ ملک کے سامنے رکھے۔ حکومت نے پوری دانش مندی کے ساتھ پنڈت جی کی اس پیشکش کو شرف قبول بخشا اور پوری احتیاط کے ساتھ اس تخریبی پہلو کو اختیار کیا۔ پولیس اور انتظامی اداروں نے ان محفلوں کو خوب سجایا۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر پنڈت جی نے ملک کو ایک دوسری آگ میں دھکیل دیا۔ اس پروگرام سے ملک میں بے اعتمادی پیدا ہوئی اور غلامی کی زنجیریں مضبوط سے مضبوط تر ہوگئیں۔ اور پنجاب کے رنگیلے پیغمبر نے ان اکھاڑوں کو خدمتِ اسلام کا رنگ دے کر حکومت کو اور بھی ممنون کیا اور حکومت کی مشینری کو مدت کے بعد آرام کا سانس نصیب ہوا۔

مناظرات:

مناظرات کے جزوی فائدہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان مناظرات میں بیک وقت ہزاروں کان حق کی آواز سے آشنا ہوتے ہیں، سینکڑوں بدظنیاں حسن ظنیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ جو لوگ فرقہ وارانہ حیثیت کے سبب مخالف کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے، مناظرات میں سخت سے سخت باتیں خوشی خوشی میں سن گئے اور اچھا اثر اپنے دلوں پر لے گئے۔ لیکن یہ مجالس جتنی حق پرستوں کے لیے مفید تھیں، باطل پرستوں کے لیے بھی اتنی ہی مفید ثابت ہوئیں۔ کئی مذبذب گمراہ ہوگئے، اور باطل کی آواز بھی ہزاروں کانوں میں بیک وقت پہنچ گئی اور کئی زخمی دل گمراہی کی موت سے مرے۔

یہ مجالس اس لحاظ سے مفید بھی تھیں اور مضر بھی، لیکن سب سے زیادہ نقصان یہ ہوا کہ حکمت آموزی کی محفلیں یکسر سونی ہوگئیں، اور کہیں برائے نام درس و تدریس کا مشغلہ رہا بھی تو انھیں اکھاڑوں کے نقطۂ نگاہ سے، نہ کہ حقائق اور بصیرت کے نکتۂ نظر سے۔ گویا مؤولین نے مامون عباسی کی یاد کو پھر تازہ کر دیا اور حقیقت کی جگہ جدلیات نے لے لی، نصوص کی تشریحات میں سلف ائمہ کے فہم کی بجائے کفار مرتدین کے دماغ

کی زیادہ رعایت روا کی گئی۔ گویا ائمۃ الکفر کی قلبی بے قراریوں کو شریعت حقہ کا نعم البدل اور اُسوۂ صحابہ کے پاسنگ قرار دے دیا گیا۔ حمایتِ حق کے دعووں سے باطل کی پوری پوری ترجمانی کر ڈالی گئی، اور بالکل غیر مفید۔ ”لا للإسلام نصروا ولا للفلاسفة کسروا۔“ ① کی مثال پھر پیدا ہوگئی اور قوم کی بہت بڑی قوت تھوڑے سے ہنگامی مفاد کے لیے تلف کر دی گئی۔

مناظرین:

مناظرین کی طبائع بھی ان مجالس سے اس طرح متاثر ہوئیں کہ آئینہ دار ذہنوں پر کبر و انانیت کا ایسا غبار پڑا کہ ائمہ سلف اور نصوصِ صحیحہ کے خلاف موٹی موٹی لغزشیں کرنے کے بعد متنبہ ہونے پر بھی رجوع اور تلافی کی توفیق میسر نہ ہو سکی۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ مرزائی تحریک کا ابتدائے تخیل ان ہی ہنگاموں کا رہینِ منت ہیں۔

اسی مذاقِ تاویل نے وفاتِ مسیح، ظلی نبوت، بروزی رسالت ایسے مسائل پیدا کیے۔ اور تاویل کی شناعت ملاحظہ فرمایئے، دمشق سے مراد قادیان، ابن مریم کی جگہ ابن غلام مرتضیٰ، دجال کا مطلب انگریز، گدھے کے معنی ریل مراد لیے گئے۔ غرض کتنے ہی بدبودار مغالطے اس ذہنیت کی بدولت قبول کر لیے گئے۔ العیاذ باللہ۔ جو سینکڑوں انسانوں کی گمراہی کا موجب ہوئے۔ ھدانا اللّٰه وإیاھم سواء الطریق۔ علم و حکمت، توحید و سنت کی مجلسیں ویران ہوگئیں۔ طلبۃ العلم طلبۃ الجدل ہوگئے۔ اگر ان دنگلوں کے ساتھ حضرت مولانا محمد قاسم کی طرح درس و تدریس کے منظّم ادارے اور اشاعتِ سنت کے لیے تعلیمی مشغلے تعمیری نکتہ نگاہ کے ساتھ چلائے جاتے تو جماعت آج کی جگہ سے

---

① یہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کا مقولہ ہے، جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ فلاسفہ نے حمایتِ اسلام کے دعووں کے باوجود نہ تو دین اسلام ہی کو کوئی فائدہ پہنچایا اور نہ ملحد فلسفیوں کا کچھ بگاڑ سکے۔

دیکھیں: مفتاح دار السعادة (٢/ ١٦٨)

کہیں آگے پہنچ چکی ہوتی، اور موجودہ مرکزیت یقیناً کسی مرکز پر مجتمع ہو جاتی۔ اشاعت کتبِ حدیث و دواوین سنت کا کوئی بہتر انتظام موجود ہوتا۔ لیکن ؎

ما كل ما يشتهيه المرء يدركه
تجري الرياح بما لا تشتهي السفن ❶

ہمارا مستقبل:

اب مستقبل کی ہر گھڑی ماضی سے کہیں زیادہ خطرات کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ ان خطرناک حالات کی ذمہ داری آپ کسی پر ڈال لیجیے لیکن اس پر بحث مت کیجیے کہ اس کے ذمہ دار قائد ہیں یا عوام، بلکہ اس موت و حیات کی کشمکش میں اس پر غور کیجیے کہ یہ مریض بچ جائے، اور یہ ڈوبنے والا کسی طرح کنارے اتر جائے۔ پھر دیکھا جائے گا کہ اسے کس نے دھکیلا اور کس نے اس کو زہر دیا۔ ورنہ اسلاف کی تمام کوشش ناپید ہو جائے گی اور توحید و سنت کے گہوارے اہل خلوص کی گمراہی پر صبح و شام رویا کریں گے ؎

حتى المحاريب تبكي وهي جامدة
وهذه المنابر ترثي وهي عيدان ❷

دورِ اول اور مطمح نظر:

اس طویل سمع خراشی سے مقصد یہ ہے کہ جماعت کی ابتدائی سکیم اصلاح تعلیم اور ترویجِ سنت ضرور تھی لیکن نظامِ سیاست کو کم از کم اپنے حسب منشا کر کے۔ حقیقی نکتہ

---

❶ ہر چیز جس کی بندہ خواہش کرتا ہے اسے حاصل نہیں کر سکتا، ہوائیں کشتیوں کے مخالف بھی چلا کرتی ہیں۔

❷ حتی کہ مسجدوں کے محراب جامد ہونے کے باوجود رو رہے ہیں، اور ان کے منابر بھی مرثیہ پڑھ رہے ہیں حالانکہ وہ لکڑیاں ہیں۔ یہ مشہور اندلسی شاعر ابو البقاء صالح الرندی کے اس قصیدے کا ایک شعر ہے جو اس نے سقوطِ اندلس کے بارے میں کہا تھا۔

نگاہ اصلاح ہے، اس کے بغیر نہ معاشرت ٹھیک ہوسکتی ہے نہ اقتصادیات پر انضباط ممکن۔ اگر آپ کے ہاتھ میں صحیح اختیارات موجود نہیں ہیں تو آپ کی ہر جنبش ایک مجرمانہ حرکت ہے، اور ہر اصلاح قانون کی نگاہ میں مفاسد سے لبریز۔ آپ کی ہر نصیحت میں سینکڑوں خطرات کے چیلنج تصور کیے جائیں گے۔ غرض قوت حاکمہ اپنے اچھے اور برے ارادوں کے لیے عنوانِ تعبیر خود وضع کر لے گی، اور آپ کے سارے کے سارے ارادے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

حقیقت میں یہی سبب تھا کہ سید شہید رحمہ اللہ نے دہلی کے چاندنی چوک کی رونقوں، باغوں اور سیرگاہوں، سر بفلک محلوں کو یکسر خیر باد کہہ کر سرحدی پہاڑوں کی برفانی چوٹیوں اور بالا کوٹ کے خشک بیابانوں اور تپتی ہوئی چٹانوں کو پسند فرمایا۔ آہ! اس نے آخری نیند کے لیے بھی کسی آبادی کی بجائے دریائے سندھ کے سنسان کناروں کو ہی ترجیح دی۔ یہ ہے وہ ''دانا کافر'' جس پر کروڑوں ''احمق مُلّا'' قربان کیے جا سکتے ہیں۔ شہید رحمہ اللہ خوب جانتے تھے کہ اصلاحِ حال کی صحیح صورت یہی ہے کہ غلامانہ ذہنیت کا خاتمہ کر دیا جائے، اور کفر و تکفیر کے اکھاڑوں کو ختم کر کے علم و دانش و اخلاق وحلم کی بستیاں ان کی جگہ آباد کر دی جائیں۔ آپ کی توجہ کسی طرف کیوں نہ چلی جائے لیکن اصلاحِ حال کی صحیح صورت یہی ہے اور بس ع

والظلم من شيم النفوس فإن تجد
ذا عفة فلعلة لا يظلم ①

جماعت کا دوسرا دور:

جماعت کا دوسرا دَور ایک ٹھوس دور ہے، جس میں گو سیاست کی چاشنی نہیں لیکن

---

① ديوان المتنبي مع الشرح (ص: ٤٥) یعنی ظلم کرنا انسانی طبائع کا حصہ ہے، اور اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ ظلم نہیں کرتا تو وہ کسی وجہ کی بنا پر ظلم کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

کتاب وسنت کی اشاعت کے لیے درس وتدریس کی بہترین مسندیں مزین کی گئیں، بڑے مقدس اور فرشتہ سیرت انسانوں نے ان کو زینت دی۔ انھیں مجالس کے باقیات صالحات میں مولانا بشیر سہسوانی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا شریف الحسن، شاہ عین الحق، مولانا شمس الحق، مولانا شرف الحق صاحب عون المعبود، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا عبداللہ غزنوی، مولانا شیخ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا محمد حسین بٹالوی ایسے سینکڑوں اقمارِ علم آپ کو نظر آئیں گے ؎

أولئك آبائي فجئني بمثلهم
إذا جمعتنا يا جرير المجامع ❶

علم واخلاق کی بڑائیاں آپ دنیا میں تلاش کریں، زہد واتقاء کی منازل پر آپ عبور کریں اور پھر ان ملائکہ سیرت انسانوں پر ایک نظر دوڑائیں۔ آپ ان ساری خوبیوں کو قریب قریب موجود پائیں گے۔

تیسرا دور:

اب جدل ومناظرات کے تیسرے دَور پر نظر ڈالیے۔ اگر واقعی یہ میدان کوئی جہاد کا میدان تھا تو اہل حدیث نے اس میں پوری دادِ شجاعت دی ہے۔ خوش قسمتی ہے کبھی شہید نہیں ہوئے۔ ہمیشہ فتح ان کی غلام رہی، لیکن عواقب سے یکسر بے خبر، مستقبل سے یک قلم ناآشنا اپنے بیگانے کو ایک سمجھ کر دفاع ونیابت کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور اس کی جزا میں مؤکلین کی طرف سے ''جزاک اللہ'' کی دھیمی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ اپنی سادہ لوحی کو دیکھیے کہ اپنے طریق کی اشاعت کے لیے کس قدر منظم ادارے اور سربفلک عمارتیں تعمیر کی گئیں، سینکڑوں اساتذہ ان میں اپنے طریق پر

---

❶ یہ ہیں میرے آبا واجداد، اے جریر! کوئی ان جیسا محفل میں لا کر تو دکھا!

تعلیم میں مشغول ہیں، کتبِ حدیث کی طباعت، تاشیر اور شروح کے انبار لگا دیے ہیں، لیکن سب کا انداز اپنے مسلک کی حمایت ہے اور بس!

اس فاتحانہ شغل کے بعد ہمارے پہلوانوں کی خمار آلود نگاہیں کیا دیکھتی ہیں کہ میدان بالکل کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا چکا ہے، تعلیمی ادارے ایک حد تک ویران ہیں، اشاعتِ کتب کے سلسلہ میں کوئی ٹھوس چیز یہاں موجود نہیں۔ ہماری تصانیف کا تمام تر سرمایہ مناظرانہ چٹکلے، کچھ مباحثوں کی روداد یں، کچھ جلسوں کی کارروائیاں ہیں، جو ہوا کی نذر ہو چکی ہیں۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون!

اس کمی کو محسوس کر کے جمعیت تنظیم اہلحدیث پنجاب کے زیرِ اہتمام گوجرانوالہ میں ایک مدرسہ کی بنا ڈالی گئی جو بحمد اللہ ابتدائی حالات اور احباب کی سرد مہریوں کے باوجود قابل قدر ترقی کر رہا ہے۔ اس وقت تین مدرس ہیں اور تقریباً پچاس طلبا۔ ہر سال تقریباً پانچ دس طلبا فارغ ہو جاتے ہیں اور اپنی حسب مقدور توحید و سنت کی اشاعت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

رہائش وانتظام:

مقامی جماعت اپنی بساط کے موافق مرکزی جماعت کا ہاتھ بٹا رہی ہے لیکن اتنا بڑا اہم ادارہ کسی ایک جماعت کے اعتماد پر نہیں چھوڑا جانا چاہیے بلکہ پورے پنجاب کو اسے اپنانا چاہیے۔

ضروریات:

اس وقت مدرسہ میں کتب درسیہ کا ذخیرہ بہت ہی تھوڑا ہے، اصحابِ مال اس طرح توجہ کریں اور کتب حدیث بھیج کر مدرسہ کی اعانت کریں۔ درسیات کے علاوہ طلبا کو عمومی مطالعہ کے لیے ہر قسم کی کتب یہاں پر کارآمد ہو سکتی ہیں۔

اردو ہمارے ملک کی مادری زبان ہے لیکن یہاں پر اس کے سوا کوئی مواد نہیں

ہے۔ اخبارات و رسائل مدرسہ میں بہت ہی کم آتے ہیں، حالاتِ زمانہ کے لحاظ سے یہ چیزیں بے حد ضروری ہیں اور اہل خیر کی توجہ کے قابل۔

انگریزی زبان حکومت کی زبان ہے اور آج کل تقریباً دنیا کی مشترکہ زبان کا حکم رکھتی ہے لیکن عربی پڑھنے والے طلباء کے لیے ممکن ہی نہیں کہ اسے بقدر ضرورت ہی سیکھ لیں۔

فی زمانہ دستکاری، تعلیم سے بھی زیادہ قابل توجہ ہے۔ جس کے لیے ایک خطیر سرمایہ کی ضرورت ہے تاکہ مدارس سے نکل کر طلبہ کی نگاہیں مساجد کی روٹی پر نہ پڑیں، بلکہ وہ اپنی روٹی اس کے علاوہ بھی کما سکیں، مگر یہ ساری چیزیں درمندانِ قوم کی توجہ کی مستحق ہیں۔

کھانے کا انتظام گوجرانوالہ کی مقامی جماعت کے سپرد ہے لیکن حالت یہ ہے کہ امراء اس میں دلچسپی نہیں لیتے، غرباء اتنے مستطیع نہیں کہ ضرورت کے مطابق اس بار کو اٹھا سکیں۔ اس لیے سچ عرض کروں کہ کھانے کا انتظام نہ دل پسند ہے نہ تسلی بخش۔ یہ چیزیں گہری توجہ چاہتی ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ احبابِ مال اعانت کے علاوہ اپنے صحیح مشوروں سے بھی ممنون فرمایا کریں تاکہ ع

آبِ رفتہ باز می آید بجو ①

طبی امداد:

طبی امداد کا معاملہ بڑا ہی مشکل تھا لیکن شکر ہے کہ محترم جناب خان بہادر ڈاکٹر محمد عظیم صاحب گورنمنٹ پنشنر نے یہ بوجھ حسبۃً للہ اپنے ذمے لے لیا ہے۔ اللھم بارك له في أهله وماله، و أخلص أعماله لوجهك الكريم.

(تنظیم اہلحدیث روپڑ، ۱۵۔۲۲ر جنوری ۱۹۳۷ء)

---

① یعنی نکلا ہوا پانی ندی میں واپس آ جائے۔

برصغیر پاک و ہند میں

اہلِ توحید کی سرگرمیاں

پاکستان میں کچھ عرصہ سے اہل بدعت نے انگڑائیاں لینی شروع کی ہیں۔ ادب کے نام سے شرک، توسّل کے بہانے سے ما سوی اللہ کی پرستش، شفاعت کے عنوان سے غیر اللہ کی پکار عرب و عجم میں اہل بدعت اور اربابِ شرک کا شیوہ رہا ہے۔ یہی صورت حال پاکستان میں دہرائی جا رہی ہے۔

آباء کی جامد تقلید کے سہارے اور عوام کی جہالت کے کھونٹے پر ہمیشہ مشرکانہ رسوم اور بدعات کو زندگی کا بہانہ ملا، خاندانی رسوم اور عادات سے عوام کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً جو تعلق ہوتا ہے اسے اللہ کی یہ مخلوق توڑنا نہیں چاہتی۔ ان عادات کو دراصل عوام آباء و اجداد کی یادگار اور ان کے نام کی زندگی سمجھتے ہیں، اس لیے وہ دانتوں کی پوری قوت سے انھیں تھامنے کی کوشش کرتے ہیں، کتاب و سنت اور انبیاء علیہم السلام کے گرامی قدر ارشادات بھی انھیں روکنے میں بعض اوقات کامیاب نہیں ہوتے، یہی تقلید جامد ہے جسے ائمہ اسلام اور قائدینِ سلف نے شرک کہنے میں بھی حجاب محسوس نہیں فرمایا۔

آنحضرت ﷺ فداہ ابی و امی، نے جب سے شرک کی بستیوں کو ویران فرمایا، مشرکین کی جمعیتوں کو پارہ پارہ کیا اور تقلیدِ آباء اور مشرکانہ جمود کی کمر کو توڑا اس وقت سے بدعی رسوم اور مشرکانہ عادات کے لشکروں میں انتشار رونما رہا اور ان کے حامیوں کو جمعیت نصیب نہ ہوسکی۔

اسلام سے قبل اور اسلام سے بعد شرک اور بدعت کو فروغ ہوتا رہا، اعوان و انصار

بھی کم و بیش ملتے رہے مگر اہل حق کے مقابلے کی ہمت نہ ہو سکی اور نہ استدلال و براہین سے مقابلہ کا حوصلہ ہو سکا۔

مغل سلاطین کے آخری دور میں محل سرائے میں ہندو رسوم اور شرک و بدعت کے لیے ماحول بے حد سازگار کر دیا گیا تھا، رفض و برہمنیت کے جوڑ توڑ سے قرآن و سنت اور سلف کے مکتبِ فکر کی مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ فتنہ اس قدر بڑھ چکا تھا کہ علما کی معمولی کوششیں کچھ بھی کارگر نہیں ہو سکتی تھیں، وقت کسی بہت بڑی قربانی کا متقاضی تھا، رفض کا سازشی مزاج نمایاں ہو چکا تھا اور شرک و بدعت کی سرپرستی کے لیے ولایت سے انگریزی فوجیں کلکتہ کے ساحل سے اُتر کر دہلی تک پھیل چکی تھیں۔ اس جوڑ توڑ سے اولیاء الشیطان اور اساطینِ شرک و بدعت کو جس قدر مدد مل سکتی تھی اور جس حد تک وہ مضبوط ہو سکتے تھے ظاہر ہے یہاں معمولی علما کی دال نہ گلے تو تعجب نہیں۔ ایسے وقت میں اہل حق کو یا تو پوری قوت سے میدان میں اُترنا چاہیے یا پھر قوتِ اعجاز کا انتظار کرنا چاہیے۔

ایک قریشی خاندان:

موت و حیات کی اس کارگاہ میں وقت کی آواز کے مطابق ایک نجیب الطرفین قریشی خاندان مقتل کی پوری فضا پر قابض ہو گیا۔ اس قربانی کی داغ بیل گیارھویں صدی کے آغاز میں ایک العمری فاروقی نے ڈالی تھی، جس نے تجدید کی شان سے شیطان کے لشکروں کو للکارا۔ اس نے اپنی بے پناہ قوت سے شاہ جہان اور جہانگیر کے تاج کو جھنجھوڑا، اس نے حاکموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارا کہ یہ تخت و تاج تمھارے آبا کی میراث نہیں، یہ میرے رحمان اور قہار رب کا عطیہ ہے، اگر تم اس کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرو گے تو یہ تخت و تاج تم سے بزور واپس لے کر کسی اور کے سپرد کیا جائے گا۔ ﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا

أَمْثَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۸] رحمانی طاقتیں قہاریت کے رنگ میں ظاہر ہوں گی۔

اس مقدس انسان نے پوری سنجیدگی سے کہا کہ تخت و تاج عوام کے حقوق کی حفاظت کے لیے ہے، اللہ کی کتاب اور محمد عربی ﷺ کی سنت کی نگہداشت کے لیے ہے، جو یہ خدمت نہیں کر سکتا اسے خود بخود یہ کرسی خالی کر دینی چاہیے۔ اس تخت و تاج کا مقصد خدمت ہے ریاست نہیں، یہاں غلامی مطلوب ہے شہزادگی مقصود نہیں۔ اس بادشاہت کا یہ منشا نہیں کہ اللہ کی مخلوق تمھاری تعظیم کے لیے سر بسجود ہو اور تمھاری گردنیں رعونت سے تنی رہیں، تم رقص و سرود اور فسق و فجور میں زندگی بسر کرو اور مخلوق تمھارے سامنے کورنش بجا لائے۔

اس اخلاص بھری آواز کا جواب قلعہ گوالیار میں قید اور کئی سال تک نظر بندی کی صورت میں دیا گیا لیکن یہ استبداد دیر تک نہ رہ سکا، آخر جیل کے دروازے کھولنے پڑے، نظر بندیوں کے تار، تار تار ہو کر رہے اور سچائی کے سامنے جھکنے کے سوا چارہ نہ رہا۔

امام ربانی کے مکتوبات اور مجدد اعظم کی تعلیمات نے جو صور پھونکا تھا اس نے بتدریج حشر کی صورت اختیار کر لی اور ایک پورا خاندان اصلاحِ حال کے لیے میدان میں آ گیا، اس نے ابلیس کو چیلنج کیا کہ وہ راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ جائے، خدا سے جنگ کا نتیجہ اچھا نہیں۔

حکیم الأمت شاہ ولی اللہ:

اس کارزار کے معرکہ میں اسلامی عساکر کی رہنمائی کا ذمہ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لیا۔ انھوں نے حکیمانہ انداز سے پورے ماحول پر نگاہ ڈالی، انھوں نے مغل بادشاہوں کی عیاشیوں کو دیکھا اور انھیں اس سے دُکھ ہوا، ان کے محلوں کی بدعات کو دیکھا تو انھیں رنج ہوا، انھیں خواجہ سراؤں کی بدمعاشیاں اور داشتہ عورتوں کی عصمت ریزیاں معلوم تھیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مغل خاندان اپنی زندگی کا

حق کھو چکا ہے، اس کی بساط کو زود یا بدیر لپٹنا ہے۔

انھوں نے ان جاہل بادشاہوں کی معذوریوں کو بھی دیکھا، انھیں محسوس ہو رہا تھا کہ رفض نے حبِ اہلِ بیت کے نام سے کتنا وسیع جال پھیلا رکھا ہے اور یہ ناخواندہ بے خبر شہزادے کس طرح اس کا شکار ہو رہے ہیں؟ حسینی برہمنوں نے کیسے ڈھونگ رچا رکھے ہیں اور یہی حال اس وقت عام علما اور پیشہ ور فقرا کا تھا۔

پھر گیارہویں صدی کے آغاز میں جہاں گنتی کے چند ابلیس تھے اب پڑھے لکھے شیطان ہزاروں کی تعداد میں پھیل رہے ہیں، جو برائی کو پھیلانے کے لیے پرانے لوگوں کی جگہ سنبھالنے کو منتظر بیٹھے تھے۔ یعنی اس وقت ہزاروں فتنے صرف لمحوں اور گھڑیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ شاہ صاحب کو دُکھ بھی ہوا اور ان لوگوں پر رحم بھی آیا، اس لیے اس وقت کے مجدد کی آواز میں کڑک کی بجائے ایک لوچ تھی، اب للکار نہیں بلکہ ایک سُلجھی ہوئی پکار تھی۔ اسے اس بھٹکی دنیا پر رحم آیا، اس نے پورے ماحول کا جائزہ لیا، وہ کبھی تصوف کی زبان میں بولا اور کچھ لوگوں نے سمجھا کہ چھٹی صدی کا غزالی تزکیۂ قلب کا پیغام لے کر آیا ہے، کبھی وہ پانچویں یا چوتھی صدی کے فقہی جمود کی زبان سے بولا، لوگوں نے جانا فقہی فروع کا ماہر اور ائمہ فقہ کے اجتہاد و استنباط کا بہترین ترجمان دنیا سے ہم کلام ہو رہا ہے۔ کبھی وہ یوں گویا ہوا: ''فی الجملہ مسلک فقہاء محدثین پسند اوفتاد'' دُور اندیش لوگوں نے جانا کہ مسلکِ سلف کا داعی، فقہی جمود کا محقق و نقاد قرونِ خیر کا پیغام لے کر دنیا کی راہنمائی کے لیے آ پہنچا ہے۔ غرض ہر گروہ نے اسے اپنا سمجھا اور اسی سے استفادہ کی کوشش کی۔ وہ صحیح معنیٰ میں حکیم الامت تھا۔

شاہ صاحب افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ پیدا کرنا چاہتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لیے ایسی کوشش فرمائیں جس سے کسی ہنگامے کے بغیر اپنے مقصد میں فائز ہوسکیں، لوگ امن کے ساتھ دینِ حق کو قبول کریں، دین

حق پورے سکون کے ساتھ زندگی کے تمام گوشوں پر قابض ہو جائے، شیطان کا لشکر پوری خاموشی سے اپنے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرے۔

یعنی تصوف اعتدال پر آئے، فقہی جمود ذرا ڈھیلا ہو اور ”ما أنا علیه وأصحابي“ ❶ کے لیے صلح و آشتی سے راستہ صاف ہو جائے۔ دین کا اصل سرچشمہ بہر کیف اللہ کی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی سنت ہی کو رہنا چاہیے۔ ائمہ مجتہدین کے مکاتبِ فکر راہنمائی کے فرائض انجام دیں گے خود راہ نہیں بنیں گے۔ حجۃ اللہ البالغہ، مصفٰی اور مسوی، ازالۃ الخفاء، وغیرہ صحف اس حکمت بالغہ، اس رصانتِ فکر، اس اعتدالِ فکر کا پتہ دیتے ہیں جو حکیم وقت کو عطا فرمائے گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ انقلاب علم و حکمت اور کتاب و سنت کے احیا اور اقامتِ دین کا مدرسہ قرار پائے اور سرزمینِ ہند اللہ کے نور سے جگمگا اُٹھے۔

ابلیس کی فوجیں:

وقت کا حکیم امن کا خواہشمند ہو، دُرست ہے، لیکن شر پسند طاقتیں اسے کیوں کامیاب ہونے دیں؟ ان کے پروگرام کی کامیابی بدامنی میں ہے، کشت و خون میں ہے، ہنگامہ آرائی میں ہے۔ یہ حضرات قرآن عزیز کے ترجمہ پر ناراض ہو گئے، قبر پرستی کی مخالفت سے لڑائی پر آمادہ ہو گئے، تعزیہ داری کو اسلام کا شعار ظاہر کیا جانے لگا، دنیا کو باور کرایا گیا کہ خدا کی کتاب کو ولی اللہ نہیں سمجھ سکتا، اس نے ترجمہ نہیں کیا

---

❶ سنن الترمذي، رقم الحدیث (٢٦٤١) اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد الأفریقی راوی ضعیف ہے۔ نیز یہ الفاظ المعجم الکبیر للطبراني (٨/ ١٥٢) کی ایک روایت میں بھی موجود ہیں لیکن وہ سخت ضعیف اور موضوع ہے۔ دیکھیں: الجرح والتعدیل (٥/ ١٩٧)
تنبیہ: مذکورہ بالا جملہ ایک طویل حدیث ”حدیث افتراقِ امت“ کا ایک ٹکڑا ہے، یہ طویل حدیث تو صحیح ہے، دیکھیں: السلسلة الصحیحة (٢٠٤) لیکن یہ مذکورہ بالا جملہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: مجلّہ ”الحدیث“ حضرو (دسمبر ٢٠٠٨، شمارہ نمبر: ٥٥، ص: ٤)

بلکہ بے ادبی کی ہے، انسان کا کہاں مقدور کہ وہ کتاب اللہ کے مقاصد کو پا سکے؟

ان مشکلات کے ہوتے ہوئے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس مقصد کے لیے مدرسہ رحیمیہ کی مسند سے کام لیا، اس مدرسہ میں اساتذہ کی حیثیت مشین کی نہ تھی، نہ طلبہ دساور کا مال تھا کہ منڈی سے نکلے اور بازار میں مہنگے سستے بک گئے۔ یہ مدرسہ ایک مکتبِ فکر تھا جس میں تصوف کے ساتھ سنت کو آمیز کرنے کی مشق ہوتی تھی، فقہ العراق کے ساتھ فقہ الحدیث کا امتزاج کیا جاتا تھا۔

بہ ظاہر یہ فقہ العراق کی ایک درسگاہ تھی لیکن اس طرح کہ اس پر شیخ علی طاہر المدنی نے حدیث سے اس میں جلا پیدا کر دیا تھا، وہاں بدعات کے خلاف خاموش جہاد تھا، فقہی جمود میں استنباط اور اجتہاد کی خوشگوار آمیزش ہو رہی تھی۔ یہ مدرسۂ فکر بڑی سنجیدگی سے سنت اور فقہائے محدثین کے مسلک کی طرف ترقی کر رہا تھا۔ اس کے نامور تلامذہ میں صاحبِ "دراسات اللبیب" تھے، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی صاحب جیسے فحول اہل علم اس مدرسہ سے فیض یاب ہوئے۔ پھر ہر ایک اپنی اپنی جگہ امتِ واحدہ تھا، وہ اسی مسلک کے مبلّغ تھے جو انھیں اپنے استاد محترم سے ملا تھا:

> ”بعد ملاحظہ کتبِ مذاہب اربعہ و اصولِ فقہ اور احادیث کہ متمسک است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روشنی فقہا محدثین افتاد۔“①

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۱۱۔ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

---

① مذاہبِ اربعہ، اصول اور احادیث کی کتب ملاحظہ کرنے کے بعد نور غیبی کی مدد سے دل فقہاءِ محدثین پر مطمئن ہوا۔

تحریک اہلحدیث کا مدّ و جزر

اور

حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی کے اثرات

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ پہلی امتوں میں بھی مختلف ذہن تھے، بعض الفاظ کے ظاہری مفہوم پر اعتماد کرتے تھے، بعض کی توجہ اسباب و علل کی طرف ہوتی تھی، وہ الفاظ کو صرف ذریعہ سمجھتے تھے۔ کچھ لوگ اس عالم کون و فساد میں دین اور دنیا دونوں کو حاصل زندگی سمجھتے تھے، کچھ ترکِ دنیا اور زہد و ورع کو حاصل مقصد خیال کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ اپنی اپنی جگہ یہ سب چیزیں درست ہیں، اور اس کارخانۂ حیات و موت میں نہ الفاظ سے گریز ممکن ہے نہ اسباب و علل کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اس دنیا میں رہ کر دنیا اور اس کی ضروریات سے بالکلیہ دامن کشی نہ شریعت کا مقصد ہے اور نہ دنیا پرستی اور اس کی طلب میں جنون کی حد تک بھاگ دوڑ صحیح راہِ عمل ہے۔ غلو کسی میں آئے اس میں خرابی پیدا ہوگی۔ اسلام اور آنحضرت ﷺ ۔فداه روحي۔ نے اس میں اعتدال کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔

> ”قال ابن كريون: وكان اليهود في دينهم يومئذ ثلاث فرق: فرقة الفقهاء وأهل القياس، ويسمونهم الفروشيم، وهم الربانيون، وفرقة الظاهرية المتعلقين بظواهر الألفاظ من كتابهم، ويسمونهم الصدوقية، وهم القراؤون، وفرقة العباد المنقطعين للعبادة

والتسبیح والزهاد فیما سوی ذلك، ویسمونهم الحسیدیم."①

"یہود میں اس وقت تین گروہ تھے، فقہا تھے، جن کو وہ فروشیم کہتے تھے، ربانیین بھی انھی کا نام ہے۔ بعض ظاہری تھے جو کتاب کے الفاظ کو مانتے تھے، ان کا نام صدوقیہ تھا، اور انھیں قرا بھی کہا جاتا تھا، اور ایک گروہ فقرا اور زاہدوں کا تھا، انھیں تسبیح وتہلیل کے سوا کسی چیز سے رغبت نہ تھی، ان کو حسیدیم کہا جاتا تھا۔"

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لتتبعن سنن من کان قبلکم حذو النعل بالنعل."②

"تم پہلے لوگوں کے قدم بقدم چلو گے۔"

مختلف ذہن:

آج اسلام میں بھی تینوں قسم کے آدمی موجود ہیں، بعض شریعت پر غائر نظر رکھتے ہیں اور دین کے مصالح ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتے ہیں، کچھ ظاہر بین ہیں جن کی نظر بالکل سطحی ہے، اور زاہدوں کا گروہ تو پورے ملک کے ذہن پر چھا رہا ہے، خانقاہی نظام ابتدا میں کسی قدر اچھا تھا، اس کی تفصیلات معلوم ہیں، اب ظاہر ہے کہ اکثر بدعات انھیں کے قدموں سے اٹھتی ہیں اور بدعی فتنوں کا مرکز یہی لوگ ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد صحابہ میں فقہا بھی موجود تھے، اہل ظاہر بھی، زاہد اور اتقیا بھی پائے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد امت میں مختلف طبقات رہے اور یہ قسمیں اہل فکر میں موجود رہیں لیکن اس میں کبھی بے اعتدالی ہو جاتی۔ جمود تو

---

① تاریخ ابن خلدون (۲/ ۱۲۲)

② صحیح البخاري، رقم الحدیث (۶۸۸۹) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۶۹) ولفظه: "لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع..." اور ایک روایت میں ہے: لتسلکن سنن من قبلکم حذو النعل بالنعل..." (المستدرك: ۱/ ۲۱۹)

اسلام کی اُفتادِ فطرت کے خلاف تھا لیکن یہ جمود تینوں تحریکات میں آیا، کبھی ظاہر پرستی اس طرح اذہان پر چھا گئی کہ الفاظ کی پرستش شروع ہوگئی، لوگوں نے مقاصد اور مصالح کو نظر انداز کر کے محض الفاظ پر سارا زور صرف کر دیا۔ کبھی آراءِ رجال اور قیاساتِ علما نے ذہن کو اس قدر متاثر کیا کہ شخصی آرا و افکار نے تقلید اور جمود کی صورت اختیار کر لی، ائمہ اور علما کی تقلید کو واجب اور فرض کیا جانے لگا،① مقتدر علما کی جزوی مخالفت اس قدر جرم سمجھی جانے لگی گویا وہ پیغمبر کی مخالفت ہے۔ یہ دونوں غلو کی راہیں تھیں۔

یہی مرض زہاد و اتقیا میں نمودار ہوا، وہاں بھی پیر کو مظہر بنایا یا پیغمبر کا نعم البدل سمجھا جانے لگا، بزرگوں کے عادات و رسوم اور اوراد و وظائف کو وحی کا مقام دیا گیا، فقر و حال کو شریعت اور وحی کا رقیب ظاہر کیا گیا، شرعی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے میں ان حضرات کو کوئی تأمل نہ تھا۔ یہ بھی ایک جمود ہے جو اسلام کے مزاج اور طبیعت کے بالکل خلاف ہے، اسلام ایک متحرک دین ہے، اس میں کتاب و سنت کو اساس قرار دے کر ہر دور میں فکری آزادی کی نہ صرف حمایت فرمائی گئی ہے بلکہ حریتِ فکر کے لیے ممکن طور پر راہیں ہموار کر دی گئی ہیں اور جمود اور تقلید کو روکنے کی ہر کوشش عمل میں لائی گئی۔

جمود شکن تحریکات:

اسلام کی اشاعت کے مختلف ادوار میں اس کے اثر و رسوخ اور مختلف اذہان کی

---

① ائمہ اربعہ اور باقی ائمہ سنت اور ان کے علوم کے ساتھ تعلق کی جو آج جامد صورت پیدا ہو چکی ہے معلوم ہے ابتدا میں نہیں تھی، نہ ائمہ اسے پسند فرماتے اور نہ ان کے تلامذہ۔ ہارون نے امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے موطا کی آئینی حیثیت کا جب ذکر کیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے سختی سے اس کا انکار کیا۔ (الدیباج، ص: ۲۰۰)

ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید سے روکا۔ حجۃ اللہ اور کتاب العلم لابن عبدالبر وغیرہ میں ان کے ارشادات بصراحت موجود ہیں۔ تعجب ہے کہ اکابر دیوبند آج بڑی جرأت سے اسی جمود اور تقلید کی دعوت دیتے ہیں اور اسے واجب تک کہنے سے گریز نہیں فرماتے حالانکہ یہ صاحبِ شریعت کا وظیفہ ہے۔ معلوم ہے کہ تقلید اور اس جمود کا دور چار سو سال بعد ہوا۔ (مؤلف)

عقیدت مندیوں اور مختلف قسم کے امیال و عواطف کی نیرنگیوں نے مد و جزر کی صورت اختیار کی، کبھی ظاہر پسندی اور الفاظ کے تقاضوں نے اتنا زور پکڑا کہ قیاس صحیح اور مصالح کو شکست دے دی گئی، کبھی آرا و مقائیس کی محبت نے ایسا جمود پیدا کیا کہ آراء رجال کے سامنے نصوص مہجور اور متروک قرار پا گئے، فرضی مسائل کا نام شریعت رکھ دیا گیا۔

اس مد و جزر کا نتیجہ حافظ ابن حزم کی ظاہریت ہے اور اسی کا نتیجہ فقہا کی کتاب الحیل ہے، جس نے عبادات سے لے کر معاشیات تک دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا، بڑے بڑے فواحش دین کے لبادے میں عبادت اور تفقہ تصور ہونے لگے، نماز، زکوٰۃ، حج، حیل کی وبا سے محفوظ نہ رہ سکے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ظاہریت کا تعلق فن حدیث سے ہے، ابن حزم وغیرہ پر ظاہریت اسی لیے غالب رہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ فقہی حیل اور ظاہریت دونوں ایک ہی ذہن کی پیداوار ہیں۔ ابن حزم اور ان کے رفقا نے حدیث کے الفاظ کے ظاہر سے ٹھوکر کھائی اور ارباب حیل نے فقہی قواعد کے ظواہر سے دھوکہ کھایا، شارع کے مقاصد اور مصالح دونوں جگہ نظر سے اوجھل ہو گئے، دونوں جگہ الفاظ کی ظاہریت نے معاملہ فہمی اور ذکا کی نگاہوں کو چکا چوند کر دیا۔

قیاس سے اگر نظائر کا صحیح جائزہ نہ لیا جا سکے اور شریعت کے مقاصد کا صحیح طور پر لحاظ نہ رکھا جا سکے تو صرف قیاس کے اعتراف یا اسے اصول و ادلہ مان لینے سے کچھ بھی حاصل نہیں، اکابر کے ارشادات اگر محض اکابر کی برتری کی وجہ سے قابل احترام ہوں تو یہ بھی ظاہر پرستی کی ایک قسم ہے اور جمود کا ایک نامناسب مظاہرہ!

تاریخِ مذاہب پر ایک نظر:

حجاز، بخارا، مصر اور مغرب میں حدیث کا دور دورہ تھا، لوگ حدیث پڑھتے پڑھاتے تھے، حفظ و ضبط کی مجلسیں گرم تھیں، مدارس میں ”حدثنا“ اور ”أخبرنا“ کے غلغلے بلند تھے، یکا یک حجاز اور مصر میں امام شافعی رحمہ اللہ کے حفظ و ذکا کا اثر بڑھا، سوڈان

سے اندلس تک امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک فقہ کا اقتدار قائم ہوا، کوفہ سے ایران اور پھر اقصائے ہند میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی علمی ضیا باریوں نے اپنا اثر ظاہر کیا، نجد اور اس کے حوالی میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی قربانیاں اپنا رنگ لائیں، اس کے علاوہ بھی بعض ائمہ اجتہاد نے بعض علاقوں پر اپنا اثر ڈالا، جیسے امام اوزاعی، ابن جریر طبری، حافظ ابن خزیمہ، داود ظاہری رحمہم اللہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کے فہم اور طریقِ فکر کو بھی حدیث فہمی میں ضروری قرار دیا گیا۔ ابتدا میں یہ خیال تھا کہ ان حضرات کے افکار کا تتبع ذہن کو لغزش سے بچا سکے گا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فکر مندی خود ایک لغزش بن گئی اور سنگِ میل سنگِ راہ ہو گیا۔

ائمہ حدیث اور فقہا کے مباحث، احناف اور شوافع کے مناقشات اسلام کی خدمت کی بجائے بعض مقامات پر اسلام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئے، قرآن و سنت کے نصوص باہم تقسیم ہو گئے۔

تحریکاتِ اصلاح:

اپنی تاریخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا ہر دور کے اہل علم اس مرض کے علاج میں مصروف رہے، آوارگی سے بچتے تو جمود آ جاتا، جمود سے بچنے کی کوشش کرتے تو آوارگی کے خارستان میں دامن اُلجھ جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

پیشِ نظر گزارشات میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مساعی اور اُن کے نتائجِ فکر کا تذکرہ اس نگاہ سے ہے کہ مغل دور کے اواخر میں جب جمود کی گھٹائیں ہند کے افق پر چھائی ہوئی تھیں، اورنگ زیب عالمگیر جیسا نیک دل بادشاہ زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کر سکا کہ اس نے فتاویٰ ہندیہ کی صورت میں علما کے ذریعے اسلام کی خدمت کی۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ان کے رفقا اور ان کے متوسلین نے اس اندھیرے میں ایک

روشنی کے مینار کی طرف توجہ دلائی اور وہ فقہا و محدثین کا طریق تھا، شاہ صاحب ہندوستان کی حنفیت اور ابن حزم کی ظاہریت کو فقہا و محدثین کے دامن میں پناہ دینا چاہتے تھے۔

ہندوستان کے اہل توحید۔ حنفی یا اہل حدیث۔ کو شاہ ولی اللہ سے کوئی صحیح نسبت ہے تو حنفیتِ خالصہ اور ظاہریتِ محضہ سے بچ کر انھیں فقہا و محدثین کا طریق اختیار کرنا چاہیے، اس دور میں اسلام کی یہ سب سے بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباع حق، عمل اور اعتقاد میں اعتدال کی توفیق دے۔

آئندہ اوراق میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مختلف اذہان کے غلو میں صالح تحریکات نے کیا کردار نمایاں ادا کیا؟ تحریکات سلفیہ نے مختلف ادوار میں کیا اصلاحات فرمائیں؟ فقہاءِ اسلام نے کیا خدمات انجام دیں؟ صوفیا نے کیا کیا اور ان تینوں اذہان پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی اصلاحی کوششوں نے کیا اثر ڈالا؟

اہلحدیث:

شروع شروع میں لفظ ''اہلحدیث'' کا مقصد یہ تھا کہ اجتہادی اُمور میں تقلید اور جمود کو دین میں پہنچنے کا موقع نہ دیا جائے بلکہ صحابہ اور ائمہ اسلام کے اجتہاد سے وقت کے مصالح کے مطابق فائدہ اٹھایا جائے اور فقہی فروع میں جمود اور فرقہ پروری کی حوصلہ افزائی نہ ہونے پائے، اصل نظر کتاب اللہ اور آنحضرت ﷺ کی سنت پر مرکوز رہے۔

کتاب و سنت میں اگر کسی مسئلہ یا وقتی حادثہ کے متعلق صراحت موجود نہ ہو تو اس کا فیصلہ محض کسی شخصی رائے کے مطابق نہ ہو، یا کسی علاقے کے علما اپنے مخصوص افکار امت پر نہ ٹھونس دیں، بلکہ اصل مطمح نظر صحابہ اور اسلاف کرام کی وسعتِ نظر ہو، جمود اور شخصیت پروری سے اُمت میں ضیق نہ پیدا کیا جائے۔

جب نصوص نہ ہوں، کتاب و سنت میں احکام صراحتاً نہ ملیں تو رائے یا اجتہاد کے سوا چارہ نہیں۔ صحابہ نے بھی اجتہاد فرمایا، ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی

بوقت ضرورت اجتہاد فرمایا، وقت کے ضروری مسائل کو اجتہاد ہی سے سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش ہونی چاہیے، اہلحدیث اور فقہاءِ مذاہب سب ہی نے اجتہاد کیا اور قیاس شرعی یا میزانی، وقت کے مسائل میں مخلصی کی راہ پیدا فرمائی۔

حافظ ابن حزم اور امام داود ظاہری کا قیاس سے بالکل صرفِ نظر کا نظریہ ائمہ حدیث میں مقبول نہ ہوسکا، اور فقہاءِ عراق میں تو اس کی گنجائش ہی کہاں تھی؟ اس لیے ائمہ حدیث اور فقہاءِ عراق میں قیاس سے استفادہ یا نظائر میں احکام کی وحدت کا جہاں تک تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، بوقت ضرورت قیاس کو سب درست سمجھتے ہیں بلکہ ضروری!

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان دو مختلف اور غیر معتدل نظریات اور ان کے نتائج کے حسن و قبح سے متاثر ہو کر اپنے تلامذہ اور متوسلین کو یہ وصیت فرمائی:

> ”وصیت اول ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقاید مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن و بتشکیکات معقولیان خام التفات نکردن و در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیّز قبول آوردن والا کالائی بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمی را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و بدیشاں التفات نکردن و قربت خدا جستن بدوری اینان۔“ (تفہیمات: ۲/ ۲۴۰)

”فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب وسنت کے ساتھ تمسک کرے اور ان دونوں کو اپنا مشغلہ قرار دے، اور ہر دو سے کچھ حصہ

> روزانہ پڑھے اور اگر پڑھ نہ سکے تو چند اوراق کا ترجمہ سنے، اور عقائد میں سلف اہل سنت کی روش اختیار کرے اور ائمہ سلف کی طرح موشگافیوں سے بچے اور خام کار معقولیوں کی شک آفرینیوں سے بچے، اور فرعی مسائل میں ان محدثین کا اتباع کرے جو حدیث اور فقہ دونوں سے پوری طرح واقف ہوں، اور فقہی مسائل کو ہمیشہ کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہو اسے قبول کرے ورنہ بالکلیہ نظر انداز کر دے، اُمت کو اپنے اجتہادات کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہوا، اور ضدی قسم کے فقیہ حضرات، جنھوں نے بعض اہل علم کی تقلید کو دین کا سہارا بنا رکھا ہے اور کتاب وسنت سے اعراض ان کا شیوہ ہے، کی بات تک نہ سننا اور ان کی طرف نگاہ مت اٹھانا اور ان سے دور رہنے میں ہی خدا کا قرب تلاش کرنا۔”

شاہ صاحب کے دانشمندانہ اور جرأت آمیز اعلان سے تعجب ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے جس ماحول میں تربیت پائی تھی وہ فقہی جمود کا دور تھا، اس وقت کا بہت بڑا متدین اور روشن خیال بادشاہ وہ اسلام کی جو سب سے بڑی خدمت کر سکا وہ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف تھی، جسے فتاویٰ ہندیہ کہا جاتا ہے۔ عالمگیر نے اسلامی قانون کی بہتر تعبیر کے لیے وقت کے بہترین علما کو جمع کیا، ان مقدس بزرگوں نے اپنے وسیع علمی معلومات کی روشنی میں فقہ حنفی کی یہ بہترین خدمت انجام دی۔

اس کتاب کی خوبی صرف اسی قدر ہے کہ فقہا رحمہم اللہ کے اقوال سے اوفق بالمصالح اقوال کو لے لیا گیا اور مختلف فیہ کو اسی طرح درج کر دیا گیا تاکہ جس پر مناسب ہو عمل کر لیا جائے۔ گویا اس دیرینہ جمود میں ایک محدود مقام تک حرکت کی کوشش کی گئی۔ قرآن اور سنت یا دوسرے ائمہ کے مذاہب کے لحاظ سے شرعی مصالح کا جائزہ لینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اسی ماحول میں پڑھا اور غالباً والد صاحب کی زندگی میں مسند درس کی زینت بنے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے دروس اور طریقِ افتا سے طالب علم اور اس وقت کے عوام مطمئن تھے لیکن خود شاہ صاحب مطمئن نہ تھے۔ جس چشمہ سے عام دنیا سیرابی حاصل کر رہی ہے وہ چشمہ خود اپنی سوتوں میں تشنگی اور خشک سالی محسوس کر رہا تھا، جامد اور تقلید مزاج طبائع اپنی رسائی اور فہم کے لحاظ سے سمجھ رہے تھے فقہ حنفی اور اس کے مصالح کی ترجمانی کا حق صحیح طور پر ادا ہو رہا ہے لیکن علم و تفقہ اور حکمت و مصالح کا یہ ترجمان دل ہی دل میں محسوس کر رہا تھا کہ جب مذاہبِ مجتہدین اسلام کی ترجمانی ہے اور ائمہ فقہ کا ماخذ قرآن اور سنت ہے تو بعض تعبیرات کو کلیتاً کیوں ترک کیا جائے اور بعض پر قناعت کیوں کی جائے؟ اگر کسی موسم اور کسی ملک میں ایک تعبیر اسلامی مصالح اور دینی مقاصد کے چوکھٹے میں پوری سازگار آ سکے تو بالکل ممکن ہے کہ دوسری تعبیر دوسرے ماحول میں اس سے بھی زیادہ سازگار آئے، نبوت جب ختم ہو چکی ہے تو صرف ترجمانی اور تعبیر کو کیوں نبوت کی طرح واجبی اور دوامی حیثیت دی جائے؟ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ دین کے خادم ہیں اور اسلام کے ترجمان۔ دین ان کا دستِ نگر اور خادم نہیں کہ ان کے ارشادات اور احکام کے لیے ہر وقت چشم براہ رہے۔

فقہا کی عرصہ سے یہ حالت تھی کہ وہ اس اسمی اور فقہی تقلید کو واجب اور فرض سمجھتے تھے، اس کی مزعومہ حیثیت کی بنا پر اکفار و تکفیر اور ایک دوسرے کی اقتدا سے حتمی طور پر روکا جاتا تھا۔ یہ سوتیلی ماں کا معاملہ ایک دانشمند کے لیے موجبِ حیرت تھا، شافعی حنفی ہو تو سزا پائے اور حنفی شافعی ہو تو خلعت ملے، یہ کیسی حق پروری ہے؟

یہ عجیب وطیرہ تھا کہ علما کے اقوال و ارشادات اور نصوصِ کتاب و سنت میں جب اختلاف اور تعارض ہو تو تاویل اور توڑ پھوڑ نصوص کا حصہ تھا اور اپنی جگہ پر قائم رہنا ائمہ کی فقہیات کا حق تھا، اور پھر دعویٰ یہ تھا کہ اصل مطاع نبوت ہے اجتہاد نہیں! یہ دو

عملی اور تضاد حضرت شاہ صاحب جیسے دور اندیش، معاملہ فہم فقیہ کے لیے کیسے اطمینان کا موجب ہوسکتا تھا؟

اس لیے ظاہر ہے کہ جمود پیشہ اور قاصر النظر دنیا کی سیرابی اور اطمینان کے اسباب و دواعی ایک بالغ النظر اور تجدیدی ذہن کے لیے کبھی اطمینان کا موجب نہیں ہوسکتے تھے، اس لیے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تشنگی فطری اور قدرتی تھی۔

پھر جمود اور استعدادِ اجتہاد کا فقدان فقہائے احناف سے مخصوص نہ تھا بلکہ تقلید کے مزاج کا تقاضا تھا کہ وسعتِ نظر اور دقت سے ممکن طور پر اجتناب کیا جائے، دلائل کی چھان پھٹک کے مشغلہ سے بچ کر رجال اور ان کے اقوال کے سہارے پر زندہ رہنے کی کوشش کی جائے۔

جس طبیعت کا خمیر تجدید اور اجتہاد سے اٹھایا گیا ہو، جہاں حکم اور مصالح ذوق میں سمو دیے گئے ہوں، جس شخص نے اسرارِ شریعت اور دین کی حکمتوں میں رازی اور غزالی سے سبقت حاصل فرمائی ہو، ابن حزم اور عز بن عبدالسلام جیسے فحول ائمہ پر تنقیدی تبصرے کیے ہوں وہ توضیح اور کشف الاسرار پر کیسے مطمئن ہوسکتا تھا؟ اصول فقہ اور فقہ کے متعارض اور متصادم اصول اور جزئیات اسے کیسے مطمئن کر سکتے تھے؟

ظاہر پرستی کا مرض:

حافظ ابن حزم اور امام داود ظاہری رحمہما اللہ نے قیاس کی ان بھول بھلیوں سے تنگ آ کر اس کی حجیت سے انکار کر دیا اور اسی تلاش میں نکلے کہ صرف کتاب وسنت پر کفایت کریں۔ یہ راستہ اس لحاظ سے بے خطر تھا کہ اس میں اپنی ذمہ داریاں کم ہوجاتی ہیں، تاویلات اور قیاسات کی دوڑ دھوپ سے تھکنے یا ہار جانے کی نوبت نہیں آتی، جب دین میں مدار نقل پر ہے تو نقل پر انسان کو مطمئن ہوجانا چاہیے، اگر عقل بالفرض قاصر ہے تو حرج نہیں، اصل تو نقل ہی ہے، جب قرآن اور سنت میں ایک حکم مل گیا تو اب عقل

اور نظائر کی تلاش چنداں ضروری نہ تھی، نہ عقل کی موافقت کی شرط ہی، اس لیے اپنی طرف سے نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ اس خطرے کو خریدنے میں کوئی فائدہ ہی۔

لیکن معلوم ہے کہ نصوص کا ذخیرہ محدود ہے، سنن ثابتہ چند ہزار کے پس و پیش ہوں گی اور قرآن عزیز کی ایک سو چودہ سورتوں میں آیاتِ احکام کی تعداد معمولی ہے لیکن حوادث کا سلسلہ غیر محدود ہے۔ جب تک دنیا فنا کی حدود تک نہ پہنچ جائے واقعات اور حوادث ہوتے رہیں گے، ان غیر محدود واقعات کے متعلق ان محدود نصوص میں صریح احکام کیسے مل سکتے تھے؟ اس لیے ظاہریت کی راہ بالآخر تکلفات کی راہ بن گئی اور عملی زندگی میں زیادہ دور تک نہ جا سکی، اور ملتے جلتے نظائر سے حکم میں فرق اور تفاوت معقول اور پسندیدہ راہ نہ شمار کی جا سکی، اس لیے اگر ظاہری مکتبِ فکر ایک لحاظ سے بے خطر تھا تو دوسرے نقطۂ نظر سے بے کار بلکہ بسا اوقات مضحکہ خیز بھی ہو گیا۔

قیاس اور تفقہ کی راہ:

عملی زندگی میں آگے بڑھنے اور اسے آگے بڑھانے کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ نظائر اور ان کے احکام میں آہنگی پیدا کی جائے، شارع حکیم کے احکام کے وجوہ اور اسباب پر غور کیا جائے۔ ان مصالح کا بغور مطالعہ کیا جائے جن کی بنا پر شارع حکیم نے یہ احکام نافذ فرمائے۔ اور قرآن عزیز نے جب قدم قدم پر عقل و فہم کو مخاطب فرمایا ہے، توحید و نبوت اور معاد کے دلائل کے تذکرہ میں عقل، لب اور نہیٰ کے استعمال کی تلقین کی گئی ہے تو اسے معطل کیوں چھوڑا جائے؟

﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [الزمر: ۱۷، ۱۸]

”وہ لوگ بشارت کے مستحق ہیں جو گفتگو سن کر اس کے حسن و قبح میں تمیز کرتے ہیں، اچھی باتوں کو قبول کرتے ہیں، یہی لوگ اللہ سے ہدایت کے

مستحق ہیں اور یہی عقلمند کہلانے کے حق دار۔"

اس میں عقلمند اور معاملہ فہم لوگوں کی تعریف فرمائی گئی ہے، ملتے جلتے مسائل میں توازن قیاسِ صحیح کا نتیجہ اور عقل کا واجبی تقاضا ہے۔

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ [الشوریٰ: ۱۷]

"اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا اور اس کے ساتھ میزان کو بھی اُتارا۔"

جس میزان کا تعلق کتاب کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اتری ہے یہ ترازو وہ نہیں جو مادی اور جسمانی چیزوں میں توازن کے لیے بنائی گئی ہے، اس سے مراد وہی میزان ہے جو کتاب کے فہم اور ادلہ شرعیہ میں جس سے بصیرت ہوتی ہے، جس سے مختلف نظائر کے حکم میں توازن ہوتا ہے، اس کا فقہی اور اصطلاحی نام قیاس سمجھ لینا چاہیے لیکن حقیقت میں وہ میزان ہے۔

اس لیے نہ قیاس کی ضرورت سے انکار کیا جا سکتا ہے نہ اپنے مقام پر اس کی حجیت اور افادیت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ائمہ حدیث ظواہر حدیث کے ساتھ پوری عقیدت، الفاظِ اور ان کے لغوی معانی کے ساتھ پورے اعتنا کے باوجود قیاس کو شرعی حجت سمجھتے ہیں اور ان قیاسی ادلہ سے پوری طرح استفادہ کے قائل ہیں۔ ان اصول کے احتوا اور ممکن عموم اور ہمہ گیری کے معترف ہیں لیکن نصوص شرعیہ کو ان اصول پر قربان نہیں کرتے۔ جس کی بعض مثالیں ان گزارشات میں مذکور ہو رہی ہیں، عام فقہا اور خصوصاً فقہاءِ حنفیہ سے اس معاملہ میں کچھ مسامحات ہوئی ہیں رحمھم اللہ۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اصل بے چینی یہی ہے، بعض جگہ اصول نصوص سے ٹکرا گئے ہیں اور بعض جگہ اصول کی جامعیت اور اس کے طرد و عکس میں خلل واقع ہوا ہے، جہاں اصول کی جامعیت نے دل کی گہرائیوں میں جگہ لی اور نظائر کو اس پیمانہ سے ناپنا شروع کیا دیکھتے ہی دیکھتے پیمانہ ریزہ ریزہ ہو گیا، نظائر کا حکم باہم ٹکرا گیا اور اصول پاش پاش ہو گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمالیجیے۔

1 صحیح بخاری میں ہے:

"كانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف."①

(عمدة القاري: ٢/ ٧٥٦، فتح الباري: ١/ ٣٨٦ طبع هند)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر نماز پڑھاتا تھا۔"

ابن سیرین، حسن بصری، حکم، عطا قرآن سے نماز میں قراءت جائز سمجھتے تھے۔② حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پیچھے سامع کے ہاتھ میں قرآن ہوتا وہ انھیں لقمہ دیتے۔③ امام مالک تراویح میں اسے جائز سمجھتے ہیں۔④

حافظ عینی فرماتے ہیں:

"قلت: القراءة من مصحف في الصلوٰة مفسدة عند أبي حنيفة لأنه عمل كثير، وعند أبي يوسف و محمد يجوز لأن النظر في المصحف عبادة لكنه يكره لما فيه من التشبه بأهل الكتاب." اھ

(عمدة القاري: ٢/ ٧٥٧)

"نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک

---

① صحيح البخاري، كتاب الجماعة والإمامة، باب إمامة العبد والمولىٰ (١/ ٢٤٥) امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ بالا اثر معلق ذکر کیا ہے لیکن اسے امام عبدالرزاق (المصنف: ٢/ ٣٩٤) ابن ابی شیبہ (٢/ ١٢٣) بیہقی (٢/ ٢٥٣) امام ابن ابی داود (المصاحف، ص: ٧٦٦) اور حافظ ابن حجر (التغليق: ٢/ ٢٩١) نے متصل بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "وهو أثر صحيح" (تغليق التعليق: ٢/ ٢٩١)

② امام ابن سیرین، حسن بصری، حکم اور عطاء رحمہم اللہ سے یہ آثار صحیح و حسن اسانید کے ساتھ ثابت ہیں۔ دیکھیں: كتاب المصاحف لابن أبي شيبة (٢/ ١٢٣)

③ صحيح. مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ١٢٣)

④ صحيح. كتاب المصاحف لابن أبي داود (ص: ٧٢١) امام مالک رحمہ اللہ تراویح میں بوقت ضرورت اسے جائز سمجھتے ہیں۔

نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے جس سے خشوع اور نماز کی ہیئت بگڑ جاتی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں قرآن میں دیکھنا عبادت ہے اس لیے نماز درست ہے لیکن مکروہ ہوگی کیونکہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے، وہ کتاب سے دیکھ کر ہی نماز پڑھتے ہیں۔"

"إمام قرأ في المصحف فصلوته فاسدة، قال أبو يوسف و محمد: تامة، ويكره." اھ (جامع صغير للإمام محمد، ص: ١٥ طبع مصر)

"حضرت امام صاحب کے نزدیک قرآن دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی، امام محمد اور ابو یوسف کے نزدیک مکمل ہوگی لیکن مکروہ۔"

حضرت عائشہ اور اکابر ائمہ تابعین کے عمل کے باوجود دل مانتا ہے کہ مصحف میں پڑھنا ٹھیک نہیں، یہ واقعی عملِ کثیر ہے (عمل کثیر کی کچھ حد ہو!) اوراق کی الٹ پلٹ اور صفحات کی طرف توجہ اور حفاظت سے واقعی نماز کی طرف صحیح اور مناسب توجہ نہیں رہے گی، اس لیے مناسب یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے یہ تکلف نہ کیا جائے اور حفظ سے پڑھا جائے۔

اہل کتاب سے تشابہ کی وجہ تو سمجھ میں نہیں آتی، اگر یہ شرعاً درست ہے تو تشابہ کیا ہوا؟ اور جب آپ پڑھنا شروع کر دیں گے تو پھر اہل کتاب کا آپ سے تشابہ ہو جائے گا۔

تاہم دوسرے نمبر پر یہ وجہ بھی مان لی جائے تو اس سے دو اصل سمجھ میں آتے ہیں:

1. نماز میں عمل کثیر نہیں ہونا چاہیے، نماز سے توجہ ہٹ جائے گی۔
2. غیر مسلم قوموں کے ساتھ تشبیہ سے بچنا چاہیے۔

اب دوسرا نکتہ سنیے...!

"لو نظر المصلي إلى المصحف، وقرأ منه فسدت صلاته، لا إلى فرج امرأة بشهوة كان الأول تعليم و تعلم فيها، لا الثاني." اھ

(الأشباه والنظائر، ص: ٤٣٤، مطبوعه هند)

”اگر نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھے تو نماز فاسد ہوگی لیکن اگر عورت کی شرمگاہ جنسی جذبے کے ساتھ دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ پہلی صورت درس و تدریس کی ہے، شرمگاہ دیکھنے سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا۔“

اب اس عقل پروری اور تفقہ نوازی کو کون سمجھے؟ جہاں قرآن دیکھنے سے خشوع ٹوٹے اور عمل کثیر ہو اور شرم گاہ کی طرف جنسی جذبات کے ساتھ توجہ نماز پر کوئی اثر ہی نہ ڈالے!!

کچھ شک نہیں جب علماء بحث و مناظرہ کے موڈ میں آ جائیں تو بھیڑیا حلال کر سکتے ہیں، مرغی حرام فرما سکتے ہیں مگر عقل سلیم اور میزانِ اعتدال تو موشگافیوں اور نکتہ نوازیوں کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس لیے محدثین نے قیاس کی حجیت کے باوجود اس دو عملی سے بچنے کے لیے پوری احتیاط سے کام لیا ہے۔

ہمارے حضرات احناف کی ایک قسم بریلی سے نمودار ہوئی ہے، ان کی عمر قریباً ساٹھ ستر سال کے پس و پیش ہوگی، یہ حضرات اسلام کے مدنی ڈھانچہ کے حصہ عقائد میں بڑی اہم اور دور رس ترمیمات چاہتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے مدنی عقائد بریلی، لاہور، لائل پور کے تابع بنوا لیے جائیں۔

ان حضرات کی نظر سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ملفوظات حصہ دوم (جو صراط مستقیم کے نام سے مشہور ہے) کی اس بات پر پڑی کہ گاؤخر کے تصور سے نماز میں خشوع پر اتنا اثر نہیں پڑتا لیکن آنحضرت ﷺ کے تصور سے خشوع زیادہ مجروح ہوتا ہے۔ ❶

عنوان یا تعبیر کچھ ہو بات صحیح اور درست تھی کہ محبوب اور پسندیدہ چیز کے تصور سے طبیعت کے رجحان اور خشوع پر زیادہ اثر پڑے گا، گاؤخر جیسی معمولی اور حقیر چیز کے تصور سے نماز اور خشوع پر وہ اثر نہیں پڑے گا۔ بات پتے کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ محبت اور والہانہ تعلق جب توحید کی سرمستیوں سے ٹکرائے تو اس سے بچنا بڑی دانشمندی ہے، نہ تو نبوت کی بلندیوں کو گاؤخر کی حقارتوں سے ہم آہنگ ہونے دیا جائے، نہ نماز کے معراج اور

---

❶ صراط مستقیم (ص: ۱۱۸) ادارہ نشریات اسلام لاہور

اس مکالمہ الٰہیہ کے ذوق میں کسی دوسرے محبوب کو اشتراک کا موقع ہی دیا جائے۔

مسئلہ درست تھا۔ اگر تعبیر ناپسند تھی تو اسے بدل دیا جاتا۔ مولانا عبدالحی بڈہانوی کا ترجمہ وحی نہیں تھا لیکن یہاں کوئی پرانا بغض تھا جسے نکالنا ضروری سمجھا گیا۔ سید احمد کا ارشاد اور مولانا عبدالحی بڈہانوی کا ترجمہ دونوں حضرت شاہ اسماعیل شہید کے نام لگا دیے گئے اور فتووں کی مشین تان دی گئی، اور کفر کے انبار بالاکوٹ کے میدان میں دریائے منہار کے کناروں پر انڈیل دیے گئے، جنھیں خونِ شہادت کے چند قطروں نے دریائے منہار کے سپرد کر دیا اور شہداء کی طہارت ان نجس اور غلیظ فتوؤں سے متاثر نہ ہو سکی۔

سراسیمگی اور شوریدہ سری کی کوئی حد ہے کہ سید شہید کے ملفوظات اور مولانا عبدالحی کا ترجمہ دونوں بچارے شاہ اسماعیل کے نام پر الاٹ کر دیے گے اور درس و افتا کی مسندیں شہیدِ حق کے کیڑے نکالنے میں مشغول ہو گئیں جو ان کے درجات کی رفعت کا موجب ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

سید شہید رحمہ اللہ نے نماز کی سرگوشیوں میں آنحضرت ﷺ کے مقام کی رفعت اور گاؤخر کی حقارت انگیزیوں میں اگر امتیاز فرما کر نماز کی روحانی کیفیتوں کو شرک کی غلاظتوں سے پاک و صاف رکھنے کی تلقین فرمائی تو وہ کافر ہوئے، اس لیے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے محبت فرماتے ہیں، آپ کی فقہی موشگافیوں نے تحریم نماز میں مصحف کے تقدس کو شرمگاہ کی عریانی اور انسانی کمزوریوں کے جنسی شہوت سے قرآن عزیز کو شکست دے دی، یعنی قرآن سے پڑھنا نماز کے لیے ناقص ٹھہرا اور شرمگاہ کی زیارت آپ کے خشوع میں کوئی خلل نہ پیدا کر سکی۔ إنا للہ.... آپ کا ایمان سلامت رہا اور آپ بالکل تازے اہل سنت و جماعت ہو گئے اور شہدائے بالاکوٹ شہادت اور قربانی کے باوجود کافر ہی رہے ؎

من کان هذا القدر مبلغ علمه
فلیستتر بالصمت والکتمان ①

---

① جس کا مبلغِ علم اسی قدر ہو اسے خاموشی ہی زیبا ہے۔

اگر فقہاءِ بریلی کا اندازِ فکر یہی رہا تو یہ قافلہ چند دن کا مہمان سمجھنا چاہیے۔ بریلی، بدایوں، مارہر، لاہور، لائل پور، کوئی مقام اور کوئی نسبت ایسے لوگوں کے لیے زندگی کی کفیل نہیں ہوسکتی۔ پاکستان میں جہالت کا یہ دور اور علم فروشی کا یہ بازار ان شاء اللہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا، آپ ہی سوچیں اس پون صدی کی کفر نوازی سے آخر اسلام کو کیا فائدہ پہنچا؟ ملک کہاں تک سر بلند ہوا؟ دین اور سیاست میں آپ کو کونسا مقام ملا؟ آپ نے اہل توحید کو مشقِ ستم کے لیے انتخاب فرمایا اور وہ شرافت سے سر جھکا کر کھڑے ہوگئے اور آپ نے مظالم کی مشق ان مساکین پر فرمالی۔ ہوا کیا؟ ـــ

ہمہ آہواں دشتی سر خود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد ①

۲ ظن کو فیصلوں میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، شریعت نے بیسیوں مقامات میں قرائن سے فیصلہ کیا کہ بچے کے الحاق میں اور لقیط کو ورثا کے ساتھ ملانے میں قیافہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسامہ بن زید کے متعلق قیافہ اور اس کے ماہرین کی رائے پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔② بعض فقہا نے اس قرینہ کا اس لیے انکار فرمایا کہ اس میں ظن اور تخمین پر فیصلہ کیا گیا ہے۔ اپنی جگہ یقین کو بڑی اہمیت حاصل ہے، یقین کے بالمقابل ظن کو کوئی وقعت حاصل نہیں۔ ﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ [يونس: ٣٦]

لیکن بعض فقہا نے ان قرائن کو نظر انداز کر دیا کیونکہ یہ ظنی ہیں لیکن جب ظن کے قبول کا رجحان ذہن میں آیا تو کمال کر دی، شکوک واوہام کو یقین کا مقام دے دیا۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قال بعض الفقهاء: ومن العجب إنكار لحوق النسب بالقافة التي اعتبرها رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ وعمل بها الصحابة من بعده، وحكم بها عمر بن الخطاب ـرضي الله

---

① جنگل کے تمام ہرن اس امید پر کہ کسی دن شکار کا خواہشمند آئے گا، اپنا سر ہتھیلی پر رکھے پھرتے ہیں۔

② صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٥٥٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٥٩)

عنه، وإلحاق النسب في مسألة من تزوج بأقصى المغرب امرأة بأقصى المشرق، وبينهما مسافة سنين، ثم جاءت بعد العقد بأكثر من ستة أشهر بولد.“ ①

”آنحضرت ﷺ صحابہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیافہ کو اثباتِ نسب میں معتبر سمجھا، لیکن بعض فقہا نے اس کا انکار کر دیا اور اقصیٰ مغرب میں ایک آدمی اس عورت سے نکاح کرے جو اقصیٰ مشرق میں ہے، چھ ماہ کے بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہو تو یہ حضرات اس کے نسب کو صحیح سمجھتے ہیں!“

یہ قیاس کا عجیب کرشمہ ہے، مستند قرائن کا انکار کر دیا گیا اور اوہام وظنون کی بنا پر نسبت ثابت کر دی اور بچہ ثابت النسب قرار پا گیا۔ یہ اوہام تو قابل اعتماد قرار پائے اور قیافہ کی وجہ سے خبر واحد کے پورے ذخیرہ پر عتاب فرمایا گیا کہ وہ ظنی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس غیر معتدل طریقِ فکر پر کیسے مطمئن ہوتے؟

۳ علمائے اصول نے ایک قاعدہ بیان فرمایا:

”الخاص لا يحتمل البيان“ ②

اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ خاص کا مفہوم چونکہ واضح اور بین ہوتا ہے اس لیے اسے بیرونی تشریح اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی قانون کی روشنی میں کئی مواقع میں شوافع پر حجت قائم کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ ہمارا موقف صحیح ہے اور شافعی غلطی پر ہیں بلکہ اگر کہیں صحیح حدیث بھی اس قانون سے ٹکرا گئی تو حدیث کو نظر انداز کر دیا گیا اور اس قانون کی آبرو رکھ لی گئی۔

قرآن عزیز میں ارشاد ہے:

---

① الطرق الحكمية في السياسة الشرعية لابن القيم (ص: ١٤)

② حسامی (ص: ١٠) نور الأنوار (ص: ١٥) كشف الأسرار، التلويح على التوضيح (ص: ٣٤) [مؤلف]

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ﴾ [الحج: ٧٧]

"اے ایمان والو! رکوع اور سجود کرو اور اللہ کی عبادت کرو۔"

فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ رکوع کے معنی جھکنا ہے، سجود کے معنی زمین پر سر رکھنا۔ اگر کوئی شخص ذرا جھک جائے یا زمین پر سر رکھ لے تو نماز ہو جائے گی، گو رکوع اور سجود میں اطمینان اور اعتدال حاصل نہ ہو۔ شوافع اطمینان اور اعتدال کو فرض سمجھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ جس طرح نماز میں رکوع اور سجود ضروری ہے ٹھیک اسی طرح شرعاً نماز میں طمانیت اور سکون بھی ضروری ہے، اگر ان ارکان میں اعتدال نہ ہو تو شوافع اور ائمہ حدیث کے نزدیک نماز نہیں ہوگی۔

احناف فرماتے ہیں نماز ہو جائے گی کیونکہ رکوع اور سجود کا لغوی معنی ثابت ہو گیا، اس لیے شوافع کا خیال غلط ہے، خاص کو کسی بیان اور خارجی تشریح کی ضرورت نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے نماز پڑھی، اس نے رکوع و سجود اطمینان سے نہیں کیا، آنحضرت ﷺ نے اسے تین دفعہ فرمایا:

"فصل فإنك لم تصل." ❶ (تم نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی)

یعنی شرعاً تمھاری نماز کا کوئی وجود نہیں۔ اسی حدیث کی بنا پر اہل حدیث اور شوافع وغیرہم کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر رکوع اور سجود میں اطمینان نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ احناف فرماتے ہیں رکوع اور سجود کا معنی معلوم ہو جانے کے بعد ہم حدیث کی تشریح اور نماز کی نفی قبول نہیں کرتے۔

قرآن کی عظمت:

اسی اصل کی حمایت میں یہ عذر فرمایا گیا کہ اگر شوافع کے مسلک یا حدیث پر یقین کرتے ہوئے یہ مان لیا جائے کہ نماز میں اطمینان فرض ہے تو یہ قرآن پر زیادتی ہوگی

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٢٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٩٧)

جو نسخ کے مترادف ہے۔ جب قرآن عزیز نے خاص الفاظ سے ایک حقیقت کا اظہار فرما دیا اس پر زیادتی کسی طرح درست نہیں، ایسا کرنا یا سمجھنا قرآن عزیز کی عظمت اور اس کی رفعتِ شان کے منافی ہے۔

قرآن کی عظمت واقعی ضروری ہے لیکن اس آڑ میں مقام نبوت کا تعطل ہو جائے، پیغمبر کو یہ بھی حق نہ رہے کہ وہ قرآن عزیز کے مفہوم کی تعیین فرمائیں، کسی عمل کی شرعی ہیئت کا اظہار یا کوئی ایسا حکم جس سے قرآن عزیز نے سکوت فرمایا ہو، آنحضرت ﷺ بھی اسے بیان نہ فرما سکیں، خود صاحبِ وحی بھی اپنی وحی کا مطلب بیان نہ فرما سکیں، مجتہد اور فقیہ، عالم اور صوفی تو اپنے خیال سے اپنی استعداد کے مطابق قرآن کا مطلب بیان فرما لیں مگر آنحضرت ﷺ کو روک دیا جائے کہ آپ قرآن کے متعلق کچھ نہیں فرما سکتے، یہ عجیب ہے۔

آخر یہ اصول بھی تو قرآن فہمی ہی کے لیے بنائے گئے اور ان کے بنانے میں بقول صاحب کشف الظنون (ص: ۸۹) زیادہ کوشش معتزلہ اور اہل حدیث نے کی۔ ان کا احترام تو اس قدر رکھا کہ حدیث بھی ان کے ہوتے ہوئے نظر انداز فرما دی گئی اور نصوص نبویہ کے لیے یہ گنجائش بھی نہ رکھی گئی کہ وہ قرآن عزیز کی وضاحت فرما سکیں، حالانکہ قرآن عزیز یہ مقام آنحضرت ﷺ کے لیے ذمہ داری کے طور پر متعین فرماتا ہے:

① ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [النحل: ٤٤]

”ہم نے ذکر تم پر اس لیے اتارا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے واضح فرمائیں اور یہ لوگ اسی پر سوچیں۔“

② ﴿وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ [النحل: ٦٤]

> ’’اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے اتاری کہ آپ ان کے باہم اختلافات کو واضح فرمائیں اور یہ کتاب اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔‘‘

ان دونوں آیات میں تبیین اور اظہار آنحضرت ﷺ کی ذمہ داری قرار پایا ہے جس سے آنحضرت ﷺ کسی طرح بھی صرفِ نظر نہیں فرما سکتے۔

③ سورہ مائدہ میں اہل کتاب کو بھی آنحضرت ﷺ کے بیان کی طرف دعوت دی:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [المائدہ: ۱۵]

> ’’اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارے رسول اس لیے تشریف لائے کہ وہ تمھاری چھپائی ہوئی چیزوں کی وضاحت فرمائیں۔‘‘

تعجب ہے کہ جس بیان کے سامنے اہل کتاب کو بھی انقیاد کی دعوت دی جا رہی ہے مسلمان ان سے محروم ہونے کی اس لیے کوشش فرماتے ہیں کہ اربابِ اعتزال کے طے فرمودہ قوانین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے، حدیث رہے یا نہ رہے، اصول اور ان کی پختگی میں کمی نہ آنے پائے!!

④ پھر یہ ذمہ داری تمام انبیاء علیہم السلام پر ڈالی گئی:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ [إبراهيم: ٤]

> ’’ہم نے ہر نبی کو اس کی مادری زبان میں اس لیے مخاطب فرمایا کہ وہ پوری وضاحت کر سکے، پھر ہدایت اور گمراہی اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزیز اور حکیم ہے۔‘‘

⑤ پھر پیغمبر کے اس بیان کو اپنا بیان قرار دیا تاکہ خالق اور مخلوق کی مغایرت کا اثر

بیان پر مرتب نہ ہو۔ فرمایا:

﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ [القيامة: ١٨، ١٩]

”تم ہمارے ارشاد کے مطابق قرآن کو پڑھو، پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔“

پیغمبر ﷺ خدا کے حکم کے مطابق احکام کی وضاحت فرمائیں لیکن وہ بیان ہمارے خود ساختہ اصول کے ہم پلہ نہ ہو سکے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ عجیب تھا۔ اس لیے حجة الله، الخير الكثير، تفهيمات، مصفى، مسوىٰ، عقد الجيد، الإنصاف وغیرہ میں اسے بار بار دہرایا اور مختلف طرق سے اس فقہی جمود کو توڑنے کی کوشش فرمائی۔ اور احتجاج فرمایا کہ سنت کے ساتھ یہ بے انصافی اور ترجیحی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ بڑا ہی نا مناسب ہے کہ غیر معصوم انسانوں کے بنائے ہوئے اصول تو دین کی اساس قرار پائیں اور سنت، جو فی الحقیقت وحی اور دین کی بنیاد ہے، وہ ان مصنوعی اصول کے سامنے یتیم اور لاوارث قرار پائے، اور سنت سے ایسا سلوک وہ لوگ کریں جو آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں!

حدیث کی صحت:

حدیث کی صحت یا ضعف کا مسئلہ اس وقت خارج از بحث ہے، اس لیے کہ ان اصول کی حکومت کے سامنے حدیث، صحیح ہو یا ضعیف، بے بس ہے۔ ویسے تو ہمیں بتایا گیا ہے کہ حدیث ضعیف بھی ہو تو وہ قیاس سے مقدم ہے اور اس کے لیے اصول فقہ کے دفاتر میں حدیثِ قہقہہ① کے انداز کی شاید ایک دو مثالیں بھی مل جائیں۔ دراصل حضرات فقہائے عراق خصوصاً أتباع قاضی عیسیٰ بن ابان سنت سے ویسے ہی کچھ ناراض

---

① اس سے مراد وہ حدیث ہے کہ جس شخص نے نماز میں قہقہہ لگایا تو وہ وضو اور نماز کو دہرائے۔ اس معنی کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں:

سنن الدارقطني (٥٩۔٦٤) نصب الراية (١/ ٤٧) إرواء الغليل (٢/ ١١٧)

ہیں، وہ رائے کے دروازوں کو کھلا رکھنا چاہتے ہیں، سنت کے ابواب بند ہوتے ہیں تو ہولیں۔ اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ جیسا بیدار مغز، معاملہ فہم، دور اندیش، تجدیدی ذہن رکھنے والا آدمی پورے ماحول کی اس نامناسب کیفیت پر کیسے مطمئن ہوسکتا تھا؟

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اصول فقہ کے ان نظریات پر اپنی تصانیف میں جا بجا تنقید فرمائی، اور یہی تنقید اس وقت ان ذہین لوگوں کے سامنے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جو اہل حدیث یا سلفی کہلاتے ہیں۔

اس تحریک کا قطعاً یہ مقصد نہیں کہ ائمہ کی مساعی بے کار ہیں یا ان کے علوم سے استفادہ ناجائز ہے، ان کے علوم اور اجتہادات پر تنقید زندگی کا کوئی اہم اور ضروری مشغلہ ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے اجتہادات اور جملہ مسائل کی حیثیت ایک علمی تحقیق یا مقدس محنت کی ہے، ان کا مقام علومِ نبوت کا مقام نہیں، جس طرح ان سے استفادہ اور ان کے سامنے انقیاد بشرطِ صحت درست ہے۔ اسی طرح کتاب وسنت کی روشنی میں ان پر تنقید بھی درست ہے اور ان سے صرفِ نظر بھی کیا جا سکتا ہے۔

تحقیق کی راہیں جس طرح ان کے لیے کھلی ہیں ان کے اُتباع اور تلامذہ کو بھی اجازت ہے کہ علم ونظر کی راہنمائی میں کتاب وسنت کی نصوص پر غور کریں اور مصالحِ وقت کے لحاظ سے ان پر عمل کریں، گو یہ تحقیق ان کی تحقیق سے مختلف بھی ہوجائے۔ تحقیق ونظر کے لیے علوم اور خلوصِ نیت کے بعد ضروری نہیں کہ مصطلح اجتہاد اور اس کے مفروضہ علوم بھی زیر نظر ہوں، یہ اصطلاح زمانۂ نبوت میں اس مفہوم سے موجود نہ تھی، اور یہ علوم اجتہاد بھی زمانہ نبوت سے صدیوں بعد موجود ہوئے، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے بھی یہ تمام علوم نہ پڑھے بلکہ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اس مصنوعی جال سے ہر ایک کو شکار کرنے کی کوشش نہ کی جائے، علم کو علم ہی کی راہ سے منوایا جائے، اسے فتویٰ یا حکومت یا اکثریت کے دباؤ سے نہ منوایا جائے۔

ایک اور مثال:

④ قرآن عزیز میں ارشاد ہے:

﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ [المزمل: ٢٠]

سورۂ مزمل میں رات کی نماز کا ذکر فرماتے ہوئے حکم فرمایا کہ تہجد میں قرآن کا جس قدر حصہ آسانی سے پڑھا جا سکے اسے ضرور پڑھو۔ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ما تیسر" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، جس طرح حدیث میں "ما تیسر" کا لفظ وارد ہوا ہے اسی طرح اس حدیث کے دوسرے طرق میں "ما تیسر" کی وضاحت "أم القرآن" سے کی گئی ہے۔① گویا جو تذکرہ قرآن عزیز میں "ما تیسر" کے لفظ سے ہوا تھا اسی کا دوسرا نام یا اس کی وضاحت "أم القرآن" سے فرمائی گئی ہے، اس لیے آپ امام ہوں یا مقتدی یا منفرد آپ کو سورۃ فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔ (جزء القراءة للبيهقي، ص: ٣، ٤)

فقہاءِ حنفیہ رحمہ اللہ کا خیال ہے فاتحہ کا تعین درست نہیں، چونکہ "القرآن" کا لفظ خاص ہے، اسے مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں، اس لیے فرض صرف قرآن ہوگا اور احادیث کی وضاحت قابل قبول نہ ہوگی۔

لیکن یہ پابندی قائم نہ رہ سکی۔ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ میں قراءت کی مقدار کا تعین بقدر ایک آیت یا تین آیت قیاس سے کیا گیا۔ پھر ﴿فَاقْرَءُوْا﴾ میں امام مقتدی منفرد سب شامل تھے، اسی سے مقتدی کو حدیث "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة"② (دارقطني) سے مستثنیٰ قرار دیا گیا، حالانکہ یہ حدیث بھی باتفاق

---

① صحیح. سنن أبي داود، رقم الحديث (٨٥٩) مسند أحمد (٤/ ٣٤٠) اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔

② ضعیف. سنن ابن ماجه (٨٥٠) مسند أحمد (٣/ ٣٣٩) سنن الدارقطني (١/ ٣٢٣) امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "هذا خبر لم يثبت عند أهل العلم من أهل الحجاز وأهل العراق وغيرهم لإرساله وانقطاعه" (تحفة الأنام في تخريج ←

ائمہ ضعیف ہے، اس کا کوئی طریق صحیح ثابت نہیں ہوسکا۔ اگر قراءت کے حکم سے مقتدی مستثنیٰ ہوسکتا ہے تو فاتحہ کا تعین بھی ہوسکتا تھا۔ اگر حدیث اپنے مسلک کی مؤید ہو تو اس سے قرآن کے مفہوم کی تعیین ہوسکتی ہے، اگر وہ کسی دوسرے مسلک کے لیے مفید ہو تو اس سے قرآن عزیز کے احترام کو نقصان پہنچتا ہے! یہ طریقِ بحث ونظر درست نہیں۔

ایک اور مثال:

۵ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ [البقرة: ۲۳۰]

یعنی تیسری طلاق کے بعد عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوسکتی جب تک کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرلے۔

آیت میں ﴿تَنْكِحَ﴾ کا فاعل ضمیر مؤنث ہے جو عورت سے تعبیر ہے، گویا نکاح ثانی کی ذمہ داری بلحاظ فاعل عورت پر رکھی گئی ہے، جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرے تین طلقات کے بعد وہ پہلے خاوند کی طرف رجوع نہیں کرسکتی۔

فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے اسے خاص سمجھ کر اس سے حصر کا فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بالغہ عورت نکاح کے معاملے میں مختار ہے، اسے ولی کی ضرورت نہیں، بالغہ ہونے کی صورت میں وہ جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، ولی اسے پابند نہیں کرسکتا اور حدیث:

"أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل باطل باطل."❶

(ترمذی: ۲/ ۱۷۵)

← جزء القراءة خلف الإمام للبخاري، ص: ۹۰) نیز اسی طرح دیگر ائمہ حدیث اور حفاظ کرام نے اس حدیث کو ضعیف ومعلول قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: إرواء الغليل (۲/ ۲۶۷) تحفة الأنام (ص: ۸۹)

❶ **صحيح.** سنن أبي داود، رقم الحديث (۲۰۸۳) سنن الترمذي، رقم الحديث (۱۱۰۲) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۱۸۷۹) اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور امام حاکم، ابن حبان اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: التلخيص الحبير (۳/ ۱۵۶) إرواء الغليل (۶/ ۲۴۳)

”جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل (تین بار) ہے۔“

اس حدیث سے ولی کی ضرورت ظاہر ہوتی ہے مگر آیت کے مقابل یہ حدیث قابل قبول نہیں، آیت اس تشریح کی محتاج نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نکاح کے انعقاد میں چار شخصیتوں کو دخل ہے: ناکح، منکوحہ، ولی، گواہ، لیکن حصر کی کوئی دلیل نہیں۔ ان چاروں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں کر سکتا، اپنے اپنے فرائض کے لحاظ سے سب پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر ”تنکح“ کی نسبت فاعلی کا اثر ولی پر پڑ سکتا ہے تو ناکح اور شاہدین پر بھی پڑنا چاہیے، عورت کو اس استدلال کے مطابق نکاح میں مختار مطلق ہونا چاہیے، نہ خاوند کی رضا کی ضرورت ہوگی نہ گواہ کی۔ حالانکہ قرآن عزیز میں نکاح کا فاعل کئی جگہ مردوں کو قرار دیا گیا:

① ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ [النساء: ٣]

”(اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے۔“

② ﴿اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾ [الأحزاب: ٤٩]

”جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں طلاق دے دو۔“

③ ﴿وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ [البقرة: ٢٢١]

”اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔“

④ ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ [الممتحنه: ١٠]

”اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کرلو، جب انھیں ان کے مہر دے دو۔“

⑤ ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ [النساء: ٢٥]

”تو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو اور انھیں ان کے مہر اچھے طریقے سے دو۔“

ان تمام آیات میں نکاح کا فاعل مردوں کو قرار دیا گیا ہے۔ فاعلیت سے حصر پر استدلال کیا جائے تو قرآن میں تعارض ہوگا، کہیں عورت کو مختار مطلق بنایا گیا ہے کہیں مرد کو۔ نکاح میں دو گواہ معاملے کے لحاظ سے بھی ضروری ہیں اور حدیث میں اس کی صراحت بھی موجود ہے۔① ﴿حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ کی تخصیص حدیثِ شہادت پر بھی اثر انداز ہونی چاہیے یا پھر ولی پر بھی اثر انداز نہیں ہونی چاہیے۔

پھر بالغہ کو تو اس آیت کی بنا پر مختار سمجھا گیا لیکن نابالغہ کو اس قدر بے بس کر دیا گیا کہ اس میں باپ اور دادا کی ولایت کو جبری قرار دیا اور اس بچاری مسکینہ سے خیار بلوغ کا حق بھی چھین لیا گیا، حالانکہ آیت میں بالغہ اور نابالغہ کی نہ تخصیص ہے نہ شرط۔ ایک اصل کی حمایت نے قرآن و سنت دونوں سے تعلق ڈھیلا کر دیا۔ اگر آیت میں عورت کو خصوصیت سے نکاح کا اختیار دیا گیا ہے تو نابالغہ کے استثنا کے لیے کونسی آیت آئی ہے؟ بلا وجہ ترجیح کے لیے کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

صاحب فصول الحواشی بڑی متانت سے فرماتے ہیں:

"ونحن تركنا الخبر الواحد بمقابلة الخاص من الكتاب." (ص: ٢٦)

''ہم نے قرآن حکیم کے خاص حکم بالمقابل خبر واحد (حدیث اشتراطِ ولی) کو چھوڑ دیا۔''

اور نابالغہ کے متعلق پھر اسی خبر واحد سے استفادہ فرما لیا گیا اور مرد کے قبول کو بھی مان لیا گیا، حالانکہ آیت "تنکح" میں مرد کی قبولیت کا بھی ذکر نہیں۔ اسی طرح گواہوں کی ضرورت بھی مان لی گئی حالانکہ آیت میں شہود کا بھی کوئی تذکرہ نہ تھا، اس آیت کا مقصد گویا فقط ولی کی ضرورت کو توڑنا تھا اور بس!

شاہ صاحب اس صورت حال پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے؟ جہاں اصول کا یہ حال ہو وہاں فروع تو بہر حال اسی پر متفرع ہوں گی۔

---

① **صحيح**. سنن الدارقطني (٣/ ٢٢٤) صحيح ابن حبان (٤٠٧٥)

ایک اور مثال:

٦ حرمتِ رضاع کے متعلق قرآن عزیز نے مطلقاً فرمایا:

﴿ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ ﴾ [النساء: ٢٣]

''تمھاری رضاعی مائیں بھی تم پر حرام ہیں۔''

احناف اور موالک فرماتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی اگر کسی کا دودھ پی لیا گیا ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی، قرآن عزیز نے رضاع میں کوئی مقدار معین نہیں فرمائی، اس لیے حرمت کے لیے ایک گھونٹ پینا اور دو سال پینا برابر ہے۔ ائمہ حدیث اور شوافع کا خیال ہے کہ حدیث میں خمس رضعات موجود ہے،❶ اگر اس سے کم دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ امام احمد کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے، اس سے قرآن کی تخصیص نہیں ہو سکتی، اس لیے حدیث سے صرفِ نظر کیا جائے گا اور قلیل و کثیر رضاع سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حالانکہ صورت اس طرح نہیں، اولاً یہاں تخصیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ قرآن عزیز کے اطلاق کے ساتھ قید لگائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں جو چیز مطلقاً مذکور ہے حدیث نے خمس رضعات سے اسے مقید فرما دیا۔

رہا خبر واحد کا مظنون ہونا تو یہ بھی کامیاب عذر نہیں، خود فقہائے حنفیہ نے قرآن عزیز کی تخصیص کئی مقام پر فرمائی ہے۔ فرضیتِ جمعہ کے لیے علی العموم سورۂ جمعہ کی آیت سے استدلال فرمایا گیا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ [الجمعه: ٩]

غلام، مسافر، عورت وغیرہ کا استثنا خبر واحد ہی سے عمل میں آیا ہے۔ مگر دیہات کو

---

❶ صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٥٢)

جمعہ سے مستثنیٰ کرنے کے لیے مرفوع روایت بھی میسر نہیں آ سکی، وہاں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر ہی سے قرآن عزیز کی تخصیص کا کام لے لیا گیا۔ ع

دراز دستی ایں کوتاہ آستیناں بیں ❶

شاہ صاحب سمجھتے تھے کہ ایسے ہی اصول، جن کی ساخت کے ساتھ ان کی شکست کی بنیاد بھی رکھ دی گئی ہو، دین کی بنیاد اور اجتہاد اور تفقہ کی اساس نہیں قرار پا سکتے، اور حضرات ائمۂ اصول اور فقہائے حنفیہ آیت کے اس احترام کو بھی قائم نہ رکھ سکے۔

معلوم ہے کہ آیت میں رضاع کی وجہ سے صرف ماں کی حرمت کا ذکر ہے، نصِ قرآن میں کسی دوسرے رشتہ کا ذکر نہیں لیکن حدیث شریف میں حضرت علی سے مروی ہے:

”إن اللّٰه حرم من الرضاع ما حرم من النسب.“ ❷ (ترمذي: ٢/ ١٩٧)

یعنی جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہوں گے۔

اس مقام پر آیت کی وضاحت میں مزید وسعت حدیث سے ہوئی۔ یہ زیادت خبر واحد کی بنا ہی پر کی گئی ہے۔ اسی طرح آیت میں مدتِ رضاع کا کوئی ذکر نہیں، کس عمر میں دودھ پیا جائے تو وہ حرمت میں مؤثر ہوگا؟ آیت اس میں خاموش ہے لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک وہی رضاعت مؤثر ہوگی جو بچے کی غذا بنے۔

حدیث شریف میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”لا يحرم من الرضاع إلا ما فتق الأمعاء، وكان قبل الفطام.“

هذا حديث حسن صحيح. ❸ (ترمذی مع التحفہ: ٢/ ٢٠١)

دو سال کے بعد رضاعت کا کوئی اثر نہیں، مدتِ رضاع کا تذکرہ قرآن میں نہیں،

---

❶ ان کوتاہ آستینوں کی دراز دستی دیکھ!

❷ **صحیح.** سنن الترمذي (١١٤٦) وقال الترمذي: ”حديث علي حسن صحيح“ نیز دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥٠٣) صحيح مسلم (١٤٤٤)

❸ **صحیح.** سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٥٢) صحيح ابن حبان (٤٢٢٤)

یہ صراحت سنت میں ہے۔ جو قاعدہ تعیینِ رضعات کے متعلق بنایا گیا تھا مدتِ رضاع اور باقی رضاعی رشتوں کی حرمت کے سلسلہ میں اسے توڑ دیا گیا۔ ماحول کتنا ہی مخدوش کیوں نہ ہو شاہ صاحب ایسے اصول پر کیسے مطمئن ہو سکتے تھے؟

اہل حدیث بھی ان علوم کو پڑھتے ہیں لیکن وہ سنت کے بالمقابل کسی اصل کو قابل قبول نہیں سمجھتے، جہاں قرآن اور سنت کسی امر کی صراحت کر دے وہاں کوئی اصل قبول نہیں کیا جا سکتا۔

اگر اصول فقہ کو طالب علمی کی صلاحیت سے پڑھا جائے تو واقعی اس کی گرفت سخت ہوتی ہے، اگر ذرا گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ اصول اس قدر وزنی نہیں رہتے۔ شاہ صاحب ایسے اصول کیسے قبول فرما سکتے ہیں؟ اسی لیے اُنھوں نے بڑی جرأت سے فرمایا کہ مجھے فقہا محدثین کی راہ پسند ہے اور یہی نصیحت انھوں نے اپنے تلامذہ اور اپنے متعلقین کو تلقین فرمائی۔ ❶

محدثین کی روش:

البتہ محدثین اور فقہاءِ عراق میں اتنا فرق تھا کہ وہ نصوص کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے، گو استنباط اور اجتہاد کے اصول اس کے ظاہر الفاظ کے خلاف فیصلہ کا تقاضا کریں۔ فقہاء عراق رحمہم اللہ کا خیال ہے اصول نظر انداز نہیں ہوں گے، چنانچہ اگر شراب کا سرکہ بنا لیا جائے تو یہ حلال ہی ہوگا اور ایسا کرنا درست بھی ہے، کیونکہ جب کسی چیز کی صورت ہی بدل جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے لیکن محدثین کا خیال ہے کہ سرکہ بنانا درست نہیں، اور اگر کوئی سرکہ بنا بھی لے تو حرمت بدستور قائم رہے گی، اس لیے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی، حدیث میں شراب سے سرکہ بنانے کی صراحتاً ممانعت آئی ہے۔ ❷

---

❶ دیکھیں: تفهيمات الهيه (٢/ ٢٤٠)

❷ صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٨٣)

مال مسروق کی صورت اگر بدل جائے، مثلاً غلہ اگر پیس دیا جائے یا جانور ذبح کر کے اس کا گوشت بنا دیا جائے تو فقہاء کرام کے نزدیک چور کے تمام تصرفات مالکانہ ہوں گے۔

فقہاءِ حدیث ان ظاہری تبدیلیوں کے باوجود سارق کے مالکانہ حقوق کو تسلیم فرماتے ہیں نہ اسے مزید تصرفات کی اجازت دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس مال میں گو بظاہر تبدیلی آ گئی ہے لیکن چور بدستور چور ہے، جب تک وصف موضوع معلوم اور ثابت ہے تصرفات کی بنا پر چور کو مالک نہیں کہہ سکتے۔

نص ﴿السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا﴾ [المائدۃ: ۳۸] کا مقصد یہ ہے کہ جب تک سارق سارق ہے مال مسروق ہے، اس کی خرید و فروخت جس طرح اس کی اصل صورت میں ممنوع ہے اسی طرح تبدیل شدہ صورت میں بھی اس میں تصرف شرعاً درست نہیں، بشرطیکہ سرقہ کا علم ہو۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ فقہاءِ عراق کے پاس اپنے مسلک کی حمایت کے لیے کوئی دلیل نہیں، انھوں نے ان مسائل کو درست ثابت کرنے کے لیے بڑے دلائل اور نظر و فکر کی گہرائیوں سے کام لیا ہے لیکن محدثین کا اندازِ فکر چونکہ بالکل مختلف ہے اس لیے وہ ان نکتہ نوازیوں پر مطمئن نہیں ہو سکے، وہ بدستور ان مسائل کو ظاہر سنت کے خلاف سمجھتے رہے، ان نکتہ آفرینیوں کو رائے سے تعبیر کرتے رہے اور اہل الرائے کے دلائل حدیث و سنت کے مقابلے میں ان کی تسلی نہ کر سکے۔ فقہا نے اپنے اصول کی حمایت کے لیے احادیث کو نظر انداز کر دیا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ضعاف اور موقوفات کو قبول کر لیا۔

فقہ الحدیث کے اصول:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ائمہ حدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ذکر فرمائے ہیں:

① جب قرآن میں کوئی حکم صراحتاً موجود ہو تو اہل حدیث کے نزدیک کسی دوسری چیز

کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔

۲ اگر قرآن میں تاویل کی گنجائش ہو، مختلف مطالب کا احتمال ہو تو سنت کا فیصلہ ناطق ہوگا، قرآن کا وہی مفہوم درست ہوگا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔

۳ اگر قرآن کسی حکم کے متعلق بالکل ہی خاموش ہو تو عمل سنت پر ہوگا، وہ سنت فقہا میں متعارف اور معلوم ہو یا کسی شہر کے ساتھ مخصوص یا کوئی خاص خاندان اسے روایت کرے، کسی نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو، ائمہ حدیث اسے قابل استناد سمجھیں گے۔

۴ جب کسی مسئلہ میں حدیث مل جائے تو کسی مجتہد اور امام کی پرواہ نہ کی جائے گی اور نہ کوئی اثر قابل قبول ہوگا۔

۵ جب پوری کوشش کے باوجود حدیث نہ ملے تو صحابہ اور تابعین کے ارشادات پر عمل کیا جائے گا اور اس میں کسی قوم اور شہر کی قید یا تخصیص نہیں ہوگی۔

۶ اگر جمہور فقہا اور خلفا متفق ہو جائیں تو اسے کافی سمجھا جائے گا۔

۷ اگر فقہا میں اختلاف ہو تو زیادہ متقی اور ضابط کی حدیث قبول کی جائے گی یا پھر جو روایت زیادہ مشہور ہو اسے لیا جائے گا۔

۸ اگر علم و فضل، ورع و تقویٰ اور حفظ و ضبط میں سب برابر ہیں تو اس مسئلہ میں متعدد اقوال تصور ہوں گے، جس پر جی چاہے عمل کرے، اس میں کوئی حرج نہیں، نہ اس میں کوئی ضیق پیدا کیا جائے۔

۹ اگر اس میں بھی تسکین بخش کامیابی نہ ہو تو قرآن و سنت کے عمومات اقتضا اور ارشادات پر غور کیا جائے گا اور مسئلہ زیر بحث کے نظائر کے حکم کو دیکھا جائے گا اور حکم استخراج کیا جائے گا، اصول فقہ کے مروجہ قواعد پر اعتماد نہ کیا جائے گا بلکہ طمانیتِ قلب اور ضمیر کے سکون پر اعتماد کیا جائے گا، جس طرح متواتر روایات میں

اصل چیز راویوں کی کثرت نہیں بلکہ اصل شے دل کا اطمینان اور سکون ہے۔

یہ نو (۹) اصول پہلے بزرگوں (صحابہ و تابعین) کے طریق کار سے ماخوذ ہیں۔

(حجة الله البالغة: ٢/ ١١٩)

اس وقت تحریک اہل حدیث:

ابتدائی چار سو سال تک تقلید شخصی اور جمود کم تھا، بلکہ پہلی صدی میں آج کی مروجہ تقلید کا رواج ہی نہیں تھا، اواخر صدی میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ پیدا ہوئے تھے، پھر بتدریج ائمہ کے مسالک کا رواج ہوتا گیا۔

اس وقت کے اہل حدیث علما کے سامنے اہم مسئلہ یہ تھا:

۱ لوگ قرآن عزیز اور سنت مطہرہ کی پابندی کریں۔

۲ اور ان کے سمجھنے میں اگر مشکل پیش آئے تو صحابہ اور تابعین کی روش پر اسے سمجھا جائے۔ فہم میں جمود اور تقلید پیدا ہو نہ آزادی اور آوارگی راہ پائے، بلکہ صحابہ کرام کے زمانہ اور ان کے فتووں میں وقت کے مصالح کی بنا پر وسعت قائم رہے۔ علما کے فتووں کو قرآن اور سنت کا قائم مقام نہ سمجھا جائے۔

حسن بن بشر رحمہ اللہ معافیٰ سے نقل فرماتے ہیں اور معافیٰ امام اوزاعی سے:

"قال: كتب عمر بن عبد العزيز: أنه لا رأي لأحد في كتاب الله، وإنما رأي الأئمة فيما لم ينزل فيه كتاب، ولم تمض به سنة من رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ ولا رأي لأحد في سنة سنها رسول الله ـصلى الله عليه وسلم." ① (سنن دارمي، ص: ٦)

"کتاب اللہ اور سنت رسول کے ہوتے ہوئے کسی شخص کی رائے کو کوئی اہمیت حاصل نہیں، ائمہ کی آراء اسی وقت قابل توجہ ہیں جب کتاب اللہ ہو

---

① **صحيح**. سنن الدارمي، رقم الحديث (٤٣٢) الإبانة لابن بطة (١٠٠) الشريعة للآجري (٥٩) جامع بيان العلم (١٣٠٧)

نہ سنت رسول اللہ ﷺ۔"

ایک دوسرا اثر ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خطبہ دیا:

> "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجا اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی، آنحضرت ﷺ کی زبان سے جو حلال ہے وہی حلال ہے اور جو آپ نے حرام ٹھہرا دیا وہی حرام ہے، یہ حکم تا قیامت ہے، میں خود قاضی نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے فیصلوں کو نافذ اور جاری کرتا ہوں، میں پہلوں کا متبع ہوں، میں خود کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرنا چاہتا، میں تم سے بہتر نہیں ہوں لیکن مجھ پر تم سے ذمہ داری اور بوجھ زیادہ ہے، اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت ضروری نہیں۔ کیا میں نے سنا دیا؟"①

ان آثار سے اس وقت کی ذہنی حالت کا پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت علما کے ذہن پر کیا خطرات محیط ہیں؟ اتباع سلف پر اعتماد کے ساتھ جامد پابندی اور آوارگی دونوں سے بچنا چاہتے ہیں، بدعت سے بھی پرہیز پیش نظر ہے اور اپنی حاکمانہ حیثیت سے بھی کوئی حکم منوانا پسند نہیں فرماتے۔ پوری توجہ اس طرف ہے کہ بدعت اور آوارگی نہ آنے پائے اور صداقت کی اشاعت جبر سے نہ ہو بلکہ ضمیر کی آواز اور محض اللہ کے لیے ہو۔

سنن دارمی کے ابتدائی ابواب پر غور فرمایئے:

> "باب اجتناب أهل الأهواء والبدع والخصومة، باب اجتناب الأهواء، فضل العلم والعلماء، باب التوبيخ لمن يطلب العلم لغير الله."

ان تمام ابواب اور سلف اہلِ علم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے بعد

---

① **صحيح**. سنن الدارمي (١/ ١٢٦) الطبقات الكبرى لابن سعد (٥/ ٢٥٠) المعرفة والتاريخ للفسوي (١/ ٥٧٤) المدخل إلى السنن الكبرى للبيهقي (١٩) تاريخ واسط (ص: ١٨٨)

ائمہ سلف کے طریق کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں، شخصی آرا و افکار اور تقلید جامد سے اذہان کو ہر قیمت پر آزاد رکھنا چاہتے ہیں لیکن اہل بدعت کی سی ذہنی آوارگی کسی قیمت پر بھی پسند نہیں کرتے۔ اس وقت کے علماءِ اہل حدیث کے سامنے چند کام تھے: احادیث نبویہ کا حفظ اور ضبط، احادیث میں تفقہ اور استنباط، بدعاتِ اعتقادیہ اور عملیہ سے کلیتًا پرہیز۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ائمہ حدیث کے مذہب کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

> ''علمائے محدثین بیک مذہب از مذاہب مجتہدین پابند نمی باشند، بس بعضے اعمال ایشاں مطابق کتب فقہ می باشند و بعضے دیگر مطابق کتب فقہ می باشند و بعضے دیگر مطابق کتب دیگر۔'' اھ (فتاویٰ عزیزی: ۲/ ۱۱۷)
>
> ''ائمہ حدیث مروجہ مذاہب کے پابند نہیں ہوتے، فقہاءِ عراق و باقی علمی مآخذ سے برابر استفادہ فرماتے ہیں۔''

شاہ صاحب کے ارشاد سے واضح ہے کہ یہ ایک مستقل مکتب فکر ہے۔ ن میں پابندی اور جمود نہیں۔

فتنۂ اعتزال:

جب عجمی اسلام سے متاثر ہوئے، اسلام کی سادگی نے جہاں انھیں کافی حد تک اپنی تربیت میں لے لیا وہاں ان لوگوں نے بھی اسلام کو متاثر کیا، یونانی علوم اور فلسفی نظریات اسلام کے بعض بنیادی عقائد سے ٹکرائے، صفات باری کی حقیقت کیا ہے؟ باری تعالیٰ کے اتصاف کی نوعیت کیا ہے؟ صفات عین ذات ہیں یا غیر ذات؟ حادث اور قدیم کے درمیان ربط کی کیا صورت ہے؟ بیسیوں مسائل و مباحث سطح ذہن پر ابھر آئے۔

یہیں سے اعتقادی بدعات کا آغاز ہوا، علمائے سنت کو یونانی اسلحہ سے مسلح ہو کر ان مباحث کو حل کرنا پڑا، بدعات کے شیوع نے ایک دفعہ اہل علم کو حیرت میں ڈال دیا۔ امام احمد، علامہ عبدالعزیز کنانی وغیرہ نے اس وقت بڑی جرأت اور ثابت قدمی

سے کام کیا، مامون رشید، واثق باللہ، معتصم باللہ، عمائدِ حکومت ان خیالات سے متاثر تھے، اس وقت ائمہ حدیث بے انتہا مشکلات میں مبتلا ہوئے۔

یہ اندازِ فکر تقریباً آٹھویں صدی تک چلتا رہا، یونانی فلسفہ سے ائمہ حدیث نے خم ٹھونک کر مقابلہ کیا، اس دور کی فرقہ پرستی کے لیے ابن حزم کی "الفصل"، شہرستانی کی "الملل والنحل"، علامہ ابو طاہر عبدالقادر بغدادی (۴۲۹ھ) کی "الفرق بین الفرق" اور "المواعظ والاعتبار للمقریزي" (صفحہ ۱۴۱ تا ۱۸۶) ملاحظہ فرمایئے۔

اسلام میں بدعی فرقوں کی کس قدر گرم بازاری رہی۔ آٹھویں صدی میں معلوم ہوتا ہے علمائے سنت نے یونانی فلسفہ کو فاش شکست دی، یونانی نظریات کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا، علمائے حدیث نے انھی کی زبان میں ان سے گفتگو کر کے انھیں یقین دلایا کہ وہ غلطی پر ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق ان کی معلومات سطحی ہیں اور اسلامی عقائد پر ان کے اعتراضات کی حیثیت تلبیسِ نفس سے زیادہ نہیں۔

حضرات متکلمین:

عقائد کی اس دیرپا اور صبر آزما جنگ میں کچھ لوگ مخالفت کے باوجود فلاسفہ سے متاثر ہوئے، بعض نصوص میں انھوں نے تاویل کی، اسلامی نصوص کے لیے ایسے محامل تلاش کیے جو مسلکِ تفویض سے مختلف اور جدا تھے لیکن ائمہ سلف اور ائمہ اربعہ کا تقریباً اجتماعی عقیدہ تفویض تھا، احناف نے عموماً عقائد میں ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی کی راہ اختیار کی، شوافع کا زیادہ رجحان اشعریت کی طرف ہوگیا، ائمہ حدیث اور حنابلہ اپنی پرانی راہ پر قائم رہے، تاویل سے بچ کر انھوں نے امام احمد اور باقی ائمہ حدیث کی روش کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا بلکہ اس سادگی کو قائم رکھا جس کا دوسرا نام تفویض تھا۔ ① اور ان عقائد میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ فروع کی طرح عقائد میں یہ حضرات چنداں مختلف نہیں ہیں۔

---

① صفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں تفویض کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے: ←

تقلید کی تین اہیں:

یہ عجیب اتفاق ہے چوتھی صدی کے قریب فقہی فروع میں تلفیق اور اتباع ہوئی سے بچنے کے لیے اس دور کے عقلا نے ائمہ اربعہ کی تقلید اختیار کر لی، اجتہاد کو بند کرنے کا فیصلہ کیا، صحابہ و تابعین کے زمانے میں جس قدر وسعت تھی تقلید شخصی و ذہنی

← ١۔ تفویض المعنى والكيفية: یعنی صفاتِ باری تعالیٰ کے اثبات میں قرآن و حدیث میں جو الفاظ مذکور ہیں (جیسے استواء، وجہ، ید، سمع، بصر وغیرہ) ہم ان کا معنی جانتے ہیں نہ اس کی کیفیت کا علم رکھتے ہیں۔

٢۔ تفويض الكيفية دون المعنى: یعنی صفاتِ باری تعالیٰ کے لیے استعمال کیے گئے الفاظ کا معنی و مفہوم تو واضح اور معلوم ہے لیکن ہم ان کی کیفیت سے ناواقف ہیں۔ جیسے امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ "الاستواء معلوم، والكيف مجهول" یعنی استواء کا معنی و مفہوم تو معلوم اور واضح ہے لیکن اس کی کیفیت و ماہیت مجہول ہے۔

اول الذکر معنی کے اعتبار سے تفویض کا عقیدہ ائمہ سلف اور اہل سنت کا عقیدہ نہیں بلکہ یہ بعض اشاعرہ اور اہل بدعت کا عقیدہ ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صفات کے ضمن میں جو الفاظ ذکر کیے ہیں کوئی بھی ان کے معنی سے آگاہ نہیں، نہ رسول اللہ ﷺ، نہ صحابہ کرام اور نہ سلفِ امت۔ گویا یہ الفاظ عبث اور بے فائدہ ہی ذکر کیے گئے ہیں جن کا کوئی معنی و مطلب مقصود نہ تھا۔ اس بیان و توضیح ہی سے اس نظریے کا بدیہی البطلان ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔

مزید برآں ائمہ سلف سے صفاتِ باری تعالیٰ کے معانی کے متعلق صریح نصوص وارد ہوئی ہیں جیسے استواء کا معنی ارتفاع اور علو ثابت ہے لیکن ان کی کیفیت کا علم نہیں۔ اہل سنت اگرچہ صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات کرتے ہیں لیکن وہ تشبیہ کا کلیتاً انکار کرتے ہیں، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشوریٰ: ١١] اس آیت کریمہ میں جہاں تشبیہ و تمثیل کی نفی کی گئی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے لیے صفاتِ سمع و بصر کا اثبات کیا گیا ہے، جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ صفات کے اثبات سے تشبیہ اور تمثیل لازم نہیں آتے۔

الغرض اول الذکر معنی کے اعتبار سے تفویض کو ائمہ سلف کا عقیدہ قرار دینا درست نہیں، البتہ ثانی الذکر معنی کے اعتبار سے عقیدہ سلف پر تفویض کا اطلاق درست ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ایسے مشکوک و مشتبہ الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

جمود سے اسے روک دیا گیا، لوگوں کو خواہ مخواہ مجبور کیا گیا کہ وہ چار ائمہ سے کسی نہ کسی کی تقلید ضرور کریں، گو یہ شرعاً واجب نہیں مگر ضرورتاً اسے کالواجب سمجھنا چاہیے۔

تھوڑی دور آگے بڑھ کر عقائد کے اختلاف میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی جگہ اشعری اور ماتریدی کو دے دی گئی، یہ حضرات عقائد میں الگ ائمہ قرار پائے، گویا فقہی فروع میں الگ امام، عقائد میں اور امام۔ پھر ذرا اس سے آگے بڑھ کر جب تصوف میں طبقاتی دور آیا، اسلامی زہد و ورع یا احسان میں جب بدعات شامل ہونے لگیں اور خانقاہی نظام نے پیشہ اور دکانداری کی صورت اختیار کر لی تو اس وقت کے دانشوروں نے چند امام یا فرقے انتخاب کر لیے، یعنی حنفی اور شافعی، مالکی اور حنبلی تصوف میں نقشبندی، قادری، سہروردی اور چشتی وغیرہ ہو گئے، گویا تین مختلف محاذوں پر ائمہ کے متبعین نے اپنے امام بدل لیے۔

یوں سمجھیے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے باقی رفقا کی امامت فروع تک محدود ہو گئی، وہ تصوف اور عقائد میں امام و مقتدیٰ نہیں بن سکتے۔ ہمارے ملک میں احناف کی بریلوی قسم عموماً قادری ہیں حالانکہ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ فروع میں حنبلی تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تصوف میں دس فرقوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اہل حدیث کی روش:

ان تمام مقامات میں بحمداللہ اہل حدیث کی روش ایک جیسی رہی، وہ فروع، عقائد اور تصوف میں صحابہ کی اتباع کرتے رہے اور خانقاہی نظام کی بدعات سے اسی طرح نفرت کی جس طرح فروع میں جامد تقلید اور عقائد میں بے دینی کی بدعات سے انھیں نفرت تھی۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

ان تمام مراحل میں ائمہ سلف کی اتباع کرتے اور وقت کی ہر ہر بدعت سے برسرِ پیکار رہے ؎

أهل الحديث هم أهل النبي
وإن لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا①

یہی حال تقریباً حنابلہ کا رہا، وہ اشعریت اور ماتریدیت سے بہت کم متاثر ہوئے۔ اہلحدیث نے کتاب و سنت کے فہم میں کسی فرد کی امامت کی بجائے ائمہ سلف اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنا امام تصور کیا اور فروع و عقائد اور احسان و تصوف میں ان بزرگوں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور نہ شخصی آرا و افکار کو ائمہ سلف اور صحابہ کا بدل سمجھا۔ دراصل فتنوں کے دورِ عروج میں آزادی اور پابندی، جمود اور آوارگی کے بین بین یہی صحیح حل تھا، جسے ائمہ حدیث نے تلاش فرمایا اور عملاً صدیوں اس پر کاربند رہ کر آوارگیٔ ذہن اور جمود کا مقابلہ کیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) کی مجاہدانہ کوششیں صفحاتِ تاریخ کی رونق ہیں، انھوں نے جہاں اعتزال اور تجہم کو دفن کیا اور ان کے تابوت میں آخری میخ ٹھونکی وہاں رفاعی فرقہ کے فقیروں کے آگ میں کودنے کا چیلنج قبول فرما کر بدعی تصوف کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ اللهم ارحمه رحمة واسعة.

یہ جرأت مندانہ جہاد اس وقت عمل میں آیا جبکہ اربابِ تقلید و جمود کی اکثریت بدعات میں مبتلا ہو چکی تھی، بلکہ ان حضرات نے اصلاح کے پروگرام کی قدم قدم پر مخالفت کی۔ شیخ الاسلام کا یہ ارشاد کس قدر جاندار ہے:

"أهل الحديث في الفرق كالإسلام في الملل."② (رد المنطق)

منہاج السنہ، کتاب العقل والنقل اور رسالہ رد المنطق اس موضوع پر انتہائی مفید معلومات سے بھرپور ہیں۔ شیخ الاسلام کی کتاب "الرد على المنطقيين" میں اس قدر شگفتگی نہیں جس قدر ''رد المنطق'' میں ہے۔ اس مختصر رسالہ میں شیخ الاسلام

---

① اہل حدیث ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق دار ہیں، اگرچہ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کی صحبت حاصل نہیں ہوئی لیکن آپ کی سانسوں (فرامین) کی محبت تو انھیں کو حاصل ہوئی ہے!

② نقض المنطق لابن تيمية (ص: ٢٨) نیز دیکھیں: مجموع الفتاوىٰ (٤/ ٢٤)

نے مسلک اہلحدیث کی حمایت اور ترجیح میں بڑی وسعت سے کام لیا ہے، شاید یہ بسط شیخ کی کسی دوسری کتاب میں نہ ملے، اس کتاب سے شیخ الاسلام کی روشن خیالی اور وسعتِ ظرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

یونانی فلسفہ کی پسپائی:

شیخ الاسلام اور ان کے رفقاءِ عالی مقام نے یونانی فلسفہ کی صرف مخالفت ہی نہیں فرمائی بلکہ اس پر اس قدر بھرپور وار کیے کہ علما کے علاوہ عوام میں بھی یونانی علوم اور یونانی نظریات کی کوئی علمی آبرو نہ رہی بلکہ ان کی ﴿جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ﴾ کی سی کیفیت ہوگئی اور صدیوں کی اعتقادی پابندیاں اور اس دور کی تقلید پرور نزاعیں تقریباً ختم ہوگئیں، اور اعتزال اور تجہم کے پیدا کیے ہوئے فرقے ایک ایک کر کے تاریخ کے اوراق میں دفن ہوگئے۔ مذاہب وملل اور رد و مناظرات کی کتابوں کے سوا یہ فرقے عملاً ختم ہوگئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تجدیدی کارناموں میں یہ اہم کارنامہ اور ائمہ حدیث کی مصالحانہ خدمات میں یہ سب سے عظیم الشان خدمت ہے۔

اللهم تقبل منهم كما تتقبل من عبادك الصالحين.

شیخ الاسلام اور ان کے رفقا یونانی جارحیت کے خلاف تو کامیاب ہوگئے لیکن تقلیدی جمود کے خلاف اس قدر کامیاب نہ ہوسکے جس قدر ظروف اور حالات کا تقاضا تھا، بلکہ فقہی جمود تیز تر ہوگیا، ائمہ اربعہ کی حقانیت مسلمہ ہوجانے کے باوجود یہ چاروں حق پرور گروہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہوگئے، ہر ایک نے یہی سمجھا کہ حق حقیقتاً ہمارے ہاں فروکش اور تشریف فرما ہے، باقی ائمہ کی صداقت صرف ایک ظن ہے۔

حضرت علامہ علاء الدین حصکفی ردالمحتار میں الأشباه والنظائر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”وفيها إذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفنا، قلنا وجوباً:

مذهبنا صواب يحتمل الخطأ، ومذهب مخالفنا خطأ يحتمل الصواب، وإذا سئلنا عن معتقدنا، ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا: الحق ما نحن عليه، والباطل ما عليه خصومنا." اھ ❶

''جب ہمیں اپنے اور اپنے مخالف کی بابت پوچھا جائے تو ہم کہیں گے کہ ہم یقیناً حق پر ہیں، احتمال ہے کہ ہمارا خیال غلط ہو جائے، ہمارا مخالف یقیناً خطا پر ہے، ممکن ہے اس کا خیال درست ہو، لیکن عقائد کے معاملے میں ہم یقیناً حق پر ہیں اور ہمارے مخالف غلطی اور باطل پر ہیں۔''

حالانکہ عقائد میں پورا استدلال تاویل کا ایک نظر فریب جال ہے۔

ائمہ اربعہ کو حق پر ماننے کے بعد فکر کا یہ انداز یقیناً مستحسن نہیں ہے۔ جب ائمہ اجتہاد کے متعلق معلوم ہے کہ وہ پیغمبر نہیں بلکہ ان کی کوششیں مخلصانہ ہیں تو اس تنگ نظری سے کیا حاصل؟ لیکن تقلید و جمود کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ شخصی محبت میں افراط کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مخالف کے متعلق تفریط کرے، اس کے محاسن کو بھی عیب کی نظر سے دیکھے، تقلید و جمود میں یہ بڑی ہی عیب ناک چیز ہے، اس میں عصبیت اور سوءِ ادب سے بچنا سخت مشکل ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات خود از بس بے ادب ہیں لیکن الزام دوسروں کو دیتے ہیں!!

امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق عجیب روش:

حضرت امام شافعی کی ذہانت اور علمی رفعت کی بنا پر کوشش فرمائی گئی کہ انھیں اپنا شاگرد ظاہر کیا جائے، اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ علم امانت ہے، جہاں سے ملے لے لینا چاہیے، امام شافعی رحمہ اللہ نے یقیناً اپنے وقت کے اکابر سے علم حاصل کیا، فقہ اور حدیث دونوں اپنے وقت کے کامل اساتذہ سے سیکھے۔ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی ذکر فرماتے ہیں کہ امام شافعی امام محمد کے تلامذہ سے تھے:

---

❶ الأشباه والنظائر لابن نجيم الحنفي (ص: ٣٨١) رد المحتار (١/ ١١٥)

”ومن تلامذته الشافعي -رضي الله عنه- وتزوج بأم الشافعي وفوض إليه كتبه وماله فبسببه صار الشافعي فقيهاً.“ ❶

”امام شافعی امام محمد کے شاگرد تھے، امام محمد نے امام شافعی کی والدہ سے نکاح کیا اور اپنی کتابیں اور اپنا مال امام شافعی کو دے دیا، اسی لیے امام شافعی فقیہ بن گئے۔“

لیکن امام محمد کی فقہ سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے!

پھر امام شافعی رحمہ اللہ کا اقرار ذکر فرماتے ہیں:

”والله ما صرت فقيها إلا بكتب محمد بن الحسن.“

(کتاب مذکور: ۱/ ۵۳)

”میں صرف امام محمد کی کتابوں سے فقیہ بنا۔“

ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے:

”وكتب عن محمد بن الحسن الفقيه وقر بختي.“ اھ

(تذكرة الحفاظ: ۱/ ۳۲۹)

”امام محمد فقیہ سے امام شافعی نے اونٹ کا بوجھ نقل فرمایا۔“

امام شافعی رحمہ اللہ کا امام محمد سے استفادہ فرمانا کوئی عیب کی بات نہیں، امام محمد تو اکابر ائمہ سنت سے ہیں۔ ائمہ حدیث علم کے معاملے میں اس قدر وسیع الظرف تھے کہ تنقید اور تنقیح کے بعد وہ اہل بدعت سے بھی تحصیلِ علم میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے، مستند کتبِ حدیث میں ان لوگوں سے احادیث مروی ہیں جن کو ائمہ حدیث دین کے لحاظ سے پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے امام محمد سے تلمذ ائمہ سنت کی خوبی ہے۔

امام شافعی ایسے شاگرد تھے جن کی مناظرانہ استعداد سے امام محمد کئی دفعہ خاموش ہوجاتے، چنانچہ اخبار آحاد کی حجیت، شاہد اور یمین (قسم) کے ساتھ فیصلہ، ”لا وصية

---

❶ الدر المختار (۱/ ۵۳)

لوارث“ وغیرہ مسائل پر امام شافعی نے مسکت گفتگو فرمائی۔① (حجة الله)

اہل علم میں تعلیم و تعلم اور بحث و نظر میں کوئی حرج نہیں، یہ امام شافعی اور امام محمد دونوں کے لیے باعث فضیلت ہے، ایسے شاگرد پر جس قدر فخر کیا جائے بجا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی تنقیص:

ایک طرف تو امام شافعی رحمہ اللہ کی شاگردی پر فخر ہے، دوسری طرف جب امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض فقہائے عراق کے بعض مسائل پر تنقید فرمائی تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ پر اعتراضات شروع ہو گئے اور جاہل تک کہہ دیا گیا، اصول بزدوی اور اس کی شرح کشف الاسرار سے لیکر اصول شاشی تک ہر بزرگ کو دیکھیے، امام شافعی کی اجتہادی مساعی کو جہالت سے تعبیر کیا ہے، بعض نے امام شافعی رحمہ اللہ کا صراحت سے نام لیا ہے، بعض نے مسائل کا ذکر کر کے انھیں جہالت سے یاد فرمایا ہے:

”وكذلك جهل من خالف في اجتهاده الكتاب والسنة من علماء الشريعة، و أئمة الفقه، أو عمل بالغريب من السنة على خلاف الكتاب والسنة المشهورة فمردود باطل، ليس يعذر أصلا، مثل الفتوىٰ ببيع أمهات الأولاد، ومثل القول في القصاص في القسامة، ومثل استباحة متروك التسمية عمداً، والقضاء بالشاهد الواحد ويمين المدعي.“ اه②

”اسی طرح ائمہ فقہ اور مجتہدین کی جہالت بھی عنداللہ عذر نہیں ہو سکتی، جس میں کتاب اللہ اور سنتِ مشہورہ کی مخالفت کی ہے یا کسی غریب حدیث پر عمل کیا ہے، یہ جہالت مردود اور باطل ہوگی، جیسے ام ولد کی بیع کا فتوی یا

---

① حجة البالغة (ص: ٣٠٩) نیز دیکھیں: آداب الشافعي ومناقبه لابن أبي حاتم (ص: ١١١، ١٥٩).

② أصول البزدوي (ص: ٣٤٢)

قسامہ میں قصاص کا فتویٰ یا جس جانور پر بوقت ذبح عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کی حلت کا فتویٰ اور مدعی کی قسم اور ایک گواہ کی بنا پر مدعی علیہ کے خلاف ڈگری کی اجازت۔“

① اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ امام داود ظاہری کا خیال ہے کہ ام ولد کی بیع درست ہے، یعنی اس لونڈی کی جس کے بطن اور اس کے مالک کی پشت سے اولاد ہو، جمہور ائمہ سید کی موت کے بعد اس کی بیع کو درست نہیں سمجھتے لیکن داود ظاہری بعض احادیث کی بنا پر اسے درست سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی ”جہالت“ ہے۔

② کسی محلّہ میں میت پائی جائے لیکن قاتل معلوم نہ ہو، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اہل محلّہ اور مقتول میں سابقہ دشمنی اور باہم خلش کا علم ہو تو قاضی مقتول کے ولی سے پچاس قسمیں لے کر قاتل کی تعیین کے بعد قصاص کی اجازت دے گا۔ احناف کرام اور حضرات ائمہ اصول کے نزدیک یہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ”جہالت“ ہے۔ (إنا للّٰه وإنا إليه راجعون)

③ امام شافعی کا خیال ہے کہ اگر ذبیحہ پر بوقت ذبح جان بوجھ کر بھی خدا کا نام نہ لیا جائے لیکن ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو یہ فعل درست نہیں لیکن ذبیحہ حلال ہے۔ احناف اسے امام شافعی رحمہ اللہ کی ”جہالت“ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

④ اسی طرح اگر مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہو تو مدعی خود قسم کھائے اور ایک گواہ دے دے تو امام شافعی اجازت دیتے ہیں کہ قاضی اس صورت میں مدعی کو ڈگری دے دے۔ ائمہ حنفیہ کا خیال ہے کہ یہ امام شافعی کی ”جہالت“ ہے۔

مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے اور مجتہدین کو حق پہنچتا ہے کہ اپنی تحقیق کے مطابق فتویٰ دیں، اَتباع کو حق ہے کہ اپنے امام کی رائے کے مطابق عمل کریں مگر تلخ اور ترش زبان تو بے حد نامناسب ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے متعلق بھی ایسی زبان اختیار نہیں کرنی چاہیے چہ جائیکہ ائمہ اجتہاد کے متعلق یہ لب ولہجہ اختیار کیا جائے!

پھر بھی بے ادب غیر مقلد ٹھہریں! کیا یہ تقلیدی جمود اور اس میں غلو کا نتیجہ نہیں؟

کشف الاسرار میں علامہ شیخ عبدالعزیز (۴۸۱ھ) نے متن کی شرح فرماتے ہوئے ائمہ کے اسماء کا تذکرہ فرمایا ہے، جن کے اجتہادات کو علامہ بزدوی نے جہالت سے تعبیر فرمایا ہے لیکن اس تیز لب ولہجہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں فرمایا۔❶

حسامی نے تھوڑے سے اختصار کے ساتھ اصول بزدوی کے الفاظ نقل فرما دیے ہیں اور وہی امثلہ جو بزدوی نے بیان فرمائی ہیں بطور توارث نقل کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں پر رحم فرمائے، یہ دورِ جمود کی بڑی تلخ اور ناپسندیدہ یادگار ہے اور بعض بزرگوں کے ساتھ محبت میں غلو کا نتیجہ!

حسامی کے شارح عبدالحق حقانی رحمہ اللہ نے نامی میں دو لفظ فرمائے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یہ زبان اور انداز پسند نہیں۔ فرماتے ہیں:

”وكل واحد يجهل الآخر فيما خالفه، ويقول: إنه مخالف للسنة.“

(نامي مجتبائي، ص: ١٢٠)

”ہر ایک اپنے مخالف کو جاہل اور سنت کے مخالف کہتا ہے۔“

المنار میں ماتن نے صرف امہاتِ اولاد کا ذکر کیا ہے لیکن شارح ملا جیون نے امثلہ میں پوری تفصیل ذکر کی ہے۔ امام شافعی اور امام داود ظاہری کا نام صراحتاً لیا ہے اور آخر میں فرماتے ہیں:

”وقد نقلنا كل هذا على نحو ما قال أسلافنا، وإن كنا لم نجترئ عليه.“ اهـ (نور الأنوار، ص: ٢٩٨)

”ہم نے یہ سب کچھ اس لیے نقل کیا ہے کہ ہمارے پہلے بزرگوں نے ایسا ہی فرمایا ہے، ورنہ ہم یہ جرأت نہ کرتے۔“

گویا یہ تلخ بیانی یا غلط نوازی حضرات سلف کی اتباع میں ہوگی، ورنہ ملاّ جیون خود

---

❶ كشف الأسرار (٤/ ٤٧٣)

اس کے لیے آمادہ نہ تھے۔ عذرِ گناہ، گناہ سے بھی عجیب رہا۔ یہ سب دورِ جمود و عصبیت کی نوازشیں ہیں، ورنہ نہ شافعی ایسے کمزور ہیں نہ ان کے اَتباع اتنے کم سواد کہ صریح کتاب وسنت کے خلاف فتویٰ دیں۔ یہ معلوم ہے کہ متاخرین فقہائے حنفیہ اور ائمہ اصول سے ائمہ شوافع کی کتاب وسنت پر نظر زیادہ وسیع اور عمیق ہے، علماءِ حدیث کی تعداد شوافع میں کافی زیادہ ہے۔

یہ جمود وتقلید کے لوازم سے ہے، فرطِ محبت میں اپنے مخالف کے ساتھ تلخی اور بے ادبی قرینِ قیاس ہے۔ اس دور کے علماءِ اہل حدیث نے اس جمود کے خلاف اپنا پورا زور لگایا، اس جمود اور اس کے مضرت رساں اثرات اور طوفان خیز نتائج کا اندازہ حافظ ابن قیم کی کتاب ”إعلام الموقعين“ زاد المعاد“ ”الطرق الحكميه“ وغیرہ سے ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تلمیذ اور قریب ترین اہل علم میں حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) سابقہ بدعات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہوئے عباسی دور کی اعتقادی اور ملحدانہ یورش کا تذکرہ فرماتے ہیں:

> ”وفي هذا الزمان ظهر بالبصرة عمرو بن عبيد العابد، و واصل بن عطاء الغزال، و دعوا الناس إلى الاعتزال، والقول بالقدر، وظهر بخراسان الجهم بن صفوان، ودعا إلى تعطيل الرب عزوجل و خلق القرآن، وظهر بخراسان في قبالته مقاتل بن سليمان المفسر، وبالغ في إثبات الصفات حتى جسم، وقام على هولاء علماء التابعين وأئمة السلف، وحذروا من بدعهم، وشرع الكبار في تدوين السنن وتأليف الفروع وتصنيف العربية، ثم كثر ذلك في أيام الرشيد، وكثرت التصانيف، وألفوا في اللغات، وأخذ حفظ العلماء ينقص، ودونت الكتب، واتكلوا عليها، وإنما كان قبل ذلك علم الصحابة والتابعين في

الصدور فهي كانت خزائن العلم لهم ـ رضي اللّٰه عنهم."

(تذكرة الحفاظ: ١/ ١٥٠)

"اس وقت بصرہ میں عمرو بن عبید اور واصل بن عطا کا ظہور ہوا، وہ لوگوں کو اعتزال اور انکارِ تقدیر کی دعوت دینے لگے، اور خراسان میں جہم بن صفوان نے تعطیلِ صفات اور خلقِ قرآن کی دعوت دی، اور خراسان ہی میں مقاتل بن سلیمان مفسر نے صفات کی دعوت اس طرح دی جس سے تجسیم کا شبہ ہونے لگا۔ علمائے سلف اور ائمہ تابعین نے ان سب کے خلاف دعوت دی اور ان کی بدعتوں سے لوگوں کو ڈرایا۔ اکابر ائمہ حدیث، سنت کی تدوین اور فروع کی تصنیف میں مشغول ہوگئے، عربی زبان کے علوم کی تدوین کثرت سے ہوئی، یہ ہارون رشید کے دورِ حکومت کی حالت ہے، اسی زمانے میں کتبِ لغت کی تالیف ہوئی اور علما کا حفظ کم ہونے لگا اور کتابوں پر زیادہ اعتماد ہونے لگا، اس سے پہلے صحابہ اور تابعین کا علم سینوں میں تھا اور ان کے سینے علم کے خزانے تھے۔"

یہ اعتقادی بدعات کا دور تھا، ائمہ حدیث کی اس باب میں جو مساعی تھیں ان کا مختصر تذکرہ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے۔ وہ اپنے وقت کے فقہا اور ائمہ حدیث کا سلف کے اہل علم سے موازنہ فرماتے ہوئے تقلید و جمود کے اثرات کا تذکرہ دل گداز انداز سے فرماتے ہیں۔ ابو محمد فضل بن محمد (۲۰۲ھ) کے تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں:

"اس وقت کے قریب قریب ائمہ حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی جن کا تذکرہ میں نے اپنی تاریخ میں کیا ہے، یہاں میں نے اس کا عشر عشیر بھی ذکر نہیں کیا، اسی طرح اس وقت ائمہ اہل الرائے اور فروع سے بھی کثیر جماعت تھی، اور شیعہ متکلمین اور معتزلہ سے بھی بڑے بڑے اساطین موجود تھے، جو معقول کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور اتباع سلف اور آثار نبویہ سے

بے پرواہ تھے، اور فقہا میں تقلید نمایاں ہو چکی تھی اور اجتہادات میں تناقض ظاہر ہو چکا تھا، اللہ پاک ہے جس کے قبضہ میں خلق اور امر ہے۔

''اے شیخ! خدا کی قسم اپنے آپ پر رحم کرو اور انصاف کی نگاہ سے دیکھو، اور ان کی طرف غلط نگاہ مت ڈالو، اور ان کے نقائص کی تلاش مت کرو، اور یہ مت خیال کرو کہ وہ آج کل کے محدثین کی طرح ہیں۔ حاشا وکلا۔ میں نے جن ائمہ حدیث کا ذکر کیا ہے وہ دین میں پوری بصیرت رکھتے تھے اور نجات کی راہ کو خوب سمجھتے تھے، ہمارے زمانے کے بڑے بڑے محدث بھی علم و بصیرت میں ان کا لگا نہیں کھا سکتے تھے۔

''میں یقین رکھتا ہوں کہ تم اپنی ہوئی پرستی کی وجہ سے اگر کھلے طور پر نہ کہہ سکے تو بزبان حال کہو گے کہ احمد بن حنبل کیا چیز ہے؟ ابن مدینی کون ہے؟ ابو داود اور ابو زرعہ کی کیا حقیقت ہے؟ یہ صرف محدث ہیں، انھیں فقہ کا پتہ ہی نہیں! نہ وہ اصول سے واقف ہیں نہ انھیں معلوم ہے کہ رائے کیا چیز ہے؟ نہ وہ معانی اور بیان کے وقائع کو سمجھتے تھے، نہ وہ منطق کی باریکیوں کو جانتے تھے، نہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل دے سکتے تھے، نہ فقہائے ملت میں ان کا کہیں تذکرہ پایا جاتا ہے۔ یا تو حلم سے چپ رہو یا علم سے بات کرو، مفید علم وہی ہے جو ان حضرات سے منقول ہے۔ تمھارے فقیہ تو ہمارے آج کل کے محدثین کی طرح ہیں، نہ ہم کچھ چیز ہیں، نہ آپ ہی کچھ جانتے ہیں، ارباب فضیلت کی قدر اہلِ فضل ہی جانتے ہیں، جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا ہے، جو کبر و غرور اور شر پسندی سے گفتگو کرتا ہے اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو، اس کا انجام وبال ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے معافی وسلامتی چاہتے ہیں۔'' (تذكرة الحفاظ: ٢/ ٦٢٧)

حافظ ذہبی نے اپنے وقت کے اس مرض کو جس درد انگیز طریقہ سے بیان فرمایا اور جس ہمدردی سے ذکر کیا اس سے ظاہر ہے کہ آٹھویں صدی میں جمود اور شخصیت پرستی کس قدر بڑھ چکی ہے، اور حافظ ذہبی اس سے کس قدر خائف اور متاثر ہیں، اور اس کے عواقب اور نتائج سے ائمہ حدیث کی دُور اندیش نظریں کس قدر آگاہ ہیں؟

اور عجیب بات یہ ہے کہ اہل حدیث کے خلاف آٹھویں صدی ہجری میں بھی وہی اسلحہ جات استعمال ہوتے تھے جو اپنی زنگ آلود شکل میں آج استعمال ہو رہے ہیں، یہ فقیہ نہیں یہ عطار ہیں، اصول سے نا آشنا ہیں، منطق نہیں جانتے، عقلی دلائل سے بے خبر ہیں، علمِ کلام ان کے اذہان سے بالا ہے!!

یہ وہی زنگ آلود اور بوسیدہ اوزار ہیں جو فلاسفہ یونان نے متکلمین کے خلاف استعمال کیے اور فقہاءِ کرام نے ائمہ حدیث کو ان معائب سے مطعون کیا۔ اور اب حضرات اربابِ تقلید ان لوگوں کے خلاف استعمال فرماتے ہیں جو اس وقت آزادیٔ فکر کے حامی ہیں، چاہتے ہیں کہ جب ائمہ مجتہدین حق پر ہیں تو ان سب کے اجتہادات کیوں قابلِ عمل نہ سمجھے جائیں؟ چار کی تحدید اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے نہیں فرمائی، بعض اوقات حکومتوں نے اپنے مقاصد یا امن عامہ کی حفاظت کے لیے کی، اس کے لیے شرعاً اس کی کوئی سند نہیں پائی گئی۔ اگر کسی شخص کو قرآن و سنت میں مناسب بصیرت نہ ہو تو وہ ائمہ اجتہاد کے علوم سے بلا تعیین استفادہ کرے، جب سب مجتہدین حق پر ہیں تو حق کو تقسیم کیوں کیا جائے؟ تعیینِ شخص کا تقسیم کے سوا کوئی مطلب نہیں۔

بے شک تلفیق سے روکا جائے، اتباع ہوا سے منع کیا جائے لیکن ہر شخص کی نیت پر مسلط ہونے کی کوشش نہ کی جائے، مخفیات اور سرائر کو اللہ تعالیٰ عالم الغیب کے سپرد کیا جائے یا پھر اس قوت کی تحویل پر اعتماد کیا جائے جو ملک کے نظم و نسق اور قیامِ امن کی ذمہ دار ہے، لیکن انسانی اذہان و افکار، عقل و بصیرت اور تنظر و اجتہاد پر

تالے ڈالنے کی کوشش نہ کی جائے، یہ انسانیت پر ظلم بھی ہے اور اس کی توہین بھی، اور علم وبصیرت کے ساتھ دشمنی کے مترادف بھی!

حافظ ذہبی ؒ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے مناقب، وسعتِ علم اور ان کے تفردات و اختیارات کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے دور کے شخصی جمود کا تذکرہ عجیب انداز سے فرماتے ہیں:

> ”حضرت عبداللہ بن مسعود کی سیرت اگر لکھی جائے تو تقریباً نصف جلد اسی میں سما جائے، وہ کبار صحابہ سے تھے، وہ نہایت وسیع العلم اور ہدایت کے امام تھے، اس کے باوجود فروعی مسائل اور قراءت میں ان کے کچھ تفردات تھے جو کتابوں میں موجود ہیں۔ ہر امام کی بعض باتیں لے لی جاتی ہیں اور بعض نظر انداز کر دی جاتی ہیں، سوائے امام الاتقیاء صادق مصدوق نبی الرحمہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے جو معصوم اور امین ہیں، اس عالم پر تعجب ہے جو کسی خاص امام کی تقلید کرے، باوجودیکہ اسے ان نصوص کا علم ہے جو اس کے امام کے خلاف پائی جاتی ہیں۔ لا حول ولا قوة إلا باللّٰه۔“ اھ
>
> (تذکرة الحفاظ: ۱/ ۱۵)

جمود کے خلاف ہر دور کے علماء نے بہت کچھ کیا ہے، ابوشامہ، شاطبی، ابن قدامہ جیسے مشاہیر نے اس مرض کے خطرات سے آگاہ فرمایا۔ ابن قیم فرماتے ہیں ؎

العلم معرفة الهدى بدليله ما ذاك والتقليد يستويان ❶
إذ أجمع العلماء أن مقلدا للناس والأعمى هما أخوان

”علم معرفت بالدلیل کا نام ہے، تقلید اس کے مساوی اور مرادف نہیں ہوسکتی، علما کا اجماع ہے کہ تقلید نابینگی کے مرادف ہے۔“

میں نے اس مقام پر ذہبی کے تاثرات کو اس لیے ذرا تفصیل سے لکھا ہے کہ ذہبی

---

❶ القصيدة النونية (ص: ۹۹)

مختلف مکاتب فکر میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، ان کی نظر تاریخی لحاظ سے اور رجال میں بہت وسیع ہے۔

بحر العلوم مسلم الثبوت کی شرح میں ذہبی کے متعلق فرماتے ہیں:

”قال الذهبي وهو من أهل الاستقراء التام في نقل حال الرجال.“
(بحر العلوم، ص: ۲۲۱ نولکشور)

”ذہبی کا استقراء اسماء الرجال میں بہت کامل ہے۔“

ذہبی نے فکر کے جمود اور تقلید کے متعلق ان ممالک کا حال لکھا ہے جو ارضِ حرم کے قریب اور دینی علوم کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں، ہندوستان جیسا ملک جو علوم نبوت سے پہلے ہی کافی دور ہے، جہاں محققین کی پہلے ہی کمی ہے، یہاں کے حالات تو اور بھی خراب ہوں گے۔

غزالی فرماتے ہیں:

”فإن خاض المقلد في المحاجة فذلك منه فضول، والمشتغل به صار كضارب في حديد بارد، و طالب لصلاح الفاسد، وهل يصلح العطار ما أفسده الدهر؟“ ❶

”مقلد کے ساتھ بحث ٹھنڈا لوہا کوٹنے کے مترادف ہے، عطار وقت کی بگڑی کو نہیں بنا سکتا۔“

ہندوستان میں اِسلام:

معلوم ہے کہ ہندوستان میں فاتحینِ اسلام دو راستوں سے آئے، سندھ کی راہ سے اور ایران کی راہ سے۔ پہلا لشکر محمد بن قاسم کی قیادت میں پہلی صدی کے اواخر ❷ میں

---

❶ فيصل التفرقة بين الإسلام والزندقة للغزالي (ص: ۷۸)

❷ ہندوستان پر پہلا حملہ ۹۲ھ میں ہوا، اس وقت ولید بن عبدالملک خلیفہ تھے، حجاج بن یوسف گورنر اور محمد بن قاسم قائد جیوش۔ محمد بن قاسم کے یہ حملے ۹۵ھ تک جاری رہے، ملتان سے قنوج تک ان کی ←

پہنچا، اس وقت ائمہ اربعہ سے امام ابوحنیفہ کے سوا باقی ائمہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، حضرت امام ابوحنیفہ کے لیے یہ دور طالب علمی کا تھا اور امامت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، یہ لشکر اہل حدیث تھا اور موجودہ تفریق سے بے خبر۔ ان کا مسلک تقریباً وہی تھا جو آج کل اہلحدیث کا ہے، یعنی بلا تخصیصِ شخص مسائل اہل علم سے پوچھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، اسی لیے علامۃ المسلمین میں اس وقت تعصب ناپید تھا۔ دوسرا حملہ ایران کی راہ سے ہوا، یہ فاتح عموماً حنفی تھے، انھی کی وجہ سے ہندوستان میں حنفیت پورے زور سے پہنچی۔ اور اس وقت تک احناف کی ملک میں کثرت ہے اور عوام و خواص میں عصبیت بھی ہے۔ إلا من رحم!

یہ علاقے مرکز سے کافی دور اور علوم کی برکات سے بے حد تشنہ رہے، یہاں کے علماء عموماً حجاز میں اقامت اور ہجرت کو ترجیح دیتے رہے، ان حالات میں اگر یہاں جمود ہو، تحقیق اور اجتہاد سے عوام نفرت کریں تو اس میں تعجب نہیں، جمود ایسے علاقوں میں مستبعد نہیں، اس صورت حال کے پیشِ نظر برصغیر ہندوستان و پاکستان کے حالات عرب سے کہیں ابتر ہونے چاہئیں۔ اس کا تذکرہ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے، یہاں کی حکومت اکثر جاہل، اس کے ساتھ حکام میں بے عملی اور بد عملی دونوں کارفرما تھیں، علما اور فقرا بھی اپنے مقام سے ہٹ چکے تھے۔

علامہ صغانی (۶۵۰ھ) کے بعد یہاں چند گنے چنے بزرگ نظر آتے ہیں، شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) شیخ محمد طاہر پٹنوی شہید (۹۸۶ھ) اور سب سے آخر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) جہاں اکبر جیسے فاسق بادشاہ اور ملّا مبارک کا خاندان ملک کے دروبست پر محیط ہوں، فواحش اور فسق و فجور کی حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی ہو وہاں تقلید و جمود سے آگے ذہن کہاں تک پرواز کر سکتے ہیں؟ اور یہ چند مخلص بزرگ بدعت اور شرک کے ان جھکڑوں اور آندھیوں کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے ہیں؟

← فوجیں پہنچیں، دوسرا حملہ چوتھی صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے کیا، اس وقت مذاہب اربعہ کا رواج کسی قدر ہو چکا تھا۔ غزنویوں کے بعد حکومت غوریوں کی طرف منتقل ہوگئی۔ [مؤلف]

اس آخری دور میں شیخ عبدالحق (۱۰۵۲ھ) کا وجود غنیمت ہے، وہ اپنے وقت کے محدث ہیں، ان کے وجود سے دہلی اور دہلی کے اطراف میں حدیث کا چرچا ہوا، ان کی رجال پر نظر ہے لیکن نقلِ روایت میں حافظ سیوطی کے بعد شاید ہی کوئی اس قدر غیر محتاط ہو، ان کی مدارج النبوۃ میں سیرت کے متعلق بڑی جامعیت ہے لیکن ضعاف اور موضوعات کا ذخیرہ بھی حضرت شیخ نے جمع فرما دیا ہے، پھر وہ تصوف کی مخترعات اور وقت کی دوسری بدعات کے خلاف کھل کر کچھ کہنا نہیں چاہتے بلکہ ان کا رجحان حمایت کی طرف ہوتا ہے، وہ شطحیات کے دلدادہ ہیں۔

ان کے رجحانات کا یہ حال ہے کہ "سفر السعادة" ایسی محققانہ اور محدثانہ کتاب کی شرح لکھی اور اسے جمود سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ جہاں اتنے بڑے اکابر محدثین کا یہ حال ہو وہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تجدیدی مساعی اور ابن القیم کے تنقیدی کارناموں کا کیا اثر ہوسکتا ہے؟

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ بحوالہ حافظ سخاوی لفظ شیخ الاسلام کے غلط استعمال کا شکوہ فرماتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ثم اشتهر بها جماعة من علماء السلف حتى ابتذلت على رأس المئة الثامنة فوصف بها من لا يحصى، وصارت لقبا لمن ولي القضاء الأكبر، ولو عرى عن العلم والسنن فإنا لله وإنا إليه راجعون. انتهىٰ كلام السخاوي، قلت: ثم صارت الآن لقبا لمن تولى منصب الفتوىٰ وإن عرى عن لباس العلم والتقوىٰ." اھ
>
> (الفوائد البهية، ص: ۱۰۱)

"شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے بعد سلف سے ایک جماعت کے لیے یہ لقب مشہور ہوا، پھر آٹھویں صدی میں یہ لقب ایسا عام ہوا کہ جسے قضاء اکبر کا عہدہ ملا وہی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوگیا

> اور بے شمار شیخ الاسلام ہو گئے، اگرچہ علم اور عمر کے لحاظ سے وہ کچھ بھی اہمیت نہ رکھتے ہوں۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ پھر یہ لقب ان لوگوں کے لیے مخصوص ہو گیا جو منصبِ افتا پر کسی طرحِ قابض ہو گئے، گو وہ علم اور تقویٰ سے قطعاً تہی دست ہوں۔"

اواخر تیرھویں صدی تک علم کے دروس و انحطاط کا حال ظاہر ہے، علم وتقویٰ کی بجائے القاب پر زور ہے، جس قدر علم کم ہوگا اسی قدر جمود بڑھے گا، لوگ دوسروں کا سہارا لینے کی کوشش کریں گے، ضرورت کے لحاظ سے اسے کوئی واجب کہے یا مباح لیکن ہے تو ایک لاعلمی کا کرشمہ! اسی لیے اس دور میں سارا زور القاب پر آ گیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اصلاحی کوششوں کے بعد اعتقادی بدعات کی جگہ عملی بدعات نے لے لی، موت اور شادی کے مواقع پر ہنود سے یہ رسوم اور بدعات مستعار لے لی گئیں، حکومتوں کے ایوانوں سے لے کر غریب کی جھونپڑیوں تک یہ اندھیرا چھا گیا، علماء کا کام بھی محض حیل کی تلاش رہ گیا اور شرعی احکام کو ٹالنا فقہ کی انتہا قرار پا گئی۔

آخری دینی کوشش فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہے، وہ بھی آخر یہی کہ مخصوص آرا کو جمع کر دیا گیا اور حکومت کی سرپرستی سے اسے اعتماد کی صورت حاصل ہو گئی۔

حافظ ذہبی کی زبان سے اپنے وقت اور اپنے ماحول کے جمود اور تقلید معین کا شکوہ آپ سن چکے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا انتقال ۷۴۸ھ میں ہوا۔ اسی دور کے متعلق حافظ ذہبی نے شکایت فرمائی ہے کہ لوگ تحقیق کی بجائے تقلید کی طرف زیادہ مائل ہیں، اپنی تحقیق اور اپنے علم پر اعتماد کی بجائے دوسروں کے فہم پر اعتماد اور دوسرے کے سہارے پر زندہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے اگر دماغی قوی اور قوتِ فکر اور شعور کو استعمال نہ کیا جائے تو وہ اپنا عمل چھوڑ دے گی اور معطل ہو کر رہ جائے گی، اسی کا نتیجہ ہے کہ ائمہ سلف کے بعد علم اور تفقہ بتدریج کم ہو رہا ہے۔ کتابت اور تذکروں نے حافظوں کو کافی

حد تک کمزور کر دیا ہے، محدثین کے حافظوں کا ذکر کیا جائے تو لوگ اسے افسانہ سمجھتے ہیں، فقہا کی دور اندیشیوں اور نکتہ دانی کا تذکرہ آ جائے تو خواص امت تک حیرت میں کھو جاتے ہیں، یہ ساری مصیبت جمود نے پیدا کی، بڑے بڑے ہوشمند اہل علم احساس کمتری میں مبتلا نظر آئیں گے۔ اس عمومی ابتلا کے باوجود جمود بتدریج اذہان پر چھا گیا ہے۔

اس زمانے میں ایسے بزرگ بھی ملیں گے جو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، اپنی سمجھ سے سوچتے ہیں، منقولات کے فہم میں انھیں اپنے علم اور اپنی فراست پر بجا طور پر اعتماد ہے اور کسی کی تقلید کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

تذکرۃ الحفاظ:

حافظ ذہبی نے فن رجال میں دو کتابیں لکھی ہیں: میزان الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ۔ میزان میں تو عموماً ضعیف اور مجروح رواۃ کا تذکرہ فرمایا ہے، تذکرۃ الحفاظ کی چار جلدیں ہیں، جن میں حفاظ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، ان کے اکیس طبقات ہیں، پہلی اور دوسری جلد میں دس طبقات کا ذکر ہے، تیسری اور چوتھی میں گیارہ طبقات مرقوم ہیں، کل اکیس طبقات ہوئے، اور ان میں تقریباً گیارہ سو انیس ائمہ کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض ائمہ کا ذکر ضمناً آیا ہے اور بعض کا تذکرتاً ذکر فرمایا ہے۔ اس تعداد کے علاوہ حافظ ذہبی نے التزام سے تو نہیں فرمایا کہ ہر آدمی کے ساتھ اس کے مسلک کا ذکر کریں گے لیکن چونکہ ائمہ حدیث کے تذکرہ میں یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے اس لیے وہ تذکرتاً کہیں ذکر فرما جاتے ہیں کہ فلاں بزرگ تقلید نہیں کرتے تھے، فلاں بزرگ اہل الرائے کو پسند نہیں کرتے تھے، فلاں بزرگ نے اپنے علاقے میں اہل اثر کے مذہب کو رواج دیا۔

تذکرۃ الحفاظ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ذہبی کے زمانے (۷۴۸ھ) تک ایسے لوگ موجود تھے جو شخصی تقلید اور جمود سے پرہیز کرتے تھے، کتاب

اور سنت کو براہ راست سلفِ امت صحابہ اور تابعین کی طرح سمجھنے اور سوچنے کی کوشش فرماتے تھے، تقلید اور جمود کی تنگ دامانیوں سے وہ اپنا دامن بچائے رکھتے تھے۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں کافی تھے، اور پھر یہ لوگ بہت ہی اچھی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، یہ لوگ اساتذہ تھے، لوگ ان سے علمِ سنت پڑھتے اور سیکھتے تھے۔

ایک مختصر سی فہرست بقید سنین ذکر کی جاتی ہے، یہ فہرست تذکرۃ الحفاظ اور البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع للشوكاني اور التاج المكلل للنواب صديق حسن خاں سے منقول ہے، اس سے دو چیزوں کی وضاحت مقصود ہے:

① اول یہ کہ یہ نظریہ نیا نہیں بڑے فحول اور اکابر اہل علم نے تقلید سے پرہیز اور ائمہ سلف کی راہ کو پسند فرمایا ہے۔

② دوسرے یہ کہ تقلید شخصی پر کبھی اجماع نہیں ہوا بلکہ ہر دور میں اہل علم تحقیق وتفحص کے طلبگار رہے، اس مسلک کے لیے ''وہابیت'' کا عنوان بڑا جھوٹ ہے۔

وہابیوں کا مرکزی مقام نجد اور حجاز ہے لیکن وہ لوگ اکثر حنبلی ہیں، خال خال ان میں سلفی بھی ہیں، اور یہ وہی لوگ ہیں جن حضرات نے فن حدیث کی تحصیل ہندوستان سے کی یا پھر حافظ شوکانی اور علامہ حیات سندھی سے علم حدیث کا استفادہ فرمایا، گویا وہابیوں کو بھی سلفیت یا ہندوستان سے ملی یا یمن اور حجاز سے۔ تعجب ہے آج کل کے بعض اکابر علماءِ دیوبند بھی اس لقب کے استعمال میں غلط بیانی سے نہیں ڈرتے، بریلوی انھیں وہابی کہتے ہیں وہ اس کا انتقام اہلحدیث سے لیتے ہیں!

تیسری صدی تک تو اتفاق ہے کہ تقلیدِ ائمہ کی پابندی کا رواج نہ تھا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق اس کا عام رواج چوتھی صدی کے بعد ہوا، لیکن محققین ائمہ کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ اس وقت بھی بند نہیں ہوا، اس لیے امام ذہبی کئی ائمہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ وہ مجتہد تھے، کہیں فرماتے ہیں: ''كان لا يقلد

أحداً" ❶ کہیں فرماتے ہیں: "لم یکن یعلم أهل الرأي" ❷ وغیر ذلك

ائمہ محققین کی فہرست مع قید سنین:

① بقی بن مخلد (۲۰۶ھ)	② احمد بن عاصم (۲۸۷ھ)
③ قاسم بن محمد اندلسی (۲۷۶ھ)	④ حافظ ابن خزیمہ (۳۱۰ھ)
⑤ علامہ ابن المنذر (۳۱۸ھ)	⑥ حسین بن محمد سنجی (۳۱۵ھ)
⑦ حافظ ابو یعلی (۳۴۶ھ)	⑧ حسن بن سعد قرطبی (۳۳۱ھ)
⑨ ابن شاہین (۳۸۵ھ)	⑩ حافظ محمد بن علی ساحلی (۴۴۱ھ)
⑪ امام حمیدی (۴۸۸ھ)	⑫ محمد بن طاہر مقدسی (۵۰۷ھ)
⑬ امام عبدری (۵۴۴ھ)	⑭ ابو زرعہ بن محمد (۵۶۶ھ)
⑮ حافظ ابن الرومیہ (۶۳۷ھ)	⑯ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)
⑰ الحافظ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس (۸۱۷ھ)	⑱ محمد بن یوسف ابو حیان اندلسی (۷۴۵ھ)
⑲ شیخ شہاب الدین (۹۵۱ھ)	⑳ سید یحییٰ بن حسین (۱۰۸۰ھ)
㉑ صالح بن محمد حمیدی مقبلی (۱۱۰۸ھ)	㉒ عبدالقادر بن علی البدری (۱۱۶۰ھ)
㉓ سید محمد بن اسماعیل امیر یمانی (۱۱۸۲ھ)	

ان ائمہ کے اسمائے گرامی اور سنین وفیات پر توجہ فرمایئے اور غور کیجیے کہ یہ حضرات ترکِ تقلید کے باوجود امام ہیں، ہم اور آپ نقل احادیث میں ان کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں، حدیث کے دفاتر میں ان کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں، استدلال اور فقہی فروع کے ماخذ میں انھی کے علم پر یقین کرتے ہیں، پھر آج اگر کوئی شخص ائمہ

---

❶ تذكرة الحفاظ (۱/ ۳۰۵، ۲/ ۶۳۰، ۳/ ۷۸۲)

❷ تذكرة الحفاظ (۳/ ۸۰۱) ولفظه: "وكان لا يحدث أهل الرأي إلا بعد الجهد"

اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کسی امام کی کلی طور پر تقلید نہ کرے تو اکابر اہل علم کی نظر میں وہ مجرم قرار پاتا ہے، بریلی اور دیوبند والے اس پر ناراض ہوتے ہیں، طرح طرح کے القاب سے ان لوگوں کو یاد فرمایا جاتا ہے۔ یہ مسلک بھی اپنی قدامت کے لحاظ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مسالک سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ان حضرات نے اپنے مسالک میں ائمہ حدیث ہی سے استفادہ کیا ہے۔

جہاں تک تاریخی شہادت کا تعلق ہے خراسان، ایران، یمن، الجزائر، بربر اور اقصائے مغرب میں ابتداءً ائمہ حدیث ہی کا مسلک رائج تھا، موجودہ فقہی مسالک کو بذریعہ حکومت یا دوسری وجوہ سے غلبہ حاصل ہوا۔ یہ ایک مستقل بحث ہے کہ مختلف ممالک میں کیسے اور کن وجوہ سے مختلف مسالک رائج ہوئے؟ مقدمہ ابن خلدون اور المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار مقریزی میں صفحہ (۱۴۱) سے صفحہ (۱۶۳) تک شیعہ سنی مذاہب کی اشاعت اور ان کے مناقشات کا مبسوط تذکرہ ملتا ہے، اور ان وجوہ پر روشنی پڑتی ہے جن سے مروجہ مذاہب کی اشاعت ہوئی۔ مقریزی نے ان ائمہ اور بادشاہوں کا نام بنام اور سنین کے حساب سے تذکرہ کیا ہے جن کی معرفت مروجہ مذاہب کا رواج ہوا، اس کے ساتھ ہی شیعہ حضرات اور ان کے تشدد کا بھی ذکر کیا ہے، جو اپنے مسلک کی اشاعت میں مصر اور اس کے اطراف میں ان سے ظاہر ہوا، اس سے سلف کے مسلک کی قدامت اور غربت کے وجوہ بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

اندھیرے میں روشنی کی کرن:

بارھویں صدی ہجری اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص وقت معلوم ہوتا ہے، اس ماحول میں دنیائے اسلام میں ایک بیداری محسوس ہو رہی ہے، ان محیط اندھیروں میں کہیں کہیں اور کبھی کبھی روشنی سی نمودار ہوتی ہے۔

عرب میں نجدی تحریک پیدا ہوئی، جس کی قیادت شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ

نے فرمائی۔ ایران میں سید جمال الدین افغانی نے صور پھونکا جس کی آواز مصر، اسکندریہ اور قسطنطنیہ تک پہنچی۔

تقریباً تھوڑی دیر پہلے ہندوستان کی قسمت جاگی اور رشد و ہدایت کی سوئی ہوئی طاقتوں نے انگڑائی لی، اس کی بیداری کا آغاز سید احمد سرہندی رحمہ اللہ نے گیارہویں صدی ہجری میں فرمایا، بدعات کے خلاف کھلی جنگ لڑی، بدعت کی تقسیم کا حیلہ عز بن عبدالسلام کے وقت سے آرہا تھا، لوگ بدعت کو حسنہ کہہ کر جواز کی راہ پیدا کر لیتے تھے، حضرت مجدد نے اسے تار تار کر دیا اور فرمایا کہ جب آنحضرت ﷺ ہر بدعت کو ناپسند فرماتے ہیں تو اسے حسنہ کہنے کا حق کسی کو نہیں دیا جا سکتا، شرعاً کوئی بدعت حسنہ نہیں کہلا سکتی۔ سنت سے محبت آنحضرت ﷺ کے ساتھ محبت کی سچی دلیل ہے، بدعتی کتنا ہی عابد و زاہد ہو بارگاہِ نبوت میں وہ کسی احترام کا مستحق نہیں!①

مجدد صاحب رحمہ اللہ کی مساعی نتائج و عواقب کے لحاظ سے آج کی مصطلح تحریکات سے کہیں زیادہ ہمہ گیر اور مؤثر تھیں۔

حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ نے کوئی اصطلاحی② تحریک نہیں چلائی جس کے بزرگ صدر یا سربراہ ہوں، اس کی مجالس کا جال ملک میں پھیلا ہو، جس کے ممبر اور اعوان و انصار کسی عرفی تنظیم کے ماتحت کام کر رہے ہوں، بلکہ ان میں ہر ایک اپنے وقت میں ایک مینار ہے، جس سے خود بخود روشنی پھیلتی ہے، لوگ متاثر ہوتے ہیں، کسی عہدہ اور عرفی نظم کے بغیر ان تاثرات کو پھیلایا جاتا ہے اور وہ اس سرعت سے پھیلتے ہیں کہ کوئی عرفی تحریک اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، اس لیے ان گزارشات میں اگر کہیں تحریک کا لفظ آجائے تو اس سے مراد آج کی انجمن

---

① دیکھیں: مکتوبات مجددیہ (١/ ٤١١)

② مولانا عبیداللہ صاحب سندھی رحمہ اللہ نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو مصطلح تحریک کا بانی قرار دیا ہے، یہ ان کا محض حضری تخیل ہے اور بالکل بے دلیل وہم۔ [مؤلف]

سازی اور اسی قسم کی اصطلاحی تحریک نہیں ہوگا، بلکہ پرانا مفہوم ہوگا جس میں ایک شخص ایک سچائی کو لے کر اٹھتا ہے، پروانے خود بخود شمع کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور روشنی اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ وقت کے اسباب و وسائل اپنی بساط کے مطابق استعمال ہونے لگتے ہیں، میری دانست میں مجدّد صاحب رحمہ اللہ سے شروع ہو کر سید احمد شہید رحمہ اللہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تک کام کی نوعیت یہی رہی۔ ایک سپاہی کے دل میں ذمہ داری کا احساس اور مقاصد کی تحصیل کے لیے اتنا ہی درد تھا جس قدر کسی بڑے سے بڑے عہدہ دار کو ہونا چاہیے، اور یہ احساس ہی کامیابی کا راز ہے۔

ولی اللّٰہی تحریک کا مزاج:

اس تحریک کے اہم عناصر مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت مولانا فاخر الہ آبادی، آزاد بلگرامی، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ، مولانا شاہ عبدالعزیز، مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ عبدالقادر، مولانا شاہ عبدالغنی، حضرت سید احمد شہید، مولانا شاہ اسماعیل، مولانا عنایت علی، مولانا ولایت علی، مولانا عبدالحی بڈھانوی۔ ان میں بعض علما حنفی ہیں لیکن عقیدتاً اہل حدیث، بعض عمل و عقیدہ دونوں میں حنفی بعض دونوں میں اہل حدیث، لیکن اس اختلاف کی نمائش ان حضرات نے کبھی نہیں فرمائی۔

قاضی ثناء اللہ صاحب کا تفسیر مظہری میں رجحان فقہ حنفی کی طرف ہے لیکن بدعت کی مخالفت میں کوئی لچک نہیں، ارشاد الطالبین میں قبر پرستی اور قبور پر چراغاں اور انھیں چونا گچ کرنے کے متعلق ان کی رائے بہت واضح ہے، آج کے اربابِ دیوبند کی طرح ان میں لچک اور مداہنت نہیں۔ آج بعض اکابر دیوبند کے افکار کا رجحان زیادہ تر بریلویت کی طرف ہے، وہ اہل توحید اور اصحابِ سنت سے زیادہ اہل بدعت کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ ورسوله أحق أن يرضوه إن كانوا مؤمنين.

ان حضرات کے مقاصد کا تجزیہ:

① حنفیت کے باوجود یہ حضرات فقہی جمود اور عصبیت کو قطعاً ناپسند کرتے ہیں۔

② ائمہ کے اختلافی مسائل میں یہ حضرات وسیع القلب ہیں، کسی طرح بھی عمل کیا جائے انھیں ناگوار نہیں ہوتا۔

③ بدعات کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کے خلاف سخت انکار فرماتے ہیں۔

④ شیعہ حضرات سے سمجھوتے کے قائل نہیں تاوقتیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق وہ اپنی رائے بالکلیہ نہ بدل لیں، مجدد صاحب کے رسائل اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (از شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ) اور تحفہ اثنا عشریہ (شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ) اس کے شاہد ہیں، ان کتابوں میں شیعہ حضرات پر انتہائی معقول تنقید فرمائی ہے، مداہنت نہیں کی۔

⑤ تصوف سے بہت متاثر ہیں لیکن اس راہ کی بدعی رسوم سے انتہائی متنفر۔

⑥ وہ اہل سنت کے دو فریق سمجھتے ہیں، اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں اہل سنت ہیں، لیکن شاہ صاحب فقہائے اہل حدیث کی راہ کو زیادہ پسند فرماتے ہیں، جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ آئے گا۔

شیخ ابو منصور عبدالقاہر دمشقی نے بھی "الفرق بین الفرق" میں متعدد مقامات پر اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں کو اہل سنت قرار دیا ہے۔① علامہ عبدالکریم شہرستانی کا بھی یہی حال ہے۔

⑦ یہ جماعت سیاسی سربراہی کی خواہش مند نہیں لیکن اگر لادینیت برسرِ اقتدار آنا چاہے یا آ جائے تو وہ ایسے سیاسیین سے جہاد کرنا پسند کرتے ہیں، جھکنا گوارا نہیں کرتے۔

---

① دیکھیں: الفرق بین الفرق (ص: ۲۹۹)

حضراتِ دہلی کے نظریات:

شاہ صاحب امت میں دو جماعتوں کی روش کو فی الجملہ صحیح سمجھتے ہیں، غلو کو ناپسند کرتے ہیں اور کسی کے لیے شخصی طور پر تعصب پسند نہیں فرماتے۔

> ”باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل وفتوی بر دو وجہ بودند، یکے آنکہ قرآن وحدیث وآثار صحابہ جمع می کردند واز انجا استنباط می نمودند واین طریقہ اصل راہ محدثین است ودیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعی از ائمہ تنقیح و تہذیب آں کردہ اند یاد گیرند بی ملاحظہ مآخذ آنہا، پس ہر مسئلہ کہ وارد می شد جواب آں از ہماں قواعد طلب می کردند و ایں طریقہ اصل راہِ فقہاء است وغالب بر بعض سلف طریقہ اولیٰ بود و بر بعض آخر طریقہ ثانیہ“ اھ
> (مصفی: ۱/۴)

> ”سلف میں استنباطِ مسائل کے متعلق دو طریق تھے، پہلا یہ تھا کہ قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ جمع کیے جائیں اور انھیں اصل قرار دے کر پیش آمدہ مسائل پر ان کی روشنی میں غور کیا جائے، یہ محدثین کا طریق ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ائمہ کے منقح اور مہذب کیے ہوئے قواعد کلیہ کو اصل قرار دیا جائے اور پیش آمدہ مسائل کا حل انھیں سے تلاش کیا جائے اور اصل مآخذ کی طرف توجہ کی ضرورت نہ سمجھی جائے، یہ فقہا کا طریقہ ہے، سلف سے ایک کثیر گروہ پہلے طریق کا پابند ہے اور ایک گروہ دوسرے طریق کا۔“

پھر ان دونوں طریقوں کی تفصیل اور ان کے طریق عمل کی پوری وضاحت حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے۔ حدیث کی جمع و کتابت پھر تدوین و تالیف کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پھر فقہائے محدثین کا تذکرہ فرمایا ہے:

> ”فرجع المحققون منهم، بعد إحكام فن الرواية ومعرفة مراتب الحديث، إلى الفقه، فلم يكن عندهم من الرأي أن يجمع على

تقليد رجل ممن مضى مع ما يرون من الأحاديث والآثار المتناقضة في كل مذهب من تلك المذاهب، فأخذوا يتتبعون أحاديث النبي ـصلى الله عليه وسلمـ وآثار الصحابة والتابعين والمجتهدين على قواعد أحكموها في نفوسهم." (حجة الله البالغة: ١/ ١١٩)

"محققین اہل حدیث نے فن روایت میں پختگی اور مراتب حدیث سے پوری معرفت پیدا کی اور فقہ کی طرف توجہ کی، لیکن ان کا یہ طریق نہ تھا کہ اس معاملے میں گزشتہ بزرگوں سے کسی خاص شخص کی تقلید پر اتفاق کر لیں، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ ان مروجہ مذاہب میں احادیث اور آثار متناقضہ موجود ہیں، اس لیے انھوں نے احادیث اور ائمہ مجتہدین کے علوم پر اپنے قواعد کی روشنی میں غور کیا۔"

اس کے بعد شاہ صاحب نے مختصر طور پر محدثین کے ان قواعد کا بھی تذکرہ فرمایا ہے جو ان کے نزدیک تطبیق بین النصوص یا استنباطِ مسائل کے لیے معیار ہیں، یہ قواعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کی تعمیل میں مرتب کیے گئے ہیں۔

قاضی شریح فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا:

"اگر کوئی مسئلہ اللہ کی کتاب میں مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو، اور کسی کے کہنے پر اس سے صرفِ نظر مت کرو، اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو آنحضرت ﷺ کی سنت پر غور کرو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو، اگر مسئلہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ دونوں میں نہ ہو تو لوگوں کے عمومی عمل کو دیکھو اور اس کے مطابق عمل کرو، اگر کوئی معاملہ ان تینوں طریقوں سے طے نہ ہو سکے تو اس کا فیصلہ یا تو اجتہاد سے کرو یا پیچھے ہٹ جاؤ، اور میری دانست میں تاخیر زیادہ مناسب ہے۔"① (دارمی)

---

① **صحیح**. سنن الدارمي (١/ ٦٩)

دوسرے گروہ (اہل الرائے) کے ذکر میں فرماتے ہیں:

”یہ لوگ سوالات کی کثرت اور فتووں سے نہیں گھبراتے لیکن حدیث کی روایت سے گھبراتے ہیں، کہیں الفاظ میں کمی بیشی نہ ہو جائے، ان کا خیال ہے کہ دین کی بنیاد فقہ پر ہے، اس کی اشاعت ضروری ہے۔“ ❶

آخر میں فرماتے ہیں:

”ان حضرات کی نظر میں فقہ، حدیث اور مسائل کی تدوین دوسرے طریق سے ہوئی، کیونکہ ان کے پاس حدیث اور آثار کا سرمایہ اس قدر نہیں تھا جس کی بنا پر وہ ان اصولوں پر اعتماد کر سکتے جن پر علماءِ اہلحدیث نے اعتماد کیا ہے، نہ مختلف ممالک کے سابقہ علما کے اقوال ان کی نگاہ میں تھے جس سے شرح صدر کے ساتھ استنباط کرتے۔ اپنے اکابر پر انھیں بے حد اعتماد تھا، اس لیے وہ ان کے طے کردہ اُصولوں پر زیادہ یقین رکھتے تھے، غرض یہ حضرات استنباط میں کتاب و سنت کی جگہ اپنے گزشتہ بزرگوں کے ارشادات پر اعتماد کرتے اور انھی کی روشنی میں مسائل کو حل فرماتے۔“ ❷

اس دور کے بعد معاملہ اور بھی بگڑ گیا اور ایک ایسا گروہ سامنے آ گیا جس کا تذکرہ شاہ صاحب ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

”ومنها أنهم اطمأنوا بالتقليد، ودب التقليد في صدورهم دبيب النمل، وهم لا يشعرون.“ اھ (حجة الله البالغة: ١/ ١٢٣)

”وہ لوگ تقلید پر مطمئن ہو گئے اور تقلید ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو گئی۔“

شاہ صاحب نے اس انحطاط کی متعدد وجوہ لکھی ہیں:

① فقہا کا باہم اختلاف اور مزاحمت، جس کا انقطاع کسی پہلے بزرگ کے حوالے کے

---

❶ حجة الله البالغة (١/ ٣١٤)

❷ مصدر سابق

بغیر نہ ہوسکا۔

④ رؤسا کی جہالت اور علما کا حدیث اور تخریج سے ناآشنا ہونا۔

⑤ دور از کار فرضی مسائل میں تعمق، وغیر ذلک۔

اس کے نتائج کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''اس کے نتیجے میں جہالت، اختلاط، شکوک اور اوہام پیدا ہوگئے، جس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں رہی، پھر مدتوں خالص تقلید ہی ان کا شیوہ رہا اور حق و باطل کا امتیاز جاتا رہا، اور فقہ محض جھگڑے اور باتیں بنانے کا نام رہ گیا اور محدث چند غلط سلط احادیث نقل کر دینے کا نام رہ گیا۔''

آخری الفاظ سنیے:

"ولم يأت قرن بعد ذلك إلا هو أكثر فتنة، وأوفر تقليدا، و أشد انتزاعاً للأمانة من صدور الرّجال، حتى اطمأنوا بترك الخوض في أمر الدين، وبأن يقولوا إنا وجدنا آباءنا علىٰ أمة وإنا على آثارهم مقتدون، وإلى الله المشتكىٰ." اھ (حجة الله البالغة: ۱/ ۱۲۳)

ان تصریحات کا نتیجہ:

① اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں مکتب فکر ہیں اور دونوں اہل علم میں رائج ہیں۔

② شاہ صاحب کے خیال میں اہل حدیث اور اہل الرائے اس آخری دور میں اپنی جگہ سے ہٹ چکے ہیں۔

③ متاخرین اہل الرائے میں استدلال اور استنباط کی بجائے تقلید اور جمود آ گیا ہے، یہ شاہ صاحب کی نظر میں نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

④ اہلحدیث نے بھی حدیث کی طرف بے توجہی کی ہے، وہ تقریباً اسے ایک رسم کے طور پر کر رہے ہیں، استنباط اور اجتہاد کے نقطۂ نظر سے نہیں کرتے اور نہ تفقہ کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کا مقصد:

شاہ صاحب چاہتے ہیں کہ دونوں گروہ حقیقت پسندی سے کام لیں اور اہل الرائے اکابر کی بجائے کتاب وسنت کو اساس قرار دیں، اور اہل حدیث ظاہریت سے بچ کر تفقہ سے کام لیں۔ ملاحظہ ہو: تفہیمات (۱/ ۲۰۹):

> "ومنها: إني أقول لهٰؤلاء المسمين أنفسهم بالفقهاء الجامدين على التقليد يبلغهم الحديث من أحاديث النبي -صلى اللّٰه عليه وسلم- بإسناد صحيح، وقد ذهب إليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين، ولا يمنعهم إلا التقليد لمن يذهب إليه، وهؤلاء الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم طراز حملة العلم وأئمة أهل الدين إنهم جميعاً على سفاهة وسخافة رأي وضلالة، وإن الحق بين بين."

> "میں ان نام کے فقہا سے کہتا ہوں جن میں تقلید کی وجہ سے انتہائی جمود آ چکا ہے کہ جب ان کو صحیح حدیث پہنچتی ہیں، جو اُمت میں معمول بہا ہے، لیکن وہ صرف ان لوگوں کی تقلید کی وجہ سے یہ حدیث جن کے مسلک کے خلاف ہے، اس حدیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور ان ظاہری حضرات سے بھی کہتا ہوں جو ائمہ دین اور چوٹی کے فقہا کا انکار کرتے ہیں، تم دونوں فریق غلط راہ پر جا رہے ہو، یہ کم فہمی کی راہ ہے، اور حق ان دونوں کے بین بین ہے۔"

دونوں فریق پر کس صاف گوئی سے تنقید فرمائی اور جمود توڑنے کے لیے کس قدر واضح راہ بتلائی ہے؟ رحمه اللّٰه رحمة واسعة.

اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"وأشهد لله باللّٰه أنه كفر باللّٰه أن يعتقد في رجل من الأمة ممن يخطئ ويصيب أن اللّٰه كتب علي اتباعه حتماً، وأن

الواجب علي هوالذي يوجبه هذا الرجل، وإن الشريعة الحقة قد ثبت قبل هذا الرجل بزمان... الخ." اھ (تفهيمات:١/ ٢١١)

"میں اللہ کے نام سے اس کی قسم کھاتا ہوں کہ امت کے کسی آدمی کے بارے میں، جو خطا اور ثواب دونوں کا مرتکب ہوسکتا ہے، یہ خیال کرنا کہ اسی کا اتباع واجب ہے اور جسے یہ واجب کہے وہی امر واجب ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کے برابر ہے، کیونکہ شریعت اس شخص سے کہیں پہلے موجود ہے۔"

شاہ صاحب نے یہاں تقلید شخصی اور جمود کو کفر باللہ سے تعبیر فرمایا ہے، وہ کسی شخص کے حق کو اس مسئلہ میں تسلیم نہیں فرماتے۔ تقلید سے جو ذہنی انقباض ہوتا ہے اور قوتِ فکر کی راہ میں جو رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اس کے متعلق اور کھل کر فرماتے ہیں:

"وترى العامة سيما اليوم في كل قطر يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين، يرون خروج الإنسان من مذهب من قلده، ولو في مسألة، كالخروج من الملة كأنه نبي بعث إليه، وافترضت طاعته عليه، وكان أوائل الأمة قبل المائة الرابعة غير متقيدين بمذهب واحد." اھ (تفهيمات: ١/ ١٥١)

"ہر علاقے میں عوام ائمہ متقدمین سے کسی نہ کسی مذہب کے مقلد اور پابند ہیں، کسی ایک مسئلہ میں وہ اختلاف کرنا نہیں چاہتے، گویا وہ امام نبی ہے اور ان پر اس کی اطاعت واجب ہے حالانکہ چوتھی صدی سے پہلے یہ حالت نہ تھی۔"

تفہیمات (۱/۲۱۴) میں لہجہ ذرا اور سخت ہوگیا، اس میں صوفیوں اور علما کا تذکرہ اس جلال سے فرماتے ہیں:

"نحن لا نرضى بهؤلاء الذين يبايعون الناس ليشتروا به ثمناً قليلاً أو يشوبوا أغراض الدنيا إذ لا تحصل الدنيا إلا بالتشبيه بأهل الهداية، ولا بالذين يدعون إلى أنفسهم ويأمرون بحسب

أنفسهم، هؤلاء قطاع الطريق دجالون كذابون مفتونون فتانون، إياكم وإياهم، ولا تتبعوا إلا من دعا إلىٰ كتاب اللّٰه وسنة رسوله ولم يدع إلى نفسه." اھ

''ہم نہ تو ان صوفیوں کو پسند کرتے ہیں جو دنیا کے لیے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں، کیونکہ دنیا کمانے کے لیے بھی اصحاب ہدایت سے مشابہت ضروری ہے، اور نہ ان علما کو پسند کرتے ہیں جو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں، یہ ڈاکو ہیں، جھوٹے ہیں، خود فتنے میں مبتلا ہیں، لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں، ان لوگوں سے بچو، اور صرف ان لوگوں کی بات قبول کرو جو کتاب و سنت کی طرف دعوت دیں اور اپنی ذات کی طرف دعوت نہ دیں۔''

پھر طالب علموں کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوتا ہے:

''ورب إنسان منكم يبلغه حديث من أحاديث نبيكم فلا يعمل به، ويقول إنما عملي على مذهب فلان لا على الحديث، ثم احتال بأن فهم الحديث والقضاء به من شأن الكمل المهرة، وإن الأئمة لم يكونوا ممن يخفى عليهم هذا الحديث فما تركوه إلا لوجه ظهر لهم في الدين من نسخ ومرجوحية." (تفهيمات: ١/ ٢١٥)

''بہت سے لوگوں کو تم سے حدیث نبوی مل جاتی ہے لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: میرا عمل فلاں مذہب پر ہے۔ پھر بہانہ بناتے ہیں کہ حدیث سمجھنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا کامل اور ماہر لوگوں کا کام ہے، اور ائمہ سے یہ حدیث پوشیدہ نہ تھی، کوئی وجہ ضرور ہوگی جس کی بنا پر ائمہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔''

اس کے نتیجہ میں فرماتے ہیں:

''یہ قطعاً دین کی بات نہیں، تم صرف آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرو،

مذہب کے موافق ہو یا مخالف، اللہ کی مرضی یہی ہے کہ تم کتاب وسنت کی اطاعت کرو۔'' الخ

بظاہر شاہ صاحب فقہ حنفی سے مانوس ہیں، ان کا خاندانی مسلک عام طور پر فقہ عراقی ہے، لیکن شاہ صاحب چونکہ جمود اور اس توقیفی فقہ سے بیزار ہیں اس لیے اس فقہی نظام پر بھرپور وار کرتے ہیں۔ ''قرة العينين'' میں شیخین (حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے محاسن میں فرماتے ہیں کہ دراصل اختلاف شیخین کے بعد شروع ہوا:

''گویا اصل مذاہب اربعہ اجماعیات شیخین افتادہ، اما ایں سخن یکسے کہ سرمایہ علم او بجز قدوری و وقایہ باشد نتواں گفت۔'' (قرة العینین، ص: ۱۲۴)

''مذاہب اربعہ میں اجماعی مسائل شیخین ہی کے مرہونِ منت ہیں لیکن یہ بات ان حضرات کی سمجھ میں نہیں آ سکتی جن کے علم کا کل سرمایہ قدوری اور وقایہ ہے۔''

دوسرے مقام پر اسی انداز سے فرماتے ہیں:

''ایں نکتہ کسے کہ سرمایہ فقہ او شرح وقایہ ومنہاج باشد نمے تواند دانست آں را عالمے متبحر باید۔'' (ص: ۱۳۵)

''یہ نکتہ شرح وقایہ اور منہاج وغیرہ پڑھنے والے فقہا کی سمجھ میں نہیں آ سکتا، اس کے لیے متبحر عالم کی ضرورت ہے۔''

شاہ صاحب کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ متون وشروحِ فقہ کو جو اعتماد وتفوق حاصل ہوا ہے وہ ائمہ اور ان کتب کے مصنفین کے ساتھ محبت اور ان کے علوم پر یقین سے حاصل ہوا ہے، دراصل یہ اعتماد صحابہ اور خصوصاً شیخین پر ہونا چاہیے۔ رضي الله عنهم ورضوا عنه.

بالکل اسی انداز سے یہ تذکرہ ''إزالة الخفاء'' میں آیا ہے۔ شاہ صاحب کی نظر میں یہ فقہی نظام اور یہ تقلید محض شخصی کوششیں ہیں، انھیں اساسی طور پر کوئی اہمیت نہیں، اس کے وجوب اور فرضیت کی بحث بے معنی اور لا حاصل ہے، یہ بزرگ عالم تھے، ان کے علوم سے ممکن طور پر استفادہ کرنا چاہیے۔

اس قسم کی تصریحات حجۃ اللہ البالغہ کے کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، بلکہ بعض مقامات پر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حجۃ اللہ میں تفہیمات کے بعض مجمل مضامین کی تفصیل اور شرح ہے۔

اُصول فقہ:

اس میں شک نہیں کہ اصول فقہ کی تاسیس اور تدوین علمائے اہلحدیث خصوصاً امام شافعی نے فرمائی ہے، اور عموماً اصول قرآن و حدیث اور لُغتِ عرب اور عقلِ سلیم سے اخذ کیے گئے ہیں، امام شافعی کے اس شاہکار کا تذکرہ ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں مرحوم، کشف الظنون للکاتب چلپی، فہرست ابن ندیم وغیرہ میں ملتا ہے۔ ❶ شاہ ولی اللہ نے بھی یہ تذکرہ حجۃ اللہ (۱/ ۱۱۷) وغیرہ تصانیف میں فرمایا ہے۔

ویسے اصول فقہ اور اصول حدیث کی حیثیت منطق کی ہے، حدیث کی تصحیح اور تضعیف میں اصول حدیث اور فقہی جزئیات کی تخریج میں اصول فقہ کو وہی مقام حاصل ہے جو معقولات میں منطق کو۔ اس فن کی تاسیس گو امام شافعی ہی نے فرمائی ہے لیکن فقہاء حنفیہ کی خدمات اس فن میں قابلِ تعریف ہیں، بلکہ اس فن کی بدولت اُنھوں نے بانی فن امام شافعی پر بھی بعض مقامات پر کڑی تنقید کی ہے، اور سچ یہ ہے کہ فقہ کا کام اور خوبی اصول فقہ ہی سے ہے، شاہ صاحب نے فقہ کے ساتھ اصولِ فقہ پر بھی تنقید فرمائی ہے اور اس بھرم کی حقیقت کھول دی ہے۔

قرۃ العینین (ص:۱۸۶) میں فرماتے ہیں:

”حنفیان برائے احکام مذهب خود اصلے چند تراشیده اند (۱) الخاص بين فلا يلحقه البيان (۲) العام قطعي كالخاص (۳) المفهوم المخالف غير معتبر (٤) الترجيح بكثرة الرواة غير معتبر (٥) الزيادة على الكتاب نسخ.“ اھ

---

❶ أبجد العلوم (۲/ ۷۲) كشف الظنون (ص: ۸٤٠)

> ”اور احناف نے مذہب کی پختگی کے لیے کچھ اصول تراشے ہیں، مثلاً خاص بین ہے اسے بیان کی ضرورت نہیں، عام بھی خاص کی طرح قطعی الدلالت ہے، مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے، کتاب اللہ پر زیادت کتاب کا نسخ ہے۔“

بعینہٖ اسی انداز سے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فتاویٰ عزیزی (ص:٦٢) میں کسی قدر تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ شاہ عبدالعزیز کا لہجہ شاہ ولی اللہ صاحب سے زیادہ سخت ہے:

> ”ومن اللطائف التي قلما ظفر بها جدلي كحفظ مذهبه ما اخترعه المتأخرون لحفظ مذهب أبي حنيفة، وهي عدة قواعد يردون بها جميع ما يحتج بها عليهم من الأحاديث الصحيحة.“

> ”متاخرین کے چند گھڑے ہوئے قواعد حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب کی حفاظت کے لیے جو دنیا کے عجائبات سے ہیں، ان قواعد کی بدولت وہ تمام صحیح احادیث کو رد کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہوں۔“

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے تقریباً نو قواعد کا ذکر فرمایا ہے جن میں بعض تو وہی ہیں جن کا تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے۔ میں نے بسط اور اطناب سے ڈرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے۔ طالبِ حق کو فتاویٰ عزیزی (١/٦٢) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں کئی جگہ اصول فقہ پر شاہ صاحب نے کڑی تنقید فرمائی ہے لیکن ”باب حكاية حال الناس بعد المائة الرابعة“ میں تقلید اور اس کے شیوع کی بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”وبعضهم يزعم أن بناء المذاهب علىٰ هذه الجدلية المذكورة في مبسوط السرخسي والهداية والتبيين ونحو ذلك، ولا يعلم أن أول من أظهر ذلك فيهم المعتزلة.“ (١/ ١٢٨)

> ”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذاہب کی بنیاد ان مناظرانہ محاورات پر ہے جن کا ذکر مبسوط سرخسی، ہدایہ اور تبیین میں ہے، اور یہ بیچارے نہیں جانتے

کہ دراصل ان جدلیات کے بانی معتزلہ ہیں۔“

اس کے بعد اصول فقہ کے متعدد قواعد اور ان کا حدیث کے انکار میں جو اثر پڑتا ہے ذکر فرمایا ہے، پھر پورے جلال کے ساتھ ان قواعد پر معارضات عائد فرمائے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ احناف خود بھی ان قواعد کے پابند نہیں۔ یہ بحث کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، حق پسند طالب علم کو ان مقامات کا مطالعہ پورے غور سے کرنا چاہیے۔

اس وقت گزارش کا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب جس طرح فقہی جزئیات کو دین اور شریعت نہیں سمجھتے اسی طرح وہ اصولِ فقہ کو بھی لازوال اور دائمی نہیں سمجھتے، یہ محض علمی کوششیں ہیں جو علما نے اپنے مسالک کو بچانے کے لیے کی ہیں، نہ فروع کے انکار سے کفر لازم آتا ہے نہ اصول فقہ کے انکار سے دیانت میں خلل لازم آتا ہے۔

فروع کے متعلق شاہ صاحب کی روش:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے رفقا عقائد، اصول اور فروعی مکاتب فکر کے التزام میں کسی طرح جمود کو پسند نہیں فرماتے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ کسی پابندی کے بغیر مذاہب اربعہ اور ائمہ حدیث کے مسائل پر عمل کیا جائے، بظاہر حنفی ہونے کے باوجود وہ محدثین اور شوافع کے معمولات کو ترجیح دیتے اور پسند فرماتے ہیں۔

اس وقت ابنائے دیوبند سے بڑی کثرت شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے ساتھ انتہائی عقیدت کا اظہار کرتی ہے مگر ان کی روش اور ان کا عمل شاہ صاحب، ان کے رفقا اور خاندان کے نظریات کے بالکل خلاف ہے۔ آج کا دیوبند، بریلویت سے چنداں مختلف نہیں، اختلافات لفظی قسم کے رہ گئے ہیں۔

آگے آنے والی گزارشات سے معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب فروع میں کس قدر وسیع الظرف تھے اور دیوبند کی موجودہ پود میں کس قدر تنگ ظرفی اور انقباض ہے؟ وہ اپنے خلاف کوئی چیز سننا پسند نہیں کرتے اور شاہ صاحب شافعی مکتب فکر پر عمل سے پرہیز نہیں فرماتے۔

حدیث قلتین:

پانی کی طہارت کے متعلق شوافع اور احناف میں بے حد اختلافات ہیں، قلتین کی حدیث کو ان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، احناف اسے مضطرب فرماتے ہیں، شوافع اسے صحیح سمجھتے ہیں، اور معذرت فرماتے ہیں کہ قدماءِ احناف اور موالک پر ایسی احادیث مخفی رہیں یا فہمِ مراد میں ان حضرات سے تسامح ہوا۔

"ومثاله حديث القلتين فإنه حديث صحيح روي بطرق كثيرة. الخ"
(حجة الله: ١/ ١١٧)

"قلتین کی حدیث صحیح اور متعدد طرق سے مروی ہے۔"

گویا طہارت کے مسائل پر اس حدیث کی وجہ سے جو شبہات واقع ہوتے تھے شاہ صاحب ان کا فیصلہ شوافع کے حق میں دیتے ہیں، اور احناف و موالک کی طرف سے معذرت فرماتے ہیں کہ ابتدائی دور میں یہ حدیث عام نہیں ہوئی۔

امام کے پیچھے فاتحہ:

ائمہ احناف اور شوافع کے نزدیک امام کی اقتدا میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق نزاع مشہور ہے، بیسیوں رسائل اس موضوع پر شائع ہوئے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"وإن كان مأموماً وجب عليه الإنصات والاستماع، فإن جهر الإمام لم يقرأ إلا عند الإسكاتة، وإن خافت فله الخيرة، فإن قرأ فليقرأ بفاتحة الكتاب قراءة لا يشوش على الإمام، وهذ أولى الأقوال عندي، وبه يجمع بين أحاديث الباب." (حجة الله: ٢/ ٧)

"مقتدی کو چاہیے کہ امام کے پیچھے خاموشی سے سنے، اگر امام آواز سے پڑھے تو سکتات کے درمیان قراءت کرے، اور اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہو تو

مقتدی جس طرح چاہے پڑھے، لیکن اس طرح پڑھے کہ امام کی قراءت میں تشویش اور پریشانی نہ ہو۔“

شاہ صاحب کے ارشادات میں اعتدال ہے، دونوں فریق کے تشدد کو شاہ صاحب پسند نہیں فرماتے۔

رفع الیدین اور وتر:

رکوع وغیرہ میں رفع الیدین اور وتروں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہے:

”والحق عندي في مثل ذلك أن الكل سنة، ونظيره الوتر بركعة واحدة وثلاث، والذي يرفع أحب إلي ممن لا يرفع، فإن حديث الرفع أكثر وأثبت غير أنه لا ينبغي لإنسان في مثل هذه الصور أن يثير على نفسه فتنة عوام بلده.“ (حجة الله: ٢/ ٨)

”میرے نزدیک حق یہ ہے کہ رفع یدین کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں، اسی طرح ایک رکعت اور تین رکعت وتر پڑھنے والا، اور رفع الیدین کرنے والا مجھے نہ کرنے والے سے زیادہ پسند ہے کیونکہ رفع یدین کی احادیث زیادہ ہیں اور صحیح ہیں، لیکن انسان کو ایسے اعمال کی وجہ سے اپنے خلاف ہنگامہ بپا نہیں کرانا چاہیے۔“ (خدا کا شکر ہے کہ ہنگاموں کا موسم گزر گیا)

ظاہر ہے عوام میں ان اعمال کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی تھی اور خواص اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، اب وہ سلسلہ بحمداللہ ختم ہوگیا۔

زیارتِ قبور کے لیے شدِ رحال:

عوام میں مروج ہے کہ بزرگوں اور استھانوں کی زیارتوں کے لیے دور دراز کے سفر کرتے ہیں اور حج کے شعائر کی طرح ان زیارتوں کی پابندی کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"والحق عندي أن القبر، ومحل عبادة ولي من الأولياء، والطور كل ذلك سواء في النهي والله أعلم." (حجة الله: ١/ ١٥٣)

"حق یہ ہے کہ قبرِ ولی، عبادت گاہ اور طور پہاڑ وغیرہ نہی میں برابر ہیں، کسی کے لیے بالاستقلال سفر درست نہیں، آنحضرت ﷺ نے شدِ رحال سے منع فرمایا ہے۔"

زیارت پسند دیوبندی اور بریلوی حضرات اس مسئلہ میں بڑی طعن آمیز گفتگو کرتے ہیں، لیکن شاہ صاحب وہی فرماتے ہیں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ توحید نے فرمایا ہے۔

وضو کے نواقض:

وضو کے نواقض میں فقہا مختلف ہیں۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے:

"وأصل موجب الوضوء الخارج من السبيلين، وما سوى ذلك محمول عليه." (حجة الله: ١/ ١٣٩)

"وضو ٹوٹنے کا اصل سبب وہی ہے جو سبیلین سے نکلے، باقی اسی پر محمول ہیں۔"

وتر:

وتروں کے متعلق اختلاف ہے، فقہائے حنفیہ واجب کہتے ہیں اور ائمہ حدیث سنت۔ شاہ صاحب کی رائے یہ ہے:

"والحق أن الوتر سنة، هو أوكد السنن، بينه علي، وابن عمر وعبادة بن الصامت." (حجة الله: ٢/ ١٣)

"وتر سنت مؤکدہ ہے، حضرت علی، ابن عمر اور عبادہ بن صامت سے یہی منقول ہے۔"

قنوت:

فقہاءِ احناف قنوت کو وتروں میں واجب سمجھتے ہیں اور شوافع صبح کی نماز میں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”واختلفت الأحاديث ومذاهب الصحابة والتابعين في قنوت الصبح، وعندي أن القنوت وتركه سيان، ومن لم يقنت إلا عند حادثة عظيمة أو كلمات يسيرة إخفاء قبل الركوع أحب إلي، لأن الأحاديث شاهدة على أن الدعاء على رعل و ذكوان كان أولا ثم ترك، وهذا وإن لم يدل على نسخ مطلق القنوت لكنها تؤمي إلى أن القنوت ليس سنة مستقرة.“ اھ ❶

”صبح کی قنوت کے متعلق احادیث اور صحابہ اور تابعین کے مذاہب مختلف ہیں (شاہ صاحب فرماتے ہیں) قنوت پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں، اور اہم حوادث پر چند کلمات پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے، کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ قبیلہ رعل و ذکوان پر بددعا ترک کر دی گئی، اس سے گو علی الاطلاق قنوت کا ترک ثابت نہیں ہوتا لیکن اس سے یہ واضح ہے کہ یہ مستقل اور دائمی سنت نہیں۔“

جمع بین الصلوتین:

عذر کی وجہ سے نماز جمع کرنے کے متعلق ائمہ میں اختلاف ہے، فقہائے احناف نہ جمع تقدیم کے قائل ہیں نہ جمع تاخیر کے، اور جمع صوری دراصل جمع ہی نہیں بلکہ جمع کی صورت ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نماز کے دراصل تین وقت ہیں، عصر ظہر سے نکال لی گئی اور عشا مغرب سے اخذ کر لی گئی، تاکہ دو نمازوں میں فاصلہ کم ہو اور نیند سے پہلے ہی ذکر سے غفلت نہ ہو۔

”فشرع لهم جمع التقديم والتأخير لكنه لم يواظب عليه، ولم

---

❶ حجة الله البالغة (ص: ٤٣٦)

يعزم عليه مثل ما فعل في القصر." اھ (حجة الله: ۲/ ۱۸)

"شارع حکیم علیہ السلام نے جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کی اجازت دے دی، لیکن نہ اس پر ہمیشگی کا حکم دیا نہ اس پر تاکید فرمائی، جیسے نماز قصر کے لیے تاکید فرمائی۔"

تکبیراتِ عیدین:

عید کی تکبیرات اور نماز عید کی ترتیب میں فقہائے اہل حدیث میں اختلاف ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"يكبر في الأولى سبعاً قبل القراءة، والثانية خمساً قبل القراءة، وعمل الكوفيين أن يكبر أربعا كتكبير الجنائز في الأولىٰ قبل القراءة، وفي الثانية ثلاثاً بعدها، وهما سنتان، وعمل الحرمين أرجح." اھ (حجة الله: ۲/ ۲۳)

"پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں قراءت سے پہلے (طریقہ اہل الحرمین)۔ علماءِ کوفہ کا خیال ہے کہ جنازہ کی طرح پہلی میں چار تکبیرات قراءت سے پہلے اور دوسری میں پانچ قراءت کے بعد، اور اہل حرمین کا عمل راجح اور بہتر ہے۔"

"دہ دردہ" پانی:

فقہائے حنفیہ اور شوافع میں ماءِ کثیر کے متعلق اختلاف ہے، متاخرین فقہائے احناف اس کی مقدار "دہ دردہ" فرماتے ہیں، اور شوافع قلتین بتاتے ہیں۔ پھر اگر کنواں پلید ہو جائے تو اسے پاک کرنے کے لیے ڈولوں کی مقدار کے متعلق عجیب قیاسی گھوڑے دوڑائے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"وبالجملة ليس في هذا الباب شيء يعتد به، ويجب العمل به."

(حجة الله البالغة: ۱/ ۱٤۷)

’’ان مسائل میں کوئی واجب العمل اور قابلِ اعتماد چیز نہیں ہے۔‘‘

پھر فرماتے ہیں:

”وقد أطال القوم في فروع موت الحيوان في البئر، والشعر، والماء الجاري، ليس في كل ذلك حديث عن النبي -صلی اللّٰه عليه وسلم.“ (حجة الله البالغة: ١/ ١٤٧)

’’کنویں میں جانور مرنے اور دہ در دہ اور ماء جاری کے مسائل میں علما نے طویل گفتگو کی ہے، لیکن ان میں کسی کے متعلق بھی قطعاً کوئی حدیث نہیں ہے۔‘‘

حجۃ اللہ، مصفٰی اور مسویٰ میں اور بھی کئی فروعی مسائل ہیں جن میں شاہ صاحب نے نہایت ہی وسعتِ ظرف سے اپنا رجحان فقہائے حدیث اور شوافع کی طرف فرمایا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ خشک حنفیت اور جامد عصبیت کو شاہ صاحب قطعاً پسند نہیں فرماتے، اور نہ قدماءِ احناف میں اس قسم کا جمود پایا جاتا تھا۔ یہ جمود چوتھی صدی سے شروع ہو کر آٹھویں نویں صدی تک عروج پر پہنچا۔ بدعت سے روکنے کی اصل راہ اتباعِ سلف ہے، ائمہ کی تقلید نے بھی بدعت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عقیدت مندی کا جمود آ گیا۔ اتباعِ سلف اور صحابہ کی مختلف رائیں اور ان کے فتووں میں مصالح کی بنا پر تنوع ہے، اس لیے وہاں جمود نہیں آ سکتا۔

چار مصلّے:

برقوق چرکسی نے حرم بیت اللہ میں ائمہ اربعہ کے نام سے چار مصلّے قائم کیے تھے، غالباً یہ عمل ۸۰۷ھ کے پس و پیش میں ہوا، اس وقت بھی علمائے حق نے اس تفریق کی مخالفت کی، لیکن حکومت اس تفریق کے احترام پر مصر رہی۔ یہ تفریق یہاں تک بڑھی کہ علی العموم ایک دوسرے کی اقتدا متروک ہوگئی، حنفی جماعت ہو رہی ہو تو شوافع اور

حنابلہ بے پرواہ ہو کر بیٹھے رہتے، گویا یہ اذان اور نماز ان کے لیے قائم ہی نہیں ہوئی۔ ① یہی حال ان کے ساتھ احناف کرتے۔ حرم کعبہ میں اس بدعت کے احداث سے ساری دنیائے اسلام میں اس کا اثر ہوا، ائمہ کے اُتباعِ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں:

> ”وخدائے تعالیٰ بے خبر نیست از آنچہ در زمان آیندہ عمل خواہید کرد و از راہِ بدعت یک یک جہت از جہات کعبہ تقسیم خواہید و در ترجیح وتفضیل جہتِ مختار خود ہر کس خواہد آورد، مثلاً حنفیہ جہتِ جنوب را اختیار خواہند کرد و امام ایشاں جانب شمال کعبہ خواہند استاد و در مقام خواہند گفت کہ قبلہ ما قبلہ ابراہیمی است زیرآنکہ آنجناب جانب میزاب متوجہ می شدند، و شافعیہ غرب را اختیار خواہند کرد و امام ایشاں در شرق کعبہ خواہد استاد و در مقام فخر خواہند گفت با استقبال باب مے نمائیم وقبلہ ما قبلہ منصوص۔“ اھ
>
> (تفسیر فتح العزیز: ۱/ ۵٤۱)
>
> ”اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم آئندہ ایک بدعت کرو گے اور اطرافِ کعبہ کو تقسیم کر کے اس پر فخر کرو گے۔ احناف جنوب کی طرف کھڑے ہوں گے، ان کا رخ شمال کی طرف ہوگا، وہ فخر کریں گے کہ ہمارا قبلہ ابراہیمی ہے۔ شوافع مغرب کی طرف کھڑے ہو کر مشرق کی طرف رُخ کریں گے، اور فخر سے کہیں گے کہ ہمارا قبلہ میزاب کے سامنے ہے، یہی سمت مخصوص ہے۔“

شاہ صاحب ان مصلّوں کی تقسیم کو بدعت سمجھتے ہیں اور اسلام میں اس تقسیم کو ناپسند فرماتے ہیں۔

---

① شکر ہے کہ بیت اللہ کی جدید تعمیر میں سلطان سعود بن عبدالعزیز نے یہ مصلّے بالکل ختم کر دیے ہیں، اب لوگ ایک ہی امام کی اقتدا کرتے ہیں، مختلف جماعتیں نہیں ہوتیں، اب یہ بدعت ختم ہوگئی۔ والحمد للہ رب العالمین [مؤلف]

ائمہ کی تقلید اور ان کی اطاعت کا مسئلہ اپنی جگہ پر قابل بحث ہے، اگر مروجہ تقلید کے جواز میں کوئی سہارا مل بھی جائے تو ائمہ رحمہم اللہ کے نام پر یہ تفریق کبھی درست نہیں ہو سکتی۔ برقوق جیسے مسرف بادشاہ سے یہی اُمید ہو سکتی تھی، تفریق بین المومنین کا مزید بوجھ اس کی گردن پر ہوگا اور اسی طرح ان علما پر جنھوں نے اسے سندِ جواز عطا کی۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُوْنَ﴾

شاہ صاحب کا مقصد:

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جمود غلط ہے تو پھر صحیح کیا ہے؟ شاہ صاحب موجودہ حالات میں کیا تبدیلی چاہتے ہیں؟ قیاس اور رائے پرستی بھی انھیں پسند نہیں، اور ظواہر پرستی بھی ان کی نگاہ میں معیوب ہے تو پھر وہ کیا ہے جسے پسند کیا جائے؟

اس معاملے میں شاہ صاحب اپنا عندیہ حلف مؤکد کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

> "وأشهد لله بالله أنه كفر بالله أن يعتقد في رجل من الأمة ممن يخطيء ويصيب أن الله كتب علي اتباعه حتما، وأن الواجب علي هو الذي يوجبه هذا الرجل علي، ولكن الشريعة الحقة قد ثبت قبل هذا الرجل بزمان، قد وعاها العلماء، وأداها الرواة، وحكم بها الفقهاء، وإنما اتفق الناس على تقليد العلماء علىٰ معنى أنهم رواة الشريعة عن النبي ـصلى الله عليه وسلم، وأنهم اشتغلوا بالعلم ما لم نشتغل، فلذلك قلدوا العلماء، فلو أن حديثا صح، وشهد لصحتها المحدثون، وعمل به طوائف فظهر فيه الأمر، ثم لم يعمل به هو؛ لأن متبوعه لم يقل به فهذا هو الضلال البعيد." اھ ❶

"میں اللہ کے لیے اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اُمت میں کسی ایسے آدمی کے

---

❶ تفهيمات (١/ ٢١١)

متعلق، جو غلطی بھی کرتا ہو اور صحیح بھی کہتا ہو، یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی اطاعت ضروری ہے اور جسے وہ واجب کہے اسے واجب سمجھنا ضروری ہے، یہ قطعاً کفر ہے، کیونکہ شریعت اس شخص سے مدتوں پہلے سے موجود ہے، علما نے اسے حفظ اور ضبط کیا اور رواۃ نے اسے بیان کیا، فقہا نے اس کے مطابق فیصلے فرمائے، لوگوں نے علما کی تقلید کو صرف اس لیے متفقہ طور پر قبول کیا کہ وہ درحقیقت شریعت کے آنحضرت ﷺ سے راوی ہیں، اور علم ان کا مشغلہ ہے، اور وہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں لیکن اگر حدیث صحیح ہو، محدثین اس کی صحت کے شاہد ہوں، عامۃ المسلمین نے اس پر عمل کیا ہو، معاملہ واضح ہو چکا ہو، پھر اس پر صرف اس لیے عمل نہ کیا جائے کہ امام یا متبوع نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا تو یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔''

شاہ صاحب کا ارشاد کسی حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں، وہ تقلید کے صرف اس حد تک قائل ہیں کہ اہلِ علم کتاب وسنت سے روایت کرتے ہیں، علمی مشاغل کی وجہ سے ان کی معلومات زیادہ ہیں، عوام ان کی معلومات سے استفادہ کر سکیں، صحیح حدیث کا علم جب صحیح ذرائع سے پہنچ جائے تو علما کے ساتھ تقلیدی وابستگی کا تعلق یکسر ختم ہو جائے گا۔ حدیثِ صحیح کے ہوتے ہوئے کسی عالم کے لیے تعصب یا اس کی حمایت کے لیے تاویل کے دروازوں کا کھول دینا شاہ صاحب کی نگاہ میں بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس انداز کو وہ کسی طرح بھی پسند نہیں فرماتے۔

اس مقصد کے لیے دوسری راہ:

شاہ صاحب کی تجویز یہ ہے کہ اس فقہی جمود کو توڑنے کے لیے مختلف مسالک کو باہم آمیز کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ مصالح اور ان کے تقاضوں کی روشنی میں بعض مسائل میں حنفی مسلکِ فکر اختیار کیا جائے اور بعض میں شافعی مسلک کو قبول کر لیا جائے۔ فرماتے ہیں:

”ونشأ في قلبي داعية من جهة الملأ الأعلى تفصيلها أن مذهب أبي حنيفة، و الشافعي هما مشهوران في الأمة المرحومة، وهما أكثر المذاهب تبعا وتصنيفا، وكان جمهور الفقهاء، والمحدثين، والمفسرين، والمتكلمين، والصوفية متمذهبين بمذهب الشافعي، وجمهور الملوك وعامة اليونان متمذهبين بمذهب أبي حنيفة، وأن الحق الموافق لعلوم الملأ الأعلى اليوم أن يجعلا كمذهب واحد يعرضان على الكتب المدونة في حديث النبي ـصلى الله عليه وسلمـ من الفريقين فما كان موافقا بها يبقى، وما لم يوجد أصله يسقط.“ إلخ (تفهيمات: ۱/ ۲۱۲)

”ملأ اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں ڈالا گیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ دونوں ائمہ کے مذاہب امت میں مشہور ہیں، اور کثرتِ اَتباع اور کثرتِ تصنیف کے لحاظ سے مشہور ہیں، اور جمہور فقہا اور محدث، مفسر اور متکلم اور صوفی شافعی مذہب کے پابند تھے، اور اکثر بادشاہ اور یونان کے رہنے والے حنفی مسلک کے پابند تھے۔ اور ملا اعلیٰ کی نظر میں حق اور صحیح یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب کی جزئیات کو کتبِ حدیث پر پیش کیا جائے، اور معلوم ہے کہ دونوں مذاہب کے اہل علم نے فنِ حدیث میں تصنیفات کی ہیں، جو مسائل حدیث کے موافق ہوں قبول کر لیے جائیں اور جن کا اصل حدیث سے نہیں ہے انھیں کلیتًا ساقط کر دیا جائے۔ اور نقد و نظر کے بعد جن مسائل میں اتفاق پیدا ہو جائے انھیں دانتوں میں تھام لیا جائے۔ اگر اختلاف ہو تو انھیں دو قول تصور کر لیا جائے اور دونوں پر عمل صحیح سمجھا جائے، یہ اختلاف قراءتِ قرآن کی طرح سمجھا جائے یا رخصت اور عزیمت پر محمول کیا جائے یا تنگی سے نکلنے کے لیے دو راہیں اختیار کر لی جائیں

یا دونوں کو مباح سمجھا جائے اور معاملہ اس سے آگے نہیں جانا چاہیے۔"

شاہ صاحب نے حنفیت کی کثرت ہندوستان میں دیکھی اور شوافع کی اکثریت انھیں حجاز میں نظر آئی، اس لیے انھوں نے ان دونوں میں اتحاد کی ضرورت کو محسوس فرمایا، اگر شاہ صاحب نجد اور سوڈان میں حنبلیہ اور مالکیہ کو ملاحظہ فرما لیتے تو ان ہی وجوہ کی بنا پر ان کو بھی ان کے ساتھ ملا دیتے اور ان کے ساتھ اتحاد کو ضروری سمجھتے۔ اگر ان مسالک میں اتحاد دین کے کسی تقاضا کو پورا کر سکتا ہے تو مذاہب اربعہ میں اتحاد کی کوشش اور آرزو یقیناً اس تقاضا کو پورا کرے گی، اور شاہ صاحب ان مصالح کو اسلام کی روح تصور فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہی افکار کا جمود شاہ صاحب کے ذہن پر ایک بوجھ ہے جس کے لیے وہ بے حد متفکر ہیں۔

طلبا کو نصیحت اور علوم دین اور علوم دنیا میں تمیز فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> "خضتم كالخوض في استحسانات الفقهاء من قبلكم، إن الحكم ما حكمه الله ورسوله، ورب إنسان منكم يبلغه حديث من أحاديث نبيكم فلا يعمل به، ويقول إنما عملي على مذهب فلان، لا على الحديث، ثم احتال بأن فهم الحديث من شأن الكمل المهرة، وإن الأئمة لم يكونوا ممن يخفى عليهم هذا الحديث فما تركوه إلا لوجه ظهر لهم في الدين من نسخ أو مرجوحية." اھ (تفهيمات: ١/ ٢١٤)
>
> "تمھاری توجہ پوری طرح فقہا کے استحسانات اور تفریعات کی طرف ہے، اور تم نہیں جانتے کہ درحقیقت حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے رسول کا۔ اور تم میں سے بہت سے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی حدیث پہنچ جاتی ہے لیکن وہ اسے اس لیے قابلِ عمل نہیں سمجھتا کہ اس کا عمل فلاں مذہب پر ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنا تو ماہرین اور اصحاب کمال کا کام

ہے، اور ائمہ پر کوئی چیز مخفی نہ تھی، ان کو اس حدیث کا علم ضرور ہوا ہوگا اور کوئی وجہ از قسم نسخ اور مرجوحیت ضرور ہوگی ورنہ وہ ضرور اس پر عمل کرتے۔"

شاہ صاحب ائمہ کا احترام فرماتے ہیں لیکن ان کی علمی وسعت کے باوجود ان پر اس طرح اعتماد اور حسنِ ظن کو پسند نہیں فرماتے جس سے صحیح حدیث کو نظر انداز کرنے کی نوبت آجائے، مروجہ تقلید میں یہی عیب ہے جو شاہ صاحب کے ذہن میں کھٹک رہا ہے، وہ طلبا کو نصیحت فرماتے ہیں کہ حدیث کے متعلق انھیں اس سطح سے اونچے ہو کر غور کرنا چاہیے۔

شاہ صاحب کا اپنا مسلک:

سابقہ نظریہ سے ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ضروری سمجھتے ہیں کہ عوام علما کی اطاعت و اتباع کریں لیکن نہ اس میں پیغمبر کی طرح کسی شخص کا تعین ہو اور نہ جمود کی روح سرایت کرنے پائے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور مصفی میں اہل حدیث اور اہل الرائے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظر میں ائمہ کوفہ کے سوا باقی ائمہ اہل حدیث ہیں، وہ اپنے اساطین اور اساتذہ کے قواعد کی بجائے استدلال اور اجتہاد کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھتے ہیں، لیکن جہاں تک عوام شوافع، موالک اور حنابلہ کا تعلق ہے وہ بہر حال وہ کچھ ہیں جو شاہ صاحب کو کسی طرح بھی پسند نہیں، وہاں جمود بھی ہے اور عصبیت بھی۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد (ابن العربی) کے مقام کی رفعت دیکھیے۔ اور امام شافعی کے متعلق ان کے لب ولہجہ کی تلخی دیکھیے (ملاحظہ ہو ان کی احکام القرآن) ❶ تعصب کے سوا اس کی اور کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟ اور تمام مذاہب میں یہ عصبیت اور تلخی تقریباً ملتی ہے۔

اس لیے شاہ صاحب نے سابقہ نظریہ پر عمل کے لیے ایک اور راہ اختیار فرمائی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اس کے سوا کوئی دوسری راہ ہے بھی نہیں۔

---

❶ أحكام القرآن لابن العربي (١/ ٢٧٤، ٤١٠)

شاہ صاحب ”المقالة الوضية في النصيحة والوصية“ میں فرماتے ہیں:

”وصیت اول ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت در اعتقاد وعمل و پیوستہ بتدبر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقائد مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن بہ تشکیکات معقولیان خام التفات نکردہ و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن وآنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن وإلّا کالائے بد بریش خاوند دادن، امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہا کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و بدیشاں التفات نہ کردن و قربت خدا جستن بدوی اینان۔“ (تفهيمات: ٢/ ٢٤٠)

تھوڑا بہت جاننے والوں کے لیے تو فقہاء محدثین ہی کی راہ صحیح ہوسکتی ہے، البتہ عوام کو ضرورت کے وقت حنفی اور شافعی فقہ کو کم از کم ملا لینا چاہیے، اور کم از کم ان دونوں فقہوں سے جو بھی ”أوفق بالكتاب والسنة“ ہو، اختیار کر لینا چاہیے۔

”ونحن نأخذ من الفروع ما اتفق عليه العلماء لا سيما؛ هاتان الفرقتان العظيمتان الحنفية والشافعية، وخصوصاً في الطهارة والصلوة فإن لم يتيسر الاتفاق، واختلفوا فنأخذ بما يشهد له ظاهر الحديث ومعروفه.“ اھ (تفهيمات: ٢/ ٢٠٢)

”ہم فروعی مسائل میں ان مسائل پر عمل کی کوشش کرتے ہیں جن پر علما متفق ہوں، خصوصاً دو بڑے گروہ حنفی اور شافعی، طہارت اور نماز کے مسائل میں یہ طریقہ اور بھی پسندیدہ ہے۔ اگر اس میں اتفاق نہ ہوسکے تو جو ظواہر

حدیث کے موافق ہو ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔“

آج کل کی تلخیوں اور ان کے پس منظر کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہندوستان میں مسلک اہل حدیث کا مقصد اسی نوعیت کا اتفاق تھا جسے فرقہ وارانہ عصبیت نے ہیبت ناک صورت دے دی، آج ایک آزاد ملک میں تقلید شخصی اور فقہی جزئیات پر زور دیا گیا یا حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ صرف حنفیت کو اسلام کا مرادف سمجھے تو اس کے نتائج اسلام کے لیے اور مسلمانوں کے لیے اچھے نہیں ہوں گے۔ فتاویٰ عالمگیری اپنے وقت کا بہت بڑا دینی اور علمی کارنامہ ہے جس کی تشکیل اور تاسیس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ صاحب کے والد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ صاحب بھی شامل تھے، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی دور اندیش نگاہ آنے والے فتنوں کے لیے اسے کافی نہیں سمجھتی، وہ ان فقہی استحسانات کو دین اور شریعت کا نام دینا اور اصول فقہ کو شرعی دستاویز قرار دینا پسند نہیں کرتے۔

ان کا منشا یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ فقہاء محدثین کی راہ کو بھی ان کے ساتھ ملا کر ملک میں ایک ایسے فقہی مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی جائے جس میں نہ حافظ ابن حزم کی ظاہریت ہو جس سے نصوص میں بھدا پن پیدا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی فصاحت و بلاغت اور حسنِ ادا نظر انداز ہو جائے، اور نہ قیاس اور رائے کو اس قدر اہمیت حاصل ہو کہ قوتِ فیصلہ علما کی موشگافیوں اور حیل آفرینیوں کے ہاتھ میں چلی جائے، اور نصوص شرعیہ اس حیران کن منظر میں صرف تماشائی ہو کر رہ جائیں، جیسے متاخرین فقہا نے فرضی صورتوں سے دین کا نیا محل تعمیر فرما دیا، قاضی خان، شامی، الاشباہ والنظائر ان کے سامنے ان علوم اور ان کی ہمہ گیر تعلیمات انگشت بدنداں ہو کر رہ گئیں۔

ایک بہت بڑا مغالطہ اور اہل حدیث:

کچھ مدت سے عوام میں ایک مغالطہ کی اشاعت ہو رہی ہے اور اچھے سنجیدہ اور

پڑھے لکھے حضرات کو اس میں مبتلا پایا گیا ہے، وہ یہ ہے:

> ’’اہل حدیث کوئی مکتبِ فکر نہیں، بلکہ حفاظ حدیث اور اس فن کے ماہرین کو اہل حدیث کا نام دیا گیا ہے۔‘‘

اس مغالطے کی حمایت ہمارے ملک کی بعض تحریکات نے بھی کی ہے، اور بعض کم سواد حضرات نے بھی اپنی تحریروں میں اس خیال کا اظہار فرمایا۔ اس کے دو ہی سبب ہیں: قلتِ مطالعہ یا پھر تعصب کے ساتھ سیاہ دلی!!

اس میں کچھ شک نہیں کہ فنِ حدیث اور اس کے حفظ و ضبط کا دل پسند مشغلہ مذاہب اربعہ میں رہا ہے، اور ان مکاتبِ فکر کے علما نے فن حدیث اور اس کے خوادم فن رجال، اصولِ حدیث وغیرہ کی خدمت کی، لیکن یہ حضرات اس خدمت کے باوجود فہم حدیث کے معاملے میں اپنے پیش رو امام ہی کے انداز سے سوچتے ہیں، جیسے حافظ طحاوی، علامہ ترکمانی، حافظ بیہقی، حافظ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی۔ یہ حضرات حدیث کی بہترین خدمت کے باوجود طریقِ فکر کے لحاظ سے یا حنفی ہیں یا شافعی، اسی طرح موالک اور حنابلہ میں بھی ایسے خدام حدیث موجود ہیں جو فکر کے لحاظ سے مالکیت یا حنبلیت کے پابند ہیں، وہ احادیث کے مفہوم کو سوچتے وقت اپنے ائمہ کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے۔ بلکہ ان کے تحقیقی ارشادات پر غور فرمایئے تو اپنے مخالفین کے خلاف بعض اوقات خاصا تشدد نظر آئے گا، اس کے باوجود وہ حدیث کے خادم ہیں۔

اہل حدیث مکتب فکر:

لیکن اہلحدیث مکتب فکر اس سے بالکل مختلف ہے، یہ وہ جماعت ہے جو اپنے افکار میں ان شخصی پابندیوں سے آزاد ہے، وہ مجتہد ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ شخصی اجتہادات کے پابند نہیں بلکہ ان بزرگوں کے لیے مواد اور دلائل فراہم فرماتے ہیں، خود بھی پیش آمدہ مسائل پر کتاب، اللہ اور سنت اور ائمہ سلف کے ارشادات کی روشنی میں

غور فرماتے ہیں، ائمہ اربعہ کے اجتہادات سے موافقت ہو یا مخالفت، اس کے لیے وہ چنداں فکر مند نہیں ہوتے، بلکہ ان کی نظر مصالح پر ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے:

"باب الفرق بين أهل الحديث وأهل الرأي."

عنوان سے ظاہر ہے کہ دو مکتبِ فکر کا تذکرہ ہوگا۔

پھر اہلحدیث کے چند اصول❶ ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

"فإن عجزوا عن ذلك أيضاً تأملوا في عمومات الكتاب والسنة، وإيماآتهما واقتضاآتهما، وحملوا نظير المسئلة عليها في الجواب إذا كانتا متقاربتين بادي الرأي، لا يعتمدون في ذلك على قواعد من الأصول، ولكن علىٰ ما يخلص إلىٰ الفهم، ويثلج به الصدر كما أنه ليس ميزان التواتر عدد الرواة، ولا حالهم ولكن اليقين الذي يعقبه في قلوب الناس، كما نبهنا علىٰ ذلك في بيان حال الصحابة." (حجة الله: ١/ ١١٩)

"اگر سابقہ اصولوں کے مطابق مسئلہ طے نہ ہو سکے تو کتاب و سنت کے ارشادات و اقتضاءات کو دیکھتے اور پیش آمدہ مسئلہ کے نظائر اور ان کے حکم پر غور کرتے اور جواب تلاش کرتے ہیں، جب وہ نظائر صراحتاً متقارب ہوں تو اصولِ فقہ کے قواعد کو چنداں ملحوظ نہیں رکھتے، بلکہ قلبی سکون اور طمانیت کو ملحوظ رکھتے ہیں، جیسے تواتر میں اصل چیز عددِ رواۃ نہیں بلکہ اصل چیز یقین اور اطمینان ہے۔"

---

❶ ان اصول کا ذکر شروع میں آچکا ہے، جماعت اسلامی اور اس کے ہمدرد حضرات نے گزشتہ ایام میں اس مغالطہ کی کافی اشاعت فرمائی تھی، ممکن ہے جماعت کے لیے یہ مغالطہ مفید ہو، علمی اور تحقیقی طور پر یہ قطعاً غلط ہے، تاریخی شواہد اس کے خلاف ہیں۔ [مؤلف]

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اہل حدیث محض فن کے حفاظ کا نام نہیں بلکہ ان کے نزدیک فہم و استدلال کے لیے کچھ اصول ہیں جو کتاب و سنت ہی سے ماخوذ ہیں، وہ تقلیدی نہیں بلکہ ان میں یقین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

> ”میں نے سنا ہے کہ گروہ صرف دو ہیں: اہل ظاہر اور اہل الرائے۔ تیسرا کوئی گروہ نہیں، جو بھی قیاس کرے اور استنباط کرے وہ اہل الرائے ہے، یہ قطعاً غلط ہے۔ اور رائے سے مراد عقل اور فہم نہیں کیونکہ اس کے سوا تو اہل علم کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں، اور نہ اس سے وہ رائے مراد ہے جس کا کتاب و سنت سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، یہ تو کوئی مسلمان پسند ہی نہیں کر سکتا، اور نہ رائے استنباط اور قیاس پر قدرت ہی کا نام ہے کیونکہ امام احمد، اسحاق بلکہ امام شافعی قیاس اور استنباط فرماتے ہیں لیکن وہ بالاتفاق اہل الرائے نہیں ہیں، بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ حضرات ہیں جو اجماعی اور جمہور ائمہ میں متفقہ مسائل کے علاوہ متقدمین سے کسی متعین بزرگ کے اصولوں پر استنباط اور تخریج فرماتے ہیں، اور نظائر کو نظائر پر محمول فرماتے ہیں، اور معینہ اصولوں کی طرف رجوع فرماتے ہیں، اور اس کے لیے احادیث و آثار کے تتبع کا تکلف نہیں فرماتے، اور ظاہری علما حافظ ابن حزم اور داود ظاہری حضرات قیاس اور آثار دونوں کو حجت نہیں سمجھتے اور محققین اہل سنت، اہل الرائے اور اہل ظاہر کے بین بین ہیں۔“ ❶

شاہ صاحب کے اس ارشاد سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:

① اہلِ حدیث صرف اہل فن نہیں بلکہ یہ ایک مکتبِ فکر ہے۔

② فقہائے کوفہ کے علاوہ باقی ائمہ اجتہاد اہل حدیث ہی سے تعلق رکھتے ہیں، ان

---

❶ حجة الله البالغة (١/ ١٢٩)

کے اَتباع اور مقلدین کو اہل حدیث نہ کہلا سکیں۔

③ اہل حدیث قیاس جلی اور نظائر کے حکم کو مانتے ہیں اور اجتہاد و استنباط کے قائل ہیں۔

④ اہل حدیث اور اہل ظاہر دو مختلف مکتبِ فکر ہیں، اور اہل الرائے ان دونوں سے الگ ہیں۔

⑤ اہل حدیث کتاب و سنت کے علاوہ صحابہ اور سلف کے ارشادات کو اصل سمجھتے ہیں اور اس پر اپنے فہم اور استنباط کی بنیاد رکھتے ہیں۔

⑥ اہل الرائے مسائل کے استنباط میں مخصوص اہل علم کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں، کتاب و سنت ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتے۔

⑦ اہل حدیث مکتبِ فکر اہل الرائے اور اہل ظاہر کے علاوہ ہے۔

شاہ صاحب نے اس قسم کی تصریحات حجۃ اللہ کے علاوہ تفہیمات، انصاف اور عقد الجید وغیرہ میں بھی فرمائی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ، تفسیر فتح العزیز میں اسی موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ صراطِ مستقیم میں حضرت سید احمد شہید نے بھی جمود اور مروجہ تقلید کے متعلق کافی وضاحت فرمائی ہے، ان تصریحات کی تائید شاہ اسماعیل شہید نے بھی فرمائی ہے۔ علامہ شوکانی نے ''القول المفید'' میں بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ ائمہ حدیث کے مسلک کی وضاحت فرمائی ہے۔

"إيقاظ همم أولي الأبصار" میں امام یحییٰ فلانی نے بھی محدثین کے مسلک کی تائید فرمائی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن قتیبہ نے "تأويل مختلف الحديث في الرد على أعداء أهل الحديث" میں فرمایا۔ ابن عبدالبر نے "جامع بيان العلم وفضله" میں اہل الرائے اور اہلحدیث کا تذکرہ فرمایا ہے، اور مسلک اہل حدیث کو راجح اور صحیح تصور کیا ہے۔ ان تصریحات کے لیے وقت اور کسی دوسری صحبت کی ضرورت ہے۔ حقیقت پسند آدمی ان تصریحات کا مطالعہ کرے تو اسے یقین ہوگا کہ اہل حدیث محض حفاظِ حدیث کا نام نہیں بلکہ

ان حضرات کا طریقِ فکر ہے جس میں تفقہ اور اجتہاد کی بنیاد کتاب وسنت اور سلفِ امت کے ارشادات پر رکھی گئی ہے، تقلید شخصی اور جمود کے لیے اس مسلک میں کوئی کام نہیں۔

شہرستانی (۵۴۸ھ) دور جمود کے آغاز سے بہت قریب ہیں، فرق اور مذاہب کے اجتماع اور افتراق پر ان کی نظر غائر اور وسیع ہے، ان کی کتاب "الملل والنحل" اس موضوع کی مستند دستاویز میں شمار کی جاتی ہے۔ ان کی تصریحات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل حدیث ایک مکتبِ فکر ہے جسے فقہی مکاتب میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، یہ محض حدیث کی خدمت کا نام نہیں۔

"ثم المجتهدون من أئمة الأمة محصورون في صنفين لا يعدوان إلى ثالث: أصحاب الحديث وأصحاب الرأي، أصحاب الحديث هم أهل الحجاز، وأصحاب مالك بن أنس، وأصحاب محمد بن إدريس الشافعي، وأصحاب سفيان الثوري، وأصحاب أحمد بن حنبل، وأصحاب داود بن علي ابن محمد الأصفهاني، وإنما سموا أصحاب الحديث؛ لأن عنايتهم بتحصيل الأحاديث، ونقل الأخبار، وبناء الأحكام على المنصوص، ولا يرجعون إلى القياس الجلي والخفي ما وجدوا خبراً أو أثرا." (الملل والنحل: ۲/ ۲۵ بر حاشیه کتاب الفصل لابن حزم)

"ائمہ مجتہدین کی دو ہی قسمیں ہیں: اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائے۔ اصحاب الحدیث کا مسکن حجاز ہے، امام مالک اور ان کے تلامذہ، امام شافعی اور ان کے شاگرد، سفیان ثوری اور ان کے رفقا، امام احمد کے ساتھی اور امام داود ظاہری کے خدام۔ انھیں اہل حدیث اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی توجہ حدیث اور اخبار کی طرف ہے اور احکام کی بنیاد نصوص پر رکھتے ہیں، جب تک حدیث موجود ہو، قیاس جلی اور خفی کی پرواہ نہیں کرتے۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

”أصحاب الرأي وهم أهل العراق، هم أصحاب أبي حنيفة النعمان بن ثابت، ومن أصحابه: محمد بن الحسن، وأبو يوسف يعقوب بن محمد القاضي، وزفر بن هذيل، والحسن بن زياد اللؤلؤي، وابن سماعة، وعافية القاضي، وأبو مطيع البلخي، وبشر المريسي، وإنما سموا أصحاب الرأي؛ لأن أكثر عنايتهم بتحصيل وجه من القياس والمعنى المستنبط من الأحكام، وبناء الحوادث عليها، وربما يقدمون القياس الجلي على أخبار الآحاد.“

(شهرستانی: ۲/ ۴۲)

”اہل عراق کو اصحاب الرائے کہا جاتا ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ ہیں، انھی میں امام محمد، امام ابو یوسف قاضی، زفر، حسن بن زیاد، ابن سماعہ، قاضی عافیہ، ابو مطیع بلخی اور بشر مریسی وغیرہ شمار ہوتے ہیں۔ انھیں اصحاب الرائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی زیادہ تر توجہ قیاس اور معانی کے استنباط کی طرف ہے اور احکام کی بنا قیاس پر رکھتے ہیں، اور بسا اوقات قیاس جلی کے سامنے خبر واحد کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔“

حجۃ اللہ کا مقام ”باب الفرق بين أهل الحديث وأهل الرأي“ شہرستانی کے اسی مقام کی شرح معلوم ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد اس وقت اس جہالت آمیز غلط فہمی کی اصلاح ہے جو بعض علمی حلقوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے کہ ”اہل حدیث محض فنی خدمت کا نام ہے۔“

شہرستانی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں قدیم مکتب فکر ہیں جو اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے استفادہ کرتے، ان کا باہم رد وتردید کا مشغلہ تو رہا ہے مگر کسی نے ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔

شہرستانی کے دونوں اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اصحاب الحدیث ایک مکتبِ فکر ہے جس نے احادیث کے متون اور اسانید کی حفاظت فرمائی، پھر اس پر فقہی تبویب فرمائی، فروع اور عقائد کی صحت پر استدلال فرمایا، شخصی آرا تو ان کے ہاں کوئی قیمتی چیز نہیں اس لیے فقہائے عراق یا دوسرے فقہا کی طرح ان لوگوں نے اپنی فقہ ایجاد نہیں فرمائی، تاکہ لوگ اس پر تقلیدی انداز میں اعتماد نہ کرنے لگیں، لیکن کتاب و سنت سے استنباط کی راہیں اور قیاس صحیح کے استعمال کی راہ کھولی، شخصی آرا پر نصوص شرعیہ کی برتری کو واضح کیا اور فقہ الحدیث کا بہت بڑا ذخیرہ اہل علم کے سامنے رکھ دیا۔

تاریخ کے امام اور تنقید کے مؤسس علامہ عبدالرحمان ابن خلدون (۸۰۸ھ) کا ایک اقتباس قابلِ غور ہے۔ فرماتے ہیں:

> ”وانقسم الفقه فيهم إلى طريقين: طريق أهل الرأي والقياس، وهم أهل العراق، وطريقة أهل الحديث، وهم أهل الحجاز، وكان الحديث قليلا في أهل العراق لما قدمناه، فاستكثروا من القياس، ومهروا فيه، فلذلك قيل أهل الرأي، ومقدم جماعتهم الذي استقر المذهب فيه وفي أصحابه أبو حنيفة.“
>
> (مقدمه ابن خلدون، ص: ۳۸۹)

> ”فقہ کی دو قسمیں ہوگئیں، فقہ اہل الرائے جن کا مرکز عراق ہے اور فقہ اہل حدیث جن کا مرکز حجاز ہے، اہل عراق میں حدیث کا چرچا کم تھا اور وہ قیاس میں ماہر تھے، ان کے امام حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔“

ابن خلدون کا تاریخی مقام پڑھے لکھے لوگوں سے مخفی نہیں، ان کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ اہل حدیث کو محض حفظ حدیث تک محدود رکھنا تاریخ سے بہت بڑی بے خبری ہے یا عصبیت کی وجہ سے دیانت میں نقص!

اسی طرح ایک اقتباس علامہ ابو المنصور عبدالقاہر البغدادی (۴۲۹ھ) کا گزر چکا ہے۔

علامہ کاتب چلپی کی نظر اصحاب مذاہب اور ان کی تصنیف پر جس قدر ہے وہ ان کی کتاب ''کشف الظنون'' سے ظاہر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''وأكثر التصانيف في أصول الفقه لأهل الاعتزال المخالفين لنا في الأصول، ولأهل الحديث المخالفين لنا في الفروع.''
>
> (كشف الظنون، ص: ٨٩، أبجد العلوم: ١/ ٣٢٥)

معلوم ہے جو لوگ اصول فقہ میں اصحاب التصانیف ہیں وہ محض الفاظ کے حافظ نہیں، وہ فہم الفاظ میں بھی تحقیقی نظر رکھتے ہیں، ان کی اصول فقہ پر دقیق نظر ہے، اس لیے انھیں فن کار کہنا کسی فنکار ہی کا کام ہے کوئی عالم یہ جرأت نہیں کر سکتا۔

اہلحدیث اور متکلمین:

دوسری صدی میں صفات باری کے متعلق فلاسفہ اور متکلمین نے جو دھاندلی مچائی تاریخِ مذاہب کے غواص اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس دور میں اہل حدیث نے جس پامردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے، قید و بند کے مصائب اہل حدیث نے جس طرح برداشت کیے وہ ایسی داستان نہیں جسے بھلایا جا سکے۔ یہ ہنگامہ دوسری صدی سے شروع ہو کر تقریباً آٹھویں صدی تک رہا، اس دور کے متکلمین اور فقہا محدثین کی تصانیف میں اہل حدیث کا تذکرہ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے، اربابِ تاویل کے سامنے ظواہر نصوص پر اڑنا اور مخالفین سے نمٹنا آسان نہ تھا لیکن اس وقت اہل حدیث نے یہ جنگ بڑی جواں مردی سے لڑی۔ مامون الرشید سے شروع ہو کر متوکل علی اللہ کی حکومت تک ان پر کیا گزری؟ اسے تاریخ کے طالبِ علم خوب جانتے ہیں، اس دور کی ان کتابوں میں یہ مباحث موجود ہیں، اہلحدیث کا تذکرہ جس انداز سے آیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ محض الفاظ کے حافظ اور فنکار نہیں بلکہ ان کی نظر معانی کی روح اور ان کے دُور رس عواقب پر رہی۔

حافظ ابن القیم اور ان کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس معرکہ رستخیز اور اس میدان کارزار کے بہادر سپاہی ہیں، اپنی تصانیف میں ان مباحث کا ذکر فرماتے ہوئے اہل حدیث کا ذکر جس عقیدت سے کرتے ہیں وہ صرف حفظ الفاظ کی وجہ سے نہیں۔ اعتزال و تجہم اور تشبیہ و تعطیل کے خارزار میں ظواہر نصوص کا ساتھ دینا معمولی بات نہیں۔

حافظ ابن قیم کی کتاب "الكافية الشافية في الانتصار للفرقة الناجية" اس معرکہ کارزار کا رجز ہے، جس میں وہ بار بار اہل حدیث کا تذکرہ ان لوگوں میں کرتے ہیں جنھوں نے فلاسفہ اور متکلمین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنت کی حمایت فرمائی، تاویل کی دھاندلیوں سے عامۃ المسلمین کو بچایا۔ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے۔

لا تبهتوا أهل الحديث به فما ذا قولهم تبا لذي البهتان ❶

"اہل حدیث پر بہتان مت لگاؤ، بہتان لگانے والوں کی حالت قابل افسوس ہے۔"

هذا هو الحشوي لا أهل الحديث أئمة الإسلام والإيمان

"حشوی دراصل یہ لوگ ہیں، اہل حدیث تو اسلام اور ایمان کے امام ہیں۔"

أسماء سميتم بها أهل الحديث وناصري القرآن والإيمان ❷

"تم نے اہل حدیث کے کئی نام رکھے ہیں اور وہ صرف قرآن اور ایمان کے معاون ہیں۔"

من سبهم أهل الحديث ودينهم أخذ الحديث وترك قول فلان ❸

"یہ اہل حدیث کو گالیاں دیتے ہیں، حالانکہ ان کا مذہب حدیث ہے اور اقوال رجال کو ترک کرنا۔"

---

❶ القصيدة النونية (ص: ١٤٥)

❷ القصيدة النونية (ص: ١٤٦)

❸ القصيدة النونية (ص: ١٥٢)

وكذاك أصحاب الحديث فإنهم ضرب لهم ولكم بذا مثلان

”اسی طرح اہل حدیث کی اور تمھاری دو الگ الگ مثالیں ہیں۔“

وإلى أولى العرفان من أهل الحديث خلاصة الإنسان والأكوان

”اور اہل حدیث اصحابِ معرفت ہیں اور انسانیت کا خلاصہ ہیں۔“

قصیدہ نونیہ کا شاید ہی کوئی ورق ہو جس میں کسی نہ کسی طریق سے اہلحدیث مکتبِ فکر کا تذکرہ نہ آیا ہو۔

علامہ بزدوی خبر واحد کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

”قال بعض أهل الحديث: يوجب علم اليقين.“ ❶

”خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔“

اُصول بزدوی کے شارح علامہ عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں:

”ذهب أكثر أصحاب الحديث إلى أن الأخبار التي حكم أهل الصنعة بصحتها توجب علم اليقين.“ ❷

”اکثر اصحاب الحدیث کا خیال ہے کہ جن خبروں کو اصحابِ فن نے صحیح فرمایا ہے، ان سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔“

علامہ عبدالعزیز بخاری مرسل کی حجیت کا ذکر کرتے ہوئے اہلحدیث پر طعن فرماتے ہیں:

”إنهم سموا أنفسهم أصحاب الحديث، وانتصبوا أنفسهم لحيازة الأحاديث والعمل بها، ثم ردوا منها ما هو أقوى أقسامها.“ ❸

”یہ لوگ اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں اور حدیث پر عمل اور اس کی حفاظت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس کی قوی ترین اقسام کا انکار کرتے ہیں۔“

---

❶ أصول البزدوي (ص: ١٥٤)

❷ كشف الأسرار (٢/ ١٩١)

❸ كشف الأسرار (٣/ ٢٢٥)

یہ تلخ نوائی محض حفظِ الفاظ پر نہیں یہ تحقیقی مسئلہ ہے جس میں اہلحدیث کی رائے قدمائے احناف کے خلاف ہے۔

دوسرے مقام پر اسی کشف الاسرار میں انبیا کے لیے رائے اور اجتہاد کے جواز کا تذکرہ فرماتے ہیں:

> ”هو منقول عن أبي يوسف من أصحابنا، وهو مذهب مالك والشافعي، وعامة أهل الحديث.“ ❶
>
> ”انبیا کے لیے اجتہاد کی اجازت ہے، امام ابو یوسف، مالک، شافعی اور اکثر اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔“

اس میں مذہب اہل حدیث کا تذکرہ بیسیوں مقامات پر آیا ہے، حسامی کی شرح غایۃ التحقیق میں اکثر مقامات پر اہل حدیث کا ذکر موجود ہے۔

اس لیے اہل حدیث سے مراد صرف حفاظِ الفاظِ حدیث مراد لینا انتہائی لاعلمی اور بے خبری ہے۔ قدما کی کتابوں میں دوسرے مکاتب فکر کی طرح اہلحدیث کا بھی ذکر آتا ہے، اصول فقہ میں یہ تذکرہ خاص طور پر ملتا ہے کیونکہ حسب ارشاد علامہ کاتب چلپی اس فن کے تو بانی ہی معتزلہ ہیں اور اصحاب الحدیث۔ البتہ متاخرین میں عصبیت بڑھتی گئی اور اقتدار بھی اہل تعصب کے ہاتھوں میں آ گیا تو حکومت اور اقتدار کے نشہ میں اہلحدیث کا ذکر کم ہوتا گیا اور نفرت بڑھتی گئی۔

تیسری صدی تک تو پورے فارس پر مسلک اہل حدیث کا اقتدار تھا، مصنفین صحاح اور دوسرے علم حدیث کے مدوّن زیادہ تر اسی علاقے کے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ہی حضرات کو توفیق بخشی کہ علوم کو آئندہ آنے والے لوگوں تک پہنچائیں اور انھوں نے یہ فرض ادا فرمایا۔ فجزاهم عن المسلمين أحسن الجزاء.

ان حضرات کی علوم پر نظر کا یہ حال تھا کہ تجوید میں بھی ان کی رائے کا تذکرہ ایک

---

❶ كشف الأسرار (٣/ ٩٢٥)

کتبِ فکر کے لحاظ سے ہوا ہے۔ ائمہ قراءت میں اختلاف ہے کہ آیہ ﴿وَ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ إِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف ہے یا نہیں؟ تجوید اور قراءت کے متعلق مستند کتاب "النشر في القراءت العشر" للعلامة محمد بن محمد الدمشقي (۸۳۳ھ) میں فرماتے ہیں کہ "إلا الله" پر وقف تام ہے۔ "وهو مذهب أبي حنيفة وأكثر أهل الحديث." (۱/ ۲۲۷)

قدما اہل حدیث ان تمام راہوں سے آگاہ تھے جن پر فقہائے متاخرین کو ناز ہے۔

فقہ اور اہلحدیث:

بچپن میں سنتے تھے:

"اہلحدیث کی مثال عطار کی ہے اور فقہا کی مثال طبیب کی۔"

اس کا اثر ذہن پر یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ دو گروہ ہیں، فقہا عطاری نہیں کرتے اور اہل حدیث، حدیث کے طبیب نہیں ہوتے لیکن جب علوم حدیث اور دفاترِ سنت دیکھنے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ یہ دو فرقے نہیں بلکہ عملی زندگی میں طبعی رجحانات کے مطابق ایک خاص طریق ہے جسے پسند کر لیا گیا۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ محدثین فقہ نہیں جانتے، نہ یہ درست ہے کہ فقہا حدیث نہیں جانتے، قدرت نے سب کو استعداد عطا فرمائی ہے جس کام کے لیے کسی نے اس استعداد کو استعمال کیا وہ چیز اسے عطا کر دی گئی۔

ائمہ حدیث کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے حلقۂ درس میں موجود تھے، حدیث کی کتابت اور حفظ و ضبط اور اس میں تفقہ کا مشغلہ اس وقت موجود تھا، صحابہ حدیث کا دور اور حفظ اسی طرح فرماتے تھے جس طرح حفاظِ قرآن کرتے ہیں، فہم کے لیے بھی اسی طرح محنت کرتے تھے لیکن اس وقت اس کی شکل تذکرے اور نوٹ کی تھی، کتاب کی طرح مدون نہ تھی، صحابہ اس کے غوامض کو سمجھتے تھے لیکن مروجہ کتب فقہ یا شروحِ حدیث کی طرح لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، اس کے باوجود وہ فقیہ بھی تھے اور محدث بھی، اہل حدیث بھی تھے اور

اصحاب فقہ بھی، کسی چیز کی فنی تدوین دوسری چیز ہے اور اس کا صحیح فہم دوسری چیز۔

صحابہ کے ان تذکروں میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا پورا تذکرہ امام احمد بن حنبل نے مسند میں نقل فرمایا ہے۔① حضرت ابوہریرہ کی مسند بواسطہ ہمام بن منبہ مطبوعہ موجود ہے۔ تابعین کا یہ سلسلہ اور بڑھ گیا اور یہ نوٹ اور ضخیم ہو گئے۔ زہری، ابن عیینہ، عمر بن عبدالعزیز کے تذکرے اب بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ مسند احمد میں یہی نوٹ بصورت مسانید موجود ہیں اور یہ ضخیم چھ جلدوں میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صدیوں سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ دور فقہا اور محدثین کا ہے، وہ احادیث کو حفظ بھی کرتے ہیں، اس کے مضمون کو سمجھ کر اس کی روشنی میں فتویٰ بھی دیتے ہیں۔ اس کے مواد کے لیے محلّی ابن حزم، مغنی ابن قدامہ، مصنف ابن ابی شیبہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، جس میں آثار کی بڑی مقدار موجود ہے، اسے فقہ کہیے یا آثار، ان لوگوں نے قرآن اور سنت سے سمجھ کر یہ فتوے دیے، بلکہ محدثین کی فقہ کے لیے تو قرآن و سنت کے بعد یہی آثار اجتہاد اور استنباط کی اساس اور بنیاد ہیں۔ (حجة الله: ١/ ١١٩)

تدوینِ حدیث کا دور:

اس کے بعد تدوین حدیث کا دور شروع ہوتا ہے، اس وقت کی مصنفات میں احادیث پر تبویب کی گئی ہے۔ صحیح بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، موطأ، ابن ماجہ وغیرہ کے مصنفین نے تبویب کی ہے، احادیث سے مسائل استنباط فرمائے ہیں، جس سے انسان میں قوتِ استنباط پیدا ہوتی ہے، مذاہب اربعہ کی کتب فقہ تو مسائل کی نقل ہے، ان کتابوں سے استنباط کا ملکہ مشکل ہی سے پیدا ہوتا ہے، ان ضخیم کتابوں کے ہوتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ فقیہ نہیں؟ ان کا کام الفاظِ حدیث کا حفظ تھا؟ یہ صرف فن کار تھے؟ ایک پڑھا لکھا شخص جسے حدیث کی کتابوں پر سرسری عبور بھی ہو

---

① مسند أحمد (٢/ ٣١٢ـ ٢/ ٣١٩)

اسے یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ ائمہ حدیث کو غیر فقیہ کہے۔

امام بخاری کی تبویب نے بڑے بڑے اربابِ فقہ و بصیرت کو حیرت میں ڈال دیا ہے، باقی محدثین ابوداود، نسائی، ترمذی، موطأ، ابن ماجہ کی تبویب نے ان کے تفقہ اور فقہی بصیرت کو واضح کر دیا ہے، جہاں تک احادیث سے مسائل کے استخراج اور فہم کا تعلق ہے ائمہ حدیث کی تبویب میں صحیح اور معیاری فقہ پائی جاتی ہے۔

اگر فقہ فرضی صورتوں کا نام ہے اور اس سے غیر موجود بلکہ ناممکن الوقوع معاملات اور احکام کا تعلق ہے تو واقعی اہلحدیث کی فقہ یا فقہ الحدیث میں اس کا ثبوت نہیں ملے گا، یہ خوبی فقہ العراق میں ہوگی لیکن یہ دراصل فقہ نہیں ائمہ حدیث کا مقام تو مصطلح فقہا سے کہیں زیادہ ہے۔

فرضی صورتوں پر احکام مرتب کرنا بھی کوئی مشکل چیز نہیں لیکن ”علم ما لم یقع والجهل عما وقع“ اہلحدیث کے نزدیک اسے فقہ کہنا ہی درست نہیں۔

شاہ ولی اللہ چاہتے ہیں کہ مروجہ فقہ کو حدیث اور آثارِ سلف کی تائید حاصل ہو اور ظاہریت خالصہ کو تفقہ اور قیاس جلی سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے، جسے مستقل طور پر گھبراہٹ کا پیغام سمجھ لیا گیا ہے اور حضراتِ دیوبند اور اربابِ بریلی دونوں اس مکتبِ فکر سے گھبرانے لگے۔ حضراتِ بریلی سے تو کوئی شکوہ نہیں کیونکہ وہاں پورا انحصار ہی جذبات اور چند نعروں پر ہے، عوام کی پیدا کی ہوئی رسوم اور چند بدعات کا نام شریعت رکھ لیا گیا اور غلط قسم کے رکھ رکھاؤ کو ادب سے تعبیر کر لیا گیا ہے، اور ان حضرات کے نزدیک یہی چیزیں کتاب و سنت کا نعم البدل ہیں۔ یہ حضرات توحید و سنت کی ٹھوس آواز سے ڈریں تو بجا ہے لیکن تعجب حضراتِ دیوبند سے ہے، وہ بھی وہابی کے لفظ سے اس قدر گھبرائے کہ میدان چھوڑ گئے!!

سانحہ بالاکوٹ کے بعد ان حضرات کی رسمی تصوف کے ساتھ کچھ ایسی وابستگی ہوئی

اور بیعت و ارادت ان میں کچھ اس انداز سے آئی کہ یہ حضرات بریلی سے بہت قریب پہنچ گئے، اذکار و اوراد میں بھی سنت کا معیاری مقام قائم نہ رہ سکا، نماز کے وقت اور ہیئت میں بھی تسکین اور اطمینان قریباً ختم ہوگیا، اور خشوع، انابت، ذوق اور اطمینان برائے نام رہ گیا۔ یہ گراوٹ شاہ اسحاق رحمہ اللہ کے بعد ہی شروع ہوگئی تھی لیکن بتدریج بڑھتی گئی، توحید کا صحیح موقف بعض حضرات میں تو بے شک نمایاں رہا لیکن اکثر ابنائے دیوبند نے قریباً بریلویت کی چوکھٹ پر گھٹنے ٹیک دیے، اور جو قافلہ اقامتِ دین اور توحید وسنت کی سرپرستی کے لیے بالاکوٹ کے میدان میں فروکش ہوا تھا، جس نے عہد کیا تھا کہ شاہ ولی اللہ کے تجدیدی عوامل اور مقاصد کی روشنی میں دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچائیں گے وہ بریلویت سے ڈر کر اور وہابیت کی تہمت سے گھبرا کر دم توڑ گیا اور اپنے موحد ساتھیوں کو چھوڑ کر بریلوی حضرات سے صلح کی راہیں تلاش کرنے لگا۔

۶ مئی ۱۸۳۱ء کے بعد یہ گروہ بدستور پسپا ہوتا گیا اور نہ صرف یہ کہ میدانِ وفا سے پیچھے ہٹ گیا بلکہ تحریک کی روح جمود اور آزادئ فکر سے بھی دست کش ہوگیا۔ میں نے سابقہ گزارشات میں شاہ صاحب کی تحریک کے مقاصد کا تذکرہ حضرت شاہ صاحب کی زبان اور حضرت ہی کے ملفوظات سے عرض کیا ہے، آپ خود فیصلہ فرمائیں گے کہ شاہ صاحب کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود یہ امانت محفوظ نہیں رکھی جا سکی بلکہ شاہ اسحاق کے تلامذہ سے اس کی سرپرستی صرف شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب اور ان کے تلامذہ نے فرمائی۔

جب تحریک کے سیاسی مقاصد کی تکمیل بظاہر مشکل ہوگئی تو اسے زیرِ زمین لے جا کر اپنی بساط کے مطابق زندہ رکھا گیا، مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی صاحب سے شروع ہو کر مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری اور مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی اور اس کے بعد مولوی ولی محمد اور مولوی فضل الٰہی مرحوم اور محمد حسین مجاہد کوٹ بھوانیداس

وغیرہم نے اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی۔ رہے حضرات دیوبند سو وہ ملک کی ملی جلی تحریکات میں کام کرتے رہے لیکن یہ خالص دینی تحریک ان کے فیوض سے محروم رہی تا آنکہ ملک کی تقسیم نے صورت حال کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔

یہ تو سیاسی صورت حال تھی لیکن دینی پہلو سے یہ حضرات شاہ صاحب کے پروگرام سے کافی الگ ہو گئے، جس جمود کو شاہ صاحب ختم کرنا چاہتے تھے دیوبند نے پورے زور سے اس کے احیا کی دعوت دی، پوری قوت سے اس کی سرپرستی کی۔ اس لیے میری ناقص رائے یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تحریک کے مقاصد کو سیاسی، علمی، معاشی اور فقہی طور پر اپنی بساط کے مطابق جماعت اہل حدیث نے پورا کیا، اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے ؎

مرا در عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم
ہوا در آں کویش را چو جان خویشتن دارم①

اربابِ دیوبند کی اس مصلحت اندیشی کا یہ اثر ہو رہا ہے کہ ان میں توحید کے داعی حضرات کو خارجی کا خطاب دیا جا رہا ہے، اور عوام کو مطمئن کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ دیوبندی نہیں ہیں۔ اس انتقامی جذبہ کی تسکین کے لیے نئے نئے مسائل پیدا کیے جا رہے ہیں جو اس اہمیت کے ساتھ پہلے کبھی سامنے نہیں آئے۔

شاہ صاحب سے علیحدگی:

اب ایک اور نوجوان گروہ پیدا ہو رہا ہے جسے شاہ صاحب کے مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ وہ شاہ صاحب کے متعلق عجیب انداز سے بدگمانیاں پیدا کر رہا ہے۔ یہ حضرات علامہ سید محمد زاہد کوثری مصری سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں، ان کا سب

---

① میرا محبوب کے ساتھ وعدہ ہے کہ جب تک بدن میں جان ہے، اس کا عشق دل میں رہے گا۔

سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ائمہ حدیث کے خلاف بدگمانی پیدا کرتے ہیں، رجال کے تذکروں میں قطع و برید کر کے ائمہ حدیث کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کے موجودہ گروہ سے ایک قابلِ احترام بزرگ ابن ماجہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں:

”وأما ما قال رحمه الله: وإن شئت حقيقة ما قلناه فلخص أقوال إبراهيم من كتاب الآثار لمحمد وجامع عبد الرزاق الخ. فهذا دأبه في تصانيفه إذا أتى بدعوى يأتي بكلام يدهش النّاظر. الخ“

(ما تمس إليه الحاجة، ص: ١٤)

یعنی شاہ ولی اللہ صاحب کا خیال ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ عموماً حضرت ابراہیم نخعی کے خیالات کا تتبع فرماتے ہیں، ان کے اجتہاد اور فقہ پر حضرت امام نخعی کا بہت زیادہ اثر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی عادت ہے کہ جب وہ کسی معاملہ کے متعلق لکھتے ہیں تو دہشت پھیلا دیتے ہیں (حالانکہ بات فی الحقیقت اس طرح نہیں ہوتی)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

”فنحن بحمد الله قد طالعنا كتاب الآثار، ولخصنا أقوال إبراهيم النخعي رضي الله عنه، ثم قايسناه بمذهب الإمام فوجدنا الإمام يجتهد كما اجتهد النخعي وأقرانه، ونراه في كثير من المواضع يترك رأي إبراهيم وراءه ظهريا.“ (ص: ١٤)

”ہم نے کتاب الآثار امام محمد کا مطالعہ کر کے امام نخعی اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کی تلخیص کی ہے۔ امام کئی مقام پر حضرت ابراہیم کی رائے کو ترک فرما دیتے ہیں۔“

یہ محض حبِ علی کے انداز سے فرمایا گیا ہے حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمائی۔ چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف خود بخود زبانِ قلم پر آ گیا اور فرمایا:

”وإن كان لا ينكر أن لأراء إبراهيم النخعي أثراً خاصاً في تفقيه

الإمام أبي حنيفة واجتهاده." (حوالہ مذکورہ)

"لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہاد اور تفقہ پر خاصا اثر ہے۔"

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ میں جہاں یہ تقابل فرمایا ہے ان کا مقصد قلت و کثرت عددی اور حساب کے قواعد کے لحاظ سے نہیں، ان کا مقصد یہی تأثر ہے۔ آخر آپ حضرات صاحبین کو دو تہائی مذہب میں اختلاف کے باوجود حضرت امام والا مقام کے مقلد مانتے ہیں، حضرت امام بھی امام نخعی سے متاثر ہوں تو اس میں جرم کیا ہے؟ اگر تقلید کا مطلب یہی تأثر ہے تو یہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔

میرا خیال ہے کہ دیوبندی ذہن یا حضرات احناف سے توحید پسند گروہ پر یہ تیسرا انقلاب رونما ہو رہا ہے۔ ۶ مئی ۱۸۳۱ء سے پہلے یہ حضرات اہلحدیث سے قریب تھے اور حنفیت کے باوجود فقہی جمود کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے کلی طور پر ختم کرنا چاہتے تھے، یہی شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا اصلی تجدیدی کارنامہ تھا۔

۱۸۳۱ء کے بعد ان میں اکثر حضرات تحریکِ توحید اور اقامتِ دین سے بالکل الگ ہو گئے اور اسلام کی خدمت کے لیے صرف اسی حد تک مطمئن ہو گئے جو اشاعتِ حنفیت اور فقہی جمود کے مرادف ہو۔ یہ لوگ شاہ صاحب کے خلفا کے ساتھ نہ چل سکے، اس لیے کہ وہ جامد تقلید کے حامی نہ تھے، دیوبند کی تاسیس حنفیتِ خالصہ کی اشاعت کے لیے عمل میں آئی لیکن محدثین کا احترام شاہ صاحب کی تحریک سے ان کو وراثت میں ملا تھا۔

اور جو حضرات علامہ کوثری سے متاثر ہیں یہ حضرات جمود کے داعی ہیں اور ائمہ حدیث سے بغض ان حضرات کو علامہ کوثری سے وراثت میں ملا ہے، اور اس کے ساتھ ہی حدیث کو حجتِ شرعی سمجھتے ہیں۔ یہ ہلکا سا تضاد ہے جسے علم اور مطالعہ کے زور سے اطمینانِ قلب کی حد تک یہ حضرات حل فرما لیتے ہیں، لیکن ان حضرات کے اذہان میں

شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کا وہ احترام نہیں جو قدماءِ دیوبند میں تھا، خدا کرے کہ یہ حضرات وسعتِ مطالعہ سے فکری جمود کو توڑیں اور اپنے نظریات کی بنیاد تقلید کی بجائے علم اور تحقیق پر رکھیں۔ ظاہری تنقیص کے باوجود اس میں محدثین کے مسلک کی تائید اور توثیق ہوگی، ہماری دلچسپیاں اس نئی تحریک کے ساتھ ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۲۴ نومبر ۱۹۶۱ء، جلد: ۱۳، شمارہ: ۱۷ تا ۹ فروری ۱۹۶۲ء جلد: ۱۳، شمارہ: ۲۸)

ہماری سرگزشت

آئندہ تبلیغی مساعی گزشتہ حوادث کی روشنی میں

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را ❶

سماک بن حرب نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: کیا آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (خاص) مجلس میں بیٹھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک نماز گاہ میں تشریف رکھتے تھے اور صحابہ جاہلیت کی عادات کا تذکرہ کر کے ہنستے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تبسم فرماتے۔ ❷

(صحیح مسلم: ۱/ ۲۳۵)

زیرِ قلم گزارشات سے نہ گلہ مقصود ہے نہ کسی کی تنقیص، وقت گزر چکا ہے، ان حوادث پر تقریباً سو سال گزر رہا ہے، اس وقت کے مدعی اور مدعی علیہ دونوں اس عدالت میں پہنچ چکے ہیں جہاں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور یقیناً اپنے اعمال کے نتائج سے باخبر ہو چکے ہوں گے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر بالفرض ماضی کے حوادث کبھی مستقبل میں رونما ہوں تو اپنے اس وقت کے لوگ حیران نہ ہوں بلکہ جرأت سے حق کا ساتھ دیں تاکہ کسی کی بڑائی حق کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔

نیز دین جیسی پسندیدہ اور مقدس چیز میں جب تعصب آ جائے تو انسان کیا کچھ

---

❶ اگر سینے کے داغ تازہ رکھنا چاہتے ہو تو پھر اس پرانے قصے کو کبھی کبھی پھر سے یاد کر لینا چاہیے۔

❷ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۳۲۲)

کر گزرتا ہے؟ بڑے سے بڑا آدمی ایسی باتیں کر گزرتا ہے جن کی اس سے امید نہیں ہوتی۔ اگر کبھی آپ اپنی تاریخ پر غور فرمائیں گے تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ان حرکات پر ہنسیں گے، خصوصاً وہ حضرات جن کے بزرگوں نے کبھی کسی مسلک کے خلاف حصہ لیا تھا لیکن اس کے بعد خدا نے ان کی راہنمائی فرمائی۔

میں خود سوچتا ہوں کہ مسلک اہل حدیث سے اختلاف کی گنجائش نہیں، ممکن ہے تحقیق سے ان کی بعض فروع کمزور ثابت ہوں لیکن مسلک کے ساتھ بغض کی کوئی وجہ نہیں۔ معلوم ہے کہ اس وقت بھی اچھے اچھے پڑھے لکھے حضرات اس مسلک سے نفرت کرتے ہیں، تقریر و تحریر دونوں میں اس نفرت کا اظہار ہوتا ہے، اس کا سبب یہی غلط فہمی اور بغض ہے جس سے ہمارا اور ہمارے اکابر کا مدت سے سابقہ رہا ہے۔

اہل حدیث اور ائمہ حدیث:

اہل سنت کے مکاتبِ فکر ابتدا ہی سے دو چلے آرہے ہیں: اہل حدیث اور اہل الرائے۔ شیخ عبدالقاہر بغدادی (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

> ”والصنف الثاني منهم أئمة الفقه من فريقي الرأي والحديث من الذين اعتقدوا في أصول الدين مذاهب التفويض في الله وصفاته“ (الفرق بين الفرق، ص: ۳۰۰)
>
> ”دوسری قسم فقہائے کرام کی ہے جن میں اہل الرائے اور اہل حدیث دونوں شامل ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات میں تفویض کے قائل ہیں۔“

یہ دونوں گروہ اہل سنت ہیں اور یہ لوگ صفاتِ باری میں تفویض کے قائل ہیں۔① فرق صرف اسی قدر ہے کہ حضرات اہل الرائے کتاب و سنت کے فہم میں مخصوص

---

① صفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں لفظ ”تفویض“ کا اطلاق دو معانی پر کیا جاتا ہے جن میں سے ایک صحیح اور دوسرا باطل ہے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص: ۲۰۳)

اہل علم کے آرا اور افکار کا تتبع کرتے ہیں، اہل حدیث کی روش میں کسی قدر وسعت ہے۔ وہ کتاب وسنت کے فہم میں سلف صحابہ کے پورے دور اور ان کے افکار کو سامنے رکھتے ہیں، اور حضرات صحابہ سے کسی کے آراء و افکار سے بھی تطابق ہو جائے تو وہ اسے گوارا کرتے ہیں، یہ مسلک ہمیشہ دنیا میں رہا ہے۔ اختلاف کے باوجود یہ دونوں فریق ایک دوسرے کی تکفیر یا تضلیل نہیں کرتے، ان کے ہاں اختلافی فروع میں ترجیح تو ہوتی ہے، تکفیر، تفسیق اور تضلیل نہیں ہوتی۔

مسلک کی قدامت:

یہ مسلک ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے بھی پہلے کا ہے لیکن زمانے کے انقلابات، سیاسی مصالح اور عروج و زوال کے مختلف مراحل سے گزرنے کی وجہ سے عددی قلّت اور کثرت سے متاثر ہوتا رہا۔ قرونِ خیر کے بعد عموماً حکومت سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے اہل حدیث اقلیت ہی میں رہے لیکن خود دار زندگی اور خدمتِ حدیث کی وجہ سے علمی حلقوں میں ائمہ حدیث ہمیشہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے رہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فروعی عملیات میں حنفی مسلک کے پابند تھے لیکن نظریات میں اہل حدیث سے بہت زیادہ قریب تھے۔

دسویں صدی کے بعد ہندوستان میں مسلک اہل حدیث کے شیوع کے دو سبب ہیں:

1. فقہ حنفی اور اس کے متوسلین میں انتہائی جمود اور تصلب۔
2. حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تک اس جمود و تصلب پر محقق اہل علم کی تنقید۔

یہ حضرات عموماً اپنے متعلق اظہار فرماتے تھے کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اپنا مقتدا اور امام سمجھتے ہیں لیکن فقہ مروج اور اس کی جزئیات پر ان کی محققانہ تنقید کی شہادت ان کی تصانیف سے ملتی ہے، بدعات کے خلاف ان کی تصانیف میں بھرپور حملے موجود ہیں۔ آج کل کے حضرات علمائے دیوبند اور بریلوی حملہ آوروں کی روش کو

دیکھنے والا حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جان جاناں، شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ کو غیر مقلد سمجھے گا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات حنفی تھے لیکن ان میں جمود نہیں، وہ محقق تھے ان میں تقلیدی تصلب نہیں تھا۔ اللھم اغفرلھم وارحمھم واجعلھم من ورثة جنة النعیم۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ:

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اسی حرکت کا نچوڑ تھے جس کی ابتدا حضرت مجدد الف ثانی سے ہوئی تھی، انھوں نے ان تمام نظریات کو عمل کی صورت عطا فرمائی جو اس سے پہلے واقعی علم ونظر کی حدوں سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ شاہ صاحب نے سیاسیات میں اپنا مطمحِ نظر اسلامی حکومت قرار دیا اور شرک و بدعت کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ فرمایا، اور تقلید و جمود پر کاری ضرب لگائی۔ صراط مستقیم کے بعض مقامات، تذکیر الاخوان، اور اس سے پہلے حجة اللہ کے بعض اجزاء، عقد الجید اور انصاف میں یقیناً تحقیق ونظر کی دعوت ہے، اور تقلید و جمود کے خلاف جذبات کو اس سے خاصی اعانت ملتی ہے۔

اس لیے یقین فرمایئے کہ اس دورِ انحطاط میں مسلک اہل حدیث کے احیا کا شرف ان حنفی بزرگوں کو حاصل ہے جن کو تقلید و جمود سے نفرت تھی، وہ حنفیت کو محض تقلیدی مسلک نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ شکر اللہ مساعیھم۔

شہید رحمہ اللہ کے بعد:

۶؍ مئی ۱۸۳۱ء مطابق ۲۴؍ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ جمعہ کے دن شاہ شہید رحمہ اللہ نے مع رفقا جامِ شہادت نوش فرمایا۔ یہ تحریک اپنے سیاسی مقاصد کے لحاظ سے بظاہر ناکام ہوگئی لیکن سکھوں کی کمر توڑ گئی۔ تھوڑے عرصہ میں سکھ کمزور ہوگئے، پورے پنجاب پر انگریز قابض ہوگئے، تحریک کا کام انگریزی علاقہ میں خفیہ ہوگیا لیکن سرحدی علاقے میں انگریزوں سے برسوں تک دوبدو جنگ رہی، متحدہ ہندوستان میں اس جماعت پر انگریز نے کئی سازش کیس

بنائے، عمر قید اور پھانسی تک کی سزائیں دیں۔ یہ سلسلہ ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔

امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی مرحوم نے کشمیر کے محاذ پر اپنی بساط کے مطابق حکومتِ پاکستان کی مدد کی، اس کے باوجود کوئی شبہ نہیں کہ انگریز کی طاقت مضبوط تھی، جماعت اس کا مقابلہ دست بدست نہیں کر سکی، جو ہوا انڈر گراؤنڈ اور خفیہ ہوا۔

۱۲۴۶ھ کے بعد اہلِ علم کی زیادہ توجہ علمی مشاغل کی طرف ہوگئی، دیوبند، سہارن پور اور دہلی میں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق مدارس جاری ہو گئے اور فقہ و حدیث کی تدریس شروع ہوگئی، اس وقت میاں صاحب یعنی شیخ الکل سید نذیر حسین کا مدرسہ زیادہ بارونق اور فعال تھا، اکیلے وجود نے ڈھیر سارا کام کیا، عرب و عجم تک میاں صاحب کے اثرات اس قدر پہنچے کہ شاید کوئی یونیورسٹی بھی اتنا اثر نہ پیدا کر سکتی، عرب و عجم تک ان کے تلامذہ پھیل گئے، نیپال کی ترائیوں تک یہ نورِ مبین ضیا پاش رہا۔

مخالفت کا آغاز:

یہ معلوم نہیں ہو سکا مخالفت کا آغاز کب ہوا؟ کس نے کیا؟ فروع میں اختلاف بہت پرانا تھا اور وہ بھی شوافع، موالک، حنابلہ رحمہم اللہ سے زیادہ سنگین نہ تھا، اس لیے اس تیزی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ ائمہ اربعہ کے اُتباع ایک دوسرے کو حق پر مانتے تھے، اہل حدیث کا مسلک عملاً ائمہ اربعہ سے چنداں مختلف نہیں، فرق صرف اس قدر تھا کہ شوافع اعمالِ مسنونہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی اتباع میں کرتے ہیں، اہل حدیث ان اعمال کو سنت سمجھتے ہیں اور اتباعِ سنت کے جذبہ سے کرتے ہیں۔ اور یہ کوئی ایسی لغزش نہیں جس پر اس قدر ناراضی کا اظہار کیا جائے، آخر ائمہ محققین نے مروجہ تقلید کو زیادہ سے زیادہ اباحت کا مقام دیا ہے لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ یہ وقت کا بہت بڑا بحران تھا۔ میری نظر میں اس دور کے قریباً سات رسائل ہیں جو اتفاقاً مل گئے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تحریک کو کن تکلیف دہ حالات سے سابقہ پڑا؟

نام کتاب	زمانہ تصنیف	مصنف
① كلام سليم لدفع بهتان عظيم	۱۳۰۰ھ	مولوی عبدالحق صاحب یکے از رفقاء سید نذیر حسین رحمہ اللہ۔
② جامع الشواهد لإخراج الوهابيين من المساجد	۱۲۹۸ھ قریباً	مولوی وصی احمد صاحب سورتی مع مواہیر علماء کرام
③ صيانة المؤمنين عن تلبيس المبتدعين	۱۳۰۰ھ	مولانا عبداللہ صاحب میواتی علاقہ بھرت پور، جامع الشواہد کا جواب۔
④ عمارة المساجد بهدم أساس جامع الشواهد	۱۳۰۰ھ	مولانا محمد سعید صاحب کنجاہی بنارسی، جامع الشواہد کا جواب
⑤ كاشف المكائد في رد من منع عن المساجد	۱۳۰۰ھ	مولانا عبدالغنی صاحب جونا گڑھی جامع الشواہد کا جواب
⑥ انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد	۱۳۲۸ھ	لدھیانوی خاندان (عبدالقادر، عبدالعزیز، محمد رحمہم اللہ)
⑦ إشاعة السنة	۱۳۰۱ھ	مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی
⑧ نصرة الأبرار	۱۳۰۶ھ	مولوی عبد العزیز و مولوی محمد لدھیانوی بن مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی۔

یہ کتابیں چھوٹے چھوٹے رسائل کی صورت میں ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداءِ تحریک میں اکابر اہل حدیث کو کن حالات سے سابقہ پڑا اور اختلافات نے کتنی ناہموار صورت اختیار کی؟

بریلوی حضرات کی مخالفت سے تو تعجب نہیں، تعجب اس پر ہوتا ہے کہ حضراتِ دیوبند جو جانتے تھے کہ یہ اختلافات فروعی ہیں اور ناگزیر، اور قرونِ خیر سے اہل علم کی آرا ان میں مختلف رہی ہیں، اسی طرح تقلید شخصی کا التزام محض ایک مصلحت ہوسکتی ہے

اس میں شرعی لزوم کی کوئی وجہ نہیں، یہ حضرات اس علم وفہم کے باوجود مخالف حلقوں میں کھڑے ہو گئے، ان کی اس روش سے دوسرے فریق کو بہت زیادہ مدد ملی، پھر یہ اختلافات مدارس اور علمی حلقوں (جو ان کا اصل مقام تھا) سے نکل کر حدیثِ محفل بن گئے، پریس اور اخبارات کی زینت بنے، مولانا مرتضیٰ حسن مرحوم جیسے بزرگوں کا تختۂ مشق بنے جہاں وہ تقریر، تحریر، رنگینیٔ محفل کے سوا اور کچھ نہ تھے۔ "الخیر فیما وقع" کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟

ان رسائل میں کیا ہے؟

"کلام سلیم لدفع بہتان عظیم" میں ایک چٹھی کا ذکر ہے، یہ چٹھی مولانا سید شریف حسین صاحب رحمہ اللہ، مولانا سید محمود صاحب امام جامع مسجد دہلی، مولوی عبدالمجید صاحب اور مرزا عبدالعزیز صاحب کی طرف سے مولوی ولایت علی صاحب فرخ آبادی مدرس کے نام لکھی گئی ہے، پھر اسے چھپوانے کے بجائے بذریعہ نقول اس کی اشاعت کی گئی ہے، تاکہ قانون کی زد سے بھی بچا جائے اور فتنہ بھی ابھر سکے، یہ فتنہ ۱۲۹۸ھ میں برپا ہوا اور اس کی وجہ سے جابجا لڑائی اور ہنگامے ہوئے۔

چٹھی کا مضمون:

یہ چٹھی واقعی ایک آگ تھی جو کسی بدتمیز نے سلگائی، اگر جلدی سے اس کا سدِ باب نہ ہوتا تو نہ معلوم فتنہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا؟ یہ چٹھی بعینہٖ اس وقت طبع شدہ میرے پاس موجود ہے جو اہل حدیث کی طرف سے مع تردید طبع کرائی گئی۔ اس کا مضمون اس قدر تکلیف دہ ہے کہ آج بھی اسے نقل کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کس بدتمیز نے یہ مضمون بنایا اور اہل حدیث کی طرف منسوب کرنے کی اسے کیسے جرأت ہوئی؟ ناظرین اقتباس پر کفایت فرمائیں:

1. آنحضرت ﷺ نے خنزیر کی چربی سے ملا ہوا پنیر بلا پرسش وتحقیق کھا لیا۔

۲ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب مرتد اور کافر ہیں۔

۳ تمام صوفی مثل خواجہ معین الدین، شیخ عطار، نظام الدین، شیخ عبدالقادر جیلانی کافر ہیں اور جہنمی۔

۴ فقہ حنفی کی کتابیں ہدایہ وغیرہ گمراہ کن کتابیں ہیں۔

۵ نقشبندی، سہروردی، چشتی، قادری اسلام سے خارج اور واجب القتل ہیں۔

۶ بیس تراویح کی بدعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کی۔

۷ بیت اللہ میں شرک ہوتا ہے۔ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی طرح تمام قبوں کو گرا دینا چاہیے۔

۸ امام اعظم (معاذ اللہ) کافر ہیں، شیخ عبدالقادر (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں۔

۹ مولانا روم، مولانا جامی، سعدی، امیر خسرو، نظامی، بہاء الحق سب کافر تھے۔

۱۰ سید نذیر حسین صاحب، مولانا شہید رحمہ اللہ تمام ائمہ، اہل اللہ، اولیاء اللہ سے افضل ہیں۔

۱۱ محمد شاہ اور منصور علی ملعون ہیں۔ وغير ذلك من الخرافات والأباطيل.

اس قسم کی بے ہودہ فواحش سے جو خطرات اور مفاسد ہو سکتے تھے وہ ایک عقل مند متدین سے مخفی نہیں، شکر ہے کہ اہل حدیث کی طرف سے اس کے متعلق اس نوعیت کی کوئی جوابی حرکت نہیں ہوئی بلکہ میاں صاحب مرحوم کے ایک شاگرد مولوی عبدالحق صاحب نے حالات کی تحقیق فرمائی، مولانا سید شریف حسین، سید محمود، مولوی عبدالمجید صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب کے نام خط لکھ کر دریافت فرمایا کہ کیا یہ آپ حضرات کی چٹھی ہے؟ پہلے تین حضرات نے تردیدی جوابات بھیج دیے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب کے متعلق معلوم نہ ہو سکا یہ کون بزرگ ہیں؟

رسالہ ''کلام سلیم'' میں ان حضرات کے مکاتیب نقل کر دیے گئے ہیں، ان حضرات نے صراحتاً اکثر الزامات سے برأت کا اظہار فرمایا ہے، جو مختلف فیہ مسائل تفصیل طلب تھے ان پر علمی طور پر گفتگو کی ہے اور اپنے موقف کی وضاحت فرمائی ہے،

بعض جگہ مناظرانہ انداز سے مخالفین سے الزامی گفتگو بھی کی ہے، رسالہ کافی دلچسپ ہے اور اچھی معلومات کا ذخیرہ۔

تعجب ہے کہ تعصب انسان کو کس قدر پستی میں گرا دیتا ہے؟ فروعی اختلافات میں اہل علم اپنے مقام سے اس قدر نیچے آجاتے ہیں جن سے ان کی علمی شان اور ثقاہت یقیناً مجروح ہوتی ہے لیکن اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

قرآن عزیز میں یہود کا یہ حیلہ پڑھ کر تعجب ہوتا تھا:

﴿اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ [آل عمران: ۷۲]

”صبح اہل ایمان کے نظریات کا اعتراف کر لو اور بعد دوپہر ان کا انکار کر دینا، تاکہ عامة المسلمین اشتباہ اور تذبذب میں مبتلا ہو جائیں۔“

ملک میں پارٹی بازی ہو، حکومت اجنبی ہو، اس قسم کے خلفشار سے اسے فائدہ پہنچتا ہو، حکومت کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اس قسم کی جعل سازیاں کی جائیں اور پھر اسی اقلیت کو الزام دیا جائے کہ یہ انگریز کے حامی ہیں۔ مالکم کیف تحکمون؟

سید محمد نذیر حسین رحمہ اللہ کا سینہ ایک سمندر معلوم ہوتا ہے، جس میں یہ سب تلاطم سما رہے تھے اور کوئی صدائے بازگشت ادنیٰ تموج کا موجب بھی نہیں ہو سکی۔ رحمه الله وجعل جنة الفردوس مأواه.

ایک اور واقعہ:

اسی رسالہ کے شروع میں ایک واقعہ مرقوم ہے۔ اس وقت کوئی صاحب مولوی عبدالغفور موحدانہ خیالات رکھتے تھے، ان کے نام سے چند مسائل مطبع حنفی دہلی سے طبع کرا کر شائع کرا دیے گئے۔ یہ مسائل بھی سن لیجیے:

① پھوپھی سے نکاح درست سمجھتے ہیں۔ (اہل حدیث)

② خنزیر کی چربی کو پاک سمجھتے ہیں۔

③ پاخانہ پاک سمجھتے ہیں۔

④ منی میں شکر ملا کر کھانا حلال جانتے ہیں۔ وغیر ذلك من الخرافات.

یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۲۹۸ھ کا ہے، اس سے شہر دہلی میں کہرام سا مچ گیا، حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب تک اس ماجرا کی اطلاع پہنچی، مرحوم اس سے بالکل بے خبر تھے، سرکاری اور غیر سرکاری طور پر تحقیق کی گئی تو میاں عبدالرشید صاحب مالک حنفی پریس نے بیان فرمایا کہ یہ اشتہار میرے پاس حنفی پریس میں چھپے ہیں، میرے پاس مولوی محمد شاہ❶ اور ان کے شاگرد عبدالغفور آئے اور اس فتویٰ کو بصورتِ اشتہار شائع کرنے کی فرمائش کی۔ یہ اشتہارات ایوانِ حکومت تک بھی پہنچے۔

کمشنر دہلی نے ذاتی طور پر اس کذب نوازی کو ناپسند کیا، وہ چاہتے تھے کہ اس کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی جائے لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ اہل حدیث بحیثیت مدعی استغاثہ کریں، حضرت میاں صاحب اور ان کے رفقا سے کوئی بھی اس کے لیے آمادہ نہ ہوا، میاں صاحب کی افتادِ طبیعت عام لوگوں سے مختلف تھی، وہ انگریزی عدالتوں پر اعتماد نہیں رکھتے تھے، انگریزی حکومت میں وقت گزارنا ناگزیر تھا لیکن اس ملک کے عدالتی نظام کو عام اہل حدیث کی طرح طاغوتی نظام سمجھتے تھے۔ استغاثہ تو دائر نہ کیا جا سکا لیکن کمشنر نے اپنے غیر معمولی وسائل سے مختلف مکاتبِ فکر کے علما کو جمع کر کے ایک معاہدہ مرتب کیا، جس میں ہر فریق نے ان مختلف فیہ مسائل میں رواداری اور

---

❶ یہ محمد شاہ میاں صاحب کے شاگرد ہیں، مدار الحق کے مصنف ہیں، ہر شرارت آمیز کوشش میں، جو اس وقت توحید و سنت کے خلاف کی گئی، اس شریف انسان کا دخل ہے، جامع الشواہد وغیرہ جیسی فساد انگیز کتابوں پر ان کے دستخط ہیں، حضرت الامام شیخ العرب والعجم مولانا سید نذیر حسین صاحب نے معیار الحق کے ابتدا ہی میں ان حضرت کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ شیخ محمد شاہ پیر سکندرہ ضلع پاک پتن (اب پاک پتن ضلع منٹگمری میں شامل کر دیا گیا ہے) کے رہنے والے تھے۔ [مؤلف]

ایک دوسرے کی اقتدا کے جواز کا عہد کیا۔ یہ معاہدہ سرکاری و غیر سرکاری ذرائع سے عام تقسیم کیا گیا اور اس سے ہیجان فرو ہوا اور امن پسند لوگوں کو کافی فائدہ ہوا۔ اس معاہدہ پر محمد شاہ کے بھی دستخط ہیں۔

اس معاہدہ پر ہر فریق کے اکابر علماء اور با اثر حضرات کے دستخط اور مواہیر ہیں۔ اس کی اشاعت سے کافی سکون ہوا، معاملہ فہم حضرات مطمئن ہو گئے۔

جامع الشواہد:

یہ سکون ان حضرات کو ناپسند تھا جو فساد اور ہنگامہ آرائی کو اپنا ذریعہ معاش سمجھتے ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ عوام کے ذہنوں کو مغالطوں میں مشغول اور مبتلا رکھا جائے، چنانچہ معاہدۂ کمشنری کے اثر کو زائل کرنے کے لیے ایک نیا ہنگامہ بپا کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ کمشنر صاحب کے سامنے جو معاہدہ مختلف مکاتب فکر کے علما نے کیا ہے وہ ایک باہم گفتگو ہے، وہ کوئی شرعی فیصلہ نہیں ہے، اس کی بنا پر تفسیق و تکفیر کے فتوے روکے جا سکتے ہیں نہ اس معاہدہ کی پابندی ہی ہم پر ضروری ہے۔

اس کے بعد ایک رسالہ ”جامع الشواهد في إخراج الوهابيين عن المساجد“ شائع کیا گیا، اس میں ان لوگوں کے دستخط اور مہریں بھی شائع ہوئی ہیں جو کمشنر صاحب کے سامنے ایسی خرافات سے اجتناب کا عہد کر چکے تھے، مولوی محمد شاہ کے دستخط بھی اس پر موجود ہیں۔

یہ چند اوراق کا ایک فتویٰ ہے جو مولوی وصی احمد صاحب سورتی نے مدراس سے شائع کیا، یہ غالباً زرد رنگ کے کاغذ پر طبع ہوا تھا۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس پر ”زرد رو“ کی پھبتی کسی ہے۔ اس کے بعد محمد عارف صاحب تاجر سواتی نے مطبع گلزار محمدی لاہور سے اسے شائع کیا، اس فتویٰ کے مفتی حضرات نے اکیس وجوہ کی بنا پر ثابت فرمایا ہے کہ اہل حدیث کو مساجد سے نکالنا درست بلکہ ضروری ہے۔

مفتی صاحبان نے مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اہل حدیث کو خارج از اہل سنت اور مساجد سے نکالنے کا فتویٰ دیا ہے:

۱۔ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن جانتے ہیں۔

۲۔ ان کے ہاں انبیا احکام کی تبلیغ میں بھول سکتے ہیں۔

۳۔ آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔

۴۔ آحاد احادیث سے معجزات کا اثبات جائز نہیں سمجھتے۔

۵۔ اجماع کو بلا سند حجت شرعی نہیں مانتے۔

۶۔ قیاس کو حجتِ شرعی نہیں مانتے۔

۷۔ مسئلہ رجعت کے قائل ہیں۔ (جیسے شیعہ)

۸۔ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو آنحضرت ﷺ کی میراث کے معاملے میں غلطی پر سمجھتے ہیں۔

۹۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی تھی۔

۱۰۔ ائمہ اربعہ اور صوفیہ کو ماننے والے کافر ہیں۔

ان عقائد کو اہل حدیث کے ذمہ لگا کر اہل حدیث کو اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد گیارہ نزاعی مسائل اپنے فتوی کی تائید میں ذکر کیے ہیں:

① پانی کتنا ہی کم ہو نجاست سے، جب تک اس کے اوصافِ ثلاثہ نہ بدلیں، پلید نہیں ہوتا۔

② اہل حدیث کے نزدیک شیر خوار بچے کا پیشاب پاک ہوتا ہے۔

③ پاؤں پر مسح فرض سمجھتے ہیں۔

④ استنجا کرنا بدعت ہے۔

⑤ مجامعت سے انزال نہ ہو تو غسل کے بغیر نماز پڑھ سکتا ہے۔

⑥ تیرہ رکعت سے زیادہ نفل اور ثلث رات سے زیادہ قیام بدعت ہے۔

⑦ تجارت کے مال میں زکوۃ فرض نہیں، اس طرح بھینس اور بھیڑ میں زکوۃ فرض نہیں جانتے۔

⑧ سوتیلی خالہ سے نکاح درست سمجھتے ہیں۔

⑨ ایک سے زیادہ طلاقیں ایک وقت میں دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوگی۔

⑩ مرد کے لیے سونے کے سوا باقی زیور درست ہے۔

⑪ پنیر میں سور کی چربی ملی ہوتی تو آنحضرت ﷺ بلا تحقیق استعمال فرما لیتے۔

ان اکیس وجوہ کی بنا پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ اہل حدیث کو مساجد سے نکال دیا جائے، اور یہ اہل سنت نہیں ہیں۔

۱۳۰۰ھ کے پس و پیش اس کتاب کی مدراس سے پشاور تک اشاعت ہوئی اور اس پر کافی ہنگامہ ہوا، جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس کے جواب میں اسی وقت کئی کتابیں لکھی گئیں، بعض میں تحقیق ہے، بعض میں الزام، بعض میں تلخی ہے، بعض میں متانت۔ چار رسائل اس وقت میرے پاس موجود ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔①

مجھے اس وقت اپنے عقائد اور مسائل پر گفتگو کی ضرورت نہیں البتہ غلط یا صحیح جن حلقوں کی طرف سے یہ عقائد پھیلائے گئے تھے، اب وہ بھی ان کی اشاعت سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ اپنے اکابر کی غلط بیانیوں سے براءت کے بعد انھوں نے اب حنفیت کی ایک نئی دنیا آباد کرنے کی کوشش کی ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو اس حنفیت سے بے خبر تھے، یعنی آنحضرت ﷺ کی حیات دنیوی، آنحضرت ﷺ ہر جگہ موجود، آنحضرت ﷺ مختارِ کل، آنحضرت ﷺ عالم الغیب وغیرہ، آج سے چند سال قبل کے احناف کرام رحمہم اللہ بھی ان مسائل سے نا آشنا تھے۔

---

① اسی طرح حافظ عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ نے بھی "إبراء أهل الحديث والقرآن مما في جامع الشواهد من التهمة والبهتان" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

عملی فروع:

جن عملی فروع کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی عقائد سے مختلف نہیں، ان میں بھی کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کی وجہ سے تکفیر کی ذمہ داری برداشت کر لی جائے بلکہ عموماً فقہا میں یہ فروع مشہور ہیں اور مختلف مکاتبِ فکر ان پر عمل کرتے ہیں، سو ان کے اسلام اور اہل سنت ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بریلوی حضرات:

معلوم ہوتا ہے مولوی وصی احمد بریلوی ہیں، اور یہ فتویٰ بھی بریلوی حضرات کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ معلوم ہے کہ اس میں امکانِ کذب باری کو سب سے پہلے کہا گیا ہے، یہ مسئلہ حضرات دیوبند کا امتیازی مسئلہ ہے، اہل حدیث میں سے بعض حضرات کا رجحان بھی اس طرف ہے لیکن ہمارے ہاں اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں، نہ سنت اور بدعت میں یہ مسئلہ کوئی امتیازی حیثیت ہی رکھتا ہے، ہمارے ہاں صرف اس قدر کافی ہے کہ ذاتِ حق سے کبھی کذب اور ظلم کا ظہور نہیں ہوگا، اور بس۔

جل جلاله وعم نواله

جامع الشواہد مکہ معظمہ میں:

قریباً ۱۳۰۰ھ میں حضرت شیخ العرب والعجم سید نذیر حسین صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے، وہاں انھیں گرفتار کرانے بلکہ قتل یا قید کرانے کی سر توڑ کوشش کی گئی۔ اس حادثہ کا مفصل ذکر "إشاعة السنة النبوية" (نمبر: ۱۰، ۱۱ بابت ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ، ومحرم الحرام ۱۳۰۱ھ) میں فرمایا گیا ہے، اور اس وقت کے ہندوستانی اخبارات "مشیرِ قیصر" اور "وطن" وغیرہ میں یہ تذکرہ پوری تفصیل سے آیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ بیت اللہ میں ترکی مندوب کے سامنے جب سید نذیر حسین رحمہ اللہ صاحب کو پیش کیا گیا تو جامع الشواہد کو حضرت کی تصنیف ظاہر فرمایا گیا تاکہ اس کے

مندرجات کو اہل حدیث کے عقائد سمجھا جائے، ترکی مندوب بچارا اردو زبان سے نابلد تھا، بڑی مشکل سے اسے سمجھایا گیا کہ یہ میاں صاحب کی تصنیف نہیں۔ میاں صاحب نے اپنا عقیدہ بڑی تفصیل سے ذکر فرمایا، انھوں نے فرمایا: ہم ائمہ اربعہ کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں، ان کی تنقیص اور بے ادبی کو گناہ سمجھتے ہیں، اور یہ عقائد ہمارے نہیں جن کا ذکر جامع الشواہد میں کیا گیا ہے۔ تب ترکی مندوب نے معافی چاہی اور میاں صاحب کو باعزت بری کیا اور دعا کی درخواست کی۔

پھر مزید تعجب یہ ہے کہ یہاں ہر کوشش کرنے والے چار بزرگ مولانا خیر الدین مرحوم (مولانا ابو الکلام آزاد کے والد) مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی اور مولانا حاجی امداد اللہ صاحب دیوبندی ہیں۔

پہلے دونوں بزرگ بریلوی تھے اور ایسے سخت بریلوی کہ ان کی نگاہ میں مولوی احمد رضا خاں کا عقیدہ بھی درست نہ تھا بلکہ اس میں بھی کچھ وہابیت کی رمق تھی۔ ① اس لیے ان پر کوئی افسوس نہیں، ان کی شان ہمیشہ یہ رہی ہے: ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً﴾ وہ اہل توحید کی اذیت میں تمام اخلاقی حدود کو پھاند جاتے ہیں اور انھیں کوئی پروا نہیں ہوتی کہ غلط بیانی جرم ہے یا نہیں؟

مولانا رحمت اللہ مغفور و مرحوم مشہور مسیحی مناظر ہیں، ان کی تصانیف إزالة الشكوك وغیرہ عیسائیت کے متعلق کامیاب اور مفید ہیں، انگریزوں کے خلاف انھوں نے مجاہدانہ کام کیا، ۱۸۵۷ء کے بعد جب ہندوستان میں انگریز کے قدم مضبوط ہوگئے تو مولانا ہجرت فرما کر حجاز میں آباد ہوگئے۔ دیوبندی حلقوں میں مولانا بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر صوفی منش بزرگ ہیں، مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ، مولانا حسین احمد رحمہ اللہ کے شیخ طریقت ہیں، تصوف

---

① دیکھیں: آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی (ص: ۱۰۰)

اور ارادت کے متعلق ان کی بڑی پاکیزہ شہرت ہے لیکن حیرانی ہے کہ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب جیسے مرنجاں مرنج اور علوم حدیث کے بے نظیر خادم سفرِ حج میں ان بزرگوں کی ایذا سے نہ بچ سکے۔ ع

خداوند تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں

مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے "إشاعة السنة" (٦/ ١٠، ١١) میں میاں صاحب مرحوم کے مصائب اور ان کے خلاف مساعی اور میاں صاحب کی راست گوئی اور استقلال کے متعلق تفصیلی واقعات سپردِ قلم فرمائے ہیں، اور ان رجال کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے جو میاں صاحب کے مصائب اور آلام کا باعث بنے۔ مذہبی عصبیت اتنے بڑے اکابر کو انتہائی کج روی پر آمادہ کر سکتی ہے؟ انسان تعصب میں وہ کچھ کر گزرتا ہے جس پر کسی وقت اسے خود بھی ندامت ہوتی ہے۔ مدعی مدعی علیہ دونوں اس عدالت میں پہنچ چکے ہیں جہاں کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، وہاں دودھ اور پانی بھی آمیز نہیں ہو سکتے، اس لیے ان اکابرِ ملت کے متعلق دعائے مغفرت کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

لیکن عقل حیران ہے اور زبان گنگ، اور ناطقہ سر بگریباں ہے کہ یہ کیا ہوا اور کیوں ہوا اور کیسے ہوا؟ ایسے اتقیا کو یہ جرأت کیوں کر ہوئی؟ میاں صاحب عالم ہیں، فنِ حدیث میں ان کی مہارت مسلّم ہے، ان کی شرافت، تقویٰ، دقتِ نظر اور ذکا علمی حلقوں میں حدیثِ محفل ہے، ملک میں ان کی آبرو ہے، خدمتِ حدیث میں عرب و عجم پر ان کا احسان معلوم، پھر وہ مسافر ہیں، ہم وطن ہیں، ایک فریضۂ شرعیہ کی ادائیگی کے لیے انھیں اس سفر کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، وہ ہر لحاظ سے مواسات کے مستحق تھے۔

مولانا محمد حسین صاحب مرحوم اسے مذہبی اور سیاسی اختلافات پر محمول فرماتے ہیں، مولانا کے خیالات میں اس وقت خود بھی انفرادی رنگ ہے جس سے جماعت نہ اس وقت متفق تھی نہ آج ہے، ان خیالات سے اتفاق ممکن نہیں لیکن ان اختلافات کے

باوجود ان حوادث کے لیے وجہ جواز سمجھ میں نہیں آئی جو وہاں میاں صاحب کو پیش آئے، اختلافات درست بھی ہو سکتے ہیں غلط بھی، لیکن اس کے انتقام میں موت تک کی بازی لگا دینا کسی دانش مند آدمی کے لیے مناسب نہیں۔

پھر جامع الشواہد کو میاں صاحب کی تصنیف ظاہر کرنا ان اکابر کے لیے کیونکر موزوں ہو سکتا تھا؟

لدھیانہ کے اکابر:

جامع الشواہد بریلوی حضرات کی طرف سے شائع ہوئی تھی، اسی انداز کی ایک کتاب دیوبندی حضرات کی طرف سے شائع ہوئی، اس کا نام تھا: ”انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد“ یہ لدھیانہ سے شائع ہوئی۔ لدھیانہ میں ایک بزرگ مولانا عبدالقادر رحمہ اللہ تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے: مولانا عبداللہ رحمہ اللہ، مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ، مولانا محمد رحمہ اللہ، مولانا محمد سیف اللہ رحمہ اللہ صاحب۔ اس خاندان کا رجحانِ عقیدہ دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف معلوم ہوتا ہے لیکن ان کی حقیقت برزخ کی ہے، وہ بریلوی اور دیوبندی دونوں حضرات سے ملتے جلتے معلوم ہوتے ہیں، اہل حدیث کی مخالفت میں دیوبند اور بریلوی مکاتب کو ملانے میں ان حضرات نے نمایاں خدمات سر انجام دی ہیں، یہ سارے بھائی عالم ہونے کے ساتھ بے حد ہوشیار ہیں۔ ان حضرات کی اس وقت ایسی پوزیشن ہے کہ دیوبندی اور بریلوی دونوں ان کی عزت کرتے ہیں اور انھیں خوش رکھنا چاہتے ہیں، اور ان کے مراسم بھی ان دونوں مکاتب سے ہیں۔ انتظام المساجد میری نظر سے نہیں گزری لیکن اس کے اقتباسات مولانا بٹالوی رحمہ اللہ نے ”إشاعة السنة“ میں دیے ہیں، اور مولانا بٹالوی ہی کی معرفت ان حضرات سے تعارف ہوا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ ایک دفعہ بٹالہ گئے، انھوں نے کسی مسجد میں نماز ادا فرمائی، ان حضرات نے مسجد دھونے کا حکم دیا اور مسجد دھو ڈالی گئی۔

انتظام المساجد کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اہل حدیث کے

خلاف بہت پیش پیش تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی فرماتے ہیں:

> "ازاں جملہ لدھیانے والے مولویوں نے تو اہل حدیث کی نسبت واجب القتل کا فتویٰ دیا ہے، چنانچہ "انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد" میں لکھ دیا ہے کہ حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان کو قتل کریں، اگر وہ لاعلمی کے عذر سے توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کریں۔"

(اشاعۃ السنۃ، نمبر: ۱۰ (۲/ ۲۹۱) بابت ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ، ومحرم ۱۳۰۱ھ، مطابق اکتوبر ونومبر ۱۸۸۳ء)

اس مسئلہ میں دیوبندی اور بریلوی حضرات میں مسابقت کا انداز معلوم ہوتا ہے، یہ حضرات اہلحدیث کے خلاف ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مشقِ ستم فرماتے رہے۔ مولانا بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ کے اسی پرچہ میں ایک اور رسالہ کا حوالہ دیا ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

> "جس قدر شمشیر بدست، زبان کے ذریعہ سے ان (اہل حدیث) کا مقابلہ کیا جائے تھوڑا ہے۔"

اسی رسالہ (ص: ۲۹) میں مرقوم ہے:

> "تھوڑا عرصہ ہوا کہ مکہ میں بعض لوگ بارادہ حج پہنچے تو اس (مولوی رحمت اللہ صاحب) کی زبان سے یہ بات سن آئے ہیں کہ اگر مولوی سید نذیر حسین ایک دفعہ یہاں (مکہ) آجائے تو پھر جان سلامت نہ لے جائے، یہ بات مجھے ایسے شخص سے پہنچی ہے جس کو مادر زاد ولی کہہ سکتا ہوں اور میں (مولانا محمد حسین بٹالوی) خود بھی، جبکہ مکہ میں مقیم تھا، مولوی رحمت اللہ کی زبان سے مولانا ممدوح (سید نذیر حسین صاحب) کے حق میں مغلّظ دشنام سن چکا ہوں، اسی دن سے میں نے مکہ سے کوچ کرنے کا قصد کیا، ورنہ میں حج کے بعد سال بھر کا ارادۂ قیام رکھتا تھا، جس سے صرف چار پانچ مہینے کا عرصہ گزرا تھا۔"

ان گزارشات سے مقصد یہ نہیں کہ مولانا بٹالوی کی اطلاعات قطعاً درست ہیں یا وہ مبالغہ سے خالی ہیں، مقصد یہ ہے کہ جماعت کے اکابر کو کن مشکلات کا سامنا ہوا؟ میاں صاحب اس میں شک نہیں چند دن بیت اللہ میں محبوس رہے، ان سے بعض عقائد

اور فروع کے متعلق سوال کیا گیا، اس کی تصدیق اس وقت کے اخبار سے ہوتی ہے۔ "پیسہ اخبار"، "وطن"، اخبار "مشیر قیصر"۔ "کشف الاخبار"۔ "اکمل الاخبار"، "مظہر العجائب" مدراس۔ "کارنامہ" لکھنؤ۔ "جام جہاں نما" کلکتہ۔ "نیمروز" بجنور۔ "عین الاخبار" مراد آباد۔ "ہزار داستان" حیدر آباد۔ "دارالسلطنت" کلکتہ۔ "طوطی ہند" میرٹھ۔ "کوہِ نور" لاہور۔ "خیر خواہِ اسلام" حیدر آباد وغیرہ اخبارات میں یہ حالات شائع ہوئے۔

میاں صاحب کا ایک جعلی توبہ نامہ بھی شائع کیا گیا، موافقین اور مخالفین کے نام پھر اس وقت اخبارات میں آئے، اخبارات نے اپنی آرا اس کے متعلق لکھیں۔ حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ نے اپنے والدِ مرحوم کی ان ناپسندیدہ مساعی کا تذکرہ اپنی سوانح میں اکثر فرمایا۔❶ اس سے بالکل ظاہر ہے کہ دیوبند کے اہل توحید اور بریلی کے اربابِ دانش نے اس میں حصہ لیا، اور پھر حکومتِ انگریزی کی عقابی نگاہیں اس کے علاوہ تھیں۔ انبالہ کیس پٹنہ میں اہل توحید کی بربادی، مولانا احمد اللہ اور مولانا جعفر تھانیسری کے مصائب سے جو جائزہ لیا جا سکتا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں۔

اس کے باوجود یہ تحریک اور یہ مسلک بچ نکلا، سینکڑوں سے ہزاروں، ہزاروں سے لاکھوں تک پہنچا اور اب کروڑوں تک پہنچ رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور ان بزرگوں کی مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ ہے، آج ہم بحمد اللہ کافی حد تک مطمئن ہیں، دل کا حال تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے بظاہر تعصب کی وہ صورتیں نہیں رہیں جو اس وقت تھیں۔

اب اس تشویش کے سوا، جو کبھی کبھی ہوتی ہے اور اہل حدیث جماعت میں خلفشار کی کوشش کرتے رہتے ہیں، جماعت کے سامنے کوئی خطرہ نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ میاں صاحب مرحوم اور ان کے تلامذہ کی قربانیوں، نواب صدیق حسن خاں صاحب اور ان کی تصانیف کے ثمرات ہیں۔ حضرت عبداللہ غزنوی اور ان کے ابنائے کرام کے تقویٰ کے اثرات ہیں، مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ مرحوم اور مولانا محمد حسین

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیں: آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی (ص: ۵۲)

صاحب بٹالوی مرحوم اور ان کی ہوشمندیوں کا اثر ہے کہ اکثر رکاوٹیں دور ہو چکی ہیں۔ والحمد لله على ذلك

اب ہمارے نوجوان طلبا کا کام ہے کہ ان اندرونی خطرات اور شورش پسندیوں کی طبیعت کو سمجھیں اور معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں، سوچیں کہ طوطی کہاں بولتے ہیں؟ کہاں داغتے ہیں؟ کہاں مارتے ہیں؟ اللهم احفظنا بفضلك من فتن الدنيا وعذاب الآخرة.

نصرت الابرار:

لدھیانوی خاندان کی دانش مندی اور وقت شناسی کا ایک اور واقعہ سن لیجیے:

جن ایام میں اہل حدیث اور اس مسلک کے اکابر سے ان حضرات کی ٹھن رہی تھی ان دنوں سید احمد خاں مرحوم علی گڑھی نے ایک ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی جس میں راجہ صاحب بنارس بھی شامل تھے۔ سرسید کا مقصد کانگریس کی مخالفت تھی اور کانگریس کا مقصد ہندو قومیت کی حفاظت تھی، اور عام ملکی معاملات میں ہندو مسلم اتحاد کی دعوت دونوں میں تھی، لیکن اس وقت یہ دونوں جماعتیں آزادی کی خواہش مند نہیں تھیں اور نہ انگریز کو ہندوستان سے نکالنا ان کے مقاصد میں شامل تھا، اس وقت دونوں کا مقصد انگریزوں سے مانگنا تھا، کانگریس ہوشیاری اور چالاکی سے مانگتی تھی، سرسید منت اور لجاجت سے۔ ہمارے لدھیانوی بزرگ کانگریس کی راہ کو پسند فرماتے تھے اور غالبًا کانگریس میں شامل تھے۔

سرسید احمد خاں بالقابہ نے ایک طرف راجہ بنارس کو اپنی جماعت میں شامل کیا، دوسری طرف کانگریس کے بارے میں کہا کہ یہ ہندو جماعت ہے، کانگریس نے لدھیانوی برادران کو اس محاذ پر کھڑا کیا تا کہ یہ سرسید کی اسلام نوازی کو ننگا کریں اور علما سے فتویٰ حاصل کریں کہ کانگریس میں شمولیت مستحسن ہے اور سرسید کی جماعت میں شمولیت گناہ ہے۔

ایسوسی ایشن در اصل اسلامی جماعت نہیں بلکہ یہ سر سید کے سیاسی اور مذہبی نظریات کی ترجمان تھی۔ لدھیانوی برادران نے یہ فریضہ بڑی دانش مندی سے ادا کیا اور ایک فتویٰ ”نصرت الأبرار“ کے نام سے شائع کیا۔ خوبی یہ ہے کہ ان حضرات کا رجحان بظاہر دیوبندی افکار کی طرف تھا لیکن اس فتویٰ پر بریلوی حضرات کے دستخط موجود ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کانگریس میں شمولیت اور سر سید سے الگ رہنے کے متعلق بڑا مفصل فتویٰ لکھا ہے، پھر اس فتویٰ کی اشاعت مولوی خیر شاہ صاحب نے کی ہے جو کٹر قسم کے بریلوی تھے، انھوں نے مولانا عبدالقادر صاحب مرحوم اور ان کے خاندان کی بڑی مبالغہ آمیز تعریف کی ہے۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کا تشدد اور تصلّب اہل توحید کے خلاف معلوم ہے، ان سے دیوبندی تحریر کی تصدیق اور پھر کانگریس میں شمولیت اور پھر اس کی اشاعت ایک بریلوی کی طرف سے یہ سب کچھ ہو گیا اور ان حضرات کی دیوبندیت پر کوئی اثر نہ پڑا۔ اور اس وقت کے اکابر دیوبند نے یہ سب کچھ دیکھا، انھیں ان حضرات کے متعلق کوئی شبہ نہ ہوا، سانپ مر گیا، لاٹھی پر کوئی آنچ نہ آئی، یہ انتہائی دانشمندی ہے، یہ سب کام نصرت الابرار سے لیا گیا۔

اصل فتویٰ:

یہ فتوی مولانا عبدالعزیز مرحوم بن مولوی عبدالقادر مرحوم لدھیانوی کی ایک تقریر ہے جسے ان کے بڑے بھائی مولوی محمد مرحوم نے مرتب فرمایا اور مولوی خیر شاہ امرتسری نے اسے شائع کیا۔ اصل فتویٰ ملاحظہ فرمایئے:

سوال:

سید احمد نیچری نے جو ایک جماعت ایسوسی ایشن قائم کی اور لوگوں کو بذریعہ اعلان مطبوعہ ۸/ اگست ۱۸۸۸ء یوں ترغیب دے رہا ہے کہ میری جماعت میں بڑے بڑے ہندو ذی وجاہت مثل راجہ بنارس وغیرہ، جو کانگریس کے مخالف ہیں، شامل ہیں،

ہر شخص جو داخل ہو پانچ روپیہ چندہ ماہواری میرے نام علی گڑھ میں یا بنارس میں راجہ صاحب کے نام روانہ کیا کرے، اس کی مدد کے واسطے جابجا ایسوسی ایشن انجمن اسلامیہ کے نام سے لوگوں نے شہروں میں قائم کی ہیں۔ جو شخص ان سے اختلاف کرنے سے برخلاف معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ طرح طرح کا فساد اور فتنہ برپا کر کے جبراً ملانا چاہتے ہیں۔ آیا ایسی جماعتوں میں مسلمانوں کا شامل ہونا اور ان کی مدد کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور نیچری لوگ بدخواہ اسلام ہیں یا نہیں؟

جواب:

اللهم أرنا الحق حقا والباطل باطلا.

اس شخص کی اعانت کرنی اور اس سے علاقہ اور رابطہ قائم کرنا ہرگز درست نہیں، اصل میں یہ شخص شاگرد مولوی نذیر حسین وہابی بنگالی دہلوی غیر مقلد کا ہے، اور بنیاد اس فرقہ کی عبدالوہاب نجدی سے شروع ہوئی ہے۔ (نصرت الابرار، ص: ۱۵)

پھر فرماتے ہیں:

''اب تک یہ حال ہے کہ جس شخص میں کوئی علامت وہابیت کی حکام حرمین شریفین پاتے ہیں فوراً اس کو گرفتار کر لیتے ہیں، مولوی نذیر حسین مذکور جب حج کو گئے اسی وجہ سے حکامِ حرمین نے ان کو قید کر دیا، آخرش بہزار منت و سفارش تائب ہو کر رہا ہوئے، چونکہ اس ملک کے وہابی، یعنی جو غیر مقلد اور کبھی موحد اور گاہے محمدی اور اہل حدیث کے نام سے اپنے آپ کو یاد کرتے ہیں، مولوی نذیر حسین کے مقلد اور تابعدار ہیں، بس ان کو نیچری کی، جو ہم سبق ان کا ہے، ضرور بالضرور مدد کرنی چاہیے۔''
(نصرت الابرار، ص: ۱۵)

دانش مندی ملاحظہ فرمائیں! بریلوی حضرات سے فتویٰ لینے کے لیے سر سید کو مولانا سید نذیر حسین صاحب کا شاگرد ظاہر فرمایا گیا ہے، میاں صاحب کے تلامذہ کی

فہرست میں ہم نے سید احمد خاں کا نام نہیں دیکھا۔ پھر میاں صاحب اور ان کے تلامذہ اور اہل توحید کا تعلق عبدالوہاب سے جوڑا ہے، پھر عبدالوہاب کو وہابیت کا بانی بتلایا۔ حالانکہ نجدی تحریک کے بانی عبدالوہاب کے بیٹے محمد ہیں، بچارا عبدالوہاب تو رسمی عالم تھا۔ کبھی غیر مقلد بتایا، کبھی مولوی نذیر حسین صاحب کا مقلد ظاہر کیا۔

آپ فرمائیں گے کہ یہ سب شاید انگریز کی مخالفت کے لیے کیا گیا ہو، ممکن ہے اس وقت مولانا سید نذیر حسین صاحب اور جماعت اہل حدیث نے انگریز کی حمایت کی ہو اور حضرات علماءِ لدھیانہ اس وجہ سے برافروختہ ہوگئے ہوں۔ چنانچہ دو تین سال ہوئے لاہور کے ایک اخبار میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی ایک چٹھی شائع ہوئی، مولانا مرحوم کا خیال تھا کہ ان ایام میں جماعتِ اہل حدیث نے انگریزی حکومت کا ساتھ دیا تھا، میرا تعلق ابتدا ہی سے اہل حدیث حلقوں سے رہا ہے، مجھے تعجب ہوا کہ انفرادی طور پر کسی شخص کو غلطی لگی ہو تو ممکن ہے بحیثیت جماعت اہل حدیث نے کبھی انگریز کا ساتھ نہیں دیا، لیکن مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی شہادت میرے لیے نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھی۔

مجھے اپنی معلومات کے متعلق بے حد تشویش ہوئی، میں نے اس وقت اپنی معلومات کی بنا پر اہل حدیث کا مؤقف بذریعہ ''الاعتصام'' ظاہر کیا، تاکہ جماعت اہل حدیث کے متعلق غلط فہمی پیدا نہ ہو، اسی اثنا میں پشاور سے واپسی پر مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی کی معیت میں راولپنڈی تک آنے کا موقع ملا، مولانا نے اس فتویٰ کے متعلق کچھ کوائف ذکر فرمائے، غالباً نصرت الابرار کا ذکر بھی ان کی زبان سے سنا، محترم مفتی صاحب، ان کے عزیز برادرم ضیاء الحسن صاحب سے یہ بھی دریافت کیا مگر نصرت الابرار نہ ملی، بڑی مشکل سے حال ہی میں مجھے یہ کتاب دستیاب ہوئی اور مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ اہل حدیث کا دامن بحمداللہ انگریز پرستی سے پاک ہے۔ ہوسکتا ہے وقت کے لحاظ سے اس وقت بعض حضرات سے انفراداً کوئی کمزوری یا لغزش ہوئی

ہو، لیکن ان کے مخالفین تو وقتی مصلحت کے حمام میں ان سے کہیں زیادہ ننگے ہیں، لیکن اہل حدیث کے متعلق پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ بحیثیت جماعت اور ان کی اکثریت انگریز کے خلاف رہی، چنانچہ اسی نصرت الابرار میں ان لدھیانوی اکابر کا ایک فتویٰ درج ہے۔ فرماتے ہیں:

لدھیانوی فتویٰ:

سوال: سلطنت انگلشیہ، جس میں ہم کو اپنے امورِ دینیہ پر عمل کرنے سے روک نہیں، بہتر ہے یا حکومتِ روس جو سخت متعصب اور دشمن قدیمی سلطانِ روم کی ہے؟

جواب: اللهم أرنا الحق حقا والباطل باطلا۔ سلطنتِ انگلشیہ بہتر ہے، کیونکہ سرکار دولت مدار مثل روس کے متعصب نہیں اور سلطانِ روم (جو ایک بڑا بادشاہ ذی اقتدار اہل اسلام، خادم حرمین شریفین اور حافظ بیت المقدس و کربلا معلّٰی ہے) اور سرکار دولت مدار میں برخلاف روس کے اتحاد چلا آتا ہے، اگر بالفرض والتقدیر سرکاری عملداری مملکتِ روس وغیرہ سے بہتر نہ سمجھی جائے تب بھی رعایا اہل اسلام کو شرعاً حرام ہے کہ سرکار کے خلاف روس یا سلطانِ روم وغیرہ سے درپردہ رابطہ واتحاد پیدا کرے۔ (نصرت الابرار، ص: ۹)

ہمارے بزرگوں سے مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی انگریز کی حمایت کے لیے بدنام تھے، اگر وہ یہ فتویٰ ملاحظہ فرماتے تو ادب سے عرض کرتے ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

مولانا بٹالوی نے ''اشاعۃ السنۃ'' (نمبر: ۱۰، ۱۱) میں بالکل یہی کچھ فرمایا ہے جو اس فتویٰ میں مرقوم ہے، اس لیے رقابت کا اصل سبب انگریز دوستی یا کانگریس سے تعلق نہیں، اصل سبب مقارنتِ زمانی ہے، تقلید اور ترک تقلید کا ذہنی تصادم اور پرانی عادات

سے وابستگی۔ معلوم ہے سر سید کے خلاف سب سے زیادہ اور تحقیقی طور پر مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا، اہل حدیث نے کبھی سر سید سے تعلق نہیں رکھا، نہ کبھی بلحاظِ جماعت اس کی ایسوسی ایشن میں شامل ہوئے بلکہ سر سید کے اکثر رفقا حنفی العقیدہ تھے، وہ خود بھی عملاً حنفی تھے① جیسے زمخشری۔ میاں صاحب مرحوم کا فتاویٰ چھپ چکا ہے، وہ ہندوستان کو دارالاسلام نہیں فرماتے لیکن نصرت الابرار میں مولانا احمد رضا خاں صاحب نے صراحتاً فتویٰ دیا کہ ہندوستان انگریزی حکومت کے وقت دارالاسلام ہے۔ (ص: ۲۹)

مولوی احمد رضا صاحب نے ایک رسالہ لکھا، جس کا نام ہے: "إعلام الأعلام بأن هندوستان دار الإسلام" اگر یہ سیاسی اختلاف اہل حدیث سے مناقشت کا سبب ہوتا تو مولوی احمد رضا سے صلح کیسے ہوتی؟ اور یہ حضرات خود بھی انگریزی حکومت سے لڑنا ناجائز سمجھتے تھے، اہل حدیث نے تو بحمداللہ اس وقت بھی یہ جرم نہیں کیا بلکہ بحیثیتِ جماعت ان کا تعلق سید شہید رحمہ اللہ کی جماعت سے رہا، اور یہ تعلق حال کی جنگِ کشمیر تک بدستور رہا، اکابر جماعت مولانا محمد حسین صاحب کے برخلاف انگریز کی مخالفت کرتے رہے، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا محمد ابراہیم آروی وغیرہم، مولانا محمد حسین صاحب کی رائے سے کھلی مخالفت کرتے رہے۔

ایک ضروری یادداشت:

"نصرت الابرار" کے تین ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن کافی ضخیم کئی سو صفحات پر مشتمل تھا، اس میں تمام فتوے مفصل درج تھے، یہ ایڈیشن میری نظر

---

① سید احمد خاں کی زندگی کے دو دور تھے، پہلے دور میں وہ عامل بالحدیث تھے اور مسلک اہلحدیث کے پابند، جبکہ دوسرے دور میں وہ پیرِ نیچر اور عقل پرست تھے۔ دورِ اول میں اپنی لکھی ہوئی کتاب میں وہ اپنے آپ کو وہابی اور اہلحدیث کہتے تھے۔ بلکہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی رحمہ اللہ نے تو لکھا ہے کہ سید احمد خاں نے آخر میں اپنی بدعات سے توبہ کر لی تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: اہلحدیث امرتسر (۲۳ فروری ۱۹۴۰ء، ص: ۹) تاریخ اہلحدیث از ڈاکٹر بہاؤ الدین (۳/ ۱۸۸)

سے نہیں گزرا، دوسرا متوسط ایڈیشن جس میں مولوی محمد صاحب لدھیانوی مغفور اور مولوی احمد رضا خاں صاحب کے فتوے مفصل ہیں، باقی مختصر۔ یہ ایڈیشن میرے پاس موجود ہے جس کی روشنی میں زیرِ قلم گزارشات پیش خدمت کر رہا ہوں۔

تیسرا ایڈیشن:

۱۹۴۷ء میں ملک بھی تقسیم ہوگیا اور لدھیانوی خاندان بھی تقسیم ہوگیا، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم اور ان کی اولاد ہندوستان چلی گئی، مفتی محمد نعیم صاحب اور ان کا عائلہ پاکستان تشریف لے آئے، مفتی صاحب ٹوبہ ٹیک سنگھ میں میونسپل کمشنر ہوگئے اور منڈی بہاؤ الدین میں بڑی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے، ان کے لڑکے مولانا ضیاء الحسن منٹگمری میں اقامت فرما ہیں اور کچھ خاندان گوجرانوالہ میں مقیم ہے۔ جو حضرات ہندوستان چلے گئے تھے انھوں نے حکومتِ ہند پر اپنی اہمیت جتانے اور اپنی پرانی خدمات کے صلہ کے لیے نصرت الابرار کا ایک نہایت مختصر ایڈیشن شائع فرمایا، جس میں انگریز کی انصاف پسندی اور مذہبی آزادی، اس کے ساتھ جنگ کی حرمت کا حصہ اور سرسید اور میاں صاحب مرحوم کی شاگردی، نیز میاں صاحب کی حجاز میں گرفتاری کا حصہ نکال دیا، غالباً مولوی احمد رضا صاحب کا مفصل فتویٰ بھی حذف کر دیا ہے۔ ہوش مندی سے صرف اتنا حصہ شائع فرمایا ہے جو حکومتِ ہند کو اپیل کر سکے، دونوں جگہ آبرو مندی سے گزر کرنا یہ اس خاندان کی ہوش مندانہ روایات کا حصہ ہے۔ سچ ہے ؏

یک من علم را دہ من عقل باید ①

پھر اس عالمانہ دانش وری پر غور فرمایئے! ہندو انگریز سے ہاتھ جوڑ کر مانگے اور اس مانگنے میں بقدرِ ضرورت کچھ حضرات علما کو بھی شامل کرے تو بارگاہِ علم و دانش سے اسے ''ابرار'' کا نام عطا فرمایا جائے۔ ایک شخص مروجہ تقلید کی پابندیوں سے آزاد ہو کر براہِ راست کتاب وسنت کی طرف سلف کے طریقہ پر دعوت دے اور اپنے سیاسی مقاصد کے لیے

---

① ایک مَن (۴۰ کلو) علم کے لیے دس مَن (۴۰۰ کلو) عقل چاہیے۔

اپنی الگ تنظیم بنائے، جیسے سرحد میں مجاہدین نے بنائی اور انگریز کی مخالفت میں جان تک دے دی اور اقامتِ دین کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تو اسے مفسد اور فتنہ انگیز قرار دیا جائے۔ جو کتاب اس وقت کی کانگریس کے ساتھ اشتراک کے لیے لکھی گئی اس کا نام ”نصرت الابرار“ رکھا گیا اور جو کتاب اہل حدیث متبعین سنت کو مساجد سے نکالنے کے لیے لکھی گئی اس کا نام ”انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد“ رکھا گیا۔ ہندو ابرار قرار پا گئے اور متبعین سنت فتنہ انگیز اور مفسد ٹھہرائے گئے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ سارے واقعات سامنے آنے کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مغفور کے متعلق ذہن صاف ہونا چاہیے، خاندانی روایات انسان کے گوش پوست اور خون میں پیوست ہوتی ہیں، ان رسمی بندشوں سے نکلنا آسان نہیں، ابوالکلام آزاد روز روز پیدا نہیں ہوتے جس نے خاندانی اغلال وسلاسل کو ہوش وحواس سنبھالتے ہی تار تار کر دیا اور اپنے لیے خود اپنی دنیا بسالی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم پر کروٹ کروٹ اپنی رحمت فرمائے اور انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، اور ہمیں بھی معاف فرمائے اور ہماری لغزشوں کو اپنی رحمت کے پانی سے دھودے ؎

أليس رحمة ربي حين يقسمها ❶
على قدر العصيان في القسم

اور ان حضرات کو بھی معاف فرمائے، یہ حضرات بھی ماحول، خاندان اور وقت کے تقاضوں سے مجبور تھے۔

ان حوادث کی روشنی میں مستقبل کا جائزہ:

ان واقعات سے چند نتائج واضح ہوئے ہیں:

---

❶ کیا میرے رب کی رحمت، جب وہ اسے تقسیم کرتا ہے، بقدر گناہ تقسیم نہیں ہوگی؟

۱ مخالفین نے بے جگری سے مخالفت کی، غلط، صحیح، جھوٹ، سچ، مناسب اور نامناسب تک کی پرواہ نہیں کی۔

۲ اپنے ذاتی اور مکتبی اختلافات کو نظر انداز کر کے اہل حدیث مکتبِ فکر کو ناپید کرنے کی کوشش کی گئی۔

۳ مخالفت کا میدان اقطارِ ہند کے علاوہ حجاز تک وسیع ہوگیا، ترکی حکومت بھی نادانستہ ایک فریق قرار پا چکی تھی۔

۴ انگریزی عدالتیں بعض دوسری وجوہ کی بنا پر جماعت کو ختم کرنا پسند کرتی تھیں۔

۵ اہل بدعت نے جہالت اور تعصب سے اور اہل توحید نے مستعار حیلوں سے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی۔ عفا اللّٰه عنهم.

۶ بریلی، بدایوں، لدھیانہ، دیوبند، سہارن پور، لکھنؤ، لاہور اور گنگوہ نے اپنی بساط کے مطابق اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔

۷ مخالفت اس قدر شدید تھی کہ قتل کے فتوے اور حبسِ دوام کی مساعی سے بھی گریز نہیں فرمایا گیا۔

اہل حدیث کی حالت:

① جماعت کا سیاسی نظام بظاہر ۶؍ مئی ۱۸۳۱ء میں درہم برہم ہوگیا تھا، کمزور اور پوشیدہ طور پر ۱۹۲۱ء بلکہ اس کے بعد بھی قائم رہا۔

② البتہ تبلیغی کوششیں فقدانِ نظم کے باوجود اچھی حالت میں تھیں، اور سب سے نمایاں یہ چیز تھی کہ ان کی بنیاد ﴿لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ پر تھی۔

③ علما اور مبلغین میں انتہائی خلوص تھا اور عوام میں تقویٰ اور فرائض کی پابندی بدرجۂ اتم تھی۔

④ اہل علم کا احترام اور اطاعت بقدر امکان موجود تھے۔

⑤ دینی مدارس جابجا موجود تھے، دہلی مدرسہ کو حضرت میاں صاحب کی وجہ سے قدرتی اقتدار حاصل تھا۔

⑥ اکثر اہل قلم اور اصحاب التدریس حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب سے مستفید تھے، میاں صاحب کا احترام باقاعدہ نظام کے بغیر قدرتی طور پر ذہنوں میں موجود تھا، مخالفین بھی میاں صاحب کے علم اور شرافت سے متاثر تھے۔

⑦ نواب صدیق حسن خاں صاحب کی تصانیف اور سخاوت سے توحید و سنت کی اشاعت میں بے حد مدد ملی اور یہ اثر بھوپال، بمبئی اور پشاور تک پہنچا۔

⑧ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کے بعض نظریات (جہاد کا مفہوم اور انگریز کے ساتھ تعاون) سے جماعت کو شدید اختلاف تھا، لیکن اس کے باوجود مخالفت کی نوبت نہیں آئی، مولانا بٹالوی اپنے طریق پر کام کرتے رہے، باقی علما اپنی صوابدید کے مطابق۔

⑨ میاں صاحب اور ان کے اکثر تلامذہ انتہائی مخلص تھے، مخالفین کی چالاکیوں کے باوجود کبھی بد دیانتی اور برائی میں مماثلت کے لیے آمادہ نہیں ہوئے، عام عمل ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ پر ہی رہا۔

⑩ ان مقدس بزرگوں میں بعض مبلغ اور مقرر تھے، بعض مدرس، بعض مصنف لیکن مشاہرات اور معاوضوں کے لیے طمع اور اِشراف ان میں نہیں تھا۔ مجھے معلوم ہے وزیر آباد میں حافظ عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ جیسے محدث تشریف لائے تو حضرت میاں صاحب مرحوم کے مشورہ سے ان کی تنخواہ مبلغ دس روپے مقرر ہوئی، دو تین ماہ کے بعد جماعت اس کی بھی پابندی نہ کر سکی۔ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی کا اعزازیہ پندرہ روپے مقرر ہوا۔ (اشاعۃ السنۃ، نمبر: ۱۱، ۱۰) مگر اس کی ادائیگی میں بھی باقاعدگی نہ رہ سکی۔ مولانا محمد صاحب بکنوی، مولانا ہدایت اللہ صاحب راولپنڈی، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا عبدالاول صاحب، مولانا علاؤالدین صاحب نے پوری عمر جماعت پر کوئی لازمی بوجھ نہیں ڈالا۔ رحمهم الله.

اس کے باوجود بڑی عزت سے وقت گزارتے تھے، مشاہرات کے لیے آج جس مسابقت کو شعار بنایا جا رہا ہے یہ اچھی فال نہیں، بظاہر یہ خلوص کے منافی ہے۔ علماء اور طلبا کو اگر مستقبل میں جماعت کی خدمت کرنا ہے تو توحید و سنت کی اشاعت اگر ان کا مقصدِ حیات ہے تو علم کی خدمت، مدارس کی تاسیس اور اختلافات کی تشکیل کاروباری انداز سے نہیں ہونی چاہیے، اور نہ نظریاتی اختلاف کو فرقہ اور پارٹی کا رنگ ہی دینا چاہیے۔ تعلیمی انتشار، چھوٹے چھوٹے دارالعلوم اور جوامع جماعت کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے، کوئی اجتماعی منصوبہ ہی جماعت کو کامیاب کر سکتا ہے۔

آج کے حالات:

مجھے معلوم ہے آج کے حالات ان حالات سے کافی مختلف ہیں جن کا پہلے ذکر کیا گیا، آج کے حیرت انگیز قحط نے علما اور عوام کو مشکل میں ڈال دیا ہے، عوام کی دینی علوم سے بے اعتنائی اور اہل علم کے متعلق بدگمانیوں نے نئی قسم کی مشکلات پیدا کر دی ہیں، علما کی قلت نے انھیں ایک گرانمایہ جنس بنا دیا ہے، اس کے باوجود اخلاص اور خودداری کی راہیں ریا و سمعہ اور طمع و لالچ سے قطعی جدا ہیں، اگر اخلاص موجود ہو تو جہاں یہ مشکلات ہیں وہاں بیسیوں آسانیاں بھی اس وقت موجود ہیں جو پہلے موجود نہ تھیں۔ عام بصیرت، موجودہ تعلیم کی اشاعت اور عموم کی وجہ سے وہم پرستی، پیر پرستی اور قبر پرستی کے لیے زمین روز بروز تنگ ہو رہی ہے، علم و تحقیق کے شوق کی وجہ سے تقلید اور جمود کی وسعتیں محدود ہو رہی ہیں۔

کتابوں کی اشاعت بڑی کثرت سے ہو رہی ہے، پرانے علمی ذخائر، احادیث کی نایاب کتابیں، جو لائبریریوں کے دور افتادہ گوشوں میں گم نامی کی نذر ہو رہی تھیں، آج بازار کی زینت ہو رہی ہیں، شروحِ حدیث کا کامیاب ذخیرہ طبع ہو چکا ہے، اس لیے اگر مقصد کے ساتھ محبت ہو اور دل اخلاص کی نعمت کے ساتھ بھرپور ہو تو کامیابی کے امکانات بے حد روشن ہیں، اور اگر اہل علم ہی وقت کے تقاضوں سے

اعراض فرمالیں تو علم و اعتقاد کی اس امانت کا خدا حافظ!

ضرورت ہے تبلیغ و تدریس، تصنیف و تالیف کی طرف کچھ قدم اٹھیں اور پورے اخلاص سے اٹھیں، کامیابی ان کے استقبال کے لیے چشم براہ ہوگی اور مشکلات قطعاً راستہ نہیں روک سکیں گی۔

نواب صدیق حسن خاں:

اپنے دور میں نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ کا مقام منفرد ہے، ان کے قلم سے زیادہ تر ایجابی انداز کی چیزیں نکلیں، اگر کبھی سلبی انداز کی کتاب نوکِ قلم تک آئی تو اس میں بھی اس قدر سنجیدگی غالب تھی کہ اس کی سلبی حیثیت نمایاں نہ ہو سکی، تفسیر فتح البیان، عون الباری، السراج الوہاج، فتح العلام، مسک الختام، الروضۃ الندیۃ، ابجد العلوم، اتحاف النبلاء وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کے بارِ احسان سے امت سبکدوش نہیں ہو سکے گی۔

اس دور کی خدمات پر تبصرہ طویل صحبت چاہتا ہے، میں نے بہت اختصار سے کام لیا ہے، اگر زندگی نے وفا کی تو ممکن ہے اس دور کی خدمات پر بسط سے کچھ کہا جا سکے۔

اختلافات سے بچنے کی ضرورت:

آج اہل حدیث اور علماءِ دیوبند دونوں کا یہ حال ہے کہ جو جگہ خالی ہوئی وہ پُر نہیں ہو سکی، کام تو بہر حال چل ہی رہا ہے لیکن جو حضرات رخصت ہوئے ان کی جگہ ان کے کسی عدیل نے پُر نہیں کی۔ مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا سید انور شاہ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حسین علی وغیرھم، اسی طرح مولانا سید نذیر حسین صاحب، مولانا سید شریف حسین صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی، شاہ عین الحق پھلواری، مولانا عبدالجبار غزنوی، حافظ محمد صاحب لکھوی، مولانا عبدالاول صاحب

غزنوی، مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی، ان کی جگہیں خالی ہیں، ان مقامات پر جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ کسی طرح بھی ان کے ہمسر نہیں۔

ضرورت ہے کہ ہونے والے نوجوان کتاب و سنت کی اشاعت کریں، اپنے مسلک کی خدمت کریں، یہ خدمت، ایجابی ہو یا سلبی، تخریبی نہیں ہونی چاہیے، مسلکی اور فروعی اختلافات مجالسِ درس سے باہر نہ نکلنے پائیں، یہ چرچے مجالسِ علم اور مصنفات تک محدود ہو جائیں، ائمہ اربعہ کے مسالک میں علم و تحقیق کی بنا پر اہل علم مسلک بدلتے رہے لیکن اس سے نہ رنجش پیدا ہوئی نہ کفر و اسلام کے فتوے چلنے شروع ہوئے، اختلافات عوام تک پہنچائے جائیں تو اس سے مختلف خطرات ہو سکتے ہیں۔

اس وقت ذہین طلبا انگریزی مدارس میں جا رہے ہیں، کند ذہن اور کم فہم غیر مستطیع طلبا عموماً دینی مدارس میں آتے ہیں، کچھ دینی مدارس کا نظام مفت خوری پر مبنی ہے، اس سے بعض غلط اخلاقی اقدار پیدا ہوتی ہیں، وہ ہمارے مدارس میں روز بروز بڑھ رہی ہیں، کم علمی کی وجہ سے تعصب بڑھ رہا ہے۔ بسا اوقات معمولی اختلافات پر اتنا زور دیا جاتا ہے جیسے کفر و اسلام میں تفاوت ہونا چاہیے۔ اگر مستقبل کی تعمیر مقصود ہے تو سر جوڑ کر ایک نظم کے ماتحت مل کر کام کرنے کی کوشش فرمایئے، خود سری اور انفرادیت موت کی نشانی ہے اور جماعت سے دشمنی کے مترادف!

مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی تشکیل ان ہی مقاصد کے لیے عمل میں آئی ہے، اب بحمد اللہ یہ نظام پھیل رہا ہے، جمعیت کی مختلف شاخیں سینکڑوں کی تعداد میں ملک کے طول و عرض میں پھیل رہی ہیں، اس نظام سے وابستہ ہو کر جماعت کی ہدایات کے ماتحت کام کریں، کتاب و سنت کی اشاعت کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق مرحمت فرمائے۔

جماعت کے سامنے مختلف پروگرام ہیں، ابتدا تعلیم سے کی گئی ہے، علماء روز بروز کم ہو رہے تھے، ائمہ حدیث کی حمایت اور مسلک کی اشاعت میں غیر معمولی انحطاط آ رہا تھا، اس لیے تعلیم کا سلسلہ جامعہ سلفیہ کی تاسیس سے شروع ہوا۔

اس کے بعد ان شاء اللہ پریس کا مرحلہ پیشِ نظر ہے، کتابوں کی اشاعت اور شروحِ احادیث کی طباعت کے ساتھ ائمہ سلف کی مفید تصانیف کے تراجم، غیر مطبوعہ دفاترِ سنت کی اشاعت ازبس ضروری ہے۔

اس معاملے میں اہل علم سے زیادہ اہل ثروت اور جماعت کے دولت مند حضرات کی توجہ کی ضرورت ہے، اس راہ میں سہولت اسی وقت ہو سکتی ہے کہ پریس اپنا ہو، اور یہ ادارہ بالکل کاروباری لائنوں پر چلایا جائے، تاکہ اپنے بوجھ کے ساتھ جامعہ کے مصارف کا بھی کسی قدر کفیل ہو سکے۔

مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کے اعضا اگر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور اپنے ماحول میں دردمندی اور ذمہ داری سے کام کریں تو تمام مصارف آسانی سے برداشت کیے جا سکتے ہیں، اگر جماعت کی طرف سے یہ اعتماد اور اعزاز ہمیں احساس اور سعی عمل سے روشناس نہ کر سکے تو یہ بدنصیبی ہوگی اور مشکلات غیر مختتم ہوں گی۔

مجھے امید ہے کہ یہ طویل سمع خراشی احباب کے لیے محرک ثابت ہوگی۔

والسلام علی النبي وأهله.

(الاعتصام، شمارہ: ۵۲، ۵۳، جلد: ۱۰، ۱۱، شمارہ: ۱، ۲۔ ۴۲ر۔ ۳۱ر جولائی ۷ر۔ ۱۴ر اگست ۱۹۵۹ء)

مسلک اہلحدیث

اور

تحریکات جدیدہ

بسم الله الرحمن الرحيم

عرضِ ناشر

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلىٰ آله وصحبه أجمعين. أما بعد:

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ مسلک اہلحدیث کے ترجمان، تقریر و خطابت، تحریر و انشا اور درس و تدریس کے شہسوار تھے، اور جماعت اہل حدیث کے متعلق اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ پاکستان میں جمعیت اہلحدیث کے وہ پہلے ناظم اعلیٰ اور پھر امیر مرکزیہ کی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہوئے۔ اہلحدیث کانفرنس میں ان کی عموماً گفتگو حجیتِ حدیث، مقام حدیث، مسلک اہلحدیث، تاریخ اہلحدیث اور خدماتِ اہلحدیث کے عنوان پر ہوتی، اور اکثر و بیشتر ان کی تحریر کے عنوانات بھی یہی ہوتے۔

وہ جہاں ایک قادر الکلام خطیب تھے اس کے ساتھ ساتھ تحریر و انشا میں بھی ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ درس و تدریس اور جماعتی مصروفیتوں کے باعث وہ خواہش کے مطابق چنداں لکھ تو نہ سکے مگر جس قدر بھی لکھا اس کا نقش ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا، جس میں ثقاہت، زبان کی لطافت، بیان کی نزاکت اور سنجیدگی کا سب نے اعتراف کیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے نازک فقہی مسائل کو زیر بحث لاتے ہیں، ایک طبیب حاذق کی طرح نشتر بھی چلاتے ہیں مگر کہیں ٹیس محسوس ہونے نہیں دیتے۔ اپنے مخاطب کا بھرپور تعاقب کرتے ہیں مگر اس کے ادب و احترام کے منافی کوئی چیز نوکِ قلم پر نہیں لاتے۔ غفر الله له ورفع درجته في المهديين. آمين

زیر نظر رسالہ ان کے ان مضامین پر مشتمل ہے جو انھوں نے نصف صدی پہلے

”مسلک اہل حدیث اور تحریکات جدیدہ“ کے عنوان سے شیخ الاسلام فاتح قادیان امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ہفتہ روزہ ”اہلحدیث“ میں لکھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ان کی قدر افزائی فرمائی اور اس کی پہلی قسط بطور اداریہ شائع کی۔ ابتدا میں یہ مضمون تین قسطوں پر مشتمل تھا جو اہلحدیث امرتسر جلد نمبر (۴۲) میں (۱۶، ۲۳، ۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ بمطابق ۲، ۹، ۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء) کو شائع ہوئے۔

موضوع کا عنوان ہی اپنے مندرجات کا پتہ دیتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

> ”ایک اہلحدیث کو اہلحدیث جماعت میں رہ کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا چاہیے، جس کا میدان نہایت وسیع ہے۔ جدید وقتی تحریکات سے مل کر اپنی صلاحیتوں کو محدود کرنا کوئی مفید مشغلہ نہیں اور نہ یہ کوئی دانشمندانہ اقدام ہے۔ ان تحریکوں کے ساتھ ملنے سے انھیں کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں مگر اندیشہ یہ ہے اہلحدیث فکر وعمل کو ضرور نقصان پہنچے گا، مداہنت پیدا ہوگی اور آہستہ آہستہ اپنا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔“

ظاہر ہے کہ ان کی اس پکار پر ردعمل تو ہونا ہی تھا، چنانچہ کسی دوسری جماعت میں داخل ہو کر کام کرنے والے بعض اہلحدیث نوجوانوں کو یہ بات ناگوار گزری تو جماعت اسلامی کے چہار روزہ اخبار ”کوثر“ لاہور میں، جو مولانا ملک نصراللہ خان عزیز کی زیر ادارت نکلتا تھا، پہلے جناب حافظ محمد زکریا رحمہ اللہ نے ”مسلک اہلحدیث اور تحریکات جدیدہ پر ایک نظر“ کے عنوان پر ۲۵ مارچ ہی کی اشاعت میں اس کی تردید کی۔ حافظ صاحب موصوف نامور محدث حضرت مولانا نیک محمد رحمہ اللہ جانشین حضرت الامام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کے فرزند تھے۔ مسجد قدس اہلحدیث امرتسر میں ان کا قیام تھا۔ پاکستان کے بعد راولپنڈی میں آ کر فوت ہوئے۔

اس کے بعد ماہ اپریل کی تین اشاعتوں میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ نے مولانا سلفی رحمہ اللہ کے مضمون پر تعاقب کیا۔ حکیم صاحب ویرووال سے لائل پور (فیصل آباد) میں تشریف لائے۔ جامعہ تعلیمات اسلامیہ، جامعہ طبیہ ان کی یادگار ہیں۔ جون

۱۹۹۶ء میں انھوں نے انتقال فرمایا، ان دونوں کا جواب الجواب حضرت مولانا سلفی مرحوم نے اہلحدیث امرتسر میں دیا جو ۴، ۱۱، ۱۸، ۲۵ مئی اور یکم جون ۱۹۴۵ء کی اشاعتوں میں شائع ہوا اور اس بحث کا حق ادا کر دیا۔ وللہ درہ!

مولانا سلفی مرحوم نے اس خاموش فضا میں جو صور پھونکا تھا اس میں بہتوں کا بھلا ہوا بلکہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ کے بارے میں جو پیش گوئی فرمائی تھی:

> ''آپ حضرات بجبر ایسے قالب میں فٹ ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں جو ہزار خوبی کے باوجود آپ کے لیے نہیں یا آپ خود بگڑیں گے یا قالب کو توڑ دیں گے۔''

بالکل سچی ثابت ہوئی۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ جماعت اسلامی کے تمام تر دفاع کے باوجود بالآخر اس سے ''بگڑے'' اور تنہا نہیں بلکہ ایک قافلہ سمیت بگڑے جس سے ''قالب'' میں دراڑیں پڑ گئیں۔

اس سلسلہ مضامین کے کچھ عرصہ بعد اہلحدیث امرتسر ہی کی چار (۲۳، ۳۰ نومبر ۴۵ء) اور (۷، ۱۴ دسمبر ۱۹۴۶ء) اشاعتوں میں ''مسلک اہلحدیث اور فریضہ اقامت دین، جدید تحریکات اور ہمارا موقف'' کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا جس میں مزید اپنے موقف کو منقح فرمایا، اور اس سلسلے کی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کی۔ مسلکی جماعتی زندگی میں حضرت سلفی مرحوم کی یہ نگارشات آج بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہی مقالات کو آج ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ امید ہے قارئین کرام ہماری اس حقیر کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

خادم العلم والعلماء
ارشاد الحق اثری

۹۸-۱۰-۲

مسلک اہلحدیث اور تحریکات جدیدہ

الحمد للّٰه، والصلاة والسلام على رسول الله . أما بعد:

تاریخ کا ایک طالب علم مذاہب کے اختلاف اور مختلف فرقوں کے نشو ونما اور ان کے اسباب و دواعی پر اگر سنجیدگی سے غور کرے تو محسوس ہوگا کہ ائمہ حدیث نے جہاں فرقہ پرستی کے خلاف ایک مؤثر جہاد کیا وہاں خیالات کے اختلاف کی جائز حدود کا پوری طرح لحاظ رکھا۔ اصول و فروع میں حدود خلاف و اختلاف کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔ افراط وتفریط کی راہوں سے خود بھی بچے، دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کی۔ شكر الله مساعيهم!

اصول وفروع کے اختلافات میں وہ لوگ اعتدال کی راہ سے کبھی نہیں ہٹے، اصلاح و تجدید کی راہ میں سجن وتجلید تک کی مصائب برداشت کر لی گئیں مگر عشق کی سرشاریاں احتساب کی چیرہ دستیوں سے کبھی نہ دب سکیں۔ ان زبان وقلم کے بادشاہوں کو اگر محسوس ہوا کہ قلم کی اعانت کے لیے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھنا بھی ضروری ہے تو وقت کی اس آواز کو بھی پوری عزیمت سے اور خوشدلی سے قبول فرمایا۔ تاریخ کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ مسلم مبلغین کا سب سے پہلا قافلہ جو پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ساحل ہند پر محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی قیادت میں اترا وہ ایسے ہی پاکیزہ نفوس پر مشتمل تھا جو جمود وتقلید کی ان پابندیوں سے بالکل آزاد تھے، جن کو آج کل سنت و بدعت میں فارق اور موجب امتیاز سمجھا جا رہا ہے۔

تحریک اہل حدیث ہند میں:

بارہویں صدی کا آخری حصہ رحمت الٰہی کا خصوصی دور معلوم ہوتا ہے، عرب وعجم میں تحریک اصلاح وتجدید کا آغاز اس وقت ہوا۔ عرب کی مشرکانہ رسوم اور بدعات اگر زمانہ فترت کی یاد کو تازہ کر رہی تھیں تو ہندوستان میں بھی مغل حکومت کے آثار قدیمہ

جاہلیت سے کچھ کم نہ تھے۔ وقت کی آواز پر بعض اہل ہمت نے کام شروع کیا، کام کے مختلف شعبے تھے۔ اشاعتِ توحید، حدیث کی تدریس اور سنت کی علمی اور عملی اشاعت۔ یورپ سے آنے والے خطرات کا انسداد اور اندرون ملک کی غیر مسلم طاقتوں سے مناسب مقابلہ۔ شرک و بدعت کے خلاف یہ ضرب اتنی کاری تھی اور یہ آپریشن اتنا سخت تھا کہ اچھے اچھے اہل توحید بھی اس کی تاب نہ لا سکے۔

اخوانِ دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب مغفور کا مقام کتنا بلند ہے؟ تقویۃ الایمان کے متعلق فرماتے ہیں:

”وفي محق الرسومات كتاب للشاه إسماعيل ـرحمه الله تعالىٰـ سماه إيضاح الحق الصريح، وهو أجود من كتاب تقوية الإيمان، فإنه يحتوي علىٰ مضامين علمية، وكتاب تقوية الإيمان فيه شدة فقل نفعه حتى أن بعض الجهلة رموه بالكفر من أجل هذا الكتاب.“ (فيض الباري: ١/ ١٧٠)

”رد بدعات میں شاہ صاحب شہید رحمہ اللہ کا رسالہ ایضاح الحق، تقویۃ الایمان سے بہتر اور علمی انداز سے لکھا گیا ہے۔ تقویۃ الایمان میں سختی زیادہ ہے، اس لیے اس کا فائدہ کم ہوا اور بعض جاہلوں نے اسی وجہ سے مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ پر کفر کا فتویٰ دے دیا۔“

مولانا انور شاہ صاحب وسعتِ نظر کے باوجود مقام تجدید کی اس رفعت کو نہیں پا سکے۔ ایضاح الحق میں جس گروہ کو مخاطب فرمایا گیا ہے وہ اور ہے، اور تقویۃ الایمان کا مخاطب بالکل دوسرا گروہ ہے۔ جن بیماروں پر تقویۃ الایمان کا عمل جراحی کیا گیا ہے وہ ایضاح الحق والوں سے بالکل جدا ہیں، اس لیے تقویۃ الایمان میں تخاطب کے لیے جو زبان استعمال فرمائی گئی ہے وہ دوسری کتابوں میں استعمال نہیں فرمائی گئی، حالانکہ اس وقت تصنیف و تالیف کی عام زبان یا عربی تھی یا فارسی۔ مجدد وقت چونکہ علم کے بازار میں نمائش

کے لیے نہیں آتا اس لیے نہ وہ علمی مصطلحات کی پرواہ کرتا ہے نہ فصاحت و بلاغت کی نمائش، بلکہ وہ اپنے مقاصد کی زبان سے بولتا ہے گو فرحین بالعلم اسے پسند نہ کریں!

حضرت شاہ صاحب نے عرب کی حرکتِ اصلاح کے قائد شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ پر بھی توجہ فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

”أما محمد بن عبد الوهاب النجدي فإنه كان رجلا بليدا قليل العلم فكان يتسارع إلى الحكم بالكفر... الخ“ (فيض الباري: ١/ ١٧١)

’محمد بن عبدالوہاب کم علم اور کند ذہن تھا، تکفیر میں بڑا عجلت پسند تھا۔“

معاملہ یہاں بھی وہی ہے کہ حضرت شاہ رحمہ اللہ صاحب، محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے ان اصطلاحی مناقشات کی توقع رکھتے ہیں جو شاید کسی مدرس کے لیے بھی چنداں مناسب نہ ہوں۔ محمد بن عبدالوہاب اپنے سامنے ان مقاصد کو رکھتے ہیں جن کی تکمیل ان کو تفویض کی گئی تھی۔ اس ”غبی“ کو دیکھیے کہ اس نے پورے جزیرۃ العرب پر اپنا اثر ڈالا اور ایک دینی حکومت کی بنیاد ڈالی جو اپنے ماحول میں کافی اثر و رسوخ رکھتی ہے، اور ہماری ذکا و فطانت کا یہ حال ہے کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے بھی پوری ایک صدی مرنے والوں کے عیوب کی تلاش میں اپنے علم کی رفعت سمجھتے ہیں اور اپنے ماحول میں ذرا برابر بھی تبدیلی پیدا نہیں کر سکے۔

غرض توحید و سنت کی اشاعت میں اربابِ توحید کا حملہ اتنا سخت تھا کہ اس کی شدت سے حضرت شاہ رحمہ اللہ صاحب جیسا وسیع النظر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ①

---

① کشمیر میں مولانا انور شاہ صاحب کے معتقدین نے ابھی تک ”شیئاً للہ“ کا پڑھنا نہیں چھوڑا، کیونکہ موصوف نے اس کی حرمت کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔ لاہور میں ایک دفعہ ”شیئاً للہ“ کے جواز کا فتویٰ دیدیا جس پر بڑا چرچا ہوا۔ مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے مجھ سے بڑی خفگی کے لہجہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا، اس پر میں نے مرحوم کو خط لکھ کر دریافت کیا تو جواب آیا کہ میں نے تو اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت گنگوہی کے اس میں دو قول ہیں۔ میں حقیقت سمجھ گیا اور ”الجواد یکبو“ کہہ کر خاموش ہوگیا۔ رحمه الله وعفا عنه. (مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ)

←

تقویۃ الایمان کی قلتِ منفعت کے متعلق شاہ صاحب نے یہ کیا فرمایا کہ اس کی وجہ سے جہلا نے مولانا اسماعیل شہید کی تکفیر کی؟ داعیانِ توحید میں حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم نبوت ﷺ تک کون ہے جس کی ان جہلا نے تعریف کی ہو؟ جب انبیا کا یہ حال ہے تو بے چارے سید شہید رحمہ اللہ کس قطار میں ہیں؟ رضي الله عنه وأرضاه

فیض الباری کی نسبت میں نے حضرت شاہ صاحب کی طرف اس لیے کی ہے کہ ناشرین کتاب نے اسے ان کی ذات گرامی کی طرف منسوب فرمایا ہے ورنہ کتاب میں چند ایک مباحث کے سوا کوئی ایسی خوبی نہیں۔ ''رسومات'' اور ''مضامین'' کے بالکل ہندوستانی پیوند ہیں، پوری کتاب میں یہی اندازِ تحریر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا تحت اللفظ عربی ترجمہ کیا گیا ہے۔ دراصل یہ مولوی بدر عالم رحمہ اللہ کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہے جسے شاہ رحمہ اللہ صاحب کے امالی کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ العرف الشذی بھی، جو ترمذی کے حواشی کے طور پر شائع ہوئی ہے، اسی قسم کا تبختر نہیں ہے؟ عفا الله عنا وعنه وعن كافة المسلمين.

اہل حق اور دعوتِ حق کی راہیں:

اہل حدیث کا مسلک ایک حرکت تھی جو افراط و تفریط کے ہر دور میں پیدا ہوتی رہی، جس کے داعی ماحول سے بے نیاز ہو کر دعوت الی الحق کا فریضہ انجام دیتے

← فیض الباری (۲/ ۴۶۶) میں علامہ کاشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وظیفہ پر اجر و ثواب نہیں تاہم دم کے طور پر نفع و فائدہ ہوتا ہے۔ (ملخصاً) مولانا تھانوی نے بھی صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لیے اس وظیفہ کے جواز کی گنجائش رکھی ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۳۵۲) مگر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اس کے کسی صورت جواز کے قائل نہیں۔ بلکہ لکھتے ہیں: ''پڑھنے والا اس جملہ کا تقریباً اور شہرت دینے والا اس کے جواز کا اعتقاداً آثم بلکہ مشرک ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۹۴) اس کے بعد انھوں نے شاہ ولی رحمہ اللہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ارشاد الطالبین سے اس کے شرک و کفر ہونے کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ (مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ)

رہے، نہ اپنی پرستش کرائی اور نہ حتی المقدور کسی کو پنپنے دیا۔ توحید و سنت کی دعوت کا ذکر اوپر مختصر ہو چکا ہے، یورپین تغلب اور رومن قوانین کے استبداد کا مقابلہ بھی اپنی بساط کے مطابق پوری بے جگری سے کیا گیا، اس راہ کی ساری صعوبتیں برداشت کر لی گئیں، جہاد و ہجرت جیسے امتحانات اس خلوص اور کامیابی سے برداشت کیے کہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوگئی۔ جہاں تک میرا ناقص علم کام کرتا ہے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ روح بحمداللہ جماعت میں اب تک موجود ہے۔ ضعفِ قیادت، حالات کی ناسازگاری، اسباب و ذرائع کا فقدان جس طرح تمام دنیائے اسلام پر اثر انداز ہے اہل حدیث بھی اس سے محفوظ نہیں مگر یہ روح ناپید نہیں اور نہ ان شاء اللہ ناپید ہو سکے گی۔

ناصرینِ ملت مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی اور امام الاتقیاء حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری اور ان کے بہت سے رفقا اسی شمع کے پروانے تھے، ان کی زندگیاں اسی راہ میں ختم ہوئیں۔ ان کا وحید مقصدِ حیات یہ تھا کہ ہندوستان میں خلافتِ راشدہ اور قرون خیر کا نمونہ دیکھ سکیں، دنیا کی نبض پر اولیاء الشیطان کی بجائے عبادالرحمٰن کا ہاتھ ہو۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی تاسیس بھی انھی مقاصد کے لیے تھی جن کا تذکرہ اوپر ہوا، سو کانفرنس نے پروگرام کی تیسری شق کے متعلق بہت تھوڑا کام کیا اور شاید آئندہ بھی بہت ہی تھوڑا کام کر سکے لیکن اعیانِ اہل حدیث نے مختلف طریقوں سے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ مجلسِ خلافت، کانگرس، احرار میں یہ لوگ سابقین میں رہے، حضرت مولانا عبدالقادر قصوری رحمہ اللہ نے اتنا کام کیا کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے، بلکہ خاکسار تحریک جیسی لادینی تحریک میں ہمارے دوست اس جوہر کی تلاش میں گئے، ایک معقول طبقہ نے کانفرنس سے اس لیے بے اعتنائی برتی کہ اس کے لائحہ عمل میں مذہب کے اس شعبہ کو اہم حیثیت نہیں دی گئی تھی، اور یہاں یہ چیز خمیر میں سموئی گئی تھی کہ خدا و رسول کے سوا کوئی اطاعت قبول نہیں کی جائے گی

أتظن سلمى أنني أبغي بها بدلا
أراها في الضلال تهيم ❶

اس وقت بھی کانفرنس اگر پوری جماعت کی نمائندگی کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنے پروگرام میں اتنی وسعت کرنا پڑے گی کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں جماعت کی راہنمائی کرے، وعظ و مناظرات سے جو فائدہ ہوا ہے اس کے تحفظ کے لیے یہ ازبس ضروری ہے۔

اصلاحِ حال کی دو ناکام راہیں:

۱۸۵۷ء کے بعد اعیانِ جماعت کی یہ کوششیں بہت مختصر ہونے لگیں، حکومت کے استبداد نے اس راہ میں مشکلات کا ایک سمندر پیدا کر دیا، اس لیے بعض مصلحین نے بیعتِ توبہ اور عرفی تصوف کے ذریعہ اصلاح حال کی کوشش کی۔ خیال تھا کہ شاید اطاعت و انقیاد کی روح اس طریق سے محفوظ رہ سکے لیکن تجربہ نے بتایا کہ اس کی حیثیت بھی کرامت نمائی اور تعویذ گنڈوں کی دکان سے زیادہ نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کا پورا ہونا تو اپنی جگہ پر رہا اس سے شرک کے وہی جراثیم پیدا ہونے لگے جن کی تباہی نبوت کے اہم مقاصد سے ہے اور ہندوستان میں تحریکِ توحید کا سب سے بڑا شاہکار!

دوسری راہ بیعتِ امارت کی تھی، چونکہ حفظِ نظم کے لیے جس قوت کی ضرورت تھی وہ یہاں بالکل ناپید تھی، اس کا تجربہ مولانا رحیم آبادی نے زیادہ تر بنگال میں کیا مگر یہ نظام مقصد کے لحاظ سے چنداں مفید ثابت نہ ہو سکا۔ پنجاب اور دہلی میں یہ تجربہ اور بھی ناکام ثابت ہوا، یہاں امارت نے ایک پیشہ کی حیثیت اختیار کر لی، بعض نوجوانوں نے اسے زکوٰۃ خوری کے لیے ایک بہانہ بنا لیا، مستحقین سے چھین کر غیر مستحق اسے اپنی شہوات کا ذریعہ بنا رہے ہیں، جو لوگ وعظ فروشی سے روٹی نہ کما سکے وہ امیر المؤمنین بن کر آرام سے گزر کرنے لگے۔ کون نہیں جانتا کہ کسی شخص کا نام امیر المؤمنین رکھ لینے سے شرعاً امارت کا منشا پورا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس بہانہ سے موتِ جاہلیت کی وعید سے بچا جا سکتا ہے!

---

❶ کیا سلمی گمان کرتی ہے کہ میں اس کا بدل چاہتا ہوں، میرے خیال میں تو وہ گمراہی میں بھٹک رہی ہے۔

امارت خاصہ:

بعض ہمارے سادہ لوح دوستوں نے ایسی اختراعی امارتوں کو امارتِ خاصہ کا نام عطا فرمایا ہے اور اس سے استدلال کے گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت خواہشِ ملازمت❶ اور حضرت جعفر کی ہجرتِ حبشہ کی قیادت سے اگر شرعی امارت ثابت ہو سکے تو شاید کل کوئی من چلا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رسالتِ یمن سے ''رسالتِ خاصہ'' کی اصطلاح بھی وضع کرے تو کیا تعجب ہے؟ ولا مشاحة فيه! لیکن غرض مقصد سے ہے نہ کہ الفاظ و مصطلحات کے اطلاق سے۔ استدلال کی سخاوت کا یہ عالم ہو تو استرجاع کے سوا کیا چارہ ہے؟ میری دانست میں اصلاح کی یہ راہ بھی تاحال ناکام ہے۔ لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.

ہمارے اسلاف اور ان کا طریقِ کار:

سیدی نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کے ترجمان وہابیہ، ابکار المنن، المقالۃ الفصیحہ وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل کی کیفیت کیا ہے اور ان کے ماحول کے مقتضیات کیا ہیں؟ کہیں دل کی کہنے کی کوشش فرماتے اور کہیں ماحول سے مجبور ہو جاتے ہیں لیکن مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی ماحول سے پورے متأثر ہیں، وہ اپنی کمزور پالیسی کی دعوت پوری قوت سے دیتے ہیں۔ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب۔ زید مجدہ۔ ''اہلحدیث'' کے صفحات میں سنجیدگی سے بہت کچھ کہہ جاتے ہیں لیکن اس جماعت منجمدہ کے لیے یہ مسہل کافی نہیں، قوی مسہل چاہیے۔

جنگ عظیم اور سیاسی تحریکات:

جنگِ عظیم کے بعد حکومت کی سیاسی مصالح کی وجہ سے ملک میں ایک ہیجان سا پیدا ہوا، رولٹ ایکٹ مارشل لاء کی وجہ سے ملک کی آنکھیں کھلیں، جو چیزیں چھپ چھپا کر کہی جاتی تھیں کھلے عام کہی جانے لگیں۔ فرق اتنا ہوا کہ جس چیز کے لیے بیرون

---

❶ دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٥٦٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٣٣)

ہند پر نگاہیں لگی ہوئی تھیں اس کے لیے اندرون ہند میں کئی جماعتیں بن گئیں، کئی سیاسی جماعتیں کھلے طور پر ملک میں کام کرنے لگیں، اہل حدیث عمائد اور عوام ان اداروں میں کام کرنے لگے، خالص تبلیغی جماعتوں کو چھوڑ چھاڑ کر ان سیاسی مراکز میں پیش پیش نظر آنے لگے، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس اپنے نہج پر کام کرتی رہی، اور سیاسی مزاج کے لوگ مختلف اداروں میں چلے گئے۔

اس مخلصانہ تگ و دو سے ہمارے اہل حدیث نوجوانوں میں بے تدبر بھاگ دوڑ طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، کوئی تحریک شروع ہو یہ حضرات اس کے لیے چشم براہ ہوتے ہیں، ادھر تحریک شروع ہوئی ادھر یہ حضرات اس میں کود پڑے۔ میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ بعض مخلص اہل حدیث خاکسار تحریک میں شامل ہوئے اور چپ وراست کا وظیفہ کرنے لگے، حالانکہ یہ تحریک لادینی ہونے کے علاوہ اس میں اساسی طور پر کوئی ایسی چیز نہیں جو ایک اہل حدیث کے لیے جاذب ہو سکے۔ مجھے اپنے نوجوان دوستوں کے خلوص اور حسنِ نیت پر کوئی شبہ نہیں، مجھے ان کی قوتِ عمل پر بھی کچھ اعتراض نہیں، اعتراض صرف ان کی قوتِ فکر پر ہے۔ رنج صرف یہ ہے کہ ان تازہ دماغوں میں عاقبت اندیشی کا مادہ کیوں نہیں؟ وہ کام کرنے کے بعد کیوں سوچنا شروع کرتے ہیں؟ کام سے پہلے کیوں نہیں سوچتے؟

لاہور احرار کانفرنس:

لاہور کی احرار کانفرنس میں چونیاں اور علاقہ فیروز پور کی اہل حدیث جماعتیں جو مولوی عبدالرحیم صاحب وغیرہ کی قیادت میں شریکِ اجلاس ہوئیں، صدر کا جلوس فوجی بینڈ کی تانوں میں نکل رہا تھا۔ ہمارے اہل حدیث نوجوانوں کے جنود جھوم جھوم کر کبھی جلسہ کے انتظامات کو سر انجام دیتے تھے اور کبھی مطبخ کی خدمت کرتے تھے، اور ہم جیسے قدامت پسند ندامت سے زمین میں دھنسنے کی سوچ رہے تھے، اور ہمارے یہ نوجوان

دینی بھائی ہمیں اس نفرت سے دیکھتے تھے کہ شاید ہم آزادئ ہند کے بدترین دشمن ہیں اور نہایت ہی تنگ خیال! مگر دراصل یہ نوجوان اور تازہ دماغوں کی لغزش تھی، آزادی بند جلوسوں اور بینڈوں سے نہیں ہوتی اس کے لیے خون کی ندیاں درکار ہیں، اور اس سے پہلے مضبوط دینی نظم جو کتاب وسنت کی روشنی میں مرتب ہوا ہو، یہ سارا خواب افسانہ ہو کر رہ گیا۔ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اس کے بعد یہ نامی مجاہدین اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے، اور کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا محمد علی لکھوی نے مدینہ منورہ کی راہ لی، مولانا محمد داود صاحب غزنوی احرار سے الگ ہو گئے۔ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند ①

مخلص دوستوں کے نظم واطاعت کے تمام جوہر دوسرے اداروں میں جا کر ظاہر ہوئے اور اپنی جماعت میں کارکن مفقود! اپنے اداروں میں ہم لوگ یوں بیگانہ ہو گئے، اور جس کان نمک میں ہم گئے وہاں بھی نمک بننا نصیب نہ ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دوسری جماعتوں میں ہم بہتر کارکن ثابت ہوتے، مالی اور جانی ایثار کے لیے ہم بے نظیر سمجھے جاتے ہیں لیکن اپنے معاملہ میں بخل، بزدلی، سوءِ ظن، عدم اطاعت ہمارے وہ خواص ہیں جن میں ہمارا کوئی شریک نہیں۔ یہاں گوجرانوالہ میں میرے ایک مخلص دوست ہیں جن کے حسنِ نیت اور صحتِ عقیدہ پر مجھے کوئی شبہ نہیں لیکن ان کا یہ حال ہے کہ وہ صبح سوشلسٹ ہیں تو رات احراری، آج خاکسار ہیں تو کل جماعت اسلامی کے عاشق۔ غرض کندھے سے کبھی بستر رکھتے نہیں اور دو متضاد عقیدوں سے ہر ایک کو وہ اتنی جلدی قبول کرتے ہیں جسے عقل قریباً ناممکن سمجھتی ہے۔ اپنے نوجوان دوستوں سے گزارش ہے کہ حریتِ فکر کا یہ واقعی تقاضا ہے کہ آپ ہر تحریک پر غور کریں لیکن رخت

---

① وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور وہ پلانے والا نہ رہا۔

سفر باندھتے ہوئے اور ہم سے جدا ہوتے ہوئے ذرا اپنا موقف دیکھیں اور انجام پر صحیح غور کریں، غالبًا جس گوہر نایاب کی تلاش میں آپ خانہ بدوش ہو رہے ہیں وہ آپ کو اپنی جماعت میں بھی مل سکے گا اور شاید زیادہ آبرو سے!

جماعتِ اسلامی اور اہل حدیث:

خاکسار تحریک کی جگہ اس وقت بتدریج اسلامی تحریک لے رہی ہے۔ کانگرس، لیگ، سوشلزم کے متعلق مولانا ابو الاعلیٰ نے اچھا اور مفید لٹریچر شائع کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہمارے دوست پٹھان کوٹ کے لیے پا بر کاب ہیں بلکہ بہت سے حضرات وہاں پہنچ چکے ہیں۔ مولانا نے رجب تا شوال کے ترجمان میں غالبًا بہت تنگ آ کر فرمایا:

> ”بجائے اس کے کہ آپ مجھے اپنے طریق پر کھینچیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ خود اپنی جگہ بہت ٹھنڈے دل سے تحقیق کر لیں کہ آیا فی الواقع سنت کی پیروی کی وہی شکل صحیح ہے جو اہل حدیث حضرات نے اختیار کی ہے؟“

معلوم نہیں مولانا مودودی صاحب کس خاص شکل کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں؟ جہاں تک دیانت کا تعلق ہے ہم لوگ کوئی دکانداری نہیں کر رہے بلکہ سنت کی جو صحیح صورت سمجھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ بلکہ ”رسائل و مسائل“ کے باب میں مولانا نے جو کچھ تقلید و عدم تقلید کی بحث میں فرمایا ہے قریبًا وہی اہل حدیث کا مسلک ہے۔ اپنی انفرادی حیثیت کو قائم رکھنے اور اس کے لیے پروپیگنڈا کرنے کے لیے جس لب و لہجہ کی ضرورت ہے اسے علیحدہ کرنے کے بعد مجھے اہل حدیث کے دیرینہ خادم ہوتے ہوئے اس سے کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ تعجب ہو رہا ہے کہ جب خیالات کی یہ کیفیت تھی تو الگ جماعت بنانے سے کون سی مصلحت پیش نظر رکھی گئی ہے؟ جہاں تک میری رائے ہے اگر مولانا غور فرماتے تو بڑی آسانی سے اہلحدیث میں سما سکتے تھے مگر مصالح کا تقاضا یہی ہوا کہ الگ حلقہ ہی کام کے لیے زیادہ مناسب

ہے۔ تو میں اہل حدیث دوستوں سے عرض کروں گا کہ وہ مولانا کو کھینچنے اور دق کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اپنی جماعت میں رہ کر تعاون علی البر کا فریضہ ادا کریں۔ اگر آپ اپنی ساخت کے لحاظ سے ایک قالب میں فٹ نہیں آسکتے تو قالب کو توڑنے کی کوشش نہ کیجیے، پابرکاب ہونے کی بجائے یہیں اپنی اور اپنے اداروں کی اصلاح کریں اور اس شدرحال کی عادت کو چھوڑ دیجیے۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں آپ کی توجہ سے بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے، تعطل کی صورت جو اس وقت بظاہر نظر آرہی ہے اس کی ذمہ داری بہت حد تک مخلص کارکنوں کے فقدان پر ہے، ہر صوبہ میں کام کے لیے بڑا وسیع میدان ہے، اس لیے میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ آپ دوسری تحریکات کی طرف بھاگیں، وہاں جا کر ڈیڈ لاک پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اہل حدیث کی حرکت کا پہلا یہ اثر ہوا تھا کہ رسمی احناف اور اہل حدیث کے درمیان ایک قریبی برزخ پیدا ہوا جس کی قیادت دارالعلوم دیوبند کے ہاتھ میں تھی، اب دیوبندی جمود اور اہل حدیث کے درمیان یہ ایک دوسرا قریبی برزخ پیدا ہوا ہے جس کی قیادت مولانا ابو الاعلیٰ فرما رہے ہیں، ایسے وقت میں جب تحریک اپنی کامیابی کے مراحل طے کر رہی ہو تو ہوشمندی سے اس کی نگہداشت ہونی چاہیے لیکن میں دیکھتا ہوں آپ خود سراسیمہ ہو رہے ہیں! عمل کی راہیں پیدا کرنا اور نامناسب عناصر کی اصلاح کرنا ہونہار نوجوانوں کا کام ہے۔ صحیح طریق پر کام کر کے بعض غلط فہمیوں کو رفع کرنا ہمارا فرض ہے۔

مولانا ابو الاعلیٰ صاحب نے ایک مقام پر فرمایا ہے:

> ”میں مسلک اہل حدیث کو اس کی تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور میں حنفیہ یا شافعیہ کا پابند۔“

معلوم نہیں مولانا کی لفظ ”تفصیلات“ سے کیا مراد ہے؟ جہاں تک وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے اہل حدیث نے اپنی فروعی تفصیلات کے لیے پابندی کی کبھی دعوت نہیں دی، دیانتاً جو سمجھ میں آیا اس پر عمل کرنے سے جو شورش و ہیجان کی صورت پیدا ہوئی تو مدافعت ضرور کی گئی اور اس مدافعت سے شاید کوئی تحریک بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ مناظرات سے کتنا ہی بھاگے اس کی کوئی نہ کوئی صورت سامنے ضرور آ جائے گی، بلکہ مخصوص اجتہادی مسائل میں تنگ ظرفی کے خلاف اہل حدیث نے ہندوستان میں بہت حد تک کوشش کی۔ اور مولانا سے زیادہ اسے کون جانتا ہوگا؟ معلوم نہیں مولانا کو اس کے اظہار کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی جبکہ جماعت کا یہ مقصد ہی نہیں اور نہ اس کے لیے دعوت؟!

موجودہ پروگرام:

جماعت اسلامی کے موجودہ پروگرام کا اس وقت جہاں تک علم ہوسکا ہے اچھے سلجھے ہوئے دماغوں اور پاکیزہ روحوں کی تلاش کے سوا کچھ نہیں، ارواح و ادمغہ کے لیے ایک موزوں اکتشافی ادارہ ہے، اگر اچھے دماغ اور پاکیزہ روحیں اسی مقدار میں مہیا ہوگئیں جو نظامِ باطل کے ساتھ ٹکر لے سکیں تو شاید ایسا کسی وقت ہوجائے، ورنہ وہ نہایت اچھا لٹریچر شائع فرما رہے ہیں، اور اگر وہ اسی قدر پر کفایت فرما دیں تو یہی ضرورت کی چیز ہے اور بہت کافی۔ توحید و سنت کے متعلق جو کچھ مولانا شائع فرما رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ برسوں پہلے اہل حدیث کہہ چکے ہیں، اور نظام باطل کے ساتھ لڑنے کے لیے نہ ان کے پاس کوئی خاص سامان ہے نہ اہل حدیث کے پاس، البتہ طریق کار اور پروپیگنڈا میں ایسی غلط روش نہیں ہونی چاہیے جس سے خواہ مخواہ عناد کی روح پائی جائے۔

”کوثر“ ۲۱ جنوری میں مولوی حکیم اشرف صاحب ویرو والی کا ایک مضمون ”مولوی فاضل کی تیاری“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے، مضمون کے الفاظ اور ظاہری مطلب سے اختلاف نہیں، جس ذہنیت کی بو اس میں پائی جاتی ہے وہ ”كلمة حق أريد بها

الباطل"① کی زندہ مثال ہے۔ جہاں بھی مناظرات ہوتے ہیں اور غیر مسلم ثالثوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہاں رفعِ نزاع کے لیے یہ ایک حیلہ ہوتا ہے جسے خوشی سے منظور نہیں کیا جاتا۔ اس کی صورت ایسی ہے جیسے قرآن حکیم نے سورۂ مائدہ میں غیر مسلم کی شہادت کو منظور فرمایا ہے جب مسلم نہ مل سکے۔② اب اس پر عمارت کھڑی کر دی جائے کہ فلاں صاحب نے غیر مسلم کو گواہ بنا لیا! میں چاہتا ہوں کہ اگر مولوی حکیم اشرف صاحب کے خیالات بدل چکے ہیں تو کوئی حرج نہیں، اولاً ان کو اس کا کھلے طور پر اعلان کرنا چاہیے، ﴿مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ کی صورت نہیں رکھنی چاہیے، اس سے اپنے اور غیر دونوں دھوکے میں رہتے ہیں اور کچھ چڑ بھی پیدا ہو جاتی ہے، نئی جماعت کو آپ کے آنے سے فائدہ ہوگا اور آپ کے پرانے رفیقوں کو کوئی خاص خسارہ نہ ہوگا۔

اسی طرح برادر محترم عزیز صاحب نے ۱۲ فروری ۴۵ء کے "کوثر" میں ایک شذرہ تحریک سید احمد شہید کے عنوان سے لکھا، جس کے آخر میں فرماتے ہیں:

> "موجودہ دور میں اہل حدیث حضرات نے خدا اور رسول سے کچھ فیصدی پر سمجھوتہ کر لیا ہے کہ اتنی فیصدی کتاب و سنت کے لیے اور باقی نظام باطل کے لیے۔"

خدا ہی جانتا ہے کہ ہم نے نظام باطل کے ساتھ کہاں تک سمجھوتہ کیا ہے اور نظام باطل کہاں تک ہم پر خوش ہے؟ البتہ نظامِ باطل کو اتنا تھکایا ضرور ہے کہ آئندہ سمجھوتہ کرنے والوں کے لیے راستہ صاف ہو جائے، حالانکہ حضرت عزیز نے بھی نظام باطل سے تاحال "کوثر" کے ڈکلریشن اور "کوثر" کے لیے ٹکٹوں ہی پر سمجھوتہ کیا ہے، تو چیں ابھی وہاں بھی نہیں داغی گئیں۔

---

① صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰٦٦) دراصل یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو انھوں نے خوارج کے حق میں کہا تھا جب انھوں نے قرآن مجید ہی کو حاکم بنانے کا حیلہ ظاہر کیا۔

② [المائدۃ: ۱۰٦]

میری گزارش کا مقصد یہ ہے کہ تیر و نشتر کے طنزیہ فقرات تبلیغ کا اسلامی طریقہ نہیں، قرآن عزیز نے ﴿سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ﴾ [القلم: ١٦] ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ﴾ [الجاثیہ: ٧] ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الکافرون: ١] کی کھلی راہ کو مذموم نہیں سمجھا لیکن لمز و ہمز کی راہ اور اس طریقہ تبلیغ کے لیے ویل فرمایا ہے۔ اس لیے مقصد یہ ہے کہ پروپیگنڈا کے لیے کوئی بہتر صورت اختیار کی جائے تاکہ آپس میں چڑ کی صورت نہ پیدا ہو۔ ورنہ عزیز صاحب یقین فرمائیں دل ان کے ہاتھ نہیں ہیں وہ صرف قلم کے مالک ہیں۔ والسلام

حافظ محمد زکریا اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف
کے جواب میں

چند دن ہوئے میں نے ایک مضمون اس سراسیمگی سے متاثر ہو کر لکھا تھا جو نوجوانوں میں جدید تحریکات کے متعلق پائی جاتی ہے۔ یہ حیرت آمیز اور غیر فکری تگ و دو عام مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن میں نے صرف اہل حدیث نوجوانوں کو مخاطب کیا تھا، میرا خیال تھا ان لوگوں میں قبولِ حق کے لیے فکری صلاحیتیں نسبتاً بہتر ہیں، شخصی افکار کے لیے ان کے خمیر میں چونکہ عصبیت اور ضد نہیں اس لیے ان کے دماغ ایک حد تک صاف ہیں۔ اپنے طبعی رجحانات کے لحاظ سے بھی مجھے چونکہ جماعت اہل حدیث ہی سے تعلق ہے اس لیے میں نے سمجھا کہ اپنے بھائیوں پر حرف گیری کا مجھے کچھ حق ہے، باقی مسلمان امید ہے کہ ”العاقل من اتعظ بغيره“① پر عمل کریں گے۔

مقصد یہ تھا کہ قبول حق کے لیے آمادگی اچھی چیز ہے لیکن عواقب سے بے فکری اور وقتی تحریکات میں غیر شعوری آمد و رفت مستقبل میں اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے، اس لیے قوتِ فکر کے استعمال کی عادت سیکھنی چاہیے۔

فاضل مدیر ”اہلحدیث“ نے اسے سب میری ذمہ داری پر شائع فرما دیا۔ آج مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۶۴ھ کے ”کوثر“ میں محترم حافظ زکریا صاحب نے اس کے متعلق متانت اور سنجیدگی سے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، اور بقول محترم مدیر ”کوثر“ میری غلط فہمی رفع فرمانے کی کوشش فرمائی۔ للہ درہ وعلی اللہ أجرہ!

---

① یعنی عقل مند وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر ہی نصیحت حاصل کر لے۔

اظہارِ خیال میں جس شرافت اور سنجیدگی کا ثبوت دیا گیا ہے اس کے لیے اپنے محترم مخاطب کی فطری صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس ماحول کا بھی شکر گزار ہوں جس میں ان کی تربیت ہوئی، میرے سطحی خیالات پر انھوں نے پوری دقتِ نظر سے غور فرمایا۔

تحریکات کے متعلق میرا خیال:

اصل مقصد خدمتِ اسلام ہے، اصلاحی تحریکات ذیلی اور ضمنی سفر ہیں جنھیں ناگزیر حالات میں اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ان کا ظہور اور عروج بلکہ نشو و نما محض اللہ تعالیٰ کی مشیت اور توجہ پر موقوف ہے، جب زمین میں مفاسد بڑھنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ بعض نیک دل لوگوں کے دل میں ڈال دیتا ہے، وہ اصلاح کے لیے میدان میں آجاتے ہیں، نجد میں وہابی تحریک، الجزائر اور تیونس میں سنوسی تحریک، جمال الدین افغانی کے سنہری کارنامے اور ہندوستان میں سید شہید کے اعمال صالحہ اس کے کھلے نظائر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے کمزور آدمیوں کو کن ناخوشگوار حالات میں کام کی توفیق عطا فرمائی؟

تحریک کبھی اپنا پروگرام مکمل کرنے کے بعد خود بخود ختم ہو جاتی ہے، کبھی اس کے پروگرام کی جامعیت اس کو مستقل حیثیت عطا کر دیتی ہے، کبھی ناخوشگوار حالات اس کی راہ کو روک دیتے ہیں، ان میں وہ عوارض بھی شامل کیے جا سکتے ہیں جن کا ذکر محترم نقاد نے اپنے ارشادات میں فرمایا ہے۔ ہر تحریک کا ہمیشہ زندہ رہنا ضروری نہیں لیکن اس کی قبل از وقت موت ناخوشگوار خطرات کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے، اس لیے اگر حوادثِ روزگار کسی تحریک کو قبل از وقت ختم کرنا چاہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان ناہموار حوادث کا مقابلہ کریں اور تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ یہ میرے ذاتی خیالات ہیں معلوم نہیں کہ فلسفۂ اجتماع کا اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے؟

میرا پختہ یقین ہے کہ حوادثِ زمانہ تحریک اہل حدیث کو قبل از وقت ختم کر دینا چاہتے ہیں، میرے اہل حدیث دوست اس غلطی میں زمانے کی اعانت فرما رہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ زمانے سے جنگ کی جائے، زمانہ اس کے خلاف جن سازشوں سے

کام لے رہا ہے انہیں ناکام بنا دیا جائے، وقت کو مجبور کیا جائے کہ وہ ہمارا ساتھ دے، فلسفہ اجتماع کے قوانین اگر ہمارے حق میں نہیں ہیں تو ہم نظیر قائم کریں کہ یہ قوانین جب حق سے متصادم ہوں تو انھیں بدلا جا سکتا ہے، ہمیں ایک نجومی کی موت نہیں مرنا جو ستاروں کی حرکات کو اپنے خلاف دیکھ کر قبل از وقت مرنا شروع کر دیتا ہے!

اہل حدیث سے کیا مراد ہے؟

اس عنوان کے ماتحت حافظ زکریا صاحب نے جو تعریف فرمائی ہے اگر وہ طباعت کی اغلاط سے محفوظ ہے تو وہ معنی خیز تعریف نہیں یا کم از کم میں اسے نہیں سمجھ سکا۔ مسلک کی تعریف میں افراد کا کامل نظریہ، سو اس کی تشریح عمل بالحدیث کے ساتھ، نہ یہ منطقی تعریف ہے، نہ عرفی، نہ یہاں پر کسی فنی تعریف کی ضرورت ہی ہے۔ حضرت مولانا ابو الاعلیٰ فرماتے ہیں "اہلحدیث نے اچھا کام کیا" آپ بھی فرماتے ہیں کہ فقہ اور حدیث کی کتابوں میں "اہل حدیث" کے لفظ موجود ہیں، میں بھی اسی موہوم چیز کی حمایت میں گزارش کر رہا ہوں۔ اب آپ فرماتے ہیں کہ "اہل حدیث سے کیا مراد ہے؟" ع

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

واقعی اگر جناب خالص اہل حدیث "ماحول میں پرورش" پانے کے باوجود اہل حدیث کو نہیں سمجھ سکے تو حجة الله البالغة (١/ ١٤٧۔ ١٥٢ باب الفرق بين أهل الرأي و أهل الحديث) کا مطالعہ فرمائیں۔ ابن حزم کی اِحکام میں سنت کی بحث پڑھیں، شیخ الاسلام ابن قتیبہ دینوری کی کتاب "تأويل مختلف الحديث في الرد على أعداء أهل الحديث" کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمائیں، ابن عبدالبر کی "جامع بيان العلم و فضله" کے بعض ابواب دیکھیں، الموافقات کی جلد ثالث سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی مانع نہ ہو تو والد خود حضرت مولانا نیک محمد صاحب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

مختصر یہ ہے کہ مسلک اہل حدیث میں استنباطِ مسائل کے لحاظ سے نصوص کتاب وسنت کو اولیٰ مرتبہ حاصل ہے، فہم نصوص میں سلف یعنی صحابہ کے طریق کا التزام ضروری ہے، اشخاص اور افرادِ امت کے طریقِ فہم کو یہاں کوئی اساسی حیثیت حاصل نہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نہ یہاں تقلیدی جمود ہوگا اور نہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے لیے عصبیت، عوام علما کی طرف اسی نکتہ سے رجوع کریں گے اور علما کا مطمح نظر نصوص کتاب وسنت ہوگا، اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ یہ تحریک قائم بالذات ہے یا قائم بالغیر؟ ع

همينست بنیاد تحریک و بس ❶

اس تجزیہ کے بعد ناممکن ہے کہ کوئی باطل نظام تحریک کے ساتھ ساز گار ہو سکے بلکہ ہر ایسا آئین جو کتاب وسنت کی روشنی میں نہ بنایا گیا ہو اسے درست کرنا یا بدلنا قطعی طور پر ضروری ہوگا، جیسے تحریک کا ماضی اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے، اور جب تک جمود اور شخصی عصبیت دنیا میں موجود ہے نظام باطل اپنی سیاہ کاریوں کے ساتھ دنیا پر مسلط ہے، تحریک کو نہیں مٹنا چاہیے اور نہ ان شاء اللہ مٹے گی، اور قدرت اسے بے وقت ناپید نہیں ہونے دے گی۔ اس لیے میں نے اپنے نوجوان دوستوں سے اپیل کی تھی کہ کود پھاند کی عادت سے تحریک کا خون ناحق اپنے سر پر نہ لیں اور نہ ہر روز نئی قیادتیں پیدا کرنے کی کوشش ہی کریں بلکہ جزوی اختلافات کے باوجود پہلی بنیادوں پر تعمیری کوشش کریں۔

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة: ۱۰۸]

اس وقت آپ کی یہ حالت ہے:

إذا ما رأية رفعت لقوم
تلقاها عرابة باليمين

---

❶ صرف اور صرف یہی تحریک کی بنیاد ہے۔

"کوئی قوم جھنڈا جب کھڑا کرے تو عرابہ اس کی حمایت کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔"

یہ اس چیز کی دلیل ہے کہ دماغی توازن صحیح نہیں۔

محرکات اور مہیجات کا فقدان:

اگر واقعی تحریک ان مہیجات اور محرکات سے خالی ہو چکی ہے جو کسی جماعت کو مضبوط اور وحدت کی حیثیت سے قائم رکھ سکتے ہیں تو اس آڑے وقت میں ہمیں پوری وفاداری سے جماعت میں ان خصائص کو پیدا کرنا چاہیے جو اسے سوسائٹی میں ایک معزز رکن یا اہم عنصر کی حیثیت سے قائم رکھ سکیں۔ نوجوان دماغ جس بھاگ دوڑ کے عادی ہو رہے ہیں ان کی مثال اس ناشکر گزار پرندے کی ہوگی جو موسم بہار میں درخت کے پھلوں اور سایہ سے فائدہ اٹھائے لیکن خزاں ہوتے ہی آشیانہ کے لیے سرسبز ٹہنیوں کی تلاش میں بھاگنا شروع کر دے۔

جماعتی ذہن دراصل افراد کے ذہن کی ترقی یافتہ اور ممتزج شکل ہے، اگر افراد ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوں تو جماعتی ذہن کی شکایت اپنی شکایت ہی کے مترادف ہوگی، اس لیے آپ جیسے مخلص احباب سے یہ امید بے جا نہ ہوگی کہ جماعتی ذہن کو پیدا کرنے اور ان محرکات کو واپس لانے میں اپنی کوششوں کو صرف کریں جن کے زائل ہونے سے یہ خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ یہ گزارش جناب کے مفروضہ کو تسلیم کرنے کے بعد کر رہا ہوں ورنہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ حالات کے جائزے میں وقتِ نظر کا ثبوت نہیں دیا گیا، حالات اس قدر مایوس کن نہیں جیسے ظاہر کیا جا رہا ہے، اور نہ یہ تجزیہ ہی صحیح ہے جس پر مفروضہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

وقت کی اسپرٹ:

یہ صحیح ہے کہ وقت کی اسپرٹ سے ناواقفیت اور متصادم قوتوں سے بے خبری کی موجودگی میں صرف اصول کی گرمی کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ

صورت حال ہے بھی؟ پیشِ نظر گزارشات متصادم قوتوں کو محسوس کرتے ہوئے سپرد قلم ہوئی ہیں، اور ان پر جہاں جناب نے تنقید کی ضرورت محسوس فرمائی وہاں سینکڑوں درد منداحباب نے اسے پسند بھی فرمایا، لیکن اگر یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ جماعت کی موت افراد کی موت کی طرح ہے اور اس میں اعادہ حیات کی کوئی صورت نہیں تو میں آپ کے مفروضہ کی بنا پر آپ سے اتفاق کروں گا کہ اصلاح کی کوششوں کو یکسر ختم کر کے نئی جماعت کی تشکیل کا سوال سامنے آجانا چاہیے اور ﴿يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ کی پاداش کے لیے تیار ہوجانا چاہیے، لیکن میں ادب سے گزارش کروں گا کہ حالات کی نوعیت اس طرح نہیں۔ قومِ یونس علیہ السلام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس لحاظ سے جماعت اور قوم کا معاملہ افراد سے بالکل جدا ہے، مایوس اور بے امید حضرات سے صرف اتنی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ یاس اور بے امیدی کا وعظ کہنا چھوڑ دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”من قال هلك الناس فهو أهلكهم.“ ① (مسلم: ٢/ ٣٢٩)

یہ بھی آپ کا احسان ہوگا اور جماعت کی اہم خدمت!

حالات کی ناخوشگواری کو محسوس کرتے ہوئے یہی ایک داعیہ تھا جس کی بنا پر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں ایک خوشگوار تبدیلی کی کوشش کی گئی، اور کئی مخلص دوست ان مساعی میں پیہم مصروف ہیں۔ شكر الله مساعيهم.

حافظ ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ (٢٧٦ھ) نے اپنے زمانے کے متعلق فرمایا تھا:

”الناس أسراب طير يتبع بعضها بعضا، ولو ظهر لهم من يدعي النبوة مع معرفتهم بأن رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ خاتم الأنبياء أو من يدعي الربوبية لوجد على ذلك أتباعا وأشياعا.“

(تأويل مختلف الحديث، ص: ١٣)

”لوگ پرندوں کے غول کی مانند ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے اڑنا شروع کر دیتے ہیں، اگر کوئی نبوت اور خدائی کا مدعی بھی آجائے تو اسے بھی کچھ

---

① جس نے کہا کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو وہ خود سب سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہے۔

نہ کچھ رفیق اور ساتھی مل جائیں گے۔"

یہ حقیقت آج ہمارے نوجوانوں میں کس قدر نمایاں ہے؟!

موجودہ اہل حدیث پر ایک نظر:

حافظ زکریا صاحب فرماتے ہیں:

"اب جب ہم ہندوستان کی جماعتِ اہل حدیث کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو ہماری خواہشات کے علی الرغم جماعتی حیثیت سے ایک بے اثر و بے روح بلکہ معاف کیجیے ایک بے مقصد اور بے شعور انسانوں کی بھیڑ دکھائی دیتی ہے۔"

حقائق کے بیان میں حافظ صاحب نے جس صاف گوئی سے کام لیا ہے اس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں، ان کے غواص قلم نے دل کی گہرائیوں سے جس طرح موتیوں کو نکال کر صفحہ قرطاس پر بکھیرا ہے اور دل کے گوشوں میں جو چیز مستور تھی اس کے اظہار میں ان کی جرأت ہزار تحسین کی سزاوار ہے، اسے کتنا ہی تلخ سمجھا جائے لیکن یہ صحیح ہے اور ایک مخلص دوست کی دردمندانہ آواز، جس کی بنیاد خلوص پر ہے، نیک نیتی پر ہے، اس کے خلاف میں ایک حرف بھی نہیں کہنا چاہتا، بلکہ امرت سر کے اربابِ قیادت کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ماضی پر ایک تبصرہ ہے جو ﴿شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ع

چیست یاران طریقہ بعد ازیں تدبیر ما ❶

گرفتارانِ تفسیر سلف و خلف فرمائیں کہ کیا یہ ہماری ہی تصویر ہے؟ میں اس کو صحیح سمجھتا ہوں اور اس کا جواب آپ حضرات پر چھوڑتا ہوں، اور حافظ زکریا صاحب سے گزارش کروں گا کہ یہ صورت حال ہر جگہ نہیں۔ میرا اپنا خیال یہی تھا لیکن آل انڈیا اہل حدیث کانفرس کے اجلاس دہلی پر مختلف احباب سے ملنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ

---

❶ احباب گرامی! اس کے بعد ہماری تدبیر کیا ہے؟

حالات بحمد اللہ قابل اصلاح ہیں، اس لیے آپ کے ارشادات کو کلیتاً پوری جماعت کے متعلق تسلیم کرنے میں مجھے تأمل ہے، بعض جگہ حالات واقعتاً ناخوشگوار ہیں۔

اہلِ حدیث کی سرکاری تصدیق:

حافظ صاحب فرماتے ہیں:

> ''میرے خیال میں تو جماعت اپنے مقصد کو اسی دن بھلانے میں مشغول ہوگئی تھی جس دن اس نے سرکار انگلشیہ سے اپنے نئے نام اہل حدیث کی تصدیق کرادی تھی۔''

میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس راہ میں حکومت سے جو اعانت چاہی گئی وہ بالکل غیر مستحسن تھی اور موجودہ حالات تو ایسی مساعی کے لیے قطعاً ناسازگار ہیں۔ میں حافظ صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ مندرجہ ذیل گزارشات پر غور فرمائیں:

① یہ کوشش جماعت کی طرف سے نہیں تھی بلکہ یہ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی کوشش تھی، جو انبالہ کیس اور پٹنہ کیس کے تأثرات سے ہیبت زدہ ہورہے تھے، جبکہ انبالہ کیس کے ملزم جزیرہ انڈیمان کی ''سیر'' کے لیے بھیج دیے گئے تھے اور باقی ''وہابیوں'' کی تلاش حکومت کے پیش نظر تھی، جناب کی نگاہ نے صرف ایک عیب کی بنا پر باقی محاسن نظر انداز فرما دیے۔

ولكن عين السخط تبدي المساويا①

② مولانا بٹالوی کی یہ کوشش ''المجتهد يخطئ ويصيب'' کے اصول پر سمجھی جانی چاہیے۔ اللہ نہ کرے کہ ''اسلامی تحریک'' پر یہ دور آئے، اگر ایسا ہوا تو دنیا دیکھے گی کہ جماعت کے اربابِ فکر کہاں تک سوچ سکتے ہیں؟

③ یہ لفظ اہل حدیث کی تصدیق نہ تھی بلکہ لفظ وہابی سے بریت کے لیے تھی۔ حکومت

---

① کیونکہ غصے کی آنکھ تو عیوب ہی نمایاں کرتی ہے۔

کی اس غلطی کو رفع کرنا اخلاقی فرض تھا جو مولانا بٹالوی رحمہ اللہ نے انجام دیا، ورنہ لفظ اہلحدیث تو پہلے ہی موجود تھا، جو غلطی رفع ہونے کے بعد باقی رہا۔ تعجب ہے کہ حافظ صاحب ''خالص اہل حدیث'' ماحول میں تربیت پانے کے باوجود اپنی تاریخ سے اتنے ناآشنا کیوں ہیں؟

④ اسی تصدیق کے بعد بھی نظام باطل کی تباہی کے لیے اندرون اور بیرون ہند میں جو کچھ ہوا اس کی نظیر جدید تحریکات شاید پوری صدی میں بھی پیدا نہ کر سکیں۔ مولانا رحیم آبادی، حضرت مولانا غازی پوری، مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا عبدالواحد غزنوی، مولوی عبدالرحیم صاحب لاہوری، مولوی فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی، مولوی سید اکبر شاہ، مولوی ولی محمد و دیگر حریت پسند بزرگوں کی کوششیں ہمارے لیے صدیوں تک سرمایہ افتخار رہیں گی ؎

أولئك آبائي فجئني بمثلهم ①
إذا جمعتنا يا جرير المجامع

آپ نے قلم کی ایک جنبش سے اس ساری خونی داستان پر پانی پھیر دیا، یہ ایسا قصہ نہیں جس کی تفصیلات قلم کی زبان پر آسکیں۔ ع

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

مجھے افسوس تھا کہ مصنف ''علماءِ ہند کا شاندار ماضی'' نے تاریخِ ہند پر بڑا ظلم کیا کہ تحریکِ ہند کے اصل محرکین کو محض دیوبندی عصبیت کی بنا پر قریباً نظر انداز کر دیا، مگر آپ حضرات سے کیا عرض کروں کہ آپ بے خبری میں ایک غلط شہادت دے رہے ہیں۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس تصدیق کے باوجود جماعت کے عملی اقدامات پر

---

① یہ ہیں میرے آباء واجداد اے جریر! کوئی ان جیسا محفل میں لاکر تو دکھا!

کوئی اثر نہیں پڑا، مرزائی اور سماجی مناظرات کی وجہ سے تقسیم کار کی ضرورت یقیناً ہوئی مگر جماعت کی اکثریت کا نقطہ نظر وہی رہا۔ میں مجبور ہوں یہ داستاں جتنی مجھے معلوم ہے اس کا اعادہ بھی میری قدرت میں نہیں۔ آپ کی بے خبری پر تعجب ضرور ہے کہ ہماری ہڈیوں پر اپنی بنیادیں رکھنے والے ہم پر مضحکہ اڑائیں!! ﴿تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾

نقار خانہ میں طوطی:

مجھے معلوم ہے کہ میری حیثیت بقول جناب نقار خانہ میں طوطی کی ہے مگر اس میں میرا کیا قصور؟ آپ حضرات آنے والے خطرات کی بنا پر مجھے اکیلا چھوڑ گئے ہیں اور اپنے لیے نئے ماحول کے انتخاب میں مشغول ہو گئے تو کیا میں بھی بولنا چھوڑ دوں؟ میں جناب کے اس مشورہ کو قبول نہیں کر سکتا۔

کیا پورے اسلامی پریس میں "کوثر" کی حیثیت طوطی کی نہیں؟ کیا ان حالات میں اپنے فرائض چھوڑ دیے جائیں؟ کیا اسلامی تحریکات کے نقار خانہ میں آپ کی تحریک طوطی سے زیادہ حیثیت رکھتی ہے؟ تو کیا پھر مولانا مودودی اور عزیز صاحب اپنا مشن اس لیے چھوڑ دیں کہ نقار خانہ ان کا ساتھ نہیں دے رہا؟ سچ پوچھیے تو اکیلا بولنے ہی میں لطف آتا ہے، مگر میں نے امسال اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس میں بہتوں کو بولنے پر آمادہ کر لیا۔

متضاد جذبات:

میں اعتراف کرتا ہوں کہ ضعفِ قیادت کے علاوہ اور بھی نقائص ہیں جن کی وجہ سے بعض حضرات کی فطری قوتیں جماعت کے اندر رہ کر ظہور کا موقع نہیں پا سکتیں لیکن میں اس ارشاد کے قبول سے انکار کرتا ہوں کہ صرف ان نقائص ہی کی وجہ سے بعض حضرات دوسری تحریکات میں جانے پر مجبور ہو گئے بلکہ ان نقائص کے ساتھ ان حضرات کی ذہنی شکست بھی اس کی ذمہ دار ہے۔ "نزع الخف قبل رؤية الماء" ❶ کی عادت

---

❶ پانی دیکھنے سے پہلے ہی موزے اتار لینا۔

انھیں مایوسی کی طرف لے جا رہی ہے اور ”کل جدید لذیذ“ کا چسکا بھی انھیں پابرکاب رہنے پر مجبور کرتا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ تحریک اسلامی کی اس مختصر سی عمر میں آمد و رفت کا سلسلہ کس طرح بندھ رہا ہے؟ حضرت مولانا منظور نعمانی، محترم محمد شاہ صاحب، محترم سید ابوالحسن علی صاحب ندوی، مولانا جعفر صاحب ندوی کپورتھلہ۔ ان میں بعض حضرات تقویٰ، صلاح اور حسن عمل کے لحاظ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں لیکن وہ ”جماعت اسلامی“ کے نظام سے مطمئن نہ ہو سکے، اور اس وقت وہ بعض دوسری جماعتوں میں اچھا کام کر رہے ہیں۔ کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ ”جماعتِ اسلامی“ کے نظام میں ان کی فطری قوتوں کی نشو ونما کے لیے کوئی موقع نہ تھا؟ بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی افتادِ طبیعت کے لحاظ سے ایک نظام میں نہیں سما سکتے، وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ اچھی روحوں اور بہتر دماغوں کے میسر آنے تک اپنی عملی قوتوں کو تعطل کی نذر کیے رکھیں، اس لیے وہ پورے خلوص کے ساتھ دوسرے اداروں میں کام کر رہے ہیں، جیسے ہم آپ جیسے حضرات کو وداع کرنے پر مجبور ہیں۔ ع

سلامت روی و باز آئی ①

اس لیے تنہا جماعت کا نظام ہی اس کا ذمہ دار نہیں چھکنے کی عادت بھی اس تقلب کا موجب ہوسکتی ہے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک بزرگ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا: ”محمد! أقلني بیعتي“ میری بیعت واپس دے دو۔ اور یہ کہہ کر چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا تھا: ”المدینة کالکیر ینفي الخبث“ ② مدینہ بھٹی ہے، اس میں میل کی گنجائش نہیں۔
(بخاری مع الفتح: ٤/ ٩٨، ١٣/ ٢٠١ وغیرہ)

---

① سلامتی کے ساتھ جاؤ اور واپس آؤ۔

② صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٧٨٣) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٣٨٣)

جماعت میں نقائص ہیں لیکن یہ تحریک پیا حضرات بھی معصوم نہیں ہیں، شکایت بھی دراصل ان حضرات ہی سے ہے ورنہ حریتِ فکر پر پابندی اہل حدیث کی فطرت کے خلاف ہے۔

جاہلیتِ جدیدہ اور اہل حدیث:

جماعت کے متعلق میرے مفروضہ کو قبول فرما کر محترم حافظ صاحب فرماتے ہیں:

> ”جاہلیتِ جدیدہ کے متعلق اہل حدیث نے پچاس سال میں کون سا لٹریچر شائع کیا ہے؟“

میں اس فروگزاشت کو مانتا ہوں کہ یورپین تہذیب کے بعض حصوں کے متعلق جماعت اہل حدیث نے اصلاحی توجہ نہیں کی لیکن اگر آپ جماعت کے پروگرام کی نوعیت پر غور فرمائیں تو یہ غلطی اس قدر اہم نہ ہوگی جس پر آپ اس قدر ناراض ہوں۔ جماعت کا پہلا پروگرام یہ تھا کہ جاہلیت جدیدہ کو یکسر رخصت ہی کر دیا جائے، چنانچہ ۱۸۵۷ء سے لے کر آج تک یہ پروگرام پیش نظر رہا، میں پروگرام کی صحت یا غلطی پر بحث نہیں کرنا چاہتا، میں اس راہ کی ناکامیوں کو مانتا ہوں لیکن عشق کی ان سرشاریوں سے کیونکر انکار کروں کہ آج بھی ان میں سے بعض مخلص پراگندہ حال اس امید میں جی رہے ہیں کہ ہم اس جاہلی نظام کو جڑوں سے اکھیڑ دیں گے۔

حافظ صاحب! ان مجانین کے سامنے لٹریچر کا سوال کیونکر آئے گا؟ ابتداءً یہ کوشش اخوانِ دیوبند کے ساتھ مشترک تھی، بعد میں اس کی ذمہ داریاں تمام تر ان لوگوں پر آ گئیں جن کے وجود سے جناب کو فلسفیانہ انکار بھی ہے اور انھیں آپ مخلصانہ ملامت بھی فرما رہے ہیں۔ اس جنون کے بعد لٹریچر کی تاجرانہ دانشمندیوں کو ہم نہیں سمجھ سکے تو ہمیں معذور سمجھا جائے گا۔ لٹریچر میں آپ زیادہ اعتماد نہ فرمائیں، تحریکات کے مدوجزر میں جلسے، تقاریر، سپاہیانہ زندگی، مصنوعی جنگ، ساری چیزیں وقتی اہمیت کے بعد اپنا وقار کھو چکی ہیں، یہ موسمی لٹریچر جسے جناب آج وقت کی آواز فرما رہے ہیں میرا خیال

ہے عنقریب اپنا وقار کھو دے گا۔ اس کے بعد ہم اور آپ پرانے لٹریچر کی طرف رجوع کریں گے جہاں نواب صدیق حسن خان، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا عبدالرحمن مبارک پوری، مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا تلطف حسین مرحوم، فتح البیان، فتح الباری، عون المعبود، تحفۃ الاحوذی جیسا پاکیزہ لٹریچر لیے آپ کا استقبال فرمائیں گے۔ اس وقت جناب کو اس موسمی لٹریچر اور ہمارے لٹریچر کی اہمیت معلوم ہوگی۔ ؎

فسوف تری إذ انکشف الغبار
أ فرس تحت رجلك أم حمار ①

دوسرا پروگرام کتاب و سنت کی علمی اور عملی اشاعت کا تھا، جس کی ابتدا دہلی میں ان لوگوں نے کی جو سابقہ ہنگاموں کے بعد بقیۃ السیف کا حکم رکھتے تھے۔ دہلی کی اس درسگاہ کی شاخیں نجد، شام، عراق، مراکش تک پھیل گئیں۔ آپ کے سامنے امرتسر، لاہور، وزیر آباد، پشاور، راولپنڈی، آرہ، دربھنگہ، سیالکوٹ وغیرہ میں اس کے کھنڈر اس کی رفعت کا پتہ دے رہے ہیں۔ اس کے بالمقابل سر سید مرحوم نے اس جاہلیت جدیدہ کو دعوت دی، انھیں کے زیر سایہ وہ برگ و بار لائی، وہ اور جن لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہی وہی اس کے فوائد اور نقائص کو زیادہ جان سکتے تھے۔ ہمیں تو اتنا محسوس ہوا کہ ملت کے اچھے دماغ قریباً اس طرف چلے گئے، اسلامی درسگاہیں اس بے سروسامانی میں اپنی بساط کے موافق کام کرتی رہیں، ہم ان کو بے دین سمجھتے رہے وہ ہمیں احمق بتاتے رہے، آپ جیسے مشفق ہمیں فرماتے رہے کہ علما اب سوسائٹی میں مفید عنصر کی حیثیت میں نہیں رہ سکیں گے۔ اس وقت کے نتائج پتہ دے رہے ہیں کہ دونوں فریق کس قدر غلطی پر تھے؟ وہاں بھی دفتروں کے لیے ٹائپ رائٹروں ہی کی بھرتی مل سکی یہاں بھی ائمہ مساجد پیدا ہو سکے، نہ یہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور غزالی رحمہ اللہ پیدا ہو سکے نہ وہاں کوئی نطشے پیدا ہو سکا۔ آپس کے بُعد کی وجہ سے وہاں خرابیوں کا پتہ نہ لگ سکا۔

---

① جب غبار چھٹ جائے گا تو عنقریب تمھیں معلوم ہوگا کہ تمھارے نیچے گھوڑا ہے کہ گدھا؟!

چند سال سے مولانا ابوالاعلیٰ نے اس کا احساس کیا، ان کا لٹریچر اس باب میں یقیناً مفید ہے، وہ بھی اگر نظامِ باطل سے بی۔ اے کی ڈگری نہ پاتے تو شاید ہماری طرح ان کو بھی احساس نہ ہوتا۔ بہر حال یہ حق بھی انھی کا تھا، اہل حدیث کی راہ ہی دوسری تھی، جو بیماری لائے تھے علاج کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہونی چاہیے، جماعت اس وقت بھی ان کی اعانت کر رہی ہے۔ جس قدر لٹریچر بک رہا ہے اس میں جماعت کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ آئندہ آپ دیکھیں گے کہ اس قسم کا لٹریچر جماعت کی طرف سے بھی شائع ہونا شروع ہو جائے گا، دو چار سال کے پس و پیش سے طعن و تشنیع کی صورت نہیں ہونی چاہیے۔ یہی گزارش تھی جو میں نے سابقہ گزارشات ''جماعت اسلامی'' کے اربابِ بست و کشاد سے کی تھیں۔

آپ مولانا ابوالاعلیٰ کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ''جاہلیتِ جدیدہ'' سے آپ کو بچایا، میں جماعتِ اہل حدیث کا ممنون ہوں کہ میں جاہلیت جدیدہ سے متاثر ہی نہیں ہوا لیکن میں اس ضرورت کو محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت اس لٹریچر کی ضرورت واقعی ہے لیکن مجھے جناب کے ارشاد سے قطعی انکار ہے کہ تمام ائمہ تجدید نے آغاز کار لٹریچر ہی سے کیا، سید شہید کی تحریک آپ کے سامنے ہے، ابتدا میں کون سا لٹریچر شائع کیا گیا؟ خود اسلام ہی کو دیکھیے ابتدا میں کون سا لٹریچر تھا؟ اور اس کی اشاعت کے ذرائع کہاں تک موجود تھے؟ آج کل کے تجارتی ماحول میں ابتداءً لٹریچر مفید ہے، چندوں کی بدنامی اور وعظ فروشی سے لٹریچر کی بدولت بچا جا سکتا ہے، ورنہ تحریکات صحیحہ اور ائمہ تجدید کے اعمال میں سب سے زیادہ اور اہم توجہ شخصی اور جماعتی اخلاق کی طرف ہوتی تھی، اور یہی اصل چیز ہے، قائد کی عزیمت اور عمل کی پختگی تحریک کی کامیابی کی کلید ہو سکتی ہے جو جدید تحریکات میں عموماً ناپید ہے۔

مناظرات:

مناظرات کو جو اہمیت جماعت میں حاصل رہی ہے اس کی حیثیت واقعی سلبی ہے،

ایجابی اور تعمیری نہیں، لیکن جماعت نے اس راہ میں جو کچھ کیا اس میں عموماً ماحول کی مجبوریاں کارفرما تھیں، مخالفین نے ایسی صورت حال پیدا کر دی جس کا حل مناظرہ کے سوا نہ ہوسکا، جس طرح آپ کو میری گزارشات کے خلاف لکھنا پڑا۔ تاہم یہ عادت کم ہونی چاہیے، دوا کو غذا کا مرتبہ نہیں ملنا چاہیے۔

دو بے انصافیاں:

جہاں حافظ صاحب کی اس مخلصانہ تنقید سے مجھے خوشی ہے وہاں مجھے برادرانہ شکوہ بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''میں جماعت اسلامی پر تبصرہ کرتے ہوئے اہل حدیث کی محبت کی وجہ سے ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوں۔'' میں جماعت کے لٹریچر کا دیر سے مطالعہ کر رہا ہوں، مولانا مودودی کی تینوں ہجرتیں حیدر آباد، پٹھانکوٹ، لاہور میری نظر میں ہیں، ان مختلف تبدیلیوں اور واقعات کے مدو جزر اور مولانا کے تاثرات اور مولانا کے لب ولہجہ میں ان حوادث کی وجہ سے جو تغیرات رونما ہوئے میں اپنی بساط کے موافق انھیں سمجھتا رہا، لیکن کشمکش کی صورت بحمد اللہ کبھی نہیں ہوئی۔ تحریک کے محاسن اور اس کی کمزوریاں جہاں تک میرا ناقص ذہن فیصلہ کرتا رہا مجھے اس میں تشویش نہیں ہوئی، نہ اس کی تنقید میں ہچکچاہٹ ہے نہ اس کی تعریف سے گریز، البتہ اتنی فرصت نہیں مل سکی کہ اس کے متعلق کوئی تفصیلی گزارش کرسکوں۔ اب خیال کر رہا ہوں کہ تحریک کے بعض اساسی پہلوؤں پر کچھ لکھوں یا براہ راست مولانا سے عرض کروں۔ نظامِ باطل کے ساتھ ہمارے تعلقات کی تشریح جس نقطۂ نگاہ سے ''کوثر'' اور ''ترجمان'' میں اس کا تذکرہ ہو رہا ہے میرے ناقص علم میں شرعاً محل نظر ہے۔ میں منتظر ہوں کہ مجھ سے بہتر آدمی موجود ہیں وہ اس پر لکھیں، تاکہ تحریک کو اپنا موقف معلوم کرنے میں سہولت ہو۔

حافظ صاحب نے جماعت میں جو خوبی تھی اسے شخصی قرار دیدیا ہے، حتی کہ مجھ جیسے کم سواد آدمی نے اگر کسی اچھے خیال کا اظہار کر دیا تو حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ

میرے خیال میں اسے یوں کہنا چاہیے کہ روح تو باقی ہے لیکن جماعت میں نہیں بلکہ بعض افراد میں۔ لیکن امرتسر کے کسی تنگ ظرف عالم کا ذکر فرماتے ہوئے اس کا الزام جماعت پر عائد فرماتے ہیں حالانکہ وہ بالکل ذاتی اور شخصی عادات ہیں، ان کی تخلیق میں جماعت کا کوئی دخل نہیں۔ یہ میرے خیال میں بے انصافی ہے جس کا مجھے شکوہ ہے۔

جماعت کے افعال اور شخصی افعال میں بے شک فرق تو ہے لیکن آج کل جن اداروں کے اعمال کو جماعتی اعمال سمجھا جا رہا ہے ان کی حقیقت عموماً اسی قدر ہے کہ بعض سمجھ دار آدمی اپنے اردگرد کچھ آدمی جمع کر لیتے ہیں اور بصورتِ ادارہ مطبوعات کی اشاعت شروع ہو جاتی ہے، ان کی آمدنی عموماً اشخاص کی ملکیت ہوتی ہے، البتہ بعض کتب بطور عطیہ یا صدقہ تحریک کو دے دی جاتی ہیں، ادارہ ممنونیت کے ساتھ مستقل اشتہار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ احمدی جماعت کے اداروں کی جہاں تک مجھے علم ہے یہ صورت ہے، میں تو اسے پروپیگنڈا کا ایک حیلہ سمجھتا ہوں، ماسٹر عنایت اللہ صاحب مشرقی کا ''تذکرہ'' اسی حیلہ سے بکا۔ مجھے اس قسم کے ادارے سے کوئی ہمدردی نہیں اور نہ جماعت میں ان کے فقدان سے کوئی رنج۔ کانفرنس اہل حدیث نے کتب کی اشاعت اور تقسیم میں بہت کام کیا ہے، ممکن ہے وہ آپ کے مذاق کی نہ ہوں!

حافظ صاحب کے سارے ارشادات میں یہ نقص نمایاں ہے، وہ مثالب کا انتساب پوری جرأت سے جماعت کی طرف فرماتے ہیں اور محاسن کے انتساب میں انھیں تأمل ہوتا ہے ؎

و إذا تكون كريهة أدعى لها
و إذا يحاس الحيس يدعى جندب ①

مناظرات جن کو جناب نے سلبی پروگرام سے تعبیر فرمایا ہے وہ یہی شخصی اعمال ہیں، اور ان کے فوائد کا تعلق بھی اشخاص سے ہے۔ بہت سے اہل علم اب بھی اپنی ذاتی

---

① جب سختی کا موقع ہو تو مجھے بلایا جاتا ہے اور جب حلوہ بنایا جائے تب جندب کو آواز دی جاتی ہے۔

ذمہ داری پر مناظرات کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کی ان خدمات سے جماعت ہی متاثر ہوتی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ مساعی من حیث الجماعت نہیں ہیں البتہ جماعت نے بعض اوقات ضرورتاً ان مساعی سے استفادہ کیا۔ ولا بد من ذلك!

آخر میں آپ نے پورے امتنان کے ساتھ فرمایا ہے:

> ''خالص اہل حدیث ماحول میں پرورش پانے کے باوجود آپ کو صحیح اسلامیت صرف مولانا مودودی کے لٹریچر سے حاصل ہوئی۔''

یہ بالکل صحیح ہے، لیکن میں دریافت کرسکتا ہوں کہ کیا جناب نے اس سے پہلے کبھی اسلامیات کے مطالعہ کی کوشش بھی فرمائی یا کالج کی سرگرمیاں ہی مطمحِ نظر رہیں؟ آخر اسلام کوئی انجیکشن تو نہیں، آپ کی توجہ ضروری ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ کے لٹریچر سے آپ ہی نے کیوں استفادہ فرمایا؟ آپ جیسے پڑھے لکھے اور بھی ملک میں موجود ہیں، مولانا مودودی کا لٹریچر ان کے لیے کیوں مفید نہیں ہو رہا؟ ''خالص اہل حدیث ماحول'' سے زیادہ کمی توجہ کی تھی، جب آپ نے توجہ فرمائی مولانا مودودی آپ کی دستگیری کے لیے موجود تھے، اس لیے مولانا کی شکر گزاری تو صحیح ہے لیکن دوسروں سے ناراضی صحیح نہیں۔ آخر مولانا نے یہ حقائق الہام سے تو نہیں پائے، انھوں نے جس لٹریچر سے استفادہ فرمایا وہ اس سے پہلے موجود تھا، اور اتنا مفید کہ اس نے مولانا مودودی جیسے نکتہ رس بزرگ پیدا کیے۔ آپ غور فرمائیں گے تو آپ کو بہت حد تک اس میں اہل حدیث لٹریچر ملے گا، آپ نے توجہ نہیں فرمائی۔ آپ کے استفادہ کی وجہ بھی وہی ''خالص اہل حدیث ماحول'' ہے جسے آپ حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں!

آخری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ لوگ کوئی کام کر سکتے ہیں تو کریں، محض لٹریچر پڑھنا اور اس پر چند حروف لکھ دینا بہت معمولی کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان گزارشات کو مناظرہ کا رنگ نہیں دیا جائے گا، میرا مقصد یہ ہے کہ پراگندہ خیال سے بچا جائے، جہاں تک مقاصد متحد ہوں اتفاق سے کام کرنے کی کوشش کی جائے، وقتی تحریکات سے عصبیت نہ پیدا کی جائے، اور جو ہو وہ خلوص اور نیک دل سے ہو۔

مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف ویرو وال سے خطاب:

میں نے ''کوثر'' میں ارشادات گرامی کو پورے غور سے پڑھا، جناب نے جس خوبی سے میری گزارشات کا تجزیہ فرمایا میں اس کے لیے شکر گزار ہوں، اور جس مہارتِ فنی کے ساتھ جناب نے میرے حقیر خیالات پر عملِ جراحی فرمایا اس کے لیے میری ہمدردیاں جناب کے ساتھ ہیں۔ جناب نے اس کیمیاوی تحلیل کے بعد جو نتائج پیدا فرمائے میں اس کے بغیر بھی جناب کے ساتھ تھا اور ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ان مشکلات کا حل یہ ہے جو آپ نے پیش کیا یا وہ جو میں عرض کر رہا ہوں؟ آپ مشکلات سے تنگ آ کر بے صبری سے بھاگ رہے ہیں، میں مریض کے سرہانے کھڑا ہو کر علاج کی جستجو میں ہوں۔ آپ اسے بد پرہیزی کا طعن دے کر الگ ہو جانا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تاصحت اس کی تیمار داری کی جائے۔ آپ مایوس ہیں، میں مریض کو قابلِ علاج سمجھتا ہوں، اسی لیے میں نے ارشاداتِ گرامی کے متعلق مفصل جواب کی ضرورت نہیں سمجھی۔

میں اس وقت بھی آپ کی مخلصانہ مساعی اور تکلیف دہ مصائب سے بے خبر نہیں ہوں۔ آپ کے پٹھان کوٹ کے اجتماع میں داڑھی کے مسئلہ پر حضرت مولانا مودودی کے تخاطب سے جو تلخی پیدا ہوئی، آپ کا طویل تخلیہ، حضرت مولانا عبدالتواب صاحب ملتانی مدظلہ کا طویل ناصحانہ خط ساری چیزیں معلوم ہیں، تسکین قلب کے لیے جس مجتہدانہ اصول کی آپ حضرات پناہ لے رہے ہیں وہ آپ کی تکلیف اور دردمندی دونوں کا پتہ دیتا ہے لیکن مجھ جیسے کم سواد یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ آپ حضرات بجبر ایسے قالب میں فٹ ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں جو ہزار خوبی کے باوجود آپ کے لیے نہیں ہے یا آپ خود بگڑیں گے یا قالب کو توڑ دیں گے۔

جناب کے ارشادات پر انتہائی غور کے باوجود میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ جناب کا

موقف کیا ہے؟ اگر آپ میرے رفیق ہیں تو صاف فرمایئے! میں پٹھان کوٹ کے سفر میں وداع کے لیے اسٹیشن تک پابرکاب چلوں گا اور استقبال کے لیے بھی مجھے آپ گیٹ پر کھڑا پائیں گے۔ مجھے آپ کی اس عارضی مفارقت پر چنداں ملال نہ ہوگا لیکن اگر آپ میرے رفیقِ سفر نہیں تو مضامین کی اتنی لمبی چادریں اوڑھنے کی کوشش نہ فرمائیں، کھل کر علیحدگی کا اعلان فرمائیں۔ کفر و نفاق کا احتمال نہیں صرف اتحادِ طریق اور مقاماتِ سفر کا خیال ہے، جب یہ توقع نہ ہو تو زحمتِ انتظار میں وقت ضائع نہ ہو۔

میری گزارش پہلے بھی یہی تھی، اب بھی یہی ہے۔ جناب کے طویل ارشادات نے میری اس تشنگی کو پورا نہیں کیا۔

مسلکِ اہلحدیث اور فریضہ اقامتِ دین
جدید تحریکات اور ہمارا موقف

گزشتہ چند مہینوں میں بعض ناگزیر حالات اور تأثرات کی بنا پر میں نے ایک مختصر سا سلسلہ مضامین لکھا جس میں مسلکِ اہل حدیث اور اس کے تاریخی مدو جزر کا ذکر تھا، اور مختصراً ان حوادث کا ذکر بھی آیا تھا جو تیرہ سو سال کے عرصہ میں اس مسلک کے متبعین کو پیش آئے، جن کی روشنی میں میری ناقص رائے ہے کہ اس مسلک کے حامیوں نے ایک جماعتی اور انقلابی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ یہ گزارشات توقع سے زیادہ قبولیت کی نگاہ سے دیکھی گئیں، اور جس سراسیمگی اور پریشانی سے متأثر ہو کر یہ گزارشات کی گئی تھیں اس میں بحمد اللہ اب کافی سکون ہے۔

ان دنوں کی ڈاک سے محسوس ہوتا ہے کہ ایسے مضامین کے لیے جماعت میں کافی تشنگی موجود تھی، جماعت کے دردمند حضرات ایسے مضامین کی ضرورت محسوس فرما رہے تھے، یہی سبب ہے مجھ جیسے قلم کے ناآشنا کی گزارشات کو ادارہ اہلحدیث نے شرفِ اشاعت بخشا۔

ایک طبقہ نے اسے ناپسند بھی فرمایا جو اس سراسیمگی اور پریشانی کو طبعی اور فطری سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں اس تگ و تاز کا جاری رہنا ضروری ہے تاکہ جمود و تعطل نہ ہو، ان کے خیال میں حرکت ہونی چاہیے، چاہے وہ پریشانی و سراسیمگی کا نتیجہ ہی کیوں نہ ہو؟

میں اس اختلاف و تخالف کو بھی قبولیت کی دلیل سمجھتا ہوں۔ جس چیز کو نہ دوستوں کی حمایت حاصل ہو نہ مخالفین کی تنقید سے سابقہ پڑے، سمجھ لینا چاہیے کہ وہ وقت کی چیز نہیں۔

چونکہ یہ مضامین تنقید و تعقب کی نظر سے لکھے گئے تھے اس لیے میں محسوس کرتا ہوں کہ بعض گوشے ہنوز تفصیل طلب ہیں، جہاں مناظر اور متعاقب کو اس اجمال میں اشتباہ ہوسکتا ہے۔ مخلص اہل فکر کے لیے بھی ممکن ہے کہ بعض مواقع پریشانی کے موجب ہوں، اس لیے زیرِ قلم گزارشات کی ضرورت محسوس ہوئی۔

﴿اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

اہل حدیث بلحاظ طریقِ فکر:

اس میں شک نہیں کہ اہل حدیث کا طریق فکر ممتاز ہے، قیاس کی ضرورت کو محسوس کرنے اور نظائر سے نظائر کے احکام میں استفادہ کے باوجود اس میں زیادہ تر انحصار نصوص صریحہ اور قضایا صحابہ پر رکھا گیا ہے۔ قیاس کو یہاں وہ اہمیت حاصل نہیں جو اس کو بعد میں حاصل ہوئی۔ بعد کے افکار میں بعض لوگوں نے یونانی نکتہ نظر سے سمجھا، صفات باری اور جزا وسزا کے مسائل کو یونانی فلاسفہ کے اصولوں کی روشنی میں سوچا گیا، جہاں سنت صحیحہ اور فلاسفہ کے افکار میں تصادم ہوا سنت کو ظنی کہہ کر ٹال دیا گیا۔

بعض حضرات نے مخصوص اہل علم کے طریق فہم و فکر کو زیادہ اہمیت دی، تمام مسائل میں ان مخصوص ائمہ کے اصول و ضوابط ان کے پیش نظر رہے، انھی کی روشنی میں جو سوچنا تھا سوچا گیا، فرطِ عقیدت سے مذہب کی نسبت ان کی طرف کی گئی بلکہ ان کے نام پر کھلی دعوت دی گئی، پھر ان شخصی نسبتوں پر باہمی مخاصمت تک نوبت پہنچی۔ اہل حدیث کے ہاں یہ دونوں چیزیں ناپید ہیں، نہ یہاں یونان سے وابستگی ہے اور نہ شخصی اصولوں کی بنا پر کوئی انتساب۔ یہاں اسلام کا تصور فقہیات اور صفات کی مخصوص تاویلات سے زیادہ وسیع ہے۔ طہارت، صلوٰۃ، جہاد، زہد و رقاق، احکام اہل الذمہ، اقضیہ وغیرہ تمام مسائل کو اپنی اپنی جگہ یکساں حیثیت حاصل ہے، جیسے ائمہ حدیث کی تصانیف سے واضح ہے۔ ان علمی ذخائر کی موجودگی میں حقائق و واقعات پر سب سے بڑا ظلم ہوگا کہ اس

طریق فکر کو دوسرے طرقِ فکر کے مساوی مرتبہ دیا جائے جہاں مقصد بعض اشخاص کے فہم کی ترجمانی ہے یا مخصوص افکار کی اشاعت۔ جس طریق فکر کی دعوت اسلام نے دی ہے اور جتنی وسعت ساذج اسلام میں موجود ہے ٹھیک اسی طریق کی دعوت اہل حدیث نے دی ہے، اور اسی قدر وسعت اس میں موجود ہے۔ مجھے اپنے ناقص علم کی بنا پر قطعی انکار ہے کہ اہل حدیث کوئی فرقہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ الفاظ و تعبیر میں بعض اوقات امتیاز کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس میں بعض اشیا کا وجود یا عدم تصور کیا جا سکتا ہے لیکن اس وجود و عدم یا شرط اور لا شرط کا استعمال جب حقائق پر مبنی نہ ہو اور نفس الامر میں اس کی کوئی حقیقت نہ ہو تو محض تعبیری امتیازات فرقہ کی صورت پیدا نہیں کر سکتے۔

میں اسے تصور ساذج کی طرح سمجھتا ہوں جو شروط مندرجہ کے باوجود بھی تصور اور تصدیق کے مقسم بن سکتا ہے، ساذج کی قید کا اس پر کوئی اثر نہیں۔ اسی طرح میرا خیال ہے کہ اہل حدیث اسلام کی اصل تعبیر ہے اور اس کے سوا سب فرقے ہیں جو اس جماعت سے الگ ہوئے۔ صراط مستقیم کے ساتھ جہاں ایسے خطوط اور پگ ڈنڈیاں بن سکتی ہیں جو اس سے بھٹکانے کا موجب ہوں، وہاں ایسے خطوط بھی ضرورتاً بنائے جا سکتے ہیں جو صراط مستقیم سے بہت دور نہیں جا رہے بلکہ تھوڑے فاصلے پر اس سے مل جاتے ہیں یا کم و بیش فرق سے مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں۔ بعض حالات میں ایسے ضمنی راستوں پر چلنے کی اجازت دی جا سکتی ہے لیکن انہیں صراط مستقیم نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کے مساوی۔ اسی طرح مسلک اہلحدیث اسلام کی صحیح تعبیر کے لحاظ سے صراط مستقیم ہے، باقی کچھ فرقے ایسے ہیں جو اس صراط مستقیم سے بھٹک چکے ہیں، اور بعض اس کے بہت قریب اور قابل برداشت ہیں لیکن تفرق کی ذمہ داری ان پر ہے اہل حدیث پر نہیں۔

اہل حدیث بلحاظِ تحریک:

صورتِ حال کے اس واقعی تصور کے بعد، جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، ان

تاریخی حوادث پر غور فرمایئے جن سے اس طریقِ فکر کو سابقہ پڑا۔ جب ایک جماعت نے دین کو اس طریق پر سوچا اور اس کی ذمہ داریوں پر غور کیا، اس کے نتائج اور عواقب پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی روشنی میں سوچا تو انھیں یقین ہو گیا کہ زندگی کا یہ موقع اپنی مکمل ذمہ داریوں کے لحاظ سے صرف مدارس اور ادارہ ہائے تالیف وتصنیف سے کامیاب نہیں ہوگا جب تک اسے ایک تحریک کی صورت نہ دی جائے، قانونِ الٰہی کے مطابق جہاں مادی طاقت کی ضرورت ہو اسے مہیا کیا جائے، اگر لٹریچر مفید ہو سکے تو اسے بہم پہنچایا جائے، اور اگر حکومتِ وقت زندگی کے ان اسالیب سے تصادم کرے تو اس سے ٹکر لے لی جائے، اگر کامیابی کی راہ قید و بند کے خارستان سے گزر رہی ہو تو اسے پوری کشادہ دلی سے برداشت کر لیا جائے، غرض کامرانی کی راہ میں کوئی صعوبت بھی سامنے آئے اسے لبیک کہا جائے۔

آپ تاریخ کے اوراق الٹ کر ملاحظہ فرمائیں کہ اس طریقِ فکر کے حامی کس کس محاذ پر لڑے؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بغاوت یا خلافت کے صحیح مستحق کی حمایت میں جیل جانا پڑا۔ امام مالک کا امتحان طلاق بالاکراہ پر لیا گیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا سفرِ بغداد بھی کچھ ایسے ہی مسائل کا رہین منت تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے رفیق، مامون کے زمانے سے لے کر واثق باللہ تک علی الاعلان پٹتے رہے۔ امام عبدالعزیز کنانی نے بشر مریسی کے سامنے "حسبه قبح وجهه" جیسے شنیع فقرات سنے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ طلاق ثلاثہ، مسئلہ سفر زیارت اور بدعتی صوفیوں کی پردہ دری پر آزمائش میں ڈالے گئے، اصول و فروع کی اشاعت میں جہاں رکاوٹ ہوئی یہ دھڑا وہیں رک گیا، اور اس وقت تک رکا رہا کہ ختم ہو گیا یا دشمن کو ختم کر دیا۔

تاتاریوں کی جنگ میں وہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ جو حکومت سے عقائد کی جنگ لڑتے جیل بھیج دیے گئے تھے فوج کی قیادت فرما رہے ہیں اور عساکر کے سامنے جہاد کا وعظ کر رہے ہیں۔ فرحمهم الله ورضي عنهم.

اس شدید مدافعت اور ان صبر آزما حوادث کے باوجود اگر اہل حدیث تحریک نہیں تو آج تک دنیا میں نہ کوئی تحریک ہوئی ہے نہ آئندہ شاید ہی ہوگی۔ اگر یہ شہیدانِ ملت اسلام کو بطورِ نظامِ زندگی نہیں سمجھ سکے تو آئندہ کے لیے یہ امید بھی مت رکھیے کہ اسے کبھی یہ مقام حاصل ہوگا۔

آج کی تحریکات جن کا مایہ ناز کارنامہ چند رسائل کی اشاعت ہے، اور چند مناظرات اور خطبات اور کچھ وقتی اجتماعات ان کی زندگی کا شاہکار، یہ تو اجتماعی اور انقلابی تحریکات تصور کی جائیں اور جہاں موت و حیات کی کشمکش کا یہ حال ہے اور امتحانِ صبر کا یہ عالم وہ صرف طریقِ فکر! ؎

فليس يصح في الأذهان شيء
إذا احتاج النهار إلى دليل ①

پس میں اس منطق کے سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں، میں اس اکتشاف اور مشورہ کے لیے اپنے مخلص دوستوں کا ممنون ہوں جو فرماتے ہیں:

> ”اس طریقِ فکر کے لیے جب تک کوئی ایک مدرسہ موجود ہو، اور ایک دو مصنف اس انداز پر لکھنے والے دنیا میں موجود رہیں اہل حدیث کو مطمئن رہنا چاہیے وہ ابھی زندہ ہیں۔“

مختصراً کیا عرض کروں؟ میں اس شکست خوردہ ذہنیت سے مطمئن نہیں ہوں اور نہ اس احساس کمتری کی عادت ہی ہے، میں تو پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اقامتِ دین کی حرکت کی کوئی تعریف کریں اور اس خاکہ میں کوئی بھی موزوں رنگ بھر دیں، اہل حدیث صحیح معنی میں اس کے حق دار ہوں گے۔

طریق فکر اور تحریک:

ایک فکر کے لیے ضروری نہیں کہ یہ تحریک کی صورت اختیار کرے لیکن ایک تحریک

---

① اگر دن کو بھی دلیل کی ضرورت ہو تو پھر ذہنوں میں (موجود) کوئی چیز بھی صحیح نہیں۔

کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لیے مخصوص طریق پر سوچے، اس لیے مجھے اس سے انکار نہیں اہل حدیث ایک طریق فکر ہے، مجھے انکار اس سے ہے کہ وہ صرف طریق فکر ہو اور بس۔ بعض اصلاحی تحریکات میں فروعی مباحث اس لیے نظر انداز کیے جاتے ہیں کہ تحریک بدنام نہ ہو، تحریک پر وہابیت یا مرزائیت کا اشتباہ نہ ہونے لگے۔ اہل حدیث کا یہ جرم ہے کہ انھوں نے اصول وفروع میں بلا خطر اپنی رائے کا اظہار کیا، ان کی نگاہ میں اصول وفروع دونوں کا منہاجِ سنت پر ہونا ضروری ہے، ہمارے بعض دوست اس سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ اہل حدیث صرف ایک فقہی طریقِ فکر ہے جیسے حنفی اور شافعی!

سید شہید رحمہ اللہ کی تحریک:

پچھلی صدی میں سید شہید رحمہ اللہ کی تحریک کی بھی یہی نوعیت ہے، انھوں نے ”تقوية الإيمان، تنوير العينين في إثبات سنية رفع اليدين“ میں اصول اور فروع دونوں کی اصلاح فرمائی اور اس کے ساتھ دعوتِ جہاد بھی دی۔ فروع میں اعتدال اس وقت تحریک کے پروگرام کا اہم حصہ تھا، اس لیے اس وقت جماعت کی ہیئت ترکیبی اس کی عملی شہادت ہے، اور آج کل بھی مساجد اہل حدیث میں یہ اعتدال نمایاں ہے، وہاں کسی کو نماز سے نہیں روکا جاتا اور نہ ان فروعی مسائل کے لیے کبھی ہنگامہ بپا کیا جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ اس اعتدال سے بھی یہی سمجھا جا رہا ہے کہ اہل حدیث صرف طریقِ فکر کا نام ہے حالانکہ تحریکِ سید شہید اس اعتدال کا کامیاب عملی تجربہ ہے، آج بھی جو لوگ صرف ان فروع پر ہنگامے بپا کرتے ہیں انھوں نے مسلک اہل حدیث کو صحیح نہیں سمجھا لیکن جب کسی مسلک سے نگاہیں بدل جاتی ہیں تو اس کے محاسن کی ایک ایک چیز قبیح معلوم ہونے لگتی ہے۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے تحریک اقامتِ دین اور اہل حدیث کے مزاج میں کوئی جوہری فرق نہیں، ضرورت عمل کی ہے اور صحیح قیادت کی۔

مذہب، دین اور تحریک:

مذہب اور دین کو تحریک سے تعبیر کرنے میں مجھے تو تأمل ہے لیکن اگر یہ تحریک تھوڑی دیر کے لیے صحیح مان لی جائے اور مدینہ کی سوسائٹی کو ایک تحریک کا نتیجہ تصور کر لیا جائے تو اس کے مزاج میں اصول و فروع کی اصلاح کا جو حکیمانہ امتزاج موجود ہے ٹھیک تحریک اہل حدیث میں وہ چیز پائی جاتی ہے۔ اگر فقہی مسائل میں گفتگو اور طریقِ فہم و استدلال میں کسی مخصوص طرز فکر کا التزام اہل حدیث کے لیے ایک فقہی مکتب فکر ہے تو اس کی تجدید و احیا کے لیے مصطلح تحریکات بے سود ہیں، فقہی مکتب ہی اس کی تجدید کر سکتے ہیں، مصطلح تحریکات اور محرکین کو اپنے لیے کوئی اور میدانِ عمل تلاش کرنا چاہیے۔

طبعی تحریکات:

ہر چیز کی خرابی کے بعد اصلاح کی مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں، دین اور اس کا نظام بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ خیال مشتبہ ہی نہیں بلکہ غلط ہوگا کہ ''دین بلحاظ نظام زندگی یکسر ناپید ہے۔'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''لا تزال طائفة من أمتي على الحق ظاهرين لا يضرهم من خذلهم.''①

اس لیے ایسا تو ممکن نہیں کہ دین اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بالکل ناپید ہو جائے، یقیناً ایک جماعت ایسی دنیا میں رہے گی۔ جو ظاہر علی الحق ہوگی، ان کی تذلیل اور تخریب کی تمام کوششیں بالکل بے کار ہوں گی، ضعف و اضمحلال پیدا ہو سکتا ہے، تعداد کم ہو سکتی ہے، دین کے ساتھ محبت و شیفتگی میں فتور آ سکتا ہے، دین کے فیوض سے محرومی پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ ایسے حالات میں اصلاح کی کوششیں مختلف نتائج سے اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، ان تحریکات کو طبعی کہنا تو صحیح ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ طبیعت کا ہر فعل مقتضائے فطرت بھی ہو، تمام امراض کا منبع طبیعت ہی ہے لیکن چونکہ طبیعت کی یہ حالت فطرت کے خلاف ہے اس لیے ان طبعی حرکات کا علاج عرفاً اور شرعاً ضروری ہے۔

---

① صحیح. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٢٢٩) وقال: هذا حديث حسن صحيح.

تحریکات میں تنوع:

اصلاح کے طریقوں کا استقصا تو مشکل ہے لیکن اس کی مختلف صورتیں قریباً چار ہیں:

① مادی طاقتیں اپنی حاکمانہ قوتوں کو اصلاحِ مفاسد کی طرف متوجہ کریں۔ اربابِ سیاست کی توجہ سے برسوں کا راستہ گھنٹوں میں طے ہو سکتا ہے۔

”كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلما هلك نبي خلفه نبي، ولا نبي بعدي، وستكون الخلفاء فتكثر، قالوا: فما تأمرنا؟ قال: فوا بيعة الأول فالأول“❶، الحديث أو كما قال. (صحيح مسلم: ٢/ ١٢٦)

یعنی اس امت میں اصلاح کا کام انبیا کی بجائے خلفا کے سپرد ہوگا اور وہ بہت ہوں گے۔

② تجدید واحیاءِ دین:

”عن أبي هريرة فيما أعلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها.“❷ (أبو داود: ٤/ ١٧٨ مع العون وغيره)

یعنی ہر صدی کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے آدمی پیدا فرماتا رہے گا جو نقائص کی اصلاح فرماتے رہیں گے۔

بلاشبہ احیاء وتجدید کا تعلق بحیثیت مجموعی پورے دین کے ساتھ ہے لیکن سلسلہ مجددین اور ان کے اصلاحی اعمال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طریق نبوت کے طریق سے کس قدر مماثل ہے؟ پیغمبر کی بالغ نظر بیک وقت تمام نقائص کا جائزہ لے لیتی ہے، اور اس قدر مکمل پروگرام مرتب فرما دیا جاتا ہے کہ برسوں نقائص اس کی طرف راہ نہیں پا سکتے اور کوئی پہلو پیغمبر کی نظر سے بچ نہیں سکتا، لیکن مجدد کی نظر وقت

---

❶ صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٤٢)

❷ صحيح. سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٩١)

کے مخصوص مسائل کی طرف ہوتی ہے اور نقائص کا جائزہ محدود طور پر لیا جاتا ہے، اور پروگرام کی نوعیت بھی اس مناسبت سے ہوتی ہے، نہ پروگرام کی تکمیل کا دعویٰ ہوتا ہے اور نہ عصمت عن الخطا کی ذمہ داری۔ امام شافعی اور عمر بن عبدالعزیز مسلمہ مجدد ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کی توجہ ان مظالم کی طرف رہی جو اموی خلفا سے سرزد ہوئے اور جمع و تدوینِ حدیث کا کام ان کے وقت میں بہت حد تک مکمل ہوگیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی تجدید کا اثر اصول فقہ کی تدوین کی صورت میں ہوا اور اصولِ حدیث میں ایسی اصلاحات فرمائیں جو وقت کے لحاظ سے ضروری تھیں، چنانچہ مرسل کی علی الاطلاق حجیت میں جو خطرات پیدا ہوچکے تھے ان کی وضاحت فرمائی۔ ①

غرض تجدید و اصلاح کے پروگرام میں توجہ مخصوص شعبوں کی طرف ہوتی ہے، اس لیے مختلف ممالک میں بیک وقت متعدد مجدد ہوتے رہے۔ جہاں کسی نے کسی ایک زاویہ کی اصلاح فرما دی وہی مجدد کہلایا۔ تجدید ایک علمی اور اصلاحی مقام تھا، اسے دکان داری کی حیثیت غالباً سب سے پہلے اربابِ قادیان نے دی، ورنہ پہلے مجددین کا تو یہ حال تھا کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہوا کہ وہ مجدد ہیں۔ آنے والی نسلوں نے ان کے اعمال کا جائزہ لے کر انھیں مجدد تصور فرمایا۔ جزاهم الله عن المسلمين أحسن الجزاء.

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مجدد تمام نقائص پر حاوی ہو اور اس کا پروگرام کل اصلاح کا کفیل ہو، دنیا میں وہی مجدد کامیاب سمجھے گئے ہیں جن کا پروگرام اپنے ماحول تک محدود رہا، شوخ مزاج اور رفعت پسند مجددین کی بے اعتدالیوں کا حال آپ قادیان میں دیکھ رہے ہیں۔ جہاں تک قول و دعویٰ کا تعلق ہے مقامِ نبوت بھی ان کی ادعائی رفعتوں کو نہیں پا سکتا، جہاں تک فہم اور عمل کی سنجیدگی کا تعلق ہے ان کا مقام ایک معمولی مسلمان سے بھی فروتر ہے۔

۳ مقامِ تجدید کے علاوہ ہر زمانے میں مخلص اہل علم اپنے وقت میں تبلیغ دینِ حق و اصلاحِ مفاسد کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

---

① دیکھیں: الرسالة للشافعي (ص: ٤٦١)

”يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين.“ ❶ (البيهقي مشكوة كتاب العلم)

یعنی امانتِ علم کو خلف، سلف سے لیتے رہیں گے، اور تحریف وتبدیل کو اس سے دور کرتے رہیں گے، باطل پرستوں کے انتحال وابتدع کی اصلاح فرمائیں گے۔

یہی وہ کام ہے جسے ائمہ حدیث نے ہر زمانے میں کیا، تنقیدِ احادیث کے قواعد منضبط فرمائے، وضع وانتحال کی اس طرح بیخ کنی فرمائی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آنے لگا۔ اسی طرح اصول فقہ کی تدوین عمل میں آئی تاکہ روایت کی طرح درایت کے مہالک اور خطرات سے اطمینان حاصل ہو ؎

أهل الحديث هم أهل النبي وإن
لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا ❷

یہ اپنے وقت کی طبعی اور فطری حرکتیں ہیں جن کی وجہ سے آج ہم دین کو ایک حد تک محفوظ پاتے ہیں، جہاں طبعی طور پر یہ حرکات ضرورتِ وقت کے لحاظ سے پیدا ہوتی رہیں وہاں اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جن کی حیثیت ایک شکاری سے بہتر نہیں۔ ان کے اعمال کی حیثیت ایک جال سے زیادہ نہیں جو ہمرنگِ زمین پر بچھایا گیا۔ سنتِ الٰہی کے نام پر تمام معجزات کا انکار، اشاعتِ اسلام کے نام پر انگلستان تک بھاگ دوڑ، لیکن مقصد اور نتیجہ کے لحاظ سے ان کی مجددانہ کارروائیوں کا ماحاصل صرف اسی قدر ہے کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کے اعتقادات کی تخریب کی گئی جو پوری نیک نیتی سے چشم براہ تھے کہ چونکہ دینِ حق بطور نظام زندگی کے عرصہ

---

❶ السنن الكبرى للبيهقي (١٠/ ٢٠٩) مشكاة المصابيح (١/ ٥٣) یہ حدیث اپنے مختلف طرق کی بنا پر ثابت ہے، چنانچہ فضیلۃ الشیخ سلیم بن عیدالہلالی نے اس حدیث کی تصحیح وتوثیق پر ایک مستقل کتاب بنام ”إرشاد الفحول إلى تحرير النقول في تصحيح حديث العدول“ لکھی ہے۔

❷ اہل حدیث ہی نبی ﷺ کے حقدار ہیں، اگرچہ انھیں آپ ﷺ کی ذات کی صحبت حاصل نہیں ہوئی، لیکن آپ ﷺ کی سانسوں (فرامین) کی صحبت تو انھیں کو حاصل ہوئی ہے!

سے ناپید ہے اور اقامتِ دین مسلمانوں کی زندگی کا واحد مقصد بن گیا ہے، اس مقصد کے لیے تحریکوں کا پیدا ہونا اور مٹتے رہنا ایک طبعی امر ہے، اور جب تک یہ مقصد حاصل نہیں ہو جاتا مشیت الٰہی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اقامتِ دین کی تحریکیں پیدا ہوتی اور مٹتی رہیں، جدوجہد جاری رکھی جائے، ہر تحریک پر ہمارے ان تحریک پرور مخلصین نے پورے اخلاص کے ساتھ غور کیا لیکن مشکل یہ تھا کہ ہمارے یہ مخلص اور تحریک پیشہ حضرات شرح صدر کی صحیح کیفیت سے ناآشنا تھے، وہ شرح صدر کے لطف اور انقباض کی الم انگیزیوں سے یکساں ناواقف تھے، ایسے شکار ہوئے کہ کسی ایک گوشہ کی اصلاح کے طلبگار ایمان و ایقان کی پوری عمارت انہدام کی نظر کر بیٹھے اور اس کے باوجود وہ خوش ہیں کہ تعمیرِ ملت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں! اور اس پر یہ غلو ہوا کہ جو لوگ اس سراسیمگی میں ان کا ساتھ نہ دیں وہ خارج از اسلام یا کم از کم گمراہ اور غلط کار!

قادیانی تحریک اس غلو کی زندہ مثال آپ کے سامنے موجود ہے۔

ہوسِ قیادت:

یہ ساری مصیبت ان حضرات کی پیدا کی ہوئی تھی جو دین کی اصلاح تو پورے خلوص سے چاہتے تھے لیکن اپنے لیے قیادت سے کم کسی چیز پر قانع نہ تھے، اس لیے انھیں پہلی صالح اور معتدل تحریکات سے الگ نئے دشتِ جنوں کی ضرورت محسوس ہوئی، صالح تحریکات کی حدود سے الگ انھیں نئی دنیا بسانا پڑی، ان کی نگاہ میں پہلے مجانین محملِ لیلیٰ کی تلاش میں اس لیے ناکام ہوئے کہ ان کے جنون میں وہ کمال نہ تھا جو ان حضرات کو عطا فرمایا گیا۔ ؎

وأخرني دهري و قدم معشرا
على أنهم لا يعلمون وأعلم ①

غلطیوں سے کون محفوظ ہے؟ ائمہ سلف کی بعض مسامحات کو اس طرح بسط سے

---

① مجھے میرے زمانے نے پیچھے کر دیا اور ایک جماعت کو آگے کر دیا کیونکہ وہ جانتے نہیں اور میں جانتا ہوں۔

بیان کیا گیا کہ وابستگانِ عقیدہ شرح صدر کے زعم میں جھومنے لگے۔ اس لیے میری رائے تو یہ ہے کہ اس قلتِ علم اور فقدانِ فہم کے دور میں جب دین حق بطور نظام زندگی ناپید ہو رہا ہے جدید تحریکات سے پرہیز کیا جائے اور ان طبعی تقاضوں کو چھوڑ کر دین کی خدمت صرف سلف کی راہوں پر کی جائے، اور قیادت پیشہ حضرات سے باادب عرض کیا جائے کہ وہ تھوڑی دیر صبر فرمائیں تا آنکہ عامۃ المسلمین طبیعت کے فطری اور غیر فطری تقاضوں میں فرق کر سکیں۔

”من كان مستنا فليستن بمن قد مات أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم.“ ❶ (مشكوة)

”جو پیروی کرنا چاہتا ہے وہ وفات پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے۔“

اس میں شک نہیں کہ ملک میں ایسی تحریکات موجود ہیں جن کا مزاج بحیثیت مجموعی لادینی نہیں، لیکن ائمہ سلف اور دوسری صالح تحریکات پر غیر معتدل تنقید کی وجہ سے ”زنند لشکر یانش ہزار مرغ سیخ“ ❷ کا معاملہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔ میرے دوستوں کو یہ حق ہے کہ ان نفس الامری اور واقعی گزارشات کو ”جذبات میں ڈوبی ہوئی لگن“ سے تعبیر فرمائیں مگر میں بھی اس حمام کے مستورین سے ناواقف نہیں۔ اور اس شرح صدر کو بھی ایک حد تک جانتا ہوں جو جدید تحریکات کے طبعی تقاضوں کے متعلق ان کو حاصل ہوتا ہے، اس لیے یہ غیر طبعی طریقہ شاید میرے لیے موجبِ تسکین نہ ہو۔

کوثر (ج: ۵، نمبر: ۴۴، ۴۵) میں بضمن ”اخبار و اذکار“ جو کچھ شائع ہوا ہے، مولانا پھلواروی نے ان ارشادات میں اپنی تحقیقات کے جو موتی بکھیرے ہیں وہ غیر معتدل تنقید کی بہترین مثال ہیں۔ مولانا نے حدیث کے متعلق جن خیالات کی نسبت اہل حدیث کی طرف فرمائی ہے وہ اگر نام کی صراحت کے بغیر فرماتے تو مجھے باوجود اہل حدیث

---

❶ حلية الأولياء (١/ ٣٠٥) جامع بيان العلم وفضله (٢/ ١٣٤)

❷ لشکریوں نے ہزار پرندے سیخ پر چڑھائے۔

ہونے کے احساس بھی نہ ہوتا کہ مولانا کس جماعت کا عقیدہ ارشاد فرما رہے ہیں؟ جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے غالباً جماعتِ اہل حدیث اس سے نا آشنا ہے۔ مولانا نے حدیث "أوتيت القرآن و مثله معه"① سے انکار کی جو حکیمانہ تلقین فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی نگاہ میں یہاں تطبیق کی کوئی صورت نہیں رہی، ان کے خیال مبارک میں اس حدیث کو مان لینے کی کوئی صورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے ارشادات اس باب میں بہت سطحی ہیں، ان کی نقاد نگاہیں اس مبحث کی گہرائیوں سے کافی نا آشنا ہیں، مولانا مودودی صاحب جیسے معتدل مزاج کی طویل مصاحبت بھی مولانا پھلواروی پر کوئی اثر نہیں کر سکی۔ میں اس وقت مولانا کے ارشادات پر تنقید نہیں کرنا چاہتا بلکہ امید رکھتا ہوں کہ مولوی فاضل کی تیاری والے حکیم اشرف اور مولوی عبدالغفار حسن صاحب حق گوئی کا فرض ادا فرمانے کی کوشش فرمائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ جماعت اسلامی کی ہمدردیاں انھیں اظہارِ حق سے نہیں روکیں گی۔ ؎

ہم اگر کہیں گے تو شکایت ہوگی

اگر یہ حضرات خاموش رہے تو کسی اہل حدیث کو قلم اٹھانا پڑے گا۔

مولانا پھلواروی سے اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دوسری جماعت کے معتقدات نقل کرنے میں احتیاط یہ ہے کہ ان کے مستندات سے نقل کیے جائیں، اس معاملے میں روایت بالمعنی کی طغیانی بسا اوقات سچائی کو بہا لے جا سکتی ہے۔ ایک مخصوص خیال ذہن میں رکھ لینے کے بعد مخالف کے ساتھ انصاف کرنا بیحد مشکل ہے۔ مولانا پھلواروی نے میزان تو ہاتھ میں لی ہے مگر محترم کا ہاتھ لسان المیزان پر نہیں پڑا، اس لیے وزن قریباً سارا ہی غلط ہوا ہے۔ مولانا نے حدیث کی حمایت میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی نہ تو وجہ حجیت کی صراحت ہے اور نہ ان خیالات میں تحقیق و رسوخ کا اثر۔ اور تصویر کے دوسرے رخ میں جس انصاف کا دعویٰ فرمایا گیا ہے وہ بھی بے انصافی کے مترادف

---

① صحيح. مسند أحمد (٤/ ١٣٠)

ہے، اس لیے اپنے خیالات جو بھی ہوں ان کی اشاعت کا تو ہر ایک کو حق حاصل ہے لیکن جن خیالات کی نسبت غیر کی طرف ہو ان میں کافی احتیاط ہونی چاہیے۔

تحریکات میں آنا اور نکلنا:

میں اگر اہل حدیث کو فقہی تحریک سمجھتا تو اس کے ساتھ لزوم کو تقلید سمجھتا، اسی خیال کی موجودگی میں مجھے حق بھی نہیں کہ میں تقلید سے اختلاف کروں۔ میں اس مسلک کو ترک کرنے والوں کی تعریف کرتا لیکن میری نگاہ میں اس حرکت کی نوعیت ہی دوسری ہے۔ اسی لیے میں نے احباب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اہل حدیث کو چھوڑتے وقت غور کریں کہ ان کا یہ سفر مفید بھی ہوگا یا نہیں؟ جن مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ دوسری تحریک میں جا رہے ہیں وہ ممکن ہے تھوڑی سی توجہ سے یہاں بھی میسر آ جائیں، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نقل و حرکت مزید نقصان کا موجب ہو، وہ مقاصد بھی مفقود ہونے لگیں جو حاصل ہو چکے ہیں۔ میرا تجربہ یہی ہے کہ ہمارے دوست کچھ لینے کی بجائے یا جو کچھ مل چکا ہے اس سے بھی دست بردار ہو جاتے ہیں۔ وہ دوسرے اداروں میں جا کر احساسِ کمتری کے عادی ہو جاتے ہیں، سنن پر عمل کو ترک ہی نہیں کرتے بلکہ اس میں حقارت محسوس کرتے ہیں۔ قرآن پر عبور سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ [الشعراء: ٧٤] کا نظریہ داء الامم کا حکم رکھتا ہے، مگر یہاں نئے آبا کی تقلید کا نام تحقیق رکھ لیا جاتا ہے، تنقید کے لیے تختہ مشق صرف اسلاف کرام رہ جاتے ہیں۔

میں ایسے دوستوں کو جانتا ہوں جو پہلے کانگرسی، سوشلسٹ، خاکسار اور لیگی تھے اور اس کے بعد وہ ایک زقند لگا کر جماعت اسلامی میں آ گئے، اور انھیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ انھوں نے کتنے تھوڑے عرصہ میں کس قدر متضاد سمتوں کا سفر طے کیا؟ اور عجیب یہ ہے کہ انھیں ہر جگہ شرح صدر حاصل تھا۔ حال ہی میں تھوڑا عرصہ ہوا بمبئی سے ایک مخلص دوست تشریف لائے، وہ سخت لیگی تھے، چند دنوں کے بعد تشریف لائے تو انھوں نے پورے اخلاص اور جوش کے ساتھ مجھے خاکسار تحریک کی دعوت دی، قریباً

پندرہ بیس دن کے بعد تشریف لائے، پھر یہ پختہ خاکسار نہ تھے بلکہ اس فکر میں تھے کہ لیگ کے شجرہ طیبہ کی شاخوں میں انھیں آشیانہ بنانے کی جگہ مل جائے، اور اس کے ساتھ بحمداللہ پختہ اور مخلص اہل حدیث بھی تھے، حالانکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ خاکساریت کا پیوند اہل حدیث کے ساتھ قطعاً نہیں لگ سکتا۔

ایک اہل حدیث یا حنفی، احرار میں، کانگرس وغیرہ میں کام کر سکتا ہے کیونکہ وہاں ان مقاصد سے تصادم نہیں جو تحریک اہل حدیث، حنفیت میں جوہری حیثیت رکھتے ہیں لیکن ایک حنفی کے لیے مشکل ہے کہ وہ نجد کی تحریک کے قالب میں فٹ آ سکے حالانکہ وہ اجتماعی تحریک ہے۔ ایک بریلوی کے لیے مشکل ہے کہ سید شہید رحمہ اللہ کی تحریک میں کام کر سکے حالانکہ وہ تحریک بھی اجتماعی ہے۔ احرار، کانگرس، جمعیۃ العلماء مل کر کام کرتی رہیں حالانکہ تینوں کا مزاج بظاہر اجتماعی ہے۔ اس لیے اشتراکِ عمل اور اس کے ترک میں اصل چیز مقاصد ہیں، تحریک کی اجتماعی حیثیت کو اس میں چنداں دخل نہیں۔ اگر لادینی تحریک کا مطلب یہ ہے کہ دین اس میں بطور ذاتی کے داخل نہیں، دین کی مخالفت اور موافقت دونوں اس کے پروگرام سے خارج ہیں تو ایسی تحریک میں اہل حدیث حنفی سب کام کر سکتے ہیں، کیونکہ وہاں ظاہراً تصادم نہیں، اور اگر لا دینیت جزو تحریک ہو جیسے اشتراکیت، اس میں کوئی مسلمان کام نہیں کر سکتا، اس کا تعلق چاہے کسی دینی جماعت سے ہو۔ اصل چیز مقاصد میں تصادم یا عدم تصادم ہے، تحریک کی اجتماعیت یا لا اجتماعیت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اختلافِ مقاصد کے باوجود اگر یہ نقل و حرکت جاری رہے گی تو ہم کہیں یا نہ کہیں دنیا ہمیں "کل جدید لذیذ" کی پھبتی سے معاف نہیں کرے گی۔

میں امید کرتا ہوں کہ اب اس موضوع پر یہ آخری گزارشات ہوں گی۔

ابوالخیر محمد اسماعیل سلفی

گوجرانوالہ

مسلک اہلحدیث کے بارے میں

چند اہم سوالات

اور

ان کے جوابات

مسلک اہلحدیث کے بارے میں جناب عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے چند اہم استفسارات شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث کی خدمت میں ارسال کیے تھے، آپ نے ان کے نہایت تسلی بخش جوابات دیے ہیں، جنہیں ہم افادۂ قارئین کی خاطر شائع کر رہے ہیں۔

ادارہ

ہفت روزہ الاعتصام لاہور

۳ر جون ۱۹۶۶ء

سوالات

① مسلک اہلحدیث کی (بحیثیتِ فقہی مذہب) تعریف کیا ہے؟ مختصر اور جامع الفاظ میں تحریر فرمائیے۔

② مسلک اہلحدیث کی ''اصول فقہ'' کی کتاب کونسی ہے؟ کتاب کا نام اور مصنف کا نام تحریر فرمائیے۔

③ اہل حدیث کے اصول فقہ کونسے ہیں؟

④ مذہبِ اہلحدیث کے مجتہدین کون سے ہیں جن کی فقہ اہلحدیث میں جامع تصانیف موجود ہوں؟

⑤ مذہب اہلحدیث میں مجتہدین کے کتنے اقسام ہیں اور ہر قسم کے لیے کون سے اوصاف ضروری و لازمی ہیں؟

⑥ مذہب اہلحدیث میں مفتی کے لیے کیا شرائط ہیں؟ کیا مجتہد ہونا ضروری ہے؟

⑦ ہندو پاکستان میں ایسے کتنے علماء موجود ہیں جن کو مسلک اہلحدیث کا مجتہد مانا جاتا ہو؟ نام اور پتہ تحریر فرمائیں۔

⑧ کیا مسلک اہلحدیث کی فقہ مدون اور مرتب صورت میں موجود ہے؟ اگر ہے تو اس فقہ کی تدوین کن حضرات نے کی اور کب ہوئی؟ فقہ اہل حدیث کی کوئی جامع کتاب موجود ہو تو اس کا نام اور مصنف کا نام تحریر فرمائیں۔

⑨ کیا ایسی مرتب اور مدون فقہ اہلحدیث پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا عامی کے لیے حنفی شافعی بنے رہنے کے تو مترادف نہیں ہے؟ ایسے مقلد اور حنفی شافعی میں کیا فرق ہے؟

⑩ مسلک اہلحدیث کی فقہ اگر مرتب و مدون نہیں ہے تو علماءِ اہلحدیث اجتہادی مسائل میں، جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچ سکتی ہے، کیسے فتویٰ دیتے ہیں؟ یا کسی امام فقہ کے قول و اجتہاد پر فتویٰ دیتے ہیں؟ اگر دوسری صورت ہے تو کیا یہ اس امام فقہ کی تقلید کروانی نہیں ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو کیا ایسا کرنے سے امت میں وہ نظم اور یکجہتی قائم رہ سکتی ہے جو ایک مسلکِ معین کی اتباع میں نصیب ہوتی ہے؟ کیونکہ مختلف علماءِ اہلحدیث کا ذاتی اجتہاد باہم دگر مختلف ہوسکتا ہے۔ کیا ایسا کرنے سے اختلاف اور تفرقہ بڑھ تو نہیں جائے گا؟

⑪ ایک اہلحدیث عالمِ دین کے ذاتی اجتہاد اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہم کی مدون اور مرتب فقہ میں سے کونسی چیز عمل کرنے کے لیے افضل ہے؟ اگر عامی اجتہادی مسائل میں ان ائمہ میں سے کسی ایک امامِ فقہ کی اتباع کرتا ہے تو کیا ایسا آدمی عامل بالحدیث نہیں ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ اپنے امام کے خلاف قرآن و حدیث مسائل کو چھوڑ دینے کے لیے بھی تیار ہو؟

نوٹ: کتاب معیار الحق مصنفہ سید نذیر حسین محدث دہلوی میں مندرجہ تقلید کے چار اقسام نظر میں رکھیں۔

⑫ کیا علماءِ اہلحدیث ہر فقہی مسئلہ کے لیے قرآن مجید یا حدیث شریف سے نصِ صریح پیش کرتے ہیں جیسا کہ ابن حزم ظاہری کا معمول بتایا جاتا ہے؟ نیز اہل حدیث اور ظاہریوں کے مسلک میں کیا فرق ہے؟

⑬ اگر مذکورہ بالا سوال کا جواب اثبات میں ہے تو براہِ کرم ہر فقہی مسئلہ کے لیے صریح آیات و احادیث پیش کرنے کا اعلان فرمائیں تاکہ مخالفین کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔

⑭ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر آپ کو فقہی مسائل کے بارے میں ایسا اجتہادی فتویٰ مخالفین کو پیش کرنا ہوگا جو ائمہ اربعہ میں سے کسی سے منقول نہ ہو۔ نیز قرآن و

حدیث کے خلاف نہ ہو اور علماءِ اہلحدیث کا مفتیٰ بہ قول بھی ہو۔ اگر آپ ائمہ مجتہدین کے کسی قول کو موافقِ قرآن و احادیث پا کر اس پر فتویٰ دیں گے تو پھر آپ کو اس قول کا ماخذ قرآن و حدیث سے ضرور پیش کرنا ہوگا، ورنہ اس مسئلہ میں اسی امام کی اندھی تقلید ہوگی۔ (بخلاف اتباع کے) جو آپ کے نزدیک خود ان ائمہ مجتہدین کے قول کہ ”دلیل کے بغیر ہمارے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے وغیرہ“ کے مطابق جائز ہیں۔

والسلام

عبدالخالق

کندہ کوٹ

جوابات

محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مکتوب گرامی سے مسرت ہوئی کہ آپ قانون کے ساتھ شغف کے باوجود مذہب سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ سوالات سے ظاہر ہے کہ ان فقہی اختلافیات میں بھی آپ کے مطالعہ کا انداز مناظرانہ ہے، آپ نے سوالات کی ترتیب میں قانون اور مناظرہ دونوں کو ملحوظ رکھا ہے، نیز سوالات اس ذہن کی غمازی کرتے ہیں کہ اہلحدیث کو آپ ایک ایسا فرقہ سمجھتے ہیں جو ائمہ اجتہاد کی ضد ہے، اور شاید ہر مسئلے میں ان سے الگ ہے۔ آج کل دیوبند اور بریلی سے جس طرح جمود کی دعوت دی جا رہی ہے اور متاخرین شوافع بھی قریباً اسی انداز سے دعوت دیتے ہیں اس سے تو اہلحدیث کو کلی اختلاف ہے، ہم اس جمود کو واقعی قطعاً پسند نہیں کرتے بلکہ اس جمود کو اسلام کی دعوتِ عام کے بھی خلاف سمجھتے ہیں۔ ایک انصاف پسند طالب علم ان حضرات کی اس تعصب آمیز دعوت سے یہی نتیجہ اخذ کرے گا جو جناب نے اخذ کیا ہے۔

لیکن فی الحقیقت اہلحدیث کی دعوت عام اور جامع ہے، اس میں مذاہب اربعہ اور دیگر ائمہ اجتہاد کی فقہی مساعی بھی شامل ہیں، اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ان مقدس مساعی کا تحقیقی جائزہ لیا جائے اور انھیں کتاب اللہ اور سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے، اور ان اختلافات کی تطبیق اور ترجیح کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کی روش کو سامنے رکھا جائے۔ مروجہ فقہوں سے اہلحدیث کو جزوی طور پر یقیناً اختلاف ہے لیکن ائمہ اجتہاد کے علوم و آثار سے تحقیقی استفادہ تحریک کا اساسی مقصد ہے، یعنی فقہی جزئیات یا اختیار علم و بصیرت کی بنا پر عمل میں آئے، اس کے باوجود ان مختلف نظریات

کو گوارا کرنا اور ائمہ کے علوم کا احترام اور ان سے استفادہ اس تحریک کی روح ہے۔

اس بنیادی اور اجمالی گزارش کے بعد استفسارات کے جواب ملاحظہ فرمائیں:

① مسلک اہلحدیث ایک ایسی دعوت ہے جس کی بنیاد اصول اور فروع یعنی عقائد اور اعمال میں ظاہر کتاب وسنت اور ائمہ سلف یعنی صحابہ کرام کی روش پر ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی شخصیت کے نام پر دعوت کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔

② اصول فقہ میں الرساله للإمام الشافعي، روضة الناظر ابن قدامه، إرشاد الفحول شوكاني، حصول المأمول لصديق حسن، الإحكام لابن حزم، الإحكام للآمدي، التوضيح والتلويح تفتازاني، كشف الأسرار، شرح أصول بزدوي، قواعد الأحكام لعز بن عبد السلام، القواعد لابن رجب، القواعد والفوائد الأصولية لعلي بن عباس البعلى (٨٠٣هـ) القواعد النورانية لابن تيمية، موافقات شاطبي وغیرہ قدما احناف کی کتابوں میں اصول کی حیثیت سے بیان ہوئے ہیں، جیسے مسلم الثبوت وغیرہ، متاخرین حنفیہ ملا جیون، شاشی وغیرہ کی تصانیف محققانہ نہیں۔ کاتب چلپی حنفی نے کشف الظنون میں فرمایا:

> ”سب سے پہلے اصول فقہ پر معتزلہ اور اہلحدیث نے لکھا، لیکن ان کی کتابوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ معتزلہ عقائد میں ہمارے مخالف ہیں اور اہلحدیث فروع میں۔“ ❶

اصولِ فقہ میں اختلاف خاص نوعیت کا ہے، فن کے ماہر اس سے غلطی نہیں کھا سکتے۔ اس کے علاوہ بھی اہلحدیث نے اصول فقہ میں کافی ذخیرہ جمع فرمایا، ہر حق پسند آدمی کو اس میں دقت محسوس ہوتی ہے، اس لیے کہ امام صاحب رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف کے تلامذہ عام طور پر اعتزال کا شکار ہو گئے، قاضی عیسیٰ بن ابان، بشر مریسی، سرخسی، کرخی، کم وبیش معتزلہ سے متاثر ہیں، جو لوگ اعتزال سے متاثر نہیں ان کی روش اصول

---

❶ كشف الظنون (٢/ ٨١)

میں چنداں غلط نہیں، اس موضوع میں تفصیلاً لکھنا وقت چاہتا ہے، نیز یہ مسئلہ تدریسی ہے اخباری نہیں۔

③ نمبر (۲) سے اس کا جواب کافی حد تک سمجھا جا سکتا ہے، اس کا مقصد پہلے جواب میں آ چکا ہے۔

④ مجتہدین میں کوئی بٹوارہ نہیں، مذاہب اربعہ کے مجتہدین اہلحدیث کے بھی امام اور مجتہد ہیں، ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابوعبدالرحمٰن اوزاعی، ابو یوسف، محمد، یہ سب اہلحدیث کے مجتہد ہیں، البتہ حق کسی میں محصور نہیں، نہ کسی کو مقامِ نبوت ملا ہے نہ مقامِ عصمت حاصل ہے غزارتِ علم کے باوجود غلطی ممکن بھی ہے اور واقع بھی، اس لیے کسی کے اجتہادات واجب القبول نہیں ہو سکتے اور نہ واجب الاتباع۔

⑤ مجتہدین کی تقسیم کوئی شرعی مسئلہ نہیں۔ ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ [یوسف: ۷٦] کے مطابق اصطلاحی الفاظ وضع کر لیے گئے ہیں، تقلید کی حفاظت کے لیے یہ اغلال وسلاسل بنائے گئے ہیں تاکہ ان کے محققانہ اختلافات کو ترکِ تقلید کا نام نہ دیا جا سکے، ورنہ یہ سب اساتذہ اور تلامذہ دلائل کی بنا پر باہم اختلاف فرماتے تھے اور ایک دوسرے کی تقلید سے بے نیاز تھے۔ رحمة الله عليهم

⑥ مفتی کے لیے ضروری ہے وہ کم از کم آیاتِ احکام اور احادیثِ احکام کو جانتا ہو، مذاہبِ علما پر اس کی نظر ہو، عربیت سے آشنا ہو، اصول فقہ، اصول حدیث پر اس کی فی الجملہ نظر اور اس کے ساتھ باعمل اور متقی ہو، اجتہاد ضروری نہیں۔

⑦ مجتہدین کی مردم شماری نہ پہلے کبھی ہوئی نہ اب اس کی ضرورت۔ علمی فیوض، تدریس وتذکیر سے خود بخود مقام متعین ہو جاتا ہے، مسلمہ مجتہدین کو ان کی زندگی میں ان کے اقران اتنے بڑے نہیں سمجھتے تھے جس قدر مقام اب ان کو حاصل ہے، اہلحدیث علماء کا بھی یہی حال ہے۔ مولانا سید نذیر حسین، مولانا شمس الحق،

مولانا شرف الحق ڈیانوی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کو شاید آنے والے لوگ امام سمجھیں اور مجتہد ماننے لگیں، میں اس معاملہ میں قطعاً مردم شماری یا مجتہد شماری کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

آپ قانون کے طالب علم ہیں، مجتہد شماری سے پہلے اس اصطلاح کے مفہوم پر غور فرمائیں، مجتہد کو اصطلاحاً جن علوم کا مکلّف قرار دیا گیا ہے اس لحاظ سے تو صحابہ میں کوئی مجتہد معلوم نہیں ہوتا بلکہ تابعین میں بھی کسی کو مجتہد کہنا مشکل ہے، حتی کہ مسلمہ ائمہ اجتہاد ان مصطلح راہوں سے مقام اجتہاد پر فائز نہیں ہوئے۔

عجیب یہ ہے کہ یہ اصطلاحی پابندیاں ائمہ اجتہاد پر وہ حضرات عائد فرما رہے ہیں جو خود مجتہد نہیں! آنحضرت ﷺ نے سچ فرمایا:

"إن من أشراط الساعة أن تلد الأمة ربتها"①

اربابِ تقلید ائمہ اجتہاد کے لیے اجتہاد کی راہیں تجویز فرماتے ہیں، پھر یکم محرم ۴۰۱ ہجری سے اجتہاد کو کلیتاً بند فرماتے ہیں حالانکہ علوم اجتہاد اب بھی موجود ہیں!!

"ولكن من عصر أربع مائة من الهجرة النبوية ـ على صاحبها أزكى الصلوٰة والسلام ـ قال العلماء الأعلام كما ينقل عن علماء الحنفية أن باب الاجتهاد قد انسد من ذلك التاريخ."

(رسالہ حمیدیہ، ص: ۳۲۸)

علماء حنفیہ نے فرمایا کہ چوتھی صدی کے ختم ہوتے ہی اجتہاد کا دروازہ مقفل ہوگیا۔

ہم جب مجتہد کی تقلید ہی پسند نہیں کرتے ہم مجتہد شماری کی سر دردی کیوں کریں؟ ہمیں قرونِ خیر کا ایک غریب مسلمان تصور فرمائیے جو اپنے وقت کے علما سے بلا تعیینِ شخص مسائل دریافت کرتا ہے اور اپنے فہم اور بساط کے مطابق ان پر عمل کرتا

---

① دیکھیں: صحیح البخاري (۵۰) صحیح مسلم (۹) مسند الشامیین (۳/ ۳۴۵) یعنی قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔

ہے، نہ وہ تقلید کو واجب سمجھے نہ مجتہد کی تلاش میں نکلے۔

⑧ مروجہ مذاہب کی فقہیں ہماری ہیں، ہم بلا تخصیص وقت کے تقاضوں اور اپنے فہم کے مطابق قرآن وسنت کی رہنمائی میں ان پر عمل کرتے ہیں، ان سے مسائل انتخاب کرتے ہیں۔ ایک فقہ کا تعین اصل مرض ہے جس نے تقلید کی بندشوں کو مضبوط کیا اور فکر ونظر، فہم وشعور کے دروازوں کو مقفل کیا۔ زاد المعاد، نیل الأوطار، فتح الباری، بدور الأھلة، دلیل الطالب إلی أرجح المطالب، فتاوی وغیرہ کافی کتابیں اس فقہی نہج پر لکھی گئیں لیکن تقلید نہ ہونے کی وجہ سے وہ مروجہ فقہوں کا مقام حاصل نہیں کر سکیں، نہ حاصل ہی ہونا چاہیے، علما کو اپنے علم کے مطابق تحقیق کرنی چاہیے، عوام کو بلا تخصیص علما کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جس طرح قرونِ خیر میں لوگ کرتے رہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ تذکرہ اس طرح فرمایا ہے:

”وبعد القرنين حدث فيهم شيء من التخريج غير أن أهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد و التفقه له، والحكاية لقوله، كما يظهر من التتبع، بل كان فيهم العلماء والعامة، وكان من خبر العامة أنهم كانوا في المسائل الإجماعية التي لا اختلاف فيها بين المسلمين، أو جمهور المجتهدين لا يقلدون إلا صاحب الشرع، وكانوا يتعلمون صفة الوضوء، والغسل والصلوٰة، والزكوٰة، من آبائهم ومعلمي بلدانهم فيمشون حسب ذلك، وإذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها أي مفت وجدوا من غير تعيين مذهب، وكان من خبر الخاصة أنه كان من أهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث فيتخلص إليهم من أحاديث النبي ـصلى الله عليه

وسلم۔ وآثار الصحابة ما لا يحتاجون معه إلى شيء آخر... الخ“
(حجة الله البالغة: ۱/ ۱۲۲)

یعنی دوسری صدی کے بعد تخریج کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن چوتھی صدی تک لوگ تقلید پر جمع نہیں ہوئے تھے، نہ ایک مذہب کی تقلید اور اس پر تفقہ کا خیال اور چرچا ہوا تھا، اس وقت علما بھی تھے اور عوام بھی۔ عوام کا یہ حال تھا کہ اتفاقی مسائل اپنے بزرگوں اور اپنے شہر کے علما سے دریافت کرتے اور صرف آنحضرت ﷺ کا اتباع فرماتے، جیسے وضو، نماز، زکوٰۃ کے متفقہ مسائل، اور جب کوئی خاص حادثہ ہو جاتا تو بلاتعینِ مذہب کسی مفتی سے دریافت فرما لیتے، خواص کا یہ حال تھا، وہ یعنی اہلحدیث کو حدیث میں غور و فکر کے بعد ایسی احادیث و آثار ان کو مل جاتے جس کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی انھیں ضرورت ہی نہ رہتی۔

یہ صحیح اسلام کی صورت ہے، اس کے ہوتے کسی جدید فقہ کی تدوین کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ موجودہ فقہوں پر بلاتعین عمل کیا جائے، لوگوں کو ایک مذہب کی پابندی پر خواہ مخواہ تنگ نہ کیا جائے تو مسلکِ اہلحدیث کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

اسی نہج پر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

”فإنا نعلم بالضرورة أنه لم يكن في عصر الصحابة رجل واحد اتخذ رجلا منهم يقلده في جميع أقواله، فلم يسقط منها شيئا، وأسقط أقوال غيره فلم يأخذ منها شيئاً، ونعلم بالضرورة أن هذا لم يكن في عصر التابعين، ولا تابعي التابعين، فليكذبنا المقلدون برجل واحد سلك سبيلهم الوخيمة في القرون الفضيلة على لسان رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ وإنما حدثت هذه البدعة في القرن الرابع المذموم على لسانه ـصلى الله عليه وسلم.“
(إعلام الموقعين: ۱/ ۲۲۲)

> ”ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ایک آدمی بھی اس وقت اس طرح کا مقلد نہیں تھا جو ایک ہی شخص کے تمام مسائل کو قبول کرے اور باقی علما کے فتووں کو رد کر دے، اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کا بھی یہی حال تھا۔ ایک ایسے آدمی کا پتہ دے کر حضرات مقلدین ہماری تکذیب کریں جو اس ناہموار راہ پر چل رہا ہو، یہ بدعت چوتھی صدی کی پیدا وار ہے، جس کی آنحضرت ﷺ نے مذمت فرمائی ہے۔“

ان گزارشات سے آپ پوری طرح سوچ لیں کہ مجتہدین کی تقسیم، اصول فقہ کی تقسیم کا تصور کہاں سے پیدا ہوا؟ یہ صرف تارِ عنکبوت کا ایک حصار ہے جو تقلید شخصی کی کمزور عمارت کو بچانے کے لیے بنایا گیا، جس سے آپ جیسا قانون کا طالب بھی متاثر ہونے سے نہیں بچ سکا۔ مجھے تعجب ہے آپ کا ذہن اس سوال کی طرف منتقل کیونکر ہوا؟

⑨ اس کا جواب قریباً نمبر (۸) میں ہو چکا ہے، واقعی اگر ان مخصوص فقہوں کی طرح فقہ اہلحدیث کی پابندی واجب قرار دی جاتی تو یہ بھی تقلید ہی ہوتی۔

⑩ میں نے عرض کیا ہے سابقہ ساری فقہیں قابلِ عمل ہیں، ظروف و احوال کے لحاظ سے اہل علم ان سب پر بلا تخصیص عمل کریں گے، فروعی اختلافات کو گوارہ کرنے کی عادت ڈالیں گے، اس سے قرونِ خیر کی وحدت قائم ہوگی، یہ نزاع تقلید کی پیداوار ہے جس کی وجہ سے تنگ نظری اذہان پر محیط ہو چکی ہے، بیماری کا نام صحت سمجھ لیا گیا ہے، آپ اس جامد اختلاف کا نام یکجہتی فرماتے ہیں۔ عجیب ہے؟!

جب چاروں مذاہب ”حق پر ہیں“ اور دنیا میں موجود ہیں تو یکجہتی جناب نے کہاں سے سمجھی؟ بلکہ چار جہتی کو تو حق سمجھ کر گوارا کیا گیا ہے، اگر اس میں مسلک اہلحدیث کو بھی اسی طرح گوارا کر لیا جائے تو یہ مصطلح یکجہتی پھر بھی قائم رہے گی، ذرا اس میں وسعت ہو جائے گی۔ کاش حضرات علماء کرام اسے گوارا کریں! پہلی بیماری

مروج تقلید ہے، دوسری بیماری گوارا نہ کرنے کی عادت۔ غرض اس وجوب اور پابندی کو آپ ختم کر دیں ساری دقتیں دور ہو جائیں گی۔ بعض نظریاتی دقتیں عمل سے خود بخود دور ہو جائیں گی، بلکہ اس صدی کے سفر میں بہت کچھ درست ہو چکا ہے۔ اختلافِ رائے کو گوارا فرمایئے تفرقہ خود بخود ختم ہو جائے گا، اختلاف اور تفرقہ میں الف تفسیری نہیں بلکہ فقہی اختلاف رہنا چاہیے اور تفرقہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

⑪ اجتہاد کسی عالم کا ہو اسے کتاب و سنت پر پیش ہونا چاہیے، اگر کتاب و سنت میں صراحت موجود نہ ہو تو عوام کو کسی کے اجتہاد کا پابند نہ کیجیے، جس پر حسبِ مصالح عمل کرے اس پر کوئی ملامت اور ضیق نہ ہونی چاہیے، عوام بہر حال علما کی طرف رجوع کریں گے۔ انھیں عادت ڈالنی چاہیے کہ مشہور مجتہدین یا متعارف فقہوں کی بجائے شریعت یا کتاب و سنت کے نام سے مسائل دریافت کریں اور علما انھیں اپنی صوابدید کے مطابق جواب دیں۔ اگر مقلد قرآن و حدیث کے خلاف مسائل چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ تقلید کی قابل برداشت اور مناسب ترین صورت ہے۔ میاں صاحب رحمہ اللہ نے اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسے گوارا فرمایا ہے، تجربہ کی بنا پر یہ ضروری استفتا مخصوص فقہوں کی بجائے شریعت کی بنا پر ہونا چاہیے۔ میاں صاحب نے ”معیار“ کے اس مقام میں اصلاح فرما دی تھی۔ ❶

⑫ ابن حزم قیاس کے بالکل منکر ہیں، اہل حدیث قیاس کو مانتے ہیں، نظائر کے حکم میں مساوات کو مانتے ہیں لیکن اگر قیاس کہیں قرآن اور سنت سے متصادم ہو جائے تو اہل حدیث نصوص کو مقدم سمجھتے ہیں۔ مدتِ رضاع احناف کے نزدیک ڈھائی سال اور خمر کا سرکہ بنانا نصوص کے خلاف ہے۔ ❷ اس میں نصوص مقدم ہونگی۔

⑬ اس کا جواب نمبر (۱۲) میں آ چکا ہے، قیاس نصوص کے تابع ہو تو قابل قبول ہے،

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیں: فتاویٰ نذیریہ (۱/ ۱۷۲)

❷ دیکھیں: [البقرة: ۲۳۳] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹۸۳)

اس لیے ہر پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق کسی نئے اعلان کی ضرورت نہیں۔

⑭ سابقہ گزارشات کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ فرضی شقیں جناب کی قانون دانی کی مرہون ہیں۔

کوشش تو یہی ہے کہ ائمہ کرام کے جو اقوال اختیار کیے جائیں حضرات ائمہ کے ارشاد کے مطابق ان کے ماخذ پر نظر ہو، اس کے باوجود قصورِ نظر کا اعتراف ہے، فہم میں غلطی بھی ہوسکتی ہے، ممکن ہے ماخذ نہ ملے تو کوئی اور راہ اختیار کرنا پڑے۔

قلتِ فرصت کے باوجود انتہائی اختصار سے جوابی گزارشات آپ کے حسب الحکم "الاعتصام" میں بھیج رہا ہوں، امید ہے بعد ملاحظہ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔

یہ ملحوظ رہے کہ مناظرانہ انداز سے ان مباحث کو طول نہیں دینا چاہتا نہ اتنی فرصت ہی ہے، ورنہ آپ جانتے ہیں کہ ان مباحث میں کوئی چیز بھی حرفِ آخر نہیں سمجھی جا سکتی، اور مزید در مزید بسط اسی طرح ہوسکتا ہے۔ اعلام الموقعین مترجم مل جائے تو ملاحظہ فرمالیں، اگر عربی زبان پر عبور ہو تو اعلام، ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم و فضلہ، احکام ابن حزم وغیرہ کتب ملاحظہ فرمائیں۔

والسلام

محمد اسماعیل گوجرانوالہ

(الاعتصام، شمارہ: ۱۷، جلد: ۴۴، ۳/ جون ۱۹۶۶)

اہلحدیث

کی

اقتدا

ابو الخیرات

جناب محمود احمد صاحب رضوی بریلوی رضا خوانی

کے جواب میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہلحدیث کی اقتدا:

رضوان لاہور (مؤرخہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء) کے ’’نماز نمبر‘‘ میں بعض اختلافی مسائل کا تذکرہ مزاحیہ انداز میں ’’گل وخار‘‘ کے عنوان سے کیا گیا۔ سنجیدہ مزاح بُری چیز نہیں لیکن دینی مسائل میں یہ طریق کیوں اختیار کیا گیا ہے؟

’’رضوان‘‘ رضا خانی احناف کا ترجمان ہے۔ یہ حضرات فہمِ مسائل میں فقہ حنفی سے کہیں زیادہ اعتماد مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے طریقِ فکر پر رکھتے ہیں۔ فقہ حنفی کے ساتھ ان کا تعلق محض عوام کے ساتھ رابطے کی بنا پر ہے، ورنہ حضرت امام والا مقام کے علم وتفقہ سے انھیں چنداں دلچسپی نہیں۔ جہاں اجتہاد کی طغیانی کا یہ عالم ہو کہ عقائد کے اثبات میں قیاس سے کام لیا جاتا ہو بلکہ نصوص قطعیہ کو نظر انداز کرنے میں بھی پرہیز نہ ہو وہاں حضرت امام کے طریقِ فکر کی کیا وقعت ہے؟ جہاں اثبات عقائد میں ظنیات سے لبریز اور اخبار آحاد جیسی واجب التعمیل نصوص میں بھی احتیاط کا دامن چھوٹنے نہ پایا ہے۔ رحمه الله ورضي الله عنه وعن سائر الأئمة المجتهدين والفقهاء والمحدثين الذين هم قادة الدين۔ وہاں مقاییس اور اوہام کی اس بے اعتدالی اور طغیانی کا پیوند کیونکر لگ سکتا ہے؟

اکلِ حلال میں جہاں اس قدر پابندی ہو کہ مقروض کی دیوار کے سایہ سے استفادہ کرنے میں احتیاط پیشِ نظر رہی ہو وہاں اس حنفیت کا جوڑ کیونکر لگے گا جس سے جمعرات کی صبح ہی سے مسجد کے درو دیوار پر ٹکٹکی بندھ جائے کہ حلال وحرام سے پیٹ کا دوزخ بھر لیا جائے، جہاں بھینس اور اس کی کٹیا کی بیماری پر عُرس ومیلاد کی نذریں ماننے کی تلقین ہوتی ہو، پیٹ کی پہنائی شبِ ہجر سے میلوں دراز ہو امام ابو

حنیفہ جیسے بے طمع آدمی سے ان کا تعلق کہاں تک قائم رہ سکتا ہے؟ کہاں جیل کی صبر آزما موت، کہاں قوالیوں کے طواف؟ لیکن چونکہ اہلِ حق پر طعن کے لیے فقہ حنفی کی آڑ لی گئی ہے اور فقہی فروع کو بہانہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اس لیے اربابِ توحید ہمیں اس طریق گفتگو میں معذور تصور فرمائیں۔ مقصود اسی طریقِ فکر کی وضاحت ہے جسے اہلحدیث اور دوسرے ائمہ سلف نے ترجیح دی ہے لیکن ادارہ "رضوان" نے اسے مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی ہے، کسی پر طعن مقصود ہے نہ تنقیص ؎

گفتگوئے عاشقاں در بابِ رب
جذبہ عشق است نے ترکِ ادب ❶

وہابی:

مدیر رضوان نے اہل حدیث اور اہل حق کے لیے وہابی کا لقب اختیار کیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس سب وشتم کا پورا دھارا خود بخود ہی کسی اور طرف پھر گیا ہے اور اہلِ حق اس بے ہودہ گوئی سے محفوظ ہوگئے۔ کما قال علیه السلام والصلوٰۃ:

"كيف يصرف الله عني شتم قريش ولعنهم يسبون مذمماً وأنا محمد." ❷

فی الجملہ نسبتے تو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ بود و بس است ❸

یہاں بحمداللہ نہ کوئی وہابی نہ نجدی نہ حنفی ہے نہ سہروردی۔ ان وقتی اور اختراعی نسبتوں سے نہ محبت ہے نہ نفرت، نہ کسی سے عشق ہے نہ بغض۔ حقیقت اسی قدر ہے کہ کتاب اللہ اور سنت سے وابستگی ہے۔ وہ بھی اس انداز سے کہ اس کے رد و قبول میں کسی غیر نبی کو کوئی معیاری اہلیت حاصل نہیں ہے، کوئی طریقِ فکر ذہن پر محیط نہیں

---

❶ خدا کے بارے میں عاشقوں کی گفتگو جذبہ عشق سے ہے نہ کہ ترکِ ادب سے۔

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٥٣٣) مسند أحمد (٢/ ٣٤٠)

❸ بالجملہ تمھاری میرے ساتھ اتنی نسبت ہی کافی ہے کہ قافیے کے تحت بلبل آ گیا اور بس۔

جس کی پابندی کتاب و سنت کے فہم میں حائل ہو۔ آنحضرت ﷺ اور ان کے ارشاداتِ گرامی سے تعلق کی نوعیت ایسی ہے کہ اس میں کسی ایسے واسطے کی گنجائش نہیں جسے فسق وتقویٰ یا کفر و اسلام کا معیار قرار دیا جائے۔ فکر و نظر، استنباط و استدلال کے لحاظ سے تمام ائمہ ہدیٰ اور اسلافِ امت سے استفادہ خدا تعالیٰ کی نعمت ہے جس سے کبھی انکار نہیں ہوا۔ آج جس قدر علوم و معارف موجود ہیں تمام ائمہ فقہ و حدیث کا فیضان ہے، جس کا شکریہ ہم پر فرض ہے، اور ہر وقت دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پاکباز اور مقدس بزرگوں کی قبروں کو رحمت سے بھر دے۔ مدیر رضوان نے بڑا کرم فرمایا کہ جس قدر کفر کا ذخیرہ ان کے دل میں موجود تھا اسے ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اہل سنت و الحدیث کی اقتدا سے روکنے پر کفایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کتمانِ کفر کی جزا عنایت فرمائے لیکن یہاں ان کے کفر سے گھبراہٹ نہیں بلکہ ان کے مصنوعی ایمان سے ہے کیونکہ بریلوی اور رضائی ایمان سے کفر شاید حقیقتِ ایمان ہے!!

مدیر رضوان کی حنفیت کا آغاز قریباً مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے ہوا، اور ہمارے ایمان کا آغاز آنحضرت ﷺ فداہ ابی و امی، سے ہوا۔ اگر ایسے حضرات ہماری مساجد میں تشریف نہ لائیں تو ہمیں کوئی شکایت نہ ہوگی، اور ہم سے حلفِ مؤکد لیجیے کہ ہم آپ کو اپنی اقتدا کے لیے کبھی دعوت نہیں دیں گے، اور شاید گزشتہ سالوں میں بھی کبھی نہ دی ہوگی۔ ہماری مساجد بحمداللہ اس گئے گزرے دور میں بھی آپ کی اکثر مساجد سے زیادہ آباد ہیں۔ یہاں اہلِ توحید کی بحمداللہ اتنی کثرت ہے کہ حضرات اہل بدعت اور عباد القبور کی ضرورت ہی نہیں۔ یوں بھی اہل سنت جس طمانیت سے نماز ادا فرماتے ہیں آپ کو ان کی اقتدا ویسے ہی گراں پڑے گی۔ اس لیے ہماری یہ رائے ہی نہیں بلکہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ کسی اہل سنت کی اقتدا نہ فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یقبل اللہ لصاحب بدعة صرفا ولا عدلا" ❶

یعنی بدعتی کے فرض اور نفل دونوں اللہ تعالیٰ منظور نہیں فرماتا۔

آپ ہی فرمایئے! ایک غیر مقبول نماز کی امامت سے ہمیں کیا حاصل ہے؟ اس لیے آپ اگر اہل توحید کی اقتدا نہیں فرماتے تو اطمینان رکھیے یہاں سے بھی کوئی پیغام بھیجنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ ع

پیش آں کس برو کہ خریدار تست ❷

دلائل:

البتہ ان دلائل کے متعلق گزارش کرنا، جن سے عوام کو مغالطہ ہو سکتا ہے، ہمارا فرض ہے۔ محترم رضوانی صاحب نے اہلحدیث کی اقتدا کے ناجائز ہونے میں پانچ مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

① حضرت مجدد الوقت مجتہد العصر مولانا الشیخ سید نواب صدیق حسن خاں صاحب کی کتاب "الروضة الندیة" کے کسی اُردو ترجمہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا، جب تک رنگ یا مزہ یا بو نہ بدلے۔"

فتویٰ سنیے:

"سوچیے! یہ لوگ ایک لوٹے پانی میں ایک قطرہ پیشاب گر جائے تو اس کو پاک کہتے ہیں اور اس سے وضو کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ بتایئے! ہماری نماز ایسے پانی سے وضو کے ساتھ ہو سکتی ہے!"

اب ہماری گزارشات سنیے:

---

❶ موضوع۔ سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٩) اس کی سند میں "محمد بن محصن العكاشي" راوی کذاب اور متہم ہے۔

❷ اس کے سامنے پیش کرو جو تمھارا خریدار ہے۔

① درر بہیہ کے نام سے نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ کی کوئی کتاب نہیں، البتہ امام شوکانی رحمہ اللہ کی اس نام کی ایک کتاب ہے جس کی نواب صاحب مرحوم نے شرح لکھی ہے۔

② ائمہ متفق ہیں کہ رنگ، بو، مزا، اگر نجاست کی وجہ سے بدلے تو پانی پلید ہوجائے گا، پانی کم ہو یا زیادہ، بہر حال ایسا پانی پلید ہوجائے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: اگر پانی قلتین ہو یا اس سے زیادہ، اس میں اگر نجاست گرے تو جب تک اوصافِ ثلاثہ: رنگ، بو، مزہ نہ بدلے پانی پاک ہوگا، کیونکہ یہ کثیر پانی ہے نجاست کے اثر کو قبول نہیں کرتا۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر عشر در عشر ہو، یعنی دہ در دہ، وہ ماء جاری ہے، یا ماء کثیر کے حکم میں ہے، اس میں نجاست کا اثر نہیں ہوگا، پانی پاک رہے گا جب تک نجاست رنگ، بو، مزہ کو نہ بدل دے۔

امام مالک فرماتے ہیں: تھوڑے یا زیادہ پانی کی کوئی قید نہیں، اصل چیز اوصاف کا تغیر ہے، جب تک رنگ، بو اور مزہ نہ بدلے پانی کم ہو یا زیادہ اس پر نجاست کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔①

”قال محي السنة: التقدير لعشر في العشر لا يرجع إلى أصل شرعي يعتمد عليه.“ (شرح الوقاية: ۱/ ۸۷)

”محی السنہ فرماتے ہیں: دہ در دہ کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔“

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والتقدير الذي ذكره الحنفية في عدم سراية النجاسة إلى العشر في العشر ليس له أصل شرعي بخلاف تقدير الشافعية بالقلتين فإنه ثابت بالحديث الصحيح، وكذا تقدير المالكية بالتغير.“ (عمدة الرعاية، ص: ۸۷)

---

① تفصیل کے لیے دیکھیں: سبل السلام للصنعاني (۱/ ۱۷) نيل الأوطار (۱/ ۳۷)

”حنفیہ نے جو دہ در دہ کا اندازہ ماءِ کثیر کے لیے فرمایا ہے اس کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں، لیکن شافعیہ نے جو قلتین کا اندازہ فرمایا ہے وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح موالک کا اندازہ تغیر اوصافِ ثلاثہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔“

مولانا رضوی ”وہابیوں“ پر اس لیے ناراض ہیں کہ وہ پیشاب کے ایک قطرہ سے پیالہ کو پلید نہیں سمجھتے، ایسے پانی سے اگر وضو کیا جائے تو رضائی حنفیوں کی نماز کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

ادباً یہ گزارش ہے کہ اگر دو مٹکوں میں ایک پیالہ پیشاب گر جائے تو جناب کی نماز کو تکلیف نہ ہوگی اور اقتدا گوارا فرما لی جائے گی۔ یعنی قلتین کی تحدید جناب کو منظور ہے تو پھر ”وہابیوں“ سے مصالحت کے لیے ایک مجلس بلا لی جائے؟!

① اگر کوئی مالکی اپنے مذہب کے موافق پاک پانی سے وضو کرے تو رضائی نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر آپ ان کی نماز نہ ہونے پر بضد ہوں تو چاروں اماموں کی حقانیت کا کیا مطلب ہوگا؟

② جوازِ اقتدا میں کوئی عقیدہ تو حائل نہیں صرف پانی ہی کی دقت ہے، تو اس کا ایک اور بھی حل ہوسکتا ہے، آپ کی مسجد کے حوض یا سبیل سے وضو کر کے اگر وہابی امام بنے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ جناب کے اس ارشاد کا مطلب میں تو یہی سمجھتا ہوں۔

③ جناب نے سنا ہوگا کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ایک حمام سے وضو فرمایا، جس میں چوہا مر چکا تھا، آپ نے نماز پڑھ لی اور فرمایا کہ ہم اپنے حجازی بھائیوں کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ ❶ کیا امام ابو یوسف وہابی تو نہیں تھے؟

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے حدیثِ قلتین کو صحیح فرمایا ہے حالانکہ

---

❶ الفتاویٰ البزازیة (٢/ ٩) فتح القدير (١/ ١٢٨) رد المحتار (١/ ١٨٩) حجة الله البالغة (ص: ٣٣٦)

اس کی اسناد میں جو بحث ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ احناف نے اس حدیث کے متعلق جو معنوی الجھن پیدا کی ہے وہ بھی معلوم ہے، پھر بھی مولانا عبدالحی مرحوم اسے صحیح فرماتے ہیں۔ اس لیے میں انتظار کروں گا کہ اس اضطراب کو آپ ہی دور کریں!

امام شوکانی اور سید صدیق حسن خان رحمہ اللہ کا رجحان واقعی حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی طرف ہے، وہ پانی کی مقدار کو نجاست اور طہارت میں اہمیت نہیں دیتے بلکہ وہ اس کا انحصار کیفیت ہی پر فرماتے ہیں۔ پانی کم ہو یا زیادہ رنگ، بو، مزہ بدل جائے تو اسے پلید سمجھتے ہیں، ورنہ ان کی نظر میں وہ پانی پاک ہے۔ اور ان کی دلیلِ نص حدیث ہے:

"الماء طهور لا ينجسه شيء إلا ما غلب على طعمه أو ريحه أو لونه"①

إلا کے بعد جو زیادت ہے باتفاقِ محدثین ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اجماعِ ائمہ سے ہے۔②

اس لیے امام مالک رحمہ اللہ، امام شوکانی رحمہ اللہ اور نواب صدیق حسن خاں کی تائید میں نص صریح صحیح بھی اور اجماع بھی ہے۔ پانی کی طہارت صریح اور صحیح نص سے ثابت ہے اور زیادت کی تائید اجماع سے۔ رضائی حضرات شاید نہ جانتے ہوں؟!

④ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا، حدیث "الماء طهور لا ينجسه شيء"③ بروایتِ

---

① **ضعيف.** سنن ابن ماجه (٥٢١) سنن الدارقطني (١/ ١١) سنن البيهقي (١/ ٢٩٥) اس حدیث کی سند میں "رشدین بن سعد" راوی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: التلخيص الحبير (١/ ١٥) السلسلة الضعيفة (٢٦٤٤) امام بیہقی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "والحديث غير قوي إلا أنا لا نعلم في نجاسة الماء إذا تغير بالنجاسة خلافا، والله أعلم"

② دیکھیں: الإجماع للإمام ابن المنذر رحمه الله (ص: ٣٣)

③ **صحيح.** سنن أبي داود، رقم الحديث (٦٦) سنن الترمذي، رقم الحديث (٦٦) سنن النسائي، رقم الحديث (٣٢٦) مسند أحمد (٣/ ٣١)

ابو سعید خدری ابو داود، احمد، ترمذی میں موجود ہے۔

امام ترمذی اسے حسن فرماتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

امام احمد کی روایت میں ہے:

"إنه يستقي لك من بئر بضاعة."❶

یعنی آنحضرت ﷺ خود بھی بئر بضاعہ کا پانی استعمال فرماتے تھے۔

شافعی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم اور بیہقی نے اسے صحیح فرمایا۔ یحییٰ بن معین، ابن حزم اور حاکم نے بھی اس کی تصحیح فرمائی۔

ابن قطان نے اس کے بعض طرق پر کلام کرنے کے بعد فرمایا:

"وله طريق أحسن من هذا" (یہ حدیث احسن طریق سے بھی مروی ہے)

ابن مندہ فرماتے ہیں: اس کی سند مشہور ہے، ابو سعید خدری کے علاوہ یہ حدیث حضرت جابر، ابن عباس، سہل بن سعد، حضرت عائشہ اور حضرت ثوبان سے بھی مروی ہے۔❷ اگر نواب صدیق حسن خاں نے صحیح احادیث اور اجماع کی بنا پر یہ مسلک اختیار فرمایا ہے تو آپ نے اقتدا ہی کی نفی فرما دی۔ اگر اب بریلوی حضرات نے نواب صاحب کی اقتدا چھوڑ دی تو بے چارے نواب صاحب کیا کریں؟

⑤ اور یہ قصہ صرف نواب صاحب رحمہ اللہ اور وہابیوں ہی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ائمہ سلف کی ایک مقتدر جماعت کا یہی مسلک ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"والحديث يدل على أن الماء لا يتنجس بوقوع شيء فيه سواء كان قليلا أو كثيرا، ولو تغيرت أوصافه أو بعضها، لكنه قام الإجماع على أن الماء إذا تغير أحد أوصافه بالنجاسة خرج عن الطهورية، فكان الاحتجاج به لا بتلك الزيادة كما سلف،

---

❶ مسند أحمد (٣/ ٨٦) سنن الدارقطني (١/ ٣١)

❷ تفصیل کے لیے دیکھیں: التلخيص الحبير (١/ ١٣) عون المعبود (١/ ٨٩) إرواء الغليل (١/ ٤٥)

فلا ينجس الماء بما لاقاه، ولو كان قليلا، إلا إذا تغير، وقد ذهب إلى ذلك ابن عباس، وأبو هريرة، والحسن البصري، وابن المسيب، وعكرمة، وابن أبي ليلى، والثوري، وداود الظاهري، والنخعي، و جابر بن زيد، و مالك، والغزالي." (نيل الأوطار: ١/ ١٠٦)

"حدیث سے ظاہر ہے کہ پانی کم ہو یا زیادہ کسی چیز کے گرنے سے پلید نہیں ہوتا، گو اسکے اوصاف بھی بدل جائیں لیکن اجماع سے ثابت ہے کہ تمام یا بعض صفات کے بدلنے سے پانی پلید ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی پلید چیز گرے۔ پس یہ استدلال اجماع سے ہے، حدیث کی زیادت سے نہیں۔ پس پانی پلید نہیں ہوگا جب تک اس کے یہ تین اوصاف نہ بدل جائیں۔ حضرت ابو ہریرہ، حسن بصری، ابن میبّب، عکرمہ، ابن ابی لیلیٰ، امام سفیان ثوری، داود ظاہری، امام نخعی، جابر بن زید، امام مالک اور امام غزالی کا بھی یہی مذہب ہے۔"

محترم رضوی صاحب کو اگر فاتحہ، میلاد شریف یا عرس اور دیگر اسبابِ شکم پروری سے کبھی فرصت ملے تو غور فرمائیں! حدیث صحیح، اجماع امت اور ائمہ سنت کی ایک بڑی تعداد نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ اور وہابیوں کے ساتھ ہے۔ فرمایئے! ان بزرگوں کی اقتدا بھی درست ہے یا نہیں؟

⑥ محترم رضوی صاحب! اجتہادی مسائل میں کسی کے مسلک کا اختیار کرنا یا ترجیح دوسری چیز ہے اور مخالف مسلک کی تکفیر یا اقتدا کا عدم جواز بالکل دوسری چیز ہے۔ یقیناً تھوڑے پانی کی نجاست کے بھی بہت سے ائمہ قائل ہیں۔ پھر ماء قلیل کی تحدید میں بھی بہت زیادہ اختلاف ہے جس میں فیصلہ کرنا تقلید کی بنا پر تو شاید ممکن ہو جائے مگر دلیل کی بنا پر سخت مشکل ہے۔

"وللناس في تقدير القليل والكثير أقوال ليس عليها أثارة من العلم." (نيل الأوطار: ١/ ٣٧)

"قلیل اور کثیر پانی کی مقدار میں لوگوں کے بہت اقوال ہیں، جن کی کوئی دلیل نہیں۔"

جب ان تحدیدات کی تائید کتاب و سنت کی کسی نص صریح سے نہیں ہوتی تو پھر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے؟ آپ سوچیں نجس پانی کا استعمال حرام ہوگا، کسی پانی کو پلید ثابت کرنے کے لیے آپ کو ایسے دلائل کی ضرورت ہوگی جو حرمت و حلت کے اثبات میں کامیاب ہوسکیں۔ ایسے ادلہ جو ائمہ اجتہاد میں محل اختلاف ہیں، ان کے مفہوم میں اختلاف، طریقِ ثبوت میں اختلاف، تعیینِ مقاصد میں اختلاف، ان مظنون فرقہ وارانہ دلائل کی بنا پر آپ حرمتِ اقتدا کا فتویٰ کس جرأت سے دے رہے ہیں؟ یہ نہ علم کی شان ہے نہ دیانت کا تقاضا، اس کی غایت صرف اسی قدر ہوسکتی ہے کہ جس پانی کو آپ پلید سمجھتے ہیں اسے مت استعمال فرمائیے، پوری احتیاط سے اپنے مسلک کی پابندی فرمائیے، لیکن نہ آپ کسی دوسرے کو مجبور فرما سکتے ہیں نہ اس پر کوئی فتویٰ لگا سکتے ہیں۔

شوافع، موالک اور حنابلہ کا مقام اپنے ائمہ کے ساتھ احناف سے کم نہیں، عقیدہ، طریقِ فکر، صحتِ مسلک کے متعلق یقین بالکل مساوی ہے۔ اگر وہ بھی یہی روش اختیار کریں جو آپ نے اختیار فرمائی ہے تو ملت میں تفریق کی ایسی راہ کھلے گی کہ غیر مقلد آپ کا مضحکہ اڑائیں گے، عقل و دانش کی محفلوں میں آپ کے لیے کوئی مقام نہ ہوگا۔ پہلے ہی سے آپ کا فرقہ تنگیٔ نظر اور فقدانِ نظر میں ضرب المثل ہے، پابندیٔ رسوم، حلوے اور چائے کی تلاش میں کافی بدنام ہے، مزید تفریق بین المومنین کی ذمہ داری لینے سے پرہیز فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فہم صحیح کی توفیق دے!

۷ مناسب ہوگا کہ آپ کے مسلک کی بھی چھان پھٹک کر لی جائے۔ دوسرے پر حملہ کرنے سے پہلے آپ کے شیش محل کا امتحان ہوجائے کہ وہ کہاں تک مضبوط ہے جس کے سہارے پر دوسروں کی اقتدا حرام فرمائی جارہی ہے؟ وہ سہارا سہارا

ہے بھی یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ احناف کا مسلک پانی کے متعلق نہ روایتاً درست ہے نہ درایتاً، نہ نصوص اس کی مؤید ہیں نہ عقل۔ یہ مسلک محض عوام کی عقیدت مندانہ حمایت سے چل رہا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ آپ حضرات کو اپنے مخالفین پر فتویٰ دینے کی جرأت کیسے ہوتی ہے؟

ماءِ کثیر کی تعیین عشر فی العشر یعنی دہ در دہ کا اندازہ بالکل بے ثبوت ہے، متاخرین حنفیہ نے یہ اندازہ گھڑ لیا ہے، قرآن اور حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ شارح وقایہ نے اسے ثابت کرنے میں جس قدر زور صرف کیا ہے اس کا اصل مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر جناب نے اسے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی تو تفصیلاً عرض کیا جائے گا۔

محی السنۃ کا قول پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ صاحب در المختار (ص:۱۶) بھی امام محی السنۃ سے اس باب میں متفق ہیں کہ یہ تحدید ثابت نہیں بلکہ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ سے بھی یہ بات ثابت نہیں۔ ماءِ کثیر، ماءِ جاری، غدیر وغیرہ کے متعلق ائمہ احناف میں کسی قدر اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: جاری پانی وہ ہے جو تنکوں کو بہا کر لے جائے۔ بعض نے فرمایا: جس میں تکرار نہ ہو۔ اسی طرح غدیر (تالاب) کے متعلق ارشاد ہے جس کو ایک طرف سے اگر حرکت دی جائے تو دوسری طرف سے نہ ملے، لیکن حرکت غسل سے ہو یا ہاتھ سے یا وضو سے؟ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف سے مختلف روایات ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ مسئلہ منصوص نہیں بلکہ اجتہاد و تفقہ کی پیداوار ہے۔

اسی طرح دہ در دہ کا مسئلہ بھی متاخرین نے پیدا کر دیا، مولوی رضوی خود ہی سوچیں کہ اس قسم کے فقہی اختلافات کی بنا پر اقتدا سے روکنے کا فتویٰ دانشمندی نہیں بلکہ جس طرح ائمہ نے ان مسائل میں اختلاف کا حق دیا ہے اور شریعت میں اپنے اجتہادات کو ٹھونسنے کی کوشش نہیں فرمائی، اب بھی تنگی نہ فرمائی جائے بلکہ اپنے مسلک اور تحقیق کی پابندی کے بعد دوسرے فقہی اختلافات میں رواداری برتی جائے۔

بریلوی حضرات تو سارے ہی تقریباً کم ظرف ہیں، دیوبندی حضرات میں اس قسم کی کم ظرفی مولانا تھانوی اور مولانا انور شاہ رحمہما اللہ کے حصے میں آئی تھی، مولانا عبدالحی لکھنوی کا مسلک اس باب میں زیادہ صاف اور واضح ہے۔ رحمه الله ورضي عنه

غالباً آپ حضرات اس کی تو اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ اگر کوئی شخص امام ابو یوسف یا امام محمد کے مسلک کی پابندی کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی اور اقتدا بھی درست ہی ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی، امام مالک یا امام احمد بھی طہارت میں اپنے مسلک کے مطابق نماز ادا کریں یا امامت فرمائیں تو ان کی نمازوں کو بھی آپ آسمان تک پہنچانے کی فرشتوں کو اجازت دیں گے۔ اگر آپ اتنی لچک پیدا کریں تو وہابیوں کی فکر مت کریں وہ آپ کے ان وسائل سے بے نیاز ہیں، ان کا معاملہ براہِ راست خدا تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا اور ان کا امام شفاعت کے وقت ان کو ان شاء اللہ نہیں بھولے گا۔ اللهم صل على محمد وبارك وسلم.

۸ طہارت کے مسئلہ میں کنوئیں اور تالاب کا فرق بھی عجیب ہے، گویا یہاں پہنچ کر پانی کی مقدار سے ظرف کی ہیئت کو پاکیزگی اور نجاست میں زیادہ دخل ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک کنویں میں اتنا پانی ہے جس سے کئی تالاب دہ در دہ بھر سکتے ہیں لیکن جب یہ پانی تالاب میں ہو تو کوئی پلیدی اس میں اثر نہیں کر سکتی لیکن یہ تمام اور اس سے کئی زیادہ پانی کسی گہرے اور وسیع کنوئیں میں آجائے تو وہ چند تولے نجاست کا بھی متحمل نہ ہوگا، گویا گول برتن یا مستطیل برتن سے جلدی پلید ہو سکتا ہے۔

صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومسائل البئر مبنية على اتباع الآثار دون القياس."

(هداية أولين، ص: ۲۰)

"کنوئیں کی نجاست میں قیاس کو دخل نہیں، یہ مسائل سماعی ہیں۔"

پاک اور پلید کا مسئلہ حلال وحرام کے قریب قریب آیا، اس میں محض آثارِ صحابہ کفایت کر سکتے ہیں اور ان کی بنا پر حرمتِ اقتدا کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ آیا یہ ممکن ہے کہ ان اہم مسائل کے متعلق آنحضرت ﷺ سے کچھ بھی مروی نہ ہو؟ سارا معاملہ صحابہ پر چھوڑ دیا جائے جو حسبِ عقیدۂ اہل سنت معصوم نہیں ہیں؟ اور پھر آپ ہیں کہ بے سوچے سمجھے فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں! ع

ما هكذا يا سعد تورد الإبل ①

پھر ان آثار کی اسانید پر بھی کبھی آپ نے غور فرمایا؟ شاید ہی ان میں کوئی سند صحیح طور پر صاحبِ روایت تک پہنچ سکے۔ بشرطِ صحت ان آثار کا مفاد زیادہ سے زیادہ تنزیہہ ہوسکتا ہے، ان کی بنا پر کوئی تشریعی حکم نہیں دیا جا سکتا لیکن آپ کے ہاں اکفار وتکفیر اور اقتدا پر پابندیاں ایک دل لگی ہے اور دل خوش کن مشغلہ ہے

والكفر عندكم رخيص سعره حصوا بلا كيل ولا ميزان ②

میری گزارش اس قدر ہے کہ یہ فتویٰ بازی ان دلائل کی بنا پر دیانتاً بھی مناسب نہیں اور آپ کی پارٹی علمی طور پر بھی اس کی اہل نہیں کہ ایسے اہم اور ذمہ دار مسائل میں جسارت کر سکے۔ آپ حضرات کے لیے اعراس، موالید، اسقاط، ختم، ساتواں، چالیسواں، جمعرات جیسے مفید مشاغل کیا کم ہیں؟ آپ خواہ مخواہ ایک علمی ذمہ داری کے لیے میدان میں تشریف لے آتے ہیں!!

⑨ کنوئیں کی پاکیزگی، ڈولوں کی مقدار اور تعداد میں جو تفاوت رکھا گیا ہے وہ بھی محض آثار ہی ہیں، کتاب اللہ یا سنت صحیحہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ایک کنوئیں میں چڑیا یا چوہا یا مولا وغیرہ گر جائیں تو آپ کے ہاں بیس ڈول نکالنے سے کنواں پاک ہوگا، خاموشی سے تقلیداً مان لینا تو اور بات ہے، ذرا سوچیے!

---

① اے سعد! اس طرح تو اونٹوں کو ہانکا نہیں جاتا!

② تمھارے ہاں کفر انتہائی رخیص ہے، بغیر ماپے اور تولے اسے پھینکو۔

انیس ڈول نکلنے تک تو کنواں بالکل ناپاک ہوگا، بیسواں ڈول ساری پلیدی لے کر باہر آ جائے گا، اور آپ یقین کریں گے اور مطمئن ہوں گے کہ اب کنواں بالکل پاک ہے، لیکن اس بیسویں ڈول سے جو پلیدی کا بقیہ لے کر آ رہا ہے جس قدر قطرے کنوئیں میں گریں گے، کنواں پھر سے پلید نہ ہوگا؟

دراصل ان تمام آثار کی بنیاد نزاہت اور طبعی کراہت پر ہے، آپ نے اسے تشریعی حکم قرار دے کر پانی کے چند قطروں سے پاک اور پلید کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی۔ چہ عجب!!

اتنی کمزور عمارت اور بودے دلائل کے ہوتے ہوئے آپ اہلحدیث اور موالک پر حملہ آور ہوتے ہیں حالانکہ ان کا مسلک استدلال کے لحاظ سے کافی مضبوط ہے۔ یہ مسئلہ کس قدر صاف اور معقول ہے کہ پانی کم ہو یا زیادہ، کنوئیں میں ہو یا تالاب میں، تالاب دہ در دہ ہو یا چھوٹا، اس میں نجاست گرے اور اس کے بعض یا کل اوصاف یعنی رنگ اور مزہ اور بو کو بدل دے تو پانی پلید ہو جائے گا، اور اس میں اگر مزید اتنا پانی داخل کیا جائے جس سے یہ اوصاف درست ہو جائیں، یعنی رنگ، بو اور مزہ درست ہو جائے یا اس نجاست کی مقدار کو اتنا کم کیا جائے کہ اس کا بظاہر کوئی اثر نہ رہے تو پانی پاک ہوگا۔ اتنے صاف مسئلہ پر آپ ان اوچھے ہتھیاروں سے حملہ آور ہوتے ہیں!

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

یوں برادرانہ طور پر صلح صفائی سے مساجد کی امامت کا محکمہ آپ کے سپرد کر دیا جائے، مردہ شوئی، فاتحہ خوانی، اسقاط، چالیسواں وغیرہ کا ٹھیکہ آپ لے لیں تو یہ دوسری بات ہے مگر آپ اپنے دل کی تقدیس کے متعلق یقین دلا دیں کہ اس میں شرک و بدعت کی نجاست نہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم لوگ ان شاء اللہ امامت

آپ کے سپرد کر دیں گے لیکن آپ یقین فرمائیں کہ ان حالات میں یہ امامت پیٹ پوجا کا ذریعہ نہیں بن سکے گی۔

پانی کے مسئلہ میں مَیں نے مختصراً چند گزارشات کر دی ہیں۔ ومن استزاد فلدینا مزید!

شراب کی طہارت!

② مولانا رضوی، مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم پر اس لیے ناراض ہیں کہ نواب صاحب مغفور شراب کی نجاست کے قائل نہیں۔ یہ دوسری دلیل ہے جسے اہل حدیث کی اقتدا کے ناجائز ہونے کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ میرا ذاتی رجحان بھی اسی طرف ہے کہ شراب نجس ہے اور حنابلہ اور احناف کا مسلک اس میں صحیح ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ مسئلہ قیاسی نہیں ہے اس کے لیے نص کی ضرورت ہے۔ نواب صاحب مرحوم کو اس پر اصرار نہیں، وہ بھی بین دلیل چاہتے ہیں جو بوقتِ تعارض ترجیح کا موجب بن سکے۔ فرماتے ہیں:

> ”وبالجملة فالواجب على المنصف أن يقوم مقام المنع، ولا يتزحزح عن هذا المقام إلا بحجة شرعية.“ (الروضة الندية، ص: ۱۲)
>
> ”منصف مزاج آدمی کے لیے ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں حجت شرعی کے سوا اپنے موقف سے نہ ہٹے۔“

اس لیے بہتر ہوگا کہ رضوی صاحب شراب کی نجاست پر کوئی نص لائیں، جیسے شراب کی حرمت پر نص موجود ہے، مناسب ہوگا کہ فتووں پر زور ڈالنے سے زیادہ زور دلائل پر دیا جائے، ہمارے بریلوی دوستوں میں یہ بنیادی کمزوری ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ جذبات سے خطاب فرماتے ہیں اور فتووں پر زیادہ زور ڈالتے ہیں، اور معقول آدمی کے لیے یہ دونوں حربے بے کار ہیں۔

نواب صاحب مرحوم شراب کو پاک نہیں سمجھتے بلکہ وہ آپ کے ساتھ متفق ہیں

کہ شراب نجس ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ [المائدہ: ۹۰]

’’شراب، جوا اور بت سب پلید ہیں اور شیطانی عمل۔‘‘

آلاتِ قمار اور اَنصاب پلید ہونے کے باوجود ان کو چھونے سے نہ جسم پلید ہوتا ہے، نہ کپڑے بلکہ ان کی نجاست حکمی ہے، حسی نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾ [التوبة: ۲۸]

’’مشرک نجس ہیں، اس لیے (وہ بلا اجازت) مسجد حرام میں نہ آئیں۔‘‘

قرآن مجید کا یہ حکم تمام مشرکین کے لیے عام ہے کہ وہ نجس اور پلید ہیں، ہند کے مشرک ہوں یا پاکستان کے، عرب کے ہوں یا عجم کے، لیکن معلوم ہے کہ ان کے چھونے سے نہ کپڑے پلید ہوتے ہیں نہ جسم۔ نواب صاحب مرحوم فرماتے ہیں:

”وهذا يدل على أن تلك النجاسة حكمية لا حسية، والتعبد إنما هو بالنجاسة الحسية.“ (الروضة، ص: ۱۲)

’’یہ حکمی نجاست ہے، حسی نہیں، اور عبادت میں پرہیز حسی نجاست سے ہے۔‘‘

وفدِ ثقیف مسجد نبوی میں آیا لیکن آنحضرت ﷺ نے مسجد دھونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بیت اللہ میں مشرک آتے جاتے رہے، آنحضرت ﷺ نے رکاوٹ نہیں فرمائی، کیونکہ یہ نجاست حکمی تھی حسی نہ تھی، آنحضرت نے مشرکین کا پانی استعمال فرمایا۔❶ قرآن حکیم میں محرمات النکاح کا مفصل تذکرہ موجود ہے لیکن ان رشتوں میں کوئی بھی پلید نہیں۔ حرمت دوسری چیز ہے اور نجاست دوسری چیز۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ میری وجدانی کیفیت یہ ہے کہ میں اس مسئلہ میں احناف کے مسلک کو صحیح سمجھوں لیکن نواب صاحب مرحوم اور امام شوکانی رحمہ اللہ کی گرفت بھی معمولی نہیں۔ فتفكر ولا تكن من الغافلين!

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۳۷۸) صحيح مسلم، رقم الحديث (۶۸۲)

ان کا مطالبہ ہے کہ ان چیزوں کو حسی نجس ثابت کرنے کے لیے دلیل لایئے۔

سونا، چاندی، ریشم مردوں پر حرام ہیں لیکن ان کے چھونے سے جسم پلید نہیں ہوتا نہ نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ تمام زہر کچلہ، سم الفار وغیرہ حرام ہیں نجس نہیں، اسی طرح مخدرات حرام ہیں پلید نہیں۔ نواب صاحب شراب کو حرام بھی سمجھتے ہیں اور پلید بھی، لیکن اس کی نجاست کو حسی نہیں سمجھتے۔ یہ ایسا جرم نہیں جس پر آپ حضرات خفگی فرمائیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی فرما سکتے ہیں کہ مرحوم نے ٹھیک نہیں سمجھا اور یہ بھی اس وقت جب بیّن دلیل مل جائے۔

مولانا! نواب صاحب کا یہ حال ہے کہ نہ وہ شراب کے ساتھ علاج جائز سمجھتے ہیں اور نہ شراب میں گوشت پکانا ان کے ہاں درست ہے، لیکن حنفیہ رحمہم اللہ کے ہاں چار قسم کی شراب حرام ہے اور چار قسم کی حلال:

> ”والحلال منها أربعة أنواع: نبيذ القر، و الزبيب إن طبخ أدنىٰ طبخة يحل شربه، وإن اشتد، وهذا إذا شرب منه بلا لهو وطرب ما لم يسكر، والثاني: الخليطان، الثالثة: نبيذ العسل والتين، والبر، والشعيرة طبخ أو لا، والرابع: المثلث.“
>
> (الدر المختار، ص: ٤٣٨ نولكشور)
>
> ”چار قسم کی شراب حلال ہے، کھجور اور منقیٰ کا نبیذ جب اسے تھوڑا سا پکایا جائے، دوسرا مخلوط نبیذ، تیسرا شہد اور انجیر وغیرہ کا نبیذ اور چوتھا مثلث انگور کا شیرہ جس کا دو تہائی جل چکا ہوں، یہ سب قسمیں حلال ہیں، بشرطیکہ قوت کی نیت سے استعمال کی جائیں، لہو ولعب کا ارادہ نہ ہو۔“

جب حنفی مذہب میں اتنی وسعت ہے کہ نیک نیتی سے بقدر ضرورت پی بھی جائے تو حرج نہ ہو، اور وہابیوں پر صرف طہارت مع الحرمت کی بنا پر اتنا سنگین فتویٰ دینا کچھ بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ ”فر من المطر و قام تحت الميزاب“ کا معاملہ ہوگا① ـــہ

---

① بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہوا۔

اے رحمتِ تمام میری ہر خطا معاف
تیرے عفو کی امید پہ تھرا کے پی گیا

میرا مقصد ان گزارشات سے الزام ہے نہ عیب چینی، مقصد یہ ہے کہ فقہیات میں ایسی جزئیات آسکتی ہیں جن کی وجوہات بھی اہل علم کے پاس ہوتی ہیں، غلط ہوں یا صحیح، فریقِ مخالف اسے قبول کرے یا نہ کرے لیکن ان جزئیات سے جذباتی طور پر عوام کو انگیز کرنا علم کی شان نہیں!

کون نہیں جانتا کہ شراب کے استعمال میں جس قدر وسعت احناف کے مسلک میں ہے دوسرے ائمہ کے مسلک میں نہیں، سنن نسائی کے آخری ابواب پڑھیے اور سوچیے کہ اہل علم نے اس ام الخبائث کے استعمال میں کس قدر کمزوریاں دکھائی ہیں جس کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے؟ ❶ اور سب سے زیادہ محتاط مسلک اس میں اہل سنت والحدیث کا ہے، پھر صرف طہارت پر طعن بازی کیوں کی جائے؟

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نواب صاحب اور امام شوکانی کی تحقیق تمام اہلحدیث کے نزدیک مسلّم ہو، آپ کے ہاں جو مقام حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی فقہیات کو حاصل ہے ہمارے ہاں نواب صاحب اور ان کی تصانیف کو وہ مقام حاصل نہیں، ہم نواب صاحب اور امام شوکانی سے کئی مسائل میں اختلاف رکھتے ہیں، اس لیے ادباً گزارش ہے کہ اسے جماعتی سوال نہ بنایا جائے!

شراب کے مسئلہ میں غالباً لفظ نبیذ کی وضاحت میں وقت ضائع نہیں فرمایا جائے گا، غلیان اور اشتداد کے بعد خمارِ عقل تو ضرور ہوگا، آپ اسے نبیذ تمر فرمایئے، مجھے خمر النبیذ کہنے کی اجازت دیجیے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی "یسمونها بغیر اسمها." ❷ (نسائي) تو درست اور حق ہے۔ الفاظ کی ہیرا پھیری کا حقیقت پر کوئی اثر

---

❶ صحیح البخاري، رقم الحدیث (٥٢٦٨)

❷ صحیح. سنن أبي داود (٣٦٨٨) سنن النسائي (٥٦٥٨) سنن ابن ماجه (٤٠٢٠)

نہیں ہوتا، علماء نے اسے شراب ہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: طبقات الحنابلہ لابی یعلی (ص:۱۱۳) امام خلف بن ہشام بن ثعلب (۲۲۹ھ) فرماتے ہیں:

"أعدت صلوة أربعين سنة كنت أتناول فيها الشراب على مذهب الكوفيين." اھ

"میں نے چالیس سال کی نماز کا اعادہ کیا، کیونکہ میں اصحابِ کوفہ کے مسلک کے مطابق شراب پیتا رہا۔"

جمہور صحابہ اور تابعین کا مسلک یہ ہے کہ ہر مست کرنے والی چیز تھوڑی ہو یا زیادہ حرام ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت اس کی مؤید ہے، امام محمد اور مشائخ سے ایک گروہ نے بھی یہی مسلک پسند فرمایا ہے، امام شعبی، نخعی اور امام ابوحنیفہ سے ایک دوسرا مسلک بھی منقول ہے کہ انگور اور کھجور کے سوا گیہوں کی شراب درست ہے بشرطیکہ حد سکر کو نہ پہنچے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"كل مسكر خمر"①

نیز فرمایا:

"ما أسكر كثيره فقليله حرام."②

"جو مست کرے وہ خمر ہے۔ مسکر چیز کم ہو یا زیادہ حرام ہے۔"

اس لیے پہلا مسلک صحیح اور دوسرا مسلک اجتہادی غلطی پر مبنی ہے، جب احناف میں شراب کے متعلق اتنا نرم رویہ اختیار فرمایا گیا ہے تو نواب صاحب اور بے چارے اہل حدیثوں پر صرف پاک اور حرام کہنے پر کیوں خفگی فرمائی جا رہی ہے؟

---

① صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٠٣)

② **صحيح**. سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٦٨١) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٨٦٥) سنن النسائي، رقم الحديث (٥٦٠٧) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٣٩٣)

قصۂ پارینہ نوکِ قلم پر آ گیا ہے، اجازت دیجیے کہ مبحث اور نکھر جائے تاکہ جناب سنجیدگی سے غور فرما سکیں اور نواب صاحب اور اہل حدیث کی قرار دادِ جرم بھی منظرِ عام پر آ جائے تاکہ اربابِ دانش سوچ سکیں کہ معاملہ کہاں تک سنگین ہے؟ کچھ حقیقت بھی ہے یا صرف ''شیر آیا'' تک ہی ساری داستان ختم ہو جاتی ہے!

قاضی خاں (۱/ ۱۱) فرماتے ہیں:

"ذكر الناطفي عن محمد: إذا صلى على جلد كلب أو ذئب قد ذبح جازت صلوته." الخ

''امام محمد فرماتے ہیں: اگر کتا یا بھیڑیا ذبح کیا جائے تو اس کے چمڑے پر نماز جائز ہے۔''

"أما إذا ذبح بالتسمية، وصلى مع لحمه أو جلده قبل الدباغة يجوز."

''جب کتا وغیرہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے اس کے گوشت یا اس کے چمڑے پر نماز پڑھی جائے رنگنے سے پہلے، تو یہ جائز ہے۔''❶

معلوم ہے درندے حرام ہیں، حرمت کے باوجود یہ بسم اللہ کے ساتھ ذبح کیے جائیں تو ان کا گوشت اپنے پاس رکھ کر ان کے چمڑے پر نماز ہو جائے گی!

مولانا! یہ بالکل وہی چیز ہے جو نواب صاحب فرما رہے ہیں، شراب حرام ہے لیکن پاک، یہاں گوشت اور چمڑا دونوں حرام ہیں مگر ذبح سے پاک ہو گئے ہیں۔ فرمایئے! آپ میں اور نواب صاحب میں کیا فرق ہے؟ نواب صاحب بے چارے صرف پاک کہہ رہے ہیں لیکن جناب کے ہاں نبیذ مسکر پی کر کتے کا گوشت جیب میں رکھ کر اور اس کے چمڑے کا مصلّٰی (دباغت سے پہلے) پاؤں کے نیچے بچھا کر نماز پڑھنی جائز ہے مگر پھر بھی کافر وہابی ہی ہیں۔ إنا للہ!

---

❶ منية المصلي (ص: ٤٧)

جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ عادت کے خلاف ہے، میں ان اجتہادی لغزشوں کی نمائش کا عادی نہیں مگر آپ کا فتویٰ بے حد دلخراش تھا، اس لیے بادلِ نخواستہ حقیقتِ حال سے پردہ اٹھانا پڑا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

آپ غور فرمائیں! اصولاً آپ میں اور نواب صاحب رحمہ اللہ میں کوئی فرق نہیں، صرف کتے اور شراب کا فرق ہے۔ اصولی اتحاد کے بعد جزوی اختلاف کی بنا پر اس قدر تیزی اہل علم کے لیے مناسب نہیں۔

پھر جو کچھ نواب صاحب نے فرمایا یہ پوری جماعتِ اہل حدیث کا مسلک نہیں، جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو شراب کو احناف اور حنابلہ کی طرح نجاستِ مغلظہ سمجھتے ہیں، صریح دلائل کے فقدان کے باوجود میرا ذاتی رجحان اسی طرف ہے۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ آپ بوقتِ ضرورت وہابی امام سے دریافت فرما لیں کہ وہ ام الخبائث کو پاک تو نہیں سمجھتے؟ اور وہ بھی اگر آپ کی طرح متعصب ہو تو دیارفت کرے کہ جناب نے کچھ زیادہ تو نہیں پی اور مصلیٰ بھی ذبیحہ محرمہ سے نہیں بنوایا گیا؟

ہمارا مسلک آپ سے بالکل الگ ہے، ہم ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، حنفی ہو یا اہل حدیث، اور غیر مسلم حنفی کی اقتدا کے لیے تیار نہیں۔ یہ دونوں قسمیں آج کل عام ہیں، اہل حدیث اور حنفی کے لیے تو بحث کرتے ہیں لیکن عملاً بلکہ عقیدتاً وہ غیر مسلم ہوتے ہیں، جھوٹ بد دیانتی سب کچھ کرتے ہیں لیکن حنفیت اور وہابیت کے لیے خوب لڑتے ہیں۔ ایسے لوگ کوئی نام رکھیں ان کی نماز، اقتدا سب مشتبہ ہے۔ اور افسوس ہے کہ غیر مسلم حنفیوں کی بڑی کثرت ہے!

پگڑی پر مسح:

③ سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ احناف اس سے چوتھائی سر مراد لیتے ہیں کیونکہ حدیث

میں ”مسح علی ناصیته“ ❶ صراحتاً آیا ہے۔ اور ناصیہ سے مراد ان کے ہاں ربع سر ہے۔ شوافع کا خیال ہے کہ سر کی طرف سے کم از کم چند بالوں کا مسح ہو جائے، موالک پورے سر کا مسح ضروری سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف میں مسح کی تین صورتیں مروی ہیں:

1. پورے سر کا مسح۔
2. سر کے بعض حصے پر اور کچھ پگڑی پر۔
3. پوری پگڑی پر۔

احناف کا معمول احادیث میں بصراحت موجود نہیں، صرف مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو مختصر ہے، اور صحیح مسلم میں دونوں روایتیں موجود ہیں۔ قرآن کے اطلاق پر صرف موالک کا عمل ہے، ایک توضیح احناف نے کی اور پورے سر کو چوتھائی کرایا اور شوافع نے چند بال سے اس کی تفسیر کی، یہ چیزیں تو گوارا ہیں، آپ بھی حق پر، شوافع بھی حق پر اور موالک بھی حق پر، اور اہل حدیث اگر سنتِ صریحہ کے مطابق پگڑی پر مسح کریں تو معتوب!!

اب حدیث سنیے:

”عن عمرو بن أمية الضمري قال: رأيت النبي ـصلى الله عليه وسلم: يمسح على عمامته وخفيه.“ ❷ (صحيح بخاري مع كرماني، پ:٣، ص: ٥٣)

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا۔“

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وذهب أحمد بن حنبل إلى جواز الاقتصار على العمامة، ووافقه عليه جماعة من السلف.“ (مسلم مع نووی: ١/ ١٣٤)

”امام احمد بن حنبل صرف پگڑی پر مسح جائز سمجھتے ہیں، اور سلف سے ایک

---

❶ صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٤) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٥٠)

❷ صحيح البخاري (٢٠٢) سنن أبي داود (١٥٣) صحيح ابن حبان (٤/ ١٧٣)

جماعت ان کے ساتھ متفق ہے۔“

حدیث مسح علی العمامہ حضرت بلال، مغیرہ بن شعبہ، حضرت سلیمان اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔❶ اب آپ سوچ لیں کہ وہابیوں کے ساتھ کون کون بزرگ محروم الاقتدا تصور کرتے ہیں؟ ع

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

مولانا! معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت۔ فداہ ابی و امی۔ سخت قسم کے وہابی تھے! بریلی اور لاہور کے اربابِ فکر سوچ لیں کہ آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں ”نماز کا بیڑا غرق“ کا فتویٰ صادر فرما سکیں تو اپنے بزرگ کی وراثت میں دارالندوہ کی چابیاں آپ حضرات کے حوالے کر دی جائیں گی اور حقدار کو حق مل جانے پر ہمیں بھی مسرت ہوگی۔

وجوب غسل:

④ زن و شوہر کے تعلقات میں اگر کسی فتور کی وجہ سے مادہ منویہ نکلنے کی نوبت نہ آئے تو جمہور کا مذہب ہے کہ غسل واجب ہے، احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری اور بعض دوسرے ائمہ سلف کا مذہب ہے کہ اس صورت میں غسل واجب نہیں، احتیاط اسی میں ہے کہ غسل کرے۔❷ (بخاری)

---

❶ دیکھیں: تحفة الأحوذي (۱/ ۸۹)

❷ صحیح البخاري (۱/ ۱۱۱) امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے: ”الغسل أحوط وذاك الآخر وإنما بينا لاختلافهم.“ یعنی غسل کرنا ہی زیادہ محتاط ہے اور یہی آخری امر ہے، ہم نے محض اختلاف کی بنا پر اسے واضح کیا ہے۔

امام ابن العربی رحمہ اللہ قولِ امام بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

”يحتمل أن يكون مراد البخاري بقوله: الغسل أحوط أي في الدين، وهو باب مشهور في الأصل ... وهو أشبه بإمامة الرجل وعلمه“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”وهذا هو الظاهر من تصرفه فإنه لم يترجم بجواز ترك الغسل، وإنما ترجم ←

دونوں مسلک کی تائید احادیث سے ہوتی ہے، چونکہ تاریخ معلوم نہیں اس لیے نسخ کا دعویٰ تو صحیح نہیں۔ ❶ جو مسلک راجح ہو اس پر عمل ہو سکتا ہے، اقتدا کے جواز یا عدم پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ صحیح بخاری، فتح الباری، نیل الاوطار، فتاویٰ ابن تیمیہ میں تفصیل ملے گی۔ ❷

پاؤں پر مسح:

⑤ یہ مولانا رضوی کی آخری دلیل ہے کہ اہل حدیث پاؤں پر مسح جائز سمجھتے ہیں۔ یہ فتاویٰ ابراہیمیہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ معلوم نہیں یہ مولوی ابراہیم کون سے بزرگ ہیں اور فتاویٰ ابراہیمیہ کیا بلا ہے؟ ہم صراحتاً یہ گزارش کرتے ہیں کہ اہلحدیث کا یہ مسلک نہیں اور غالباً شیعوں کے سوا ائمہ سنت سے کسی کا بھی یہ مسلک نہیں۔

آخری گزارش!

ہم ''رضوان'' اور اس کے ادارہ کے محترم ارکان کو نظر انداز کر رہے تھے، خیال نہ تھا کہ ان بزرگوں کو خواہ مخواہ تکلیف دی جائے۔ یہ پہلی دفعہ جوابی گزارشات کی گئی ہیں، ممکن ہے کہ آئندہ بھی اسی غلطی کا اعادہ ہو، اس لیے مولانا رضوی اور ان کے

← ببعض ما يستفاد من الحديث من غير هذه المسألة كما استدل به على إيجاب الوضوء فيما تقدم" (فتح الباري: ١/ ٣٩٨) نیز دیکھیں: دفاعِ صحیح بخاری از مولانا أبو القاسم بنارسی رحمه الله (ص: ٢٥١)

❶ نسخ کی صراحت بھی صحیح روایات سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
"إنما كان الماء من الماء رخصة في أول الإسلام ثم نهي عنها" (سنن الترمذي، رقم الحديث: ١١٠) امام ترمذی رحمہ اللہ یہ اثر ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
"هذا حديث حسن صحيح، وإنما كان الماء من الماء في أول الإسلام، ثم نسخ بعد ذلك، وهكذا روى غير واحد من أصحاب النبي -صلى الله عليه وسلم- منهم: أبي بن كعب، ورافع بن خديج، والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم على أنه إذا جامع الرجل امرأته في الفرج وجب عليهما الغسل وإن لم ينزلا."

❷ صحيح البخاري (١/ ١١١) فتح الباري (١/ ٣٩٨) نيل الأوطار (١/ ٢٧٦) شرح العمدة في الفقه لابن تيمية (١/ ٣٥٩) مجموع الفتاوى (٢٣/ ٣٩)

رفقاء ایک بات سمجھ لیں کہ اہلحدیث علماء اور بزرگوں کے فقہی اقوال ہمارے ہاں اساسِ مذہب نہیں، نہ ہم انھیں ائمہ اجتہاد کی طرح امام ہی مانتے ہیں، نہ ان کی تقلید ضروری سمجھتے ہیں، اس لیے یہ چیزیں بطورِ الزام نہ لکھی جائیں۔ واجب التعمیل ہمارے لیے صرف کتاب و سنت اور آثارِ سلف کے سوا کچھ نہیں، آثارِ سلف میں اجماعی مسائل کی پابندی ہوگی، باقی مسائل میں جہاں سلف مختلف ہوں ہم کسی کے پابند نہیں۔ مناسب ہوگا کہ لکھتے وقت یہ اصل پیشِ نظر رہے، اس سے بحث میں طول نہیں ہوگا اور شاید ہم ایک دوسرے کے کچھ قریب بھی ہو سکیں۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، جلد: ۲، شمارہ: ۳۲ تا شمارہ: ۳۷)

ترکِ تقلید اور اہل حدیث

مدت سے یہ دونوں لفظ عوام کی زبان پر استعمال ہو رہے ہیں اور انھیں عموماً مرادف سمجھا جاتا ہے، ہندوستان میں دونوں لفظ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور ان کی طرف منسوب مسالک کی پابندی کے خلاف استعمال کیے گئے ہیں، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جمود کی مخالفت انہی ائمہ کرام اور ان کے اَتباع نے بھی کی ہے۔ اس کے بعد محقق اہل علم ائمہ اربعہ کے ساتھ عقیدت اور ان کے علوم سے استفادہ کے باوجود بعض فروعی مسائل میں ائمہ اجتہاد سے اختلاف کا اظہار بھی فرماتے رہے۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ (۳۲۱ھ) امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی (۲۶۴ھ) شیخ الاسلام محمد بن قدامہ حنبلی (۶۰۷ھ) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) وغیرہم ائمہ اربعہ سے بعض کی طرف انتساب کے باوجود ان سے اختلاف فرماتے ہیں اور اس سے ان بزرگوں اور ان کے متوسلین میں کوئی ذہنی تکدر نہیں پیدا ہوتا، نہ ان کے علم اور دین میں کوئی حرف آتا ہے۔

علامہ ابو زید عبیداللہ بن عمر بن عیسیٰ الدبوسی (۴۳۰ھ) کی کتاب ”تأسیس النظر“ میں حضرات ائمہ اجتہاد رحمہم اللہ کے اختلافات کی متعدد صورتیں مرقوم ہیں:

① حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین میں اختلاف۔

② حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ میں اختلاف۔

③ امام صاحب رحمہ اللہ، امام محمد اور امام یوسف رحمہ اللہ میں اختلاف۔

④ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ میں اختلاف۔

۵ امام ابو یوسف ؒ، امام محمد ؒ، حسن بن زیاد اور امام زفر ؒ میں اختلاف۔

۶ احناف اور امام ؒ میں اختلاف۔

۷ احناف اور امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ میں اختلاف۔

۸ احناف اور امام شافعی ؒ میں اختلاف۔

علامہ دبوسی ؒ نے ان کے اصول کا بھی ذکر فرمایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں باہم اصولی اختلاف تھے۔ پھر یہ خیال کہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام احمد، امام مالک رحمہم اللہ وغیرہم میں تو اصولی اختلاف ہے لیکن ان کے تلامذہ میں اصولی اختلاف نہیں، سطحی معلوم ہوتا ہے، کسی تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ محض خوش فہمی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ سے اسی طرح اختلاف فرماتے جس طرح اساتذہ میں باہم اختلاف موجود تھا۔ حضرات ائمہ اور ان کے تلامذہ کے اختلافات بھی اسی طرح اصولی ہیں جیسے خود ائمہ مجتہدین میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، نوعیت میں فرق نہیں۔

لفظ غیر مقلد کی ایجاد:

معلوم ہوتا ہے اس وقت غیر مقلد کا لفظ یا تو ایجاد ہی نہیں ہوا ہوگا یا پھر بطور طعن اس کا استعمال نہیں کیا گیا، ائمہ اسلام، صلحاءِ امت میں مروج نہیں ہوا تھا یا کوئی سیاسی ضرورت ہی نہ تھی جس کے لیے یہ لفظ ایجاد کیا جاتا۔

اسی طرح تقلید بھی کوئی قابلِ فخر لقب نہیں تھا، جس کے ترک کو عیب سمجھا جائے یا اس کے ترک پر کم از کم افسوس ہی کا اظہار کیا جائے، بلکہ ائمہ معقول فلاسفہ و متکلمین کے نزدیک چونکہ منقولات کا مقام کسی طرح بھی ظن سے اُونچا نہیں اس لیے وہ ائمہ سنت کو فقیہ ہوں یا فقیہ، مجتہد ہوں یا غیر مجتہد، ”مقلد“ کہتے ہیں اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان کے ہاں دلیل کا انحصار صرف عقلیات پر ہے۔

امام غزالی ؒ ”فيصل التفرقة بين الإسلام والزندقة“ میں معتزلہ اور

اشاعرہ کے خیالات میں الزامی تقابل اور باہم اکفار و تکفیر کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

"فإن تخبط في جواب هذا أو عجز عن كشف الغطاء فيه فاعلم أنه ليس من أهل النظر، وإنما هو مقلد، وشرط المقلد أن يسكت ويسكت عنه." (ص: ١٨)

"اگر کوئی ان الزامات کے جواب سے عاجز آجائے تو وہ مقلد ہے، اور مقلد سے گفتگو کی بجائے خاموشی بہتر ہے۔"

قرون خیر کے بعد عمل اور اعتقاد کی دنیا میں عجیب اضطراب معلوم ہوتا ہے، تقلید یا جمود تو کیا ہوگا اعتقاد اور فروع کے معاملے میں فکر و نظر اور فقہ و اجتہاد کئی مختلف گوشوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔ مثلاً غسان کوفی مرجیہ اور فرقہ غسانیہ کے پیشوا اور امام ہیں، اور امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں۔ (الخطط للمقريزي: ٤/ ١٧١) اور ایمان کی زیادت اور نقصان کے مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہمنوا ہیں، یعنی ایمان کی زیادتی اور نقصان کے قائل نہیں۔ ❶

فرقہ مریسیہ کے امام بشر بن غیاث مریسی کے متعلق مقریزی لکھتے ہیں:

"كان عراقي المذهب في الفقه تلميذا للقاضي أبي يوسف يعقوب الحضرمي." ❷

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کا مناظرہ ہوا، امام رحمہ اللہ نے اس کے خیالات کا مذاق اڑایا اور فرمایا:

"نصفك كافر لقولك بخلق القرآن ونفي الصفات، و نصفك مؤمن لقولك بالقضاء والقدر و خلق اكتساب العباد."

(خطط مقریزی: ٤/ ١٧١)

---

❶ الملل والنحل للشهرستاني (١/ ١٤٠)

❷ المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار للمقريزي (٤/ ١٧١)

"امام شافعی رحمہ اللہ نے بشر مریسی سے کہا کہ تم آدھے کافر ہو کہ تم قرآن کو مخلوق سمجھتے ہو اور صفات باری کی نفی کرتے ہو، اور آدھے مومن ہو کیونکہ تم قضا و قدر کو مانتے ہو اور انسانی اعمال کا خالق خدا کو سمجھتے ہو۔"

مقلد اور غیر مقلد کی اصطلاح:

عقیدت کی اس تقسیم اور عقائد و فروع میں عقیدت کے اس تضاد کے باوجود غیر مقلد یا مقلد کی اصطلاح اس وقت استعمال نہیں ہوئی بلکہ دونوں عقیدتیں معاً چلتی رہیں، مسائل پر بحث ہوتی اور مسائل کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف فتوے بھی شاید استعمال ہوئے لیکن اشخاص سے عقیدت اور اس کے تغیر کی بنا پر نہ باہم نفرت پیدا ہوئی نہ ان جوہری اختلافات کے باوجود تنابز بالالقاب کا شیوہ ہی اختیار کیا گیا۔

"وعادت الفتيا إليه، وانتهى السلطان والعامة إلى بابه، فلم يُقَلد في سائر أعمال أندلس قاض إلا بإشارته واعتنائه، فصاروا على مذهب مالك ـ رحمه الله ـ بعد ما كانوا على رأي الأوزاعي." اھ
(خطط: ٤/ ١٤٣)

"فتویٰ کا مدار یحییٰ پر تھا، سلطان اور عوام ان کے محتاج تھے، ان کے خلافِ منشا کوئی قاضی مقرر نہ ہوتا تھا، اس سے پہلے لوگ امام اوزاعی کے عقیدت مند تھے، اب سب مالکی ہو گئے۔"

حکومت اور مذاہب کی ترویج:

تقلید کے رواج پا جانے کے بعد مروجہ مذاہب محض علم و تفقہ یا تعلیم و تلمذ کی بنا ہی پر اختیار نہیں کیے گئے بلکہ اس میں حکومت کے رجحان اور وقت کے سیاسی عوامل کو بھی کافی دخل رہا، عہدۂ قضا کا بھی ان عقائد و خیالات کی ترویج میں کافی حصہ ہے، افریقہ میں عموماً سنت اور آثار کی پابندی کا رواج تھا، عام لوگ مسلک اہل حدیث کے

پابند تھے لیکن خلیفہ مرتضیٰ بن ہشام بن عبدالرحمٰن ۱۸۰ھ میں افریقہ کے حاکم مقرر ہوئے تو انھوں نے یحییٰ بن یحییٰ کو افریقہ کا قاضی مقرر کیا، یہ امام مالک کے شاگرد اور ابن وہب (۱۹۷ھ) اور ابن قاسم سے بھی ان کو تلمذ حاصل تھا۔ اندلس میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا، ان کے حکم کے بغیر کوئی قاضی مقرر نہیں کیا جاتا تھا۔ اور یہ انھیں علما کو منتخب فرماتے جو امام مالک کے عقیدت مند ہوتے۔

مقریزی فرماتے ہیں:

اسی طرح جب ہارون الرشید بغداد میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انھوں نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو ۱۷۰ھ میں پوری قلمرو کا قاضی مقرر کیا۔

> ”فلم يقلد ببلاد العراق، وخراسان، والشام، ومصر إلا من أشار به القاضي أبو يوسف ـ رحمه الله ـ واعتنى به.“ اهـ (مقريزي: ٤/ ١٤٤)
>
> یعنی ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ میں محکمہ قضا کے تمام اختیارات قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے سپرد کر دیے، ان کی اجازت کے بغیر کوئی قاضی نہیں بن سکتا تھا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ عراق اور اس طرف سے آنے والے تمام فاتح اور مبلغ فقہ العراق سے متاثر ہو گئے اور فقہی مسائل میں امام ابو یوسف وغیرہم سے وابستہ رہے۔

یہ سیاسی اور معاشی اثرات ہیں جو دلائل کے علاوہ ان مذاہب کی اشاعت میں مؤثر رہے اور عوام کا تأثر علی العموم انھی وجوہات کا مرہون ہے، ورنہ عوام فہم و بصیرت اور دلائل کی قوت و ضعف سے چنداں آشنا نہیں ہوتے، نہ وہ مختلف فیہ امور میں ترجیح دے سکتے ہیں، نہ دلائل میں توازن ہی قائم رکھ سکتے ہیں۔ علما گو دلائل کی قوت اور ضعف کو سمجھتے ہیں لیکن بیرونی اثرات سے وہ بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے، مدارس اور مساجد کی تاسیس امرا اور ملوک کی کوششوں سے ہوتی اور علما کو وہاں کام کرنے کے لیے اربابِ اقتدار سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہوتا۔

مقریزی فرماتے ہیں:

"فلما انقرضت الدولة الفاطمية على يد السلطان صلاح الدين يوسف بن أيوب أبطل مذاهب الشيعة من ديار مصر، وأقام بها مذهب الإمام الشافعي، ومذهب الإمام مالك، واقتدىٰ بالملك العادل محمود بن زنگی فإنه بنی بدمشق، وحلب وأعمالها عدة مدارس للشافعية والحنفية." اھ (خطط: ٤/ ١٩٢)

''سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے سرزمین مصر سے شیعی مذاہب کو ختم کر کے وہاں شوافع اور مالکی مکتب فکر کے مدارس جاری کر دیے، جس طرح نور الدین محمود زنگی نے دمشق اور حلب میں شافعی اور حنفی مدارس قائم کر دیے تھے۔''

اس تاریخی پس منظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہی مکاتبِ فکر اور عقائد کے اختلافات میں جو فرقے نمودار ہوئے ان میں مختلف مؤثرات کار فرما تھے، بعض اوقات ان کی تبدیلیاں استدلال اور حجت کی وجہ سے ہوئیں، کبھی ان تبدیلیوں کی محرک معاشی مشکلات تھیں، کبھی اقتدار اور اربابِ اقتدار کے ساتھ تعلق نے مسلک اور خیالات میں تبدیلی کی صورت اختیار کر لی، اور ابتدائی زمانوں میں یہ تبدیلیاں اس کثرت اور اس عجلت سے ہوتی رہیں کہ ان سے کوئی ہنگامہ بپا نہیں ہوا بلکہ قدرتی یا طبعی معمول تصور ہوتا رہا۔

عقائد کی تبدیلیاں بعض اوقات غیر معمولی صورت اختیار کرتی رہیں، خصوصاً جب حکومت نے کسی فرقہ کی سرپرستی اور حکومتی سطح پر اس فرقہ کی حمایت کی جیسے مامون الرشید کا طبعی رجحان تشیع اور اعتزال کی طرف ہوگیا، اس کے بعد واثق باللہ اور معتصم باللہ نے بھی ائمہ سنت اور علمائے حدیث پر زندگی کی راہیں تنگ کر دیں، کچھ لوگ تو خاموش ہوگئے اور بعض نے ظاہراً ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی اور بعض کھل کر

سامنے آگئے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حکومت سے مقابلہ کیا اور قید و بند کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا، ائمہ حدیث پر یہ مصیبت متوکل علی اللہ کے وقت تک قائم رہی، متوکل پہلا آدمی ہے جس نے ائمہ حدیث اور داعیانِ سنت سے پابندیاں اٹھائیں، اپنا رجحان بھی بظاہر ائمہ حدیث کی طرف رکھا لیکن اس کے باوجود کسی کو مجبور نہیں کیا کہ وہ ان رجحانات کو ضرور قبول کرے۔

ان اضطرابات میں بھی تقلید یا ترکِ تقلید کے الفاظ کو محبت اور بغض کا معیار نہیں قرار دیا گیا نہ اسے وہ اہمیت دی جو آج کل کے اہم علمی حلقوں میں اسے دی جا رہی ہے۔

صداقت کا معیار:

عقول کی طغیانیوں اور درایت کی ان بے قراریوں میں صداقت کا معیار ائمہ حدیث اور علماءِ سنت ہی تھے، جس قدر یہ گروہ حدیث اور علماءِ حدیث سے قریب ہوسکتا اسی قدر وہ اپنی صداقت پر ناز کرتے اور نقلِ روایت میں ان ائمہ فن پر پورا پورا اعتماد فرماتے۔ جاحظ معتزلی اور ائمہ اعتزال کے امام ہیں لیکن اس وقت کے حوادث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی اور انھی کو حق پر سمجھتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت میں انھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "العثمانية" ہے، اس کتاب میں علمائے اہلحدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

"وأصحاب الأثر من شأنهم رواية كل ما صح عندهم عليهم كان، أو لهم." (العثمانية، ص: ١٥٢)

یعنی اہل حدیث ہر صحیح چیز کو بیان کر دیتے ہیں، ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف۔

عقائد اور فروع کے اختلاف اور آرا و افکار کی تبدیلیوں کے باوجود مقلد یا غیر مقلد جیسے القاب کا استعمال بطور واقع ہوتا رہا ہے لیکن بطور عیب اور طعن یا تعریف و توصیف بالکل نہیں ہوا، غالباً اس لیے کہ اس وقت وہ سیاسی وجوہ موجود نہ تھے جو آج کل، اس تنابز بالالقاب کا سبب بن رہے ہیں، عوام تو عوام ہیں اچھے علما اور اصحاب التدریس بھی ان

القاب کا استعمال مدح اور ذم کی نیت سے فرماتے ہیں۔ قدماءِ اہل علم میں یہ انتساب بھی ہوتا رہا ہے اور ایسے لوگ بھی ہر زمانے میں رہے جو کتاب وسنت سے براہِ راست اپنی بساط کے مطابق استدلال فرماتے اور ان نسبتوں سے بالکل بے نیاز ہوتے۔

امام ابو جعفر منصور نے امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے تجویز پیش کی کہ موطأ کو پوری قلمرو میں دستور کی حیثیت دے دی جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ تجویز مسترد کر دی اور فرمایا:

”إن أصحاب رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ تفرقوا في البلاد، فأفتى كل في مصره بما رأى، فلأهل المدينة قول، ولأهل العراق، تعدو فيه طورهم.“ اھ (الديباج المذهب، ص: ٢٥)

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں پھیل گئے، ہر ایک نے ہر شہر میں اپنی صواب دید کے مطابق فتویٰ دیا، اہل مدینہ کا بھی قول ہے اور اہل عراق کی بھی ایک رائے، جو ان کے حالات کے مطابق نافذ ہو رہا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے شخصی آرا و افکار کی قانونی پابندی سے انکار فرما دیا، اور مختلف اقوال کی مختلف ممالک میں اجازت دے دی اور جمود اور شخصی آرا کی پابندی کو پسند نہیں فرمایا۔ خلیفہ ابو جعفر نے اسے معقول سمجھ کر اپنا ارادہ بدل لیا۔

شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن حسین بن خالد (۲۴۰ھ) بڑے عالم اور فقیہ تھے:

”وكان يذهب إلى النظر وترك التقليد.“ (ديباج، ص: ٨٤)

شیخ اسماعیل بن اسحاق بن ابراہیم (۳۸۴ھ) کے متعلق مرقوم ہے:

”كان من أهل الفقه والحديث، وغلب عليه الحديث، وكان فتياه بما ظهر من الحديث.“ (ديباج، ص: ٩٥)

”یعنی شیخ اسماعیل بن اسحاق فقیہ تھے، حدیث کی طرف ان کا زیادہ رجحان تھا، اور ظاہر الفاظِ حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔“

شیخ قاسم بن محمد بن قاسم (۲۰۷ھ) کے متعلق مرقوم ہے:

"كان يذهب مذهب الحجة." (یعنی دلیل کے پابند تھے) وقت کے بعض مشاہیر کے خلاف کتاب لکھی، اس کا نام "رد على المقلدة" رکھا۔ (ديباج، ص: ٢٢٢)

ابوعبداللہ بن محمد بشکوال پہلے شافعی تھے، پھر اسے ترک کر دیا۔ ان کے متعلق مشہور ہے:

"كانت له مذاهب أخذ بها في خاصة نفسه، خالف فيها أهل قطره." (ديباج، ص: ٢٧٢)

"ان کے کچھ تفردات تھے، جن میں وہ اپنے "ہم وطن علما" کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔"

شیخ ابومحمد عبداللہ الاصیلی (۳۹۲ھ) امام دارقطنی کے استاد تھے، امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے حافظ تھے۔

"ترك التقليد، وكان من أعلم الناس بالحديث، وأبصرهم." (ديباج، ص: ١٣٩)

یعنی انھوں نے تقلید ترک کر دی تھی، حدیث کے بہت بڑے ماہر تھے۔

طبقات کی کتابوں کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں ایسے لوگ کثرت سے ملتے ہیں جو مروجہ تقلید کے پابند نہ تھے، دلائل سے تمسک کرتے تھے اور اپنے وقت میں قیادت اور امامت کے مقام پر فائز تھے، علما اور عوام میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آج کی طرح تنفر اور تنابز بالالقاب کا رواج اس وقت موجود نہ تھا۔ اہل حدیث، اصحاب الحدیث، اصحاب الآثار وغیرہ ناموں سے بوقت ضرورت ان کا ذکر ہوتا تھا۔

جمود اور تقلید کے متعلق اجماع کا دعویٰ جس کا ذکر عام سطحی قسم کے لوگ بلا تحقیق کر دیتے ہیں، درست نہیں۔ یہ درست ہے کہ دونوں رجحان موجود رہے اور علم و نظر کی کثرت یا قلت کے سبب ان میں کمی بیشی ہوتی رہی، طعن و تشنیع کے بغیر لوگ اپنے

اپنے حالات کے مطابق عمل کرتے رہے، علماءِ تحقیق بحث ونظر سے مسائل پر گفتگو فرماتے رہے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے اسلام پر عمل کرتے رہے۔

اس طرزِ عمل کا سبب:

اس طرز عمل کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرون خیر میں کوئی اعتقادی فتنہ نہ تھا، باہمی رنجشوں سے بعض اوقات اختلافات ہوئے، لڑائی اور نزاع تک بھی نوبت آئی لیکن اعتقاد میں کوئی اختلاف نہ تھا، شیعہ سنی نزاع میں تفضیل یا طبیعت کے رجحان کے سوا کچھ نہ تھا۔ بعض واقعات سے مختلف طبائع نے مختلف اثر لیے اور ان اثرات کی وجہ سے کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت اور ایسے وقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاموشی سے کسی نتیجہ پر پہنچا، کوئی حادثۂ کربلا اور اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے متأثر ہوا، اسلام وکفر یا اعتقاد کے بگاڑ کی حد تک معاملہ نہیں پہنچا، ان مجادلات کی، جو اس وقت ہوئے، ہر ایک نے اپنی معلومات اور اپنے نقطۂ نظر سے توجیہ کی۔

دوسری صدی میں جب یونانی علوم سے مسلمان واقف ہوئے، ان سے صفات باری اور اس کی وحدانیت میں شبہات پیدا ہوئے، ائمہ سنت نے ان پر کڑی تنقید فرمائی، مصائب میں مبتلا ہوئے، حکومت اور بعض اربابِ اقتدار بھی اس رو میں بہہ نکلے، ائمہ سنت نے بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا، قید و بند اور کوڑوں کی سزا سے بھی نہ گھبرائے، ہر ایک نے فکر ونظر کی ان بدعات سے بچ نکلنے کی کوشش کی۔ ائمہ حدیث اور اربابِ سنت کے پاس تو قرآن وسنت موجود تھے، وہ ان اضطرابات سے بہت کم گھبرائے بلکہ مقابلے کے لیے میدان میں آ گئے اور قرآن وسنت کی ہدایت کے مطابق راہنمائی فرمائی، ائمہ بدعت کے خلاف مجاہدانہ اقدامات فرمائے، ذات اور صفات باری تعالیٰ کے متعلق جو ہنگامہ بپا کیا گیا تھا کتاب وسنت کی ہدایات کے مطابق اہل بدعت پر تنقید فرمائی، عوام کو بھی سمجھایا کہ وہ ان غلط کار لوگوں سے بچیں۔

جو لوگ کتاب و سنت پر صحیح عبور نہیں رکھتے تھے اُنھوں نے ان بدعات سے ائمہ سنت اور بعض مخصوص علما کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کیا، اُن کے ساتھ اخلاص و محبت کی بنا پر ان کے خیالات کو اپنا راہنما بنایا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعتقادی مسائل میں یہ سب حضرات ائمہ رحمہم اللہ متفق تھے، اصولِ عقائد کے سبب سے ان بزرگوں میں کوئی اختلاف نہ تھا، لیکن فروع میں یہ حضرات مختلف تھے، عوام ان اختلافات سے متاثر ہوئے، اپنے اپنے بزرگوں سے عقیدت کی بنا پر ان فروعی مسائل کا اتباع کرتے رہے۔ بتدریج اس محبت نے جمود اور تقلید کی صورت اختیار کر لی، جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے خلاف تلخ اور تیز الفاظ کا استعمال ہونے لگا اور نوبت سوئے ادب تک بھی پہنچ گئی، مقلدین ائمہ سے متاخرین کی کتابیں اگر آپ مطالعہ فرمائیں گے تو آپ کو اس بے ادبی کی بڑی مثالیں ملیں گی، اور یہ تمام حوالے ائمہ کے اُتباع میں آپ کو ملیں گے، امام شافعی رحمہ اللہ اور داود ظاہری رحمہ اللہ کو جاہل تک کہا گیا ہے۔❶ (نور الانوار)

اس تقلید سے اتنا تو فائدہ ہوا کہ لوگ علماءِ بدعت معتزلہ، جہمیہ، معطلہ، مشبہہ، مجسمہ، خوارج اور روافض سے بچ گئے لیکن آپس میں جس محبت کی ضرورت تھی وہ نہ رہی، اَتباعِ ائمہ آخری ادوار میں اس طرح اُلجھ گئے: ﴿كَأَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ﴾

متاخرین کے جمود کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو ابتدا میں ائمہ کی اقتدا سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوا، اس دور میں عقیدت کے باوجود ان ائمہ سے اختلاف بھی ہوتا تھا، اس دور کے اہل علم تصوف سے گھبراتے تھے نہ تلقین کی آڑ میں جمود کی دعوت دیتے تھے اور نہ اس فقہ اور تحقیق یا تلقین کو تنابز بالالقاب کا موجب بناتے تھے، اس تقلید سے اس وقت کے ائمہ تحقیق کو چنداں اعتراض نہ تھا۔

ائمہ حدیث اس وقت بھی اپنی روش پر قائم تھے اور اس نوع کی تقلید کو بھی اپنے لیے پسند نہیں فرماتے تھے، وہ ان بدعات سے بچنے کے لیے ائمہ سلف کی روش کو کافی

---

❶ نور الأنوار (ص: ٢٢٨) نیز دیکھیں: كشف الأسرار (٤/ ٤٧٣)

سمجھتے تھے، اشخاص سے عقیدت، ان کے اجتہادات کی انفراداً اور شخصاً پابندی کی بجائے انھوں نے دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فکر اور اندازِ فکر کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا، اس کھلی فضا میں رہ کر وہ وقت کی بدعات عقیدہ اور عمل کی محدثات سے محفوظ رہے، جمود کی مضرتوں سے بھی انھیں کوئی دکھ نہ پہنچ سکا، یہ لوگ حدیث سے براہ راست وابستہ رہے، نصوص کے فہم میں صحابہ اور تابعین کے مقدس دور پر اعتماد فرما کر متاخرین کی فقہی موشگافیوں سے مستغنی ہوگئے۔ اس روش کو غالباً نہ ان کے مخالفین نے غیر مقلدیت کہا نہ انھوں نے اس عنوان کے اختیار میں کوئی فخر محسوس فرمایا۔ دونوں اسے اہل حدیث، اصحاب الحدیث، اہل الاثر وغیرہ عنوانات سے تعبیر فرماتے، اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کو عزت کی نظر سے دیکھتے، درس کی مجالس میں اپنی تحقیق سے طلبہ کو متاثر فرماتے، بنا بر دلائل خود مسلک بدلنے میں تأمل نہ فرماتے۔ اس تبدیلی کے باوجود نہ ایک دوسرے کے متعلق آنکھیں بدلتیں نہ دلوں میں بغض پیدا ہوتا، اور اختلافات قائم بھی رہتے، گوارا بھی ہوتے، اختلاف میں بھی اعتدال قائم رہتا۔

اہلحدیث اور غیر مقلد میں ترادف نہیں!

اس وقت عموماً مخالف حلقوں میں اہل حدیث اور غیر مقلد دو ہم معنی لفظ سمجھے جاتے ہیں اور اہل حدیث حضرات بھی اسے گوارا کرتے ہیں لیکن واقعتاً یہ درست نہیں، اعتقادی بدعات کے دور میں ایسے لوگ ملتے ہیں کہ وہ حنفی بھی ہیں، معتزلی بھی، شافعی، مالکی حتی کہ حنابلہ بھی کلام اور فلسفہ سے متاثر ہونے کے باوجود فروع میں اپنے ائمہ سے وابستہ رہے، اشعریت، ماتریدیت کا بھی ان فرعی مسائل سے بنیادی فرق تھا لیکن اس وقت بھی اہل حدیث مروج تقلید سے انحراف کے باوجود کلام کی جدید راہوں سے چنداں متاثر نہیں ہوئے بلکہ یہ لوگ ان جدید اعتقادات اور نئی نئی ایجادی تعبیرات سے برسرِ پیکار رہے۔

عقائد اور فروع میں ان کی راہ قدیم اور جدید تشریحات اور تصریحات سے مختلف رہی، وہ مثبت طور پر اصول اور فروع میں ائمہ سلف کی روش، ان کے ارشادات اور ان کی تصریحات کے پابند رہے، اور منفی طور پر وہ کسی خاص فرد امام یا مجتہد، اس کی آرا کی جامد اور کلی پابندی نہیں فرماتے تھے، اس لیے ہر غیر مقلد کو اہلحدیث نہیں کہا جا سکتا، البتہ ہر اہل حدیث کے لیے ضروری ہے کہ جمود اور تقلید سے الگ رہے۔

ہمارے قریبی دور کے کچھ ایسے افراد اور طبقات ہیں جن کو ترکِ تقلید کے باوجود اہل حدیث نہیں کہا جا سکتا بلکہ اہل حدیث نے ان کے خلاف تنقید میں قیادت فرمائی، اس لیے کہ ان کا تعلق ائمہ سلف سے قائم نہ رہ سکا اور فہم میں خیر القرون کے طریقہ کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی آرا کو بعض دفعہ ترجیح دیتے تھے۔ مثلاً:

1 سر سید احمد خان (بانی جامعہ علی گڑھ) بڑے آزاد خیال تھے، رفع الیدین اور آمین بالجہر بھی سنا ہے التزام سے کرتے تھے لیکن مستشرقین اور غیر مسلم مشنریوں اور سماجیوں سے مرعوب تھے، وہ اسلامی حقائق کی وضاحت میں تقلیدی افکار و نظریات کے پابند تو نہ تھے لیکن معجزات اور بعض دوسرے مسائل میں ان کی آزادی آوارگی کی حد تک تھی، اس لیے وہ غیر مقلد تو ہونگے لیکن وہ اور ان کے ہم خیال ساتھی اہلحدیث نہیں تھے، غالباً وہ بھی اس لقب کو پسند نہیں کرتے تھے اور اہل حدیث نے بھی ان کو کبھی نہیں اپنایا بلکہ "إشاعة السنة"، "ضياء السنة" اور اخبار "اهلحديث" میں ان کے خیالات پر مسلسل تنقید ہوتی رہی۔ اس سے قبل حضرت مولانا سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے اپنی متعدد تالیفات (مثلاً: حدیث الغاشیہ و حج الکرامہ) میں بھی موصوف کی گمراہیوں اور کجرویوں پر آگاہ کر دیا تھا۔

2 مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو بریلوی حنفی ظاہر کرتے تھے لیکن حقیقت میں وہ حنفی بھی نہ تھے اہلحدیث تو کیا ہوئے؟ البتہ غیر مقلد ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ نہ

فقہ حنفی کے پابند تھے نہ وہ صحابہ اور تابعین، ائمہ سلف کی روش پر چلنا پسند کرتے تھے، تنقیدِ حدیث کے متعلق وہ ائمہ حدیث کی بجائے اپنی ذات کو معیار سمجھتے ہیں، اس لیے ترکِ تقلید کے باوجود اہل حدیث نہیں ہیں۔

③ مولوی عبداللہ چکڑالوی سنا ہے پہلے رسمی حنفی تھے، پھر ترک تقلید کے ساتھ حدیث کی طرف جھکے لیکن انھیں جلد ہی معلوم ہوا کہ ان کا مزاج حدیث پر مطمئن نہیں ہوگا۔ سنا ہے طبیعت میں غلو اور تشقف تھا اور ذہین بھی نہیں تھے۔ ایسے آدمی کے لیے اہل حدیث ہونا ممکن ہی نہ تھا، چنانچہ وہ اور مولوی حشمت علی، مولوی رمضان گوجرانوالہ، رشید احمد وغیرہم، گجرات، ملتان اور ڈیرہ غازی خاں کے منکرین حدیث اور ہمارے ہم عصر غلام احمد پرویز، یہ حضرات آوارہ مزاجی کے لحاظ سے صرف غیر مقلد ہوسکتے ہیں بلکہ نفسِ اسلام کی پابندی سے بھی کافی حد تک آزاد ہیں۔ اس لیے وہ احادیث اور ائمہ سلف کی پابندی خود ہی پسند نہیں کرتے بلکہ قرآن کی مرمت اور ترمیم بھی اپنی خواہش سے فرماتے ہیں، ہم بھی انھیں غیر مقلد سمجھنے کے باوجود اہل حدیث نہیں سمجھتے، انکار حدیث کے بعد اہلحدیث ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

④ ہمارے پرانے ساتھی حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب لائل پوری جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد ''اہلحدیث'' سے بھی الگ ہو رہے ہیں اور مروجہ تقلیدی مسالک سے بھی ان کا کچھ نمایاں تعلق معلوم نہیں ہوتا، وہ آج کل تقریباً ملأ اعلیٰ کے قریب تشریف رکھتے ہیں، وہ کسی ہائی قسم کے اسلام کی دعوت دیتے ہیں یا دینا چاہتے ہیں، جو موجودہ اسلام پسند اور دین پرور جماعتوں میں نظر نہیں آ رہا، اس لیے وہ اصل اسلام کے لیے آج کل کافی پریشان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی فرمائے۔ ان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے وہ اہلحدیث سے کافی چڑے ہوئے ہیں اور اس غریب جماعت سے خاص طور پر آج کل ناراض ہیں لیکن

ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں، البتہ خطرہ ضرور ہے، ان کی اس تلقین سے نہ مقلد پیدا ہوں گے نہ اہلحدیث، البتہ غیر مقلد شاید پیدا ہو جائیں۔ ہماری دانست میں وہ اب بھی اہلحدیث ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں: ''میں نہیں'' ہم انھیں مجبور نہیں کرتے، البتہ اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ تفریق عنوان سے نہیں ہوتی معنون سے ہوتی ہے اور یہ تفریق غالباً آپ کی موجودہ دعوت میں بھی موجود ہے۔

۵ ہمارے ایک مخلص اور پرانے رفیق گجرات میں تشریف رکھتے ہیں، وہ اپنے اسم گرامی کے ساتھ ہمیشہ ''اثری'' لکھا کرتے تھے، توحید و سنت کی حمایت میں بڑی مؤثر تقریریں فرماتے تھے، اہل حدیث مجالس میں بڑے شوق سے شامل ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ سے انھیں جدت پسندی کا عارضہ ہوا، بعض غیر معروف مسائل میں انھوں نے تفرد ظاہر فرمایا، عوام نے ان پر خاموشی کا اظہار کیا۔ اب انھوں نے بعض متواتر اور منصوص مسائل میں جمہور ائمہ اہلحدیث اور اکابر اہل سنت کے خلاف راہِ ''اجتہاد'' اختیار فرمائی اور محنت کر کے حضرت مسیح کا باپ تلاش کر لیا۔ احباب نے کئی دفعہ مطالبہ کیا کہ جماعت اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرے، میں سمجھتا ہوں یہ شخصی تفردات کتنے ہی گمراہ کن کیوں نہ ہوں اس سے کوئی جماعتی مسئلہ پیدا نہیں ہو سکتا، ایسے حضرات غیر مقلد تو کہلا سکتے ہیں لیکن اہلحدیث قطعاً نہیں ہو سکتے۔ متعارف اور مسلمہ مسائل سے اگر انحراف کی کبھی ضرورت محسوس ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ کتاب و سنت سے تمسک کیا جائے اور اس کے لیے بھی طریقہ سلف یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کا اختیار کیا جائے، جیسا کہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے ایک شاگرد کو لکھا تھا:

> ''أصول السنة عندنا التمسك بما كان عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، والاقتداء بهم وترك البدع... وترك الجلوس مع أهل الأهواء ... والسنة تفسر القرآن، وهي دلائل

القرآن... ومن لم يعرف تفسير الحديث ويبلغه عقله، فقد كفي ذلك، وأحكم له فعليه بالإيمان به والتسليم له.“①

(طبقات الحنابلة: ١/ ٢٤١)

اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس جماعت کا تعارف ان لفظوں سے دیا ہے:

”هم الآخذون في العقيدة والعمل جميعا بما ظهر من الكتاب والسنة، وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين.“ الخ②

ہر آدمی جو چاہے اس کا نام ”تحقیق“ رکھ لے تو ساری دنیا کے اہل بدعت اور ملاحدہ اربابِ تحقیق قرار پائیں گے۔ اپنے رفقا اور مخالفین دونوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ترکِ تقلید دوسری چیز ہے اور اہل حدیث دوسری چیز، انھیں مرادف اور ہم معنی نہیں سمجھنا چاہیے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۲۔۹۔۱۶ر جولائی ۱۹۶۵ء)

---

① ہمارے نزدیک سنت کے اصول صحابہ کرام کے منہج کی پابندی کرنا، ان کی اقتدا کرنا، بدعات کو چھوڑنا اور اہل بدعت کے ساتھ عدمِ مجالست ہے۔ اور سنت قرآن کی تفسیر کرتی ہے، اور وہ قرآن کے دلائل ہیں اور جو شخص حدیث کی تفسیر نہیں جانتا اور نہ اس کی عقل اسے پہنچتی ہے تو اس کے لیے یہی کافی و وافی ہے۔ پس اس پر لازم ہے کہ حدیث پر ایمان لائے اور اسے تسلیم کرے۔

② حجة الله البالغة (١/ ٣٥٩)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریکِ جہاد میں علمائے اہلحدیث کا حصہ

ایک واقعاتی جائزہ

آج مختلف جماعتیں ۱۸۵۷ء کی یادگار میں شامل ہو رہی ہیں۔ دینی جماعتوں کو تو یہ حق پہنچتا ہی ہے کہ یہ مقدس یادگار منائیں مگر اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ لا دینی جماعتیں بھی اس یادگار کو منا رہی ہیں، اس کے طویل پروگرام مرتب ہو رہے ہیں، ملک کی سیاسی جماعتیں بھی پورے انہماک سے اس یادگار کو منانے کے فیصلے کر رہی ہیں۔

حکومتِ پاکستان:

حکومت پاکستان نے بھی فیصلہ کیا ہے کہ اس مقدس واقعہ کی یادگار منائے، خدا کرے انگریز کو بھی عقل آئے وہ بھی اپنے مظالم کی یادگار منائے، اپنی بد اعمالی پر رونے کی کوشش کرے، اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور آئندہ کے لیے مشرق وسطیٰ میں ۱۸۵۷ء کے حوادث کو دہرانے کی کوشش نہ کرے۔

خدا سے ڈر کر نہ سہی وقت سے مجبور ہو کر مصر کی جرأت، شام کی آزاد روی، سعودی عرب کی حق گوئی سے متاثر ہو کر ہی سہی، مگر انگریز کے دماغ میں اس قسم کی ندامت کا پرزہ ہی نہیں رکھا گیا۔ وہ آج بھی اسرائیل کی گود میں جانا پسند کر رہا ہے، فرانس ایسی ظالم، مستبد، عیاش اور بے حیا طاقت کے ساتھ اس کے مراسم روز بروز استوار ہو رہے ہیں۔ وسيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون!

قبولیتِ عامہ کے خطرات:

اہل توحید کو خوش ہونا چاہیے کہ ان کی مساعی کو آج دنیا سراہ رہی ہے۔ ان کی حریت پسندی کو آج تاریخی حیثیت دی جا رہی ہے۔ ان کے غدر پر دنیا کی وفاداریاں نچھاور کی جا رہی ہیں۔ آج ان کا کفر اس اسلام پر بھاری ہو رہا ہے جو کسی وقت انگریز کی بارگاہ سے عطا کیا گیا تھا۔ وقت آ گیا ہے کہ کفر کے دفتر سمیٹ کر دریا بُرد کر دیے جائیں یا دیا سلائی دکھا کر انھیں ہمیشہ کے لیے عدم کی نذر کر دیا جائے۔

مگر اس قبولیت عامہ سے ایک خطرہ بھی ہے کہ کہیں اس تحریک کی رُوح ہی کو ختم نہ کر دیا جائے، اسے اکبر کے دین الٰہی کی برکات نہ سمجھ لیا جائے، کمیونزم کے لیے اسے پیش خیمہ نہ بنایا جائے۔ اس لیے اہل حق کا فرض ہے کہ اس تحریک کے خد و خال کو پوری طرح نمایاں کریں، اس کی دینی حیثیت واضح کریں، ان تمام حقائق کو منظر عام پر لائیں جن کی بنا پر ۱۸۵۷ء کا واقعہ تاریخ کی مقدس امانت سمجھا جائے اور ایمان و دیانت کا شاہکار بنے۔

تاریخ کی روشنی میں واضح کیا جائے کہ یہ اجتماعی ہنگامہ جس میں ہندو اور مسلمان یکساں شریک تھے اس میں فعال قوت کون سی تھی؟ اس ہنگامہ کے بعد برسوں ہندو سیاستدان انگریز کے ساتھ ٹکرانے سے پرہیز کرتے رہے۔ مسلمانوں کی جائیدادیں بنگال اور سی پی میں ہندو کسانوں کے نام یونہی منتقل ہوتی رہیں۔ مسلمان تو معتوب تھے ہی، ہندو لیڈر بھی آرام سے یہ تماشا دیکھتے رہے۔ پوری انگریز قلمرو میں مسلمان پِستا رہا لیکن انصاف پسند دنیا کے آنسو خشک ہو گئے۔ جس طرح آج فرانس کے انصاف کی چکی الجزائر میں مسلمانوں کو پیس رہی ہے۔ دنیا کی زبانیں گنگ، قلم بے حرکت ہیں، اخبارات میں مختصر خبروں کے سوا کچھ نہیں۔ عرب طاقتیں احتجاج کرتی ہیں لیکن انصاف کے ایوان میں ان کے لیے شنوائی نہیں۔ ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾

اس سے کہیں زیادہ مسلمان پستا رہا۔ کبھی اسے وہابیت کی سزا دی گئی۔ کبھی حسنِ عمل اور تقویٰ کو مستحق دار سمجھا گیا۔ انبالہ کیس، وہابی کیس، قاضی کوٹ کیس، یہ سارے عنوان ہیں۔ اس کے ماتحت پچاس سال مسلم خون کی ارزانی رہی۔ ہندو قیادت نے نصف صدی میں ملک کی تجارت پر قبضہ کیا۔ زمینداریاں ہتھیائیں۔ غرض ﴿جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً﴾ کے اصول کے مطابق ملک میں گروہ بندی قائم کر کے اہل وطن ہی سے اہل وطن کا خون گرایا گیا اور مسلمان کو پچاس سال میں تباہ کر کے رکھ دیا گیا۔

ان حوادث سے ظاہر ہے کہ ۵۷ء کے انقلاب میں قیادت مسلمان کے ہاتھ میں تھی۔ تعلقات اور سابقہ بالا دستی کی وجہ سے تھوڑی دیر ہندو قیادت نے ساتھ دیا لیکن آخر میں انھوں نے قوت حاکمہ سے ساز باز کر لیا اور مسلمان اکیلا انگریز کے مظالم کا تختۂ مشق بنا رہا۔ عدل و انصاف کی آنکھوں کے سامنے پوری نصف صدی یہ ڈرامہ کھیلا جاتا رہا۔

یہ انتقام:

یہ انتقام صرف اس لیے تھا کہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں کلیدی قوت مسلمان تھا۔ اس سے انگریز کو خطرہ تھا۔ جغرافیائی طور پر ہندوستان کے اطراف میں مسلمان پھیلے ہوئے تھے۔ افغانستان، ایران، عرب برائے نام ہی سہی مگر مسلمان تھے۔ ہندو سے قطعاً اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا اور یہ بھی یقین تھا کہ اگر اکثریت کو ہندوستان میں کچھ دے دلا کر مطمئن کر دیا جائے تو جغرافیائی ماحول سے ان لوگوں کو تعلق نہیں ہوگا۔ اس لیے پچاس برس تک انگریز کے منتقم ہاتھ مسلمان کے خون سے رنگین رہے۔

یہ قدرتاً صحیح بھی تھا:

منطقی طور پر یہ درست بھی تھا۔ مغل حکومت مسلمان تھی۔ ان میں بعض بادشاہ نہایت نیک اور انصاف پسند ہونے کے علاوہ بے حد متدین اور پختہ مسلمان تھے۔

چند غلطیوں اور حکومت کی بعض عیاشیوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو یہاں اسلامی قوانین رائج تھے۔ حکومت اسلام کو عزت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ اکبر ایسے چند مطلب پرست عیاشوں کے سوا عموماً حکام اسلام کا احترام کرتے تھے۔

مغل حکومت کی تباہی کا اثر مسلمانوں ہی پر ہونا چاہیے تھا۔ دارالاسلام کے رہنے والے جب یکا یک دارالحرب میں آ جائیں، ان کی طبائع کا تأثر لازمی تھا۔ مغلوں کی غلط روی کے باوجود ملک میں اسلام سر بلند تھا، ان کی عدلیہ اور انتظامیہ دونوں میں ان کو اقتدار حاصل تھا۔ اب چند مہینوں میں یہ اقتدار ایسی قوم کی طرف منتقل ہوا جو سمندر پار سے آئی تھی۔ وہ عادات کے لحاظ سے غیر مانوس تھے، بود و باش کے لحاظ سے اجنبی تھے۔ کتنی جہالت کیوں نہ ہو کوئی زندہ قوم اس قدر بے حس نہیں ہو سکتی کہ وہ اتنے بڑے انقلاب کو معمولی تصور کرے۔

اس انقلاب کی تہہ میں آزادی کے ساتھ مذہبی جذبات تھے، رضائیتِ دین کے اثرات تھے۔ دینی انقلاب کے لیے ایک ولولہ تھا۔ گو غیر مسلم مغل حکومت میں صدیوں آزاد زندگی بسر کر چکے تھے، ذمہ دارانہ عہدوں پر رہ چکے تھے۔ حکومت کے فیوض ان کی وفاداری کی وجہ سے ان پر ہمیشہ رہے مگر حکومت کا مذہب بہر حال اسلام تھا۔

مذہبی اثر اور دینی تربیت:

جب سے مغل حکومت میں بدعات کا رواج ہوا، دینی حس کمزور ہونا شروع ہوئی علماء حق نے اسے بھانپ لیا تھا۔ شیخ محمد طاہر پٹنوی نے ۹۱۶ھ میں بدعات کے خلاف جس عزم کا اظہار کیا وہ اکبر جیسے آزاد مزاج بادشاہ کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اکبر نے ان کے سر پر پگڑی رکھی اور بدعات کے ازالہ کا پختہ وعدہ کیا۔ شیخ نے نذر مانی تھی کہ جب تک بدعات ختم نہ کر لیں پگڑی سر پر نہیں رکھیں گے۔

حضرت شیخ احمد الفاروقی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ۱۰۳۴ھ میں اس لیے جیل میں بند

رہے کہ وہ جہانگیر کو رسمی طور پر سجدہ تعظیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکے۔ حضرت تین سال متواتر گوالیار کے قلعہ میں بند رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے رفقا میں سے مرزا مظہر جان جاناں بڑے وسیع الظرف تھے۔ ان ایام میں بدعات کی مخالفت فرماتے اور نماز قریباً حضرات شوافع رحمہم اللہ کے مسلک کے مطابق ادا فرماتے، اور ان کے شاگرد قاضی ثناء اللہ پانی پتی تھے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے ان کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے بھی ظاہری اور باطنی علوم کا استفادہ فرمایا۔ قاضی صاحب جہاں تصوف اور دینی علوم کے جامع تھے وہاں فقہ الحدیث میں بھی ان کی راہ حضرت شاہ ولی اللہ اور مظہر جان جاناں کے اتباع و تتبع پر مبنی تھی۔ متاخرین فقہا اور عوام سے وہ کئی مسائل میں منفرد تھے۔ اس علمی خاندان کو سنت کے ساتھ ایک شغف تھا اور بدعت سے نفرت، اور اسلام اور اس کی تعلیمات کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ دہلی اور اس کے پورے ماحول پر ان حضرات کے علمی اور عملی فیوض محیط تھے۔ قاضی صاحب کا اثر پانی پت سے پنجاب اور ملحقہ علاقوں تک پہنچا ہوا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

دینی حکومت کا قیام، دینی علوم کی اشاعت اور اقامت دین کا جذبہ، علوم حدیث کی طرف راہنمائی حضرت شاہ صاحب اور ان کے خلفا کے لازمی مشاغل تھے۔ حجۃ اللہ، البلاغ المبین، تحفۃ الموحدین، ازالۃ الخفاء ایسی قیمتی کتابیں پتہ دیتی ہیں کہ حضرت شاہ صاحب میں کس قدر جامعیت تھی۔ مغل بادشاہ مادی سطوت کے باوجود اس بے تاج بادشاہ کے سامنے جھکتے تھے اور اس کی بے نیازی اور صاف گوئی سے وہ لوگ گھبراتے تھے۔ شاہ صاحب علمی دنیا میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کی وجہ سے بھی متعارف تھے۔ حضرت کے سفر حجاز اور فنون حدیث کی تحصیل سے شاہ صاحب کا حلقہ اثر اور بھی وسیع تر ہو گیا تھا۔

پھر مغل حکومت کا زوال شاہ صاحب کی زندگی میں ایک حقیقت ثابتہ کی طرح اُبھر آیا تھا۔ مغل بادشاہوں کی جہالت، بدعملی، سیاسی بے شعوری ضرب المثل ہو چکی تھی۔ ان کی طبائع میں دوست اور دُشمن کا امتیاز ختم ہو چکا تھا۔ ملکی معاملات ایسے لوگوں کے سپرد تھے جو کسی طرح بھی قابلِ اعتماد نہ تھے۔ شاہ صاحب کے سیاسی خطوط سے بھی ان خطرات کا پتہ چلتا ہے۔

لیکن وہ اپنی قوت کو بھی سمجھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ لیڈری چمکانے کے لیے سیاسیات میں دخل دینا چنداں مفید نہیں ہوگا۔ وہ اپنے اسباب و وسائل کو بھی سمجھتے تھے۔ جو قدم اٹھ سکتا تھا شاہ صاحب نے وہی اٹھایا۔ قیادت کا بزنس نہ شاہ صاحب نے کیا نہ ان رفعتوں کے لیے ایسا کرنا مناسب ہی تھا لیکن اپنی زندگی میں مستقبل کی اصلاحات کے لیے شاہ صاحب نے زمین بہت حد تک ہموار کر دی، اور کسی لیڈر کے لیے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ظروف و حالات کے مطابق قدم اُٹھائے اور قوم کو تہور کا عادی نہ بنائے اور نہ انھیں مصائب ہی میں دھکیل دے۔ شاہ صاحب کی زندگی اس دانش وری کا زندہ نمونہ ہے۔

شاہ عبدالعزیز:

شاہ عبدالعزیز صاحب نے مقتدر والدؒ کی مسند پر بیٹھتے ہی حالات کا جائزہ لیا۔ شاہ صاحب کی مساعی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ فتاویٰ عزیزیہ میں دارالحرب اور دارالاسلام کے مباحث جہاں عمیق علم کا پتہ دیتے ہیں وہاں شاہ عبدالعزیز صاحب کی سیاسی بصیرت کا بھی پتہ دیتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز کا قلم شاہ ولی اللہ سے زیادہ تیز ہے۔ وہ نظریاتی سیاست سے عملی سیاست کی طرف تیزی سے بڑھے۔ انھوں نے وقتی سیاسیات پر سنجیدہ تنقید فرمائی اور ان تمام دُشواریوں میں اسلامی تعلیمات سے ایک بال کے برابر انحراف نہیں فرمایا۔ جو کچھ کیا اسلام کی روشنی میں، شریعت کی ہدایات کے مطابق فرمایا۔

اپنے بھائیوں میں اس ذہن کو پیدا کیا۔ شاگردوں کی تربیت اسی نہج پر کی۔ سید اسماعیل شہید کے بچپن میں بڑھاپے کی دانش مندیاں شاہ عبدالعزیز کی تربیت کا اثر تھیں۔ کھیل اور غفلت کی عمر میں یہ بیدار مغزی، یہ دُور اندیشی، حالات کا تجزیہ، کفر کے ساتھ بدعت اور تشیع کے اثرات بھی اس نوجوان پیر کی نظر سے اوجھل نہ رہ سکے ؎

بالائے سرش ز ہوش مندی
مے تافت ستارۂ بلندی ①

یہ سارے ولی اللہ کے فیوض تھے، مجدد الف ثانی کی علمی برکتیں تھیں، شاہ عبدالعزیز کی تربیت تھی، اس جوہر قابل میں ان تمام علوم کی جامعیت تھی جو علی المتقی سے شروع ہو کر شاہ عبدالعزیز تک کئی تجربوں کی کسوٹیوں پر گھسے جا چکے تھے۔

شاہ اسماعیل شہید:

شہید وقت کی آواز تھے اور ضرورت کے واجبی تقاضے۔ جو زمین مجدد الف ثانی نے تیار کی شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز نے اس کی اصلاح پر اپنے بہترین اوقات صرف فرمائے، اب اس میں بیج ڈالنے کا وقت آ گیا تھا۔ جو توحید و سنت کا بیج گیارہویں صدی کے اوائل میں بویا گیا تھا اب اسے بار آور ہونا تھا۔ سید احمد شہید، مولانا عبدالحی بڈھانوی، شاہ اسماعیل اور ان کے رفقا کو ایک ایسا مزاج مرحمت فرمایا گیا تھا جو اس کام اور اس وقت کے لیے پوری طرح سازگار تھا۔

مزاج شناسی:

آپ حضرات حیران ہوں گے کہ دینی بصیرت میں یہ لوگ اپنے اپنے ڈھب پر سوچتے تھے۔ شاہ اسماعیل آزادئ فکر کے حامی تھے۔ فقہی جمود اور اس پابندی کو پسند نہیں فرماتے تھے جو اس وقت پورے ماحول پر محیط تھی۔ حضرت سید احمد صاحب رحمہ اللہ

---

① اس کے سر پر، عقلمندی کی وجہ سے بلندی کا ستارہ چمک رہا تھا۔

کو توحید کے ساتھ وابستگی تھی لیکن مروجہ فقہی اعمال سے انحراف نہیں فرماتے تھے۔ جمود تو نہیں تھا لیکن وہ تمسکاً حضرت امام ابو حنیفہ کے طریقِ فکر کے عملاً پابند تھے۔ بدعات کی مخالفت اسی طرح فرماتے جس طرح ایک سچے حنفی کو اس کی مخالفت کرنا چاہیے۔ مولانا عبدالحی کے رجحانات حضرت سید صاحب سے ملتے جلتے تھے لیکن باہم تصادم کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ اس اختلاف میں اس قدر اعتدال تھا کہ ایک دوسرے کو سمجھنے میں کبھی ان حضرات کو غلطی نہیں لگی۔

راہ کی دُشواریاں:

جس نے کفر سے لڑنا ہے اس کی نظر میں سکھ اور انگریز ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب اور ان کے رفقا کا معاملہ اس سے مختلف نہ تھا۔ دہلی میں انگریز کا اثر اور قبضہ تھا اور پنجاب پر سکھوں کا۔ مجاہدین کو یہ دونوں ناگوار تھے لیکن ان کے ماتحت رہ کر ان سے لڑنا ناممکن تھا۔ اس لیے مصالح کی بنا پر مرکز سرحد کو قرار دیا گیا اور وہاں پہنچنے کے لیے سکھوں کے پنجاب کو ایک طرف چھوڑ کر راستہ اختیار فرمایا۔ اس راہ کی دشواریاں وہی سمجھ سکتا ہے جسے ان ریگستانوں اور پہاڑوں سے گزرنے کا موقع ملے۔ اس مقدس گروہ نے ان دُشواریوں کو خوشی سے قبول فرمایا اور مہینوں کا سفر طے کر کے صوبہ سرحد میں پہنچے۔ ؎

در طریقِ عشق بازی امن و آسائش بلاست
ریش باد آں "دل" کہ با درد تو جوید مرہمے ❶

اس مرکز سے سکھوں سے لڑنا آسان تھا۔ یہ لڑائی مسلسل حسب موقع کئی سال تک ہوتی رہی۔ اس کی تفصیل آپ کو اس دور کی تاریخ سے ملے گی۔

میری گزارش کا مقصد یہ ہے کہ یہ تحریک محض قومی یا وطنی نہ تھی۔ نہ زبان کی بنا پر کوئی

---

❶ عشق کی راہ میں امن و آسائش کی بازی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ دل تیرے درد سے مرہم چاہتا ہے۔

عصبیت پیدا کرنا مطلوب تھا۔ مقصد ملک میں اسلامی قوانین کی اشاعت، کلمۂ حق کا استیلا تھا، اور مسلم اور غیر مسلم اقوام کے لیے مساوی آرام اور ترقی کے مواقع بہم پہنچانا تھا۔

سید احمد اور ان کے رفقا:

سید احمد اور ان کے رفقا کا مزاج دو سو سال کی شعوری کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اس دور کے علما کی دُور بین نگاہیں اپنے بادشاہوں کی غلطیاں دیکھتی اور سمجھتی تھیں، ان پر تنقید بھی کرتے تھے لیکن ان سے بغاوت نہیں کرتے تھے۔ ان کی اصلاح کے لیے لٹریچر کی اشاعت اور ان کے اخلاق کی اصلاح کے لیے یہ ساری کوششیں اپنی استطاعت کے مطابق جاری رہیں لیکن اس قدر نتیجہ خیز نہ ہو سکیں جس قدر ہونا چاہیے تھا۔

بالآخر وہ وقت آیا کہ ان سب ساتھیوں نے سکھوں سے جنگ چھیڑ دی۔ مجھے اس وقت نہ تو اس کی تفصیلات میں جانا ہے نہ کامیابی اور ناکامی کے اسباب سے بحث کرنا ہے بلکہ دو سو سال کی کوشش کے نتائج میں اس تحریک کے مزاج کی وضاحت کرنا ہے۔

بالاکوٹ کا سانحہ:

بالاکوٹ کا دل گداز حادثہ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶/ مئی ۱۸۳۱ء) کو واقع ہوا۔ مولانا ولایت علی کو سید صاحب نے اس سے پہلے ہی تنظیم جماعت کے لیے ہندوستان بھیج دیا تھا، اس حادثہ کا اثر سید صاحب کے رفقا اور فوج پر پڑنا تو قدرتی تھا، ہندوستان کے ہمدردوں کا حلقہ بھی اس سے پریشان ہو گیا۔ مخالفین بے حد متاثر ہوئے۔ خونِ شہادت کا رنگ اتنا گہرا اور شوخ تھا کہ اس نے کفر کے تمام دھبوں کو بے نشان کر دیا۔ مکفرین پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ اہلِ توحید کی تکفیر میں حضراتِ بریلی، علماءِ بدایوں اور خیر آباد کے مقدسین پیش پیش تھے۔ بالاکوٹ کا معرکہ ایک طرف میدانِ کارزار تھا تو دوسری طرف محفل مناظرہ۔ کفر کے فتوے پہنچتے، منطقی مباحث

اور علمی سوالات کا سلسلہ تھا جو ہندوستان اور بالا کوٹ کے درمیان پوری سرگرمی سے جاری تھا۔

شاہ شہید رحمہ اللہ جنگی خدمات بھی انجام دیتے، گھوڑے کو کھرکھرا بھی کرتے، سوالات کا جواب بھی لکھواتے۔ شہادت کی اطلاع سے کہرام مچ گیا۔ اتنی مقدس قربانی کے بعد کسے جرأت تھی کہ کفر کا فتویٰ دے، اور اگر کہیں یہ بے حیائی ہو بھی جائے تو اسے سنتا کون؟ کچھ عرصہ کے لیے قلموں کی حرکت بند ہوگئی۔ دواتوں کی روشنائی خشک ہوگئی۔

خیر آبادی خاندان مخالف کیمپ میں زیادہ دُور اندیش اور نکتہ رس واقع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ انگریز کی عیاریوں سے بتدریج واقف ہو چکا تھا۔ وہ ذہنی طور پر بالاکوٹ کی تحریک کو صحیح سمجھنے لگے تھے۔ ان میں مولانا فضل حق خیر آبادی بڑے پائے کے عالم تھے اور ایوانِ حکومت تک بھی ان کو بہت زیادہ رسوخ حاصل تھا۔

سُنا ہے جب شاہ شہید کی شہادت کی اطلاع ملی تو طلبہ کو درس دے رہے تھے، اسی وقت کتاب بند کر دی گئی۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نے بھی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے استفادہ فرمایا تھا۔ اس حادثہ کی اطلاع نے مولانا کا ذہن بالکل بدل دیا۔ مولانا تحریک بالا کوٹ کے حامی ہوگئے۔ بقدر امکان ان کی حمایت فرماتے رہے۔ بقیۃ السیف کی امداد فرماتے رہے۔

مولانا عالم ہونے کے علاوہ بڑی امیرانہ زندگی کے عادی تھے۔ وہ دور اندیش تھے۔ انگریز کے مزاج اور سخت گیری کو بھی سمجھتے تھے۔ بہادر شاہ کی کمزوریوں سے بھی آگاہ تھے، وہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی کامیابی کے متعلق چنداں پُر امید نہ تھے۔ تاہم وہ بہادر شاہ سے ملے۔ جہاد کا فتویٰ مرتب کرنے میں علما کی مدد فرمائی۔ مناسب الفاظ میں انگریزی مظالم کی تنقیص فرماتے رہے۔ اسی کی پاداش میں مولانا پر مقدمہ بنایا گیا اور مولانا کو عمر قید بعبور دریائے شور دی گئی۔ مولانا کا انتقال جزیرہ انڈیمان میں ہوا۔

مولانا کے صاحبزادے شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب مولانا کی رہائی کا حکم لے کر جب انڈیمان پہنچے تو ایک بہت بڑا جنازہ جارہا تھا۔ جنازہ مولانا فضل حق خیرآبادی کا تھا، جو ہمیشہ کے لیے انگریزی مظالم سے نجات حاصل کر کے جنت کے لیے رختِ سفر باندھ چکے تھے۔ حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ بیٹا کس طرح والد کے جنازے میں شریک ہوا؟

مولانا کی آخری زندگی میں وہ تمام اختلافات رفع ہو چکے تھے جو ابتدا میں وجہ نزاع بنے رہے۔ اللهم اغفرله وارحمه وأدخله الجنة.

بدایوں اور دہلی کے بزرگ اس حادثہ کے بعد قریباً خاموش ہو گئے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاموشی عرصہ تک جاری رہی۔ انگریز بہادر نے اپنے استحکام اور مظالم پوشی کے لیے جب ملک میں حزبی اختلافات پیدا کیے اور گروہ بندیوں اور باہم لڑانے کا سلسلہ جب شروع کیا تو ان حضرات کے قلم پھر حرکت میں آ گئے اور اکفار و تکفیر اور مسلمانوں کو باہم لڑانے میں انگریز کی جس قدر خدمت کر سکے کرتے رہے۔ کل میسر لما خلق له.❶

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

[الأحزاب: ٢٣]

مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی نے ہنگامہ ۵۷ء میں پورا حصہ لیا۔ دہلی، کان پور، الہ آباد وغیرہ میں جہاں آزادی کی تحریک گئی مولانا نے اپنی بساط کے مطابق کام کیا۔ جہاد کے لیے اشتہار دیا جس میں مولانا خرم علی بلہوری کے رجزیہ اشعار مرقوم تھے، جو مجاہدین سرحد کے عساکر اثناءِ جنگ میں پڑھا کرتے تھے۔ (۱۸۵۷ء مصنفہ مولانا مہر)

اس سے ظاہر ہے کہ مولانا اس تحریک توحید سے متاثر تھے جو آزادیٔ وطن کے لیے آج سے چھبیس سال پہلے شروع کی گئی۔ ناکامی کے باوجود جس کے اثرات سکھ

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٦٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٤٧)

اور انگریز کو برسوں تک متاثر کرتے رہے اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔ سکھ جس طرح مصائب میں مبتلا ہوا ہے قرائن سے معلوم ہوتا ہے وہ شاید اپنی قومی زندگی کھودے گا۔ دائمی غلامی اس کی قسمت میں یقینی ہے۔ إلا بحبل من الله وحبل من الناس.

حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب:

حضرت شیخ الکل علمی آدمی تھے۔ معلوم ہوتا ہے وہ انتہائی دور اندیش تھے اور بالغ النظر مفکر۔ وہ ۵۷ء میں زندہ تھے۔ دہلی میں تشریف فرما تھے۔ آپ کا سپاہیوں کی طرح اس ہنگامہ میں نام نہیں، نہ ان کے مقام اور رفعتِ شان کے لحاظ سے یہ مناسب تھا لیکن معلوم ہے کہ ان کی ہمدردیاں دین پسند طبقات کے ساتھ تھیں۔ وہ انقلاب کی بے عنوانیوں کو ناپسند فرماتے تھے۔ وہ انگریز عورتوں اور بچوں کے قتل کو ناپسند فرماتے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ امر شرعاً ممنوع ہونے کے باوجود کسی نہ کسی وقت بدنامی اور ندامت کا موجب ہوگا۔ چنانچہ ایسے ہنگامے میں جو انگریز عورتیں اور بچے پھاٹک حبش خاں میں پہنچے حضرت نے ان کی پوری حفاظت فرمائی اور انھیں کوئی گزند نہیں پہنچنے دیا، حالانکہ ان ایام میں ایسا کرنا اپنی جان پر کھیلنے کے مترادف تھا لیکن حضرت میاں صاحب نے ان کی پوری طرح حفاظت کی اور اس کے عوض ان سے ایک پائی تک وصول نہیں فرمائی۔ انگریز نے حضرت کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ یہ انگریز کی پالیسی تھی لیکن میاں صاحب نے اس خطاب کا اپنے مکاتیب میں کہیں ذکر تک نہیں فرمایا۔

میاں صاحب دہلی میں حضرت شاہ اسحاق کی مسند پر تشریف فرما تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد کے تمام حوادث ان کی نظر میں تھے۔ انگریز کی عیاریاں قریباً معلوم تھیں۔ انگریز دشمنی گویا حضرت کو ورثہ میں ملی تھی اور طبیعت میں سموئی گئی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ میں یہ روح بدستور زندہ رہی۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، شاہ عبدالحق صاحب پھلواروی، حضرت

مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی، حضرت مولانا ابراہیم صاحب آروی، پٹنہ اور مبارک پور کے علما نے پوری زندگیاں انگریز کے خلاف وقف فرمائیں۔

مختلف راہ:

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد حضرات علماء دیوبند نے بالکل دوسری راہ اختیار فرمائی۔ دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔ مظاہر العلوم سہارن پور میں جاری ہوا۔ سیاسیات میں کھلے طور پر کام کرنا مشکل ہو چکا تھا۔ اس معاملے میں انگریزی حکومت کا احتساب روز بروز بڑھ رہا تھا۔

بریلوی اور بدایوانی خاندان نے انگریزوں کے ایما اور سہارے پر اپنے پر پرزے نکال لیے تھے۔ وہابیت کی تہمت محمد بن عبدالوہاب اور ان کے اَتباع کی کامیابیوں کی وجہ سے دو آتشہ ہو کر ہندوستان میں آ چکی تھی۔ اور اکابر دیوبند اس تہمت کی زد سے بچنا چاہتے تھے۔

اس لیے اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ فقہی جمود کی پوری پوری حمایت کریں اور جو لوگ اس کی اصلاح چاہتے ہیں انھیں غیر مقلد یا شتر بے مہار ایسے خطابات سے نوازیں۔ اور سید احمد شہید کی تحریک سے کسی قدر علیحدگی اختیار فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے شروع ہو کر حضرات دیوبند میں اسی نہج سے عصبیت بڑھتی رہی اور اس میں شک نہیں کہ اہل حدیث حضرات کا پارہ بھی خاصہ تیز رہا۔ جو لوگ علمی مسندوں پر کام کر رہے تھے یا تصنیف و تالیف کے شعبوں میں کام کر رہے تھے ان کے لہجے خاص تلخ ہو گئے۔ شیخ الکل سید نذیر حسین کی معیار الحق کا لہجہ بالکل علمی اور معیاری تھا۔ اس میں قطعی تلخی نہ تھی۔ اس میں فقہی جمود کے خلاف قریباً وہی لب و لہجہ اختیار فرمایا گیا تھا جو حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی اصلاحی تعلیمات کا منطقی نتیجہ ہونا چاہیے یا بقول مولانا مناظر احسن گیلانی

مرحوم فقہ جدید کی تدوین یا اس کے انداز بیان کی اصلاح سے تعبیر ہے۔

میاں صاحب کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ جمود کو توڑنا چاہتے ہیں، مسائل کی تحقیق میں ایک گونہ آزادی چاہتے ہیں، ائمہ کا احترام پوری طرح ان کو ملحوظ ہے۔ لیکن معیار الحق کے جواب میں حضرات علما نے جو لہجہ اختیار فرمایا وہ یقیناً قابل شکایت حد تک تلخ ہے۔ اس دور کی کتابوں میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی کتاب ''ایضاح الادلہ'' خاصی تلخ اور تیز ہے۔ اور یہ جس کتاب کے جواب میں لکھی گئی غالباً وہ مولوی احسن امروہی نے قادیانی بپتسمہ لینے سے پہلے لکھی تھی۔ اس کا لب ولہجہ بھی کافی ناہموار اور قابل شکایت ہے۔ ①

تحریک جہاد کا مزاج:

سید احمد صاحب شہید کی تحریک میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور محدثین کرام دونوں مکاتب فکر کے آدمی موجود تھے لیکن فقہی جمود بالکل ناپید تھا۔ صراط مستقیم کے چار باب ہیں۔ یہ اصل میں سید احمد صاحب کی تصنیف ہے۔ اس کے دو باب کا ترجمہ مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید نے کیا اور دو باب کا ترجمہ مولانا عبدالحی صاحب بڈہانوی نے فرمایا۔

اول الذکر اہل حدیث مکتب فکر کے حامی تھے، اور مولانا عبدالحی صاحب حنفی مکتب فکر کی حمایت فرماتے تھے۔ پوری زندگی میں باہم آویزش نہیں لیکن یہ جمود جس کی دعوت آج کل دی جا رہی ہے اور جس تعصب کا مظاہرہ اب کیا جا رہا ہے ان

---

① مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ (۱۹۲۰ء م) نے دس سوالات پر مشتمل ایک اشتہار شائع کیا جس میں تقلید اور بعض دیگر مسائل کی بابت اربابِ تقلید سے استفسارات تھے اور جواب دینے پر انعام کا اعلان بھی کیا۔ چنانچہ اس کے جواب میں اصحابِ دیوبند نے ''اُدلہ کاملہ'' کے نام سے جواب رقم کیا جو بقول مولانا بٹالوی رحمہ اللہ مولانا قاسم نانوتوی کا تحریر کردہ تھا لیکن اسے مولانا محمود الحسن کی طرف منسوب کیا گیا، بعد ازیں ادلہ کاملہ کے جواب میں مولوی محمد احسن امروہی نے ''مصباح الأدلہ'' کے نام سے کتاب لکھی جس کا مولانا محمود الحسن نے ''اِیضاح لأدلہ'' کے نام سے جواب دیا، اور اسی آخر الذکر کتاب میں قرآنی آیت میں اضافے کا ارتکاب ہوا۔

بزرگوں سے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ سفرِ حج میں سید صاحب کے رفقا نے جابجا اس وسعتِ ظرف کا اظہار فرمایا جس کا تذکرہ سید احمد صاحب کے سیرت نگاروں نے اکثر کیا ہے۔

چونکہ جماعت میں جمود نہ تھا۔ وہ تقلید کے شکنجہ کو اتنا نہیں کسنا چاہتے تھے جس کا مظاہرہ آج کل دیوبند کے بعض حلقوں میں کیا جا رہا ہے۔ اس لیے اکابر دیوبند قلبی تعلق کے باوجود تحریک سے کچھ دُور دُور رہنے لگے، اور سیاسیات میں سرحد کے بجائے ترکی سے وابستگی بڑھنے لگی۔

اہل حدیث حضرات:

اس کے مرکز پر زیادہ اقتدار عظیم آبادی بزرگوں کا تھا۔ یہ حضرات اہل حدیث مکتبِ فکر کی طرف زیادہ مائل تھے۔ یہ اثر تحریکِ دہلی کے علاوہ تحریک میں یمن سے بھی آیا۔ سید صاحب کے بعض رفقا حج سے فارغ ہو کر یمن چلے گئے۔ امام محمد بن علی شوکانی سے سند حدیث حاصل کی۔ ان حضرات نے بھی جماعت کے مزاج کو متاثر کیا۔ قدرتی طور پر ہندوستان میں بھی جماعت کی اعانت کے متعلق جوہری تعلق اہلحدیث سے ہوتا گیا۔ چنانچہ انبالہ کیس کے بعد انگریزی حکومت نے ساری دار وگیر میں اہلحدیث ہی کو نشانہ بنایا۔

۱۹۱۵ء میں مولوی عبدالرحیم صاحب اور کچھ لڑکے کالج سے بھاگ کر سرحد پار چلے گئے۔ ان میں مولانا محمد علی قصوری بھی تھے۔ گرفتاریوں میں پورے علماء اہل حدیث کی کھیپ حکومت کی زد میں آ گئی۔ میاں عبدالعزیز ان دنوں محکمہ سی آئی ڈی کے انچارج تھے۔ وہ خاندانی طور پر علماء اہل حدیث کی ان مساعی کو جانتے تھے۔ وارنٹ جاری ہونے کو تھے کہ مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیرہ علماءِ اہلحدیث حکام بالا سے ملے۔ بمشکل یہ گرفتاریوں کی وبا ٹل سکی۔

حضرت میاں صاحب:

اس سے قبل انبالہ کیس میں حضرت میاں صاحب کو خواہ مخواہ دھر لیا گیا۔ حضرت میاں صاحب، میر عبدالغنی صاحب سورج گڑھی اور میاں عطا محمد صاحب تینوں حضرات ایک سال تک راولپنڈی جیل میں رہے۔ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے میاں صاحب کے کاغذات کی جانچ پڑتال کی۔ کوئی ثبوت نہ ملنے پر سال کے بعد میاں صاحب کو رہا کر دیا گیا۔

ایک دفعہ مسٹر چیمبرلین نے حضرت میاں صاحب کو تحقیقات کے سلسلہ میں پشاور طلب کیا۔ میاں صاحب پشاور پہنچے، چیمبرلین راولپنڈی آ گیا، میاں صاحب راولپنڈی پہنچے تو چیمبرلین صاحب انبالہ آ گئے۔ چیمبرلین کا انتقال انبالہ میں ہو گیا۔ میاں صاحب کے بیانات کسی قائم مقام نے راولپنڈی میں لیے، بمشکل پیچھا چھوٹا۔

انبالہ کیس کے بعد:

انبالہ کیس کے بعد عظیم آبادی خاندان کے علاوہ یو۔ پی، بنگال، بہار میں تحریک کے اکثر کارکن اہل حدیث تھے۔ ۱۹۲۱ء کے قاضی کوٹ بم کیس کے تمام ماخوذین اہل حدیث تھے۔

محترم بابو عبدالعزیز صاحب دفتر اکاؤٹینٹ لاہور، مولوی الٰہی بخش صاحب بمبانوالہ، میاں محمد رمضان صاحب وزیر آبادی، مستری محمد ابراہیم صاحب نظام آبادی، قاضی عبدالرؤف صاحب قاضی کوٹ، قاضی عبیداللہ صاحب قاضی کوٹ، میاں محمد حسین صاحب کوٹ بھوانیداس (گوجرانوالہ) میاں خان محمد صاحب فیروز پوری مرحوم، مولانا فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی انھی ایام میں یہاں سے مفرور ہو کر چمرقند چلے گئے۔ یہ سب حضرات اہلحدیث تھے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اقامتِ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کے متعلق اس گئے گزرے دور میں بھی سنت صحیح کے مطابق خدمت ان گنہگاروں نے کی جن کی تکفیر اور وہابیت کی

منادیاں آج بھی ہو رہی ہیں، توقع ہے کہ اپنے حسن عمل سے نہ سہی ان حضرات کی طنز آمیز عنایات اور توہب و تکفیر کے فتوے ہی شاید نجات کا ذریعہ ہو جائیں ؎

أجد الملامة في هواك لذيذة
حباً لذكرك فليلمني اللوم ①

پاکستان بن جانے کے بعد:

آج جبکہ پاکستان بن چکا انگریز بظاہر چلا گیا۔ ہندو اور سکھ بھی چلے گئے۔ ایک عامی ذہن محسوس کرتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔

لیکن ذرا غور سے آپ ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کافر کے چلے جانے سے کفر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بے حیائی، بد معاملگی، عیاشی، بدکاری انگریزی دور سے زیادہ مضبوط ہے اور تقویٰ، خدا ترسی آج بھی یتیم ہے۔ اس کی مسکنت اور غربت آج بھی کسی ایسے سید احمد اور کسی اسماعیل کی منتظر ہے۔ آج کی دنیا بھی گوش بر آواز ہے کوئی ولی اللہ اور کوئی شاہ عبدالعزیز پیدا ہو۔ یہ داعیہ روز بروز بڑھ رہا ہے کہ تجدید دین کے لیے پھر کوئی مجدد الف ثانی میدان میں آئے۔ شرک و بدعت کا شیوع، تشیع اور قادیانیت کی طغیانیاں آج کسی حریف اور رقیب کے لیے چشم براہ ہیں۔ حق و صداقت کے داعی اور طلب گار دست بدعا ہیں کہ طاغوتی طاقتوں سے دو ہاتھ کرنے کے لیے پھر کوئی بالا کوٹ بنایا جائے۔ دریائے سندھ کی لہریں خونی شہادت سے پھر غسل کریں۔ مجاہدین کی لاشیں اٹک کی لہروں پر پھر سوار ہوں۔ آسمان کے قدوسی فرشتے پھر صف بہ صف اسی نظارہ کو دیکھنے کے لیے زمین پر اتریں اور امت محمدیہ کے پرشکوہ نوجوانوں کی خاک آلود پیشانیاں آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھیں اور کفرستانِ ہند آسمان کے پاکبازوں سے پھر آشنائی پیدا کریں اور خدائے قدوس پھر اپنی رحمت کی بارش کرے۔ آسمانِ دنیا

---

① تیرے عشق میں مجھے ملامت لذیذ محسوس ہوتی ہے، تیری یاد کی محبت میں مجھے کمینگی بھی ملامت کرے تو کر لے۔

سے پھر آواز آئے: هل من مستغفر فأغفرله؟ ①

بجرم عشق تو ام می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست ②

(الاعتصام، شمارہ: ۴۳، جلد: ۸، ۲۴ رمئی ۱۹۵۷ء)

---

① دیکھیں: صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۵۸)

② تیرے عشق کا جرم مجھے یہاں کھینچ لایا ہے تم بھی سر بام خوش تماشا ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اقامتِ دین

اور

آزادی کی پہلی انقلابی جدو جہد

اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں، جبکہ فرنگی کارواں درکارواں ہندوستان کے ساحل پر تاجرانہ انداز میں اتر رہے تھے، مغل بادشاہ مکافاتِ عمل میں مبتلا تھے، اور یہ طاقت ورحکومت، جس نے صدیوں اس ملک کے سیاہ وسفید پر قبضہ جما رکھا تھا، رختِ سفر باندھے پابرکاب تھی۔ یہ چراغ ٹمٹما رہا تھا، اربابِ بصیرت جان رہے تھے کہ یہ نظامِ حکومت اب کچھ دنوں کا مہمان ہے۔ مغل دربار جو صدیوں تک اسلام کی غلامی کے دم بھرتے بلکہ اچھے وقتوں میں اسلام کی بہترین خدمت کر رہے تھے اب ان کے ہاں عیاشیاں تھیں، رنگ و راگ تھا، موسیقی ان کے محلوں، درباروں اور خواب گاہوں میں پوری قوت سے مسلط تھی، بدکار اور آوارہ مزاج عورتیں عشوہ وزنا کی وجہ سے گھر کی عفیف اور پاکیزہ خوشہزادیوں سے گوئے سبقت لے جا رہی تھیں۔

توحید کے داعی اور سنت کے عاشق بادشاہوں کی اولاد مشرکانہ رسوم اور بدعات میں مبتلا ہو رہی تھی، مجالسِ عزا کا اثر درباروں سے نکل کر خلوت گاہوں اور تہہ خانوں تک پہنچ چکا تھا۔ ایسا محسوس تھا کہ قضا وقدر ﴿يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا أَمْثَالَكُمْ﴾ کا آخری فیصلہ صادر کر چکی تھی۔ علماءِ حق مغل درباروں سے بے امید ہو چکے تھے۔ جس طرح عباسی حکومت بدعتِ تجہم اور اعتزال کی وجہ سے آخری ہچکیاں لے کر ختم ہوگئی تھی، مغل درباروں میں مخنث، قوال اور ذاکر حضرات آخری فاتحہ کے منتظر تھے۔ اکبر کی بین الملی پالیسی اورنگ زیب رحمہ اللہ کی

توحید پروری پر فتح حاصل کر چکی تھی، حضرت علی المتقی، شیخ محمد طاہر اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے پاکیزہ اثرات ایک ایک کر کے فنا ہو چکے تھے۔ ان کی جگہ ابو الفضل، فیضی، ملا مبارک کے خانوادہ نے سنبھال لی تھی۔ لالچ اور ابن الوقتی پورے عروج پر تھی۔

اہلِ حق کی مساعی:

علماءِ حق درباروں سے مایوس ملت کی حفاظت کے لیے کچھ دوسری تجویزیں سوچ رہے تھے۔ ان کے لیے بدعات اور عیاشیوں کی گرم بازاری کے علاوہ فرنگی کا ہمرنگِ زمین جال بھی کافی تشویش کا موجب تھا۔ وہ نہ تو اس برائے نام اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت پسند فرماتے تھے اور نہ جرأت پاتے تھے کہ فرنگی کا داخلہ بند کر دیں، اسے تجارتی مراعات سے محروم کر دیں، نہ حالات ہی اس قدر سازگار تھے کہ بدعات کے خلاف جہاد کا علم بلند کر دیں۔ وہ جان رہے تھے کہ ایک بہت بڑی شہنشاہیت پارہ پارہ ہو رہی ہے، جابجا بغاوتیں پھوٹ رہی ہیں، اندرونِ ملک میں جہالت کا دور دور ہے، عوام کی قوتِ فکر مفلوج ہو چکی ہے، وہ اپنا نفع ونقصان سوچنے سے قاصر ہیں۔

اپنے وقت کا عظیم الشان مفکر:

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ان سارے حالات کا مطالعہ فرما کر علمی علاج اور فکری اصلاح کے لیے "حجة الله البالغه" اور "إزالة الخفاء" ایسی دو عظیم الشان کتابیں لکھیں، علما کے جمود کو توڑا، قرون وسطیٰ کے تصوف کی تاریکیوں کے متعلق بھی کچھ مختصر سے اشارات فرمائے۔ حجۃ اللہ میں ان شبہات کا جواب تھا جو انگریزی تہذیب اور تعلیم کے دامن میں قطار در قطار اتر رہے تھے۔ ازالۃ الخفاء میں ان اعتقادی اور عملی بدعات کی نشاندھی تھی جو صدیوں سے مغل دربار کی غلط بخشیوں کی بدولت پروان چڑھ رہی تھیں۔ یہ کتابیں فکر کی سلامتی اور علم دانا کی جیتی جاگتی دلیل ہیں، نہ ان میں غلو ہے نہ انارکی کے جراثیم۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیادت اپنی رفعتوں کے باوجود قومی ذہن کی انتہائی پستیوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ دور اندیشی اور ٹھنڈے دماغ سے

مرض اور اس کا علاج پوری طرح سوچ لیا گیا ہے۔ شاید حضری طور پر دردمند اور مخلص رفقا کا ایک تیز رفتار قافلہ منزلِ مقصود کی طرف چل نکلا تھا۔ شاہ ولی اللہ کے شاگرد، ساتھی اور فرشتہ سیرت بیٹے پوری اطاعت شعاری سے اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروگرام کی تکمیل میں مشغول تھے۔ فتاویٰ عزیزی، تحفہ اثنا عشریہ، تفسیر فتح العزیز، قرآن مجید کے تراجم شاہد ہیں کہ یہ قافلہ راہ کی صعوبتوں کے باوجود کس سرعت اور جرأت سے منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ رحمة الله عليهم

أولئك آبائي فجئني بمثلهم
إذا جمعتنا يا جرير المجامع ①

اقامتِ دین:

حضری اصطلاح کے مطابق مجھے اعتراف ہے کہ اس مقدس جماعت کا کوئی منشور میرے پاس موجود نہیں لیکن لٹریچر اور پروگرام میں وہ سب کچھ موجود ہے آج کل کی حضریت کو جس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ خلوص، حسنِ عمل، احساسِ ذمہ داری اور اعتمادِ نفسی کے وہ جوہر یہاں موجود ہیں آج کی حضری تحریکیں جس سے یکسر ناآشنا ہیں۔ عہدوں کی ہوس اور کبر بعنوان خودی کے نام تک موجود نہیں۔ اقامتِ دین کے لیے وہ سب کچھ کیا گیا جس کی اس وقت ضرورت تھی، اور جو کچھ ان ظروف و احوال میں ممکن تھا۔ ملت سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا گیا۔ اتنا بڑا مقدس لٹریچر ملک کے سامنے رکھا جس سے صدیوں ملت مستفید ہوگی۔ مگر اس میں بزنس اور بیوپار کا رنگ قطعاً پیدا نہیں ہونے دیا، آج کی ''دعایۃ'' جس کی روح یہ ہے کہ رائی کو پہاڑ دکھایا جائے، وہاں نام تک موجود نہیں۔ بےنوا فقیر جھونپڑیوں میں بیٹھ کر آسمانی بادشاہت کے سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر کروڑ کروڑ رحمت فرمائے۔

---

① یہ ہیں میرے آباواجداد، اے جریر! کوئی ان جیسا محفل میں لا کر تو دکھا!

وقت کی ضرورت:

تحریک بڑھتی گئی، لٹریچر پھیلتا گیا، دور اندیش دشمن نے پوری طرح بھانپ لیا کہ نشانہ کہاں ہوگا؟ اس نے اپنی ساری طاقتوں کو میدان میں جھونک دیا، سکھ انگریز کچھ کم طاقت ور نہ تھے۔ ان کا حاکمانہ نظم ونسق پوری تحریک کو کچل سکتا تھا۔ اس کے ساتھ علماءِ سوء اور رفض کی ظاہر اور باطنی قوتیں صف آراء ہوگئیں۔ ایمان کے ٹھیکیدار کفرِ وہابیت کے گولے اہل توحید پر برسانے لگے۔ علم وشعور کی فراوانی کے بعد جب ضرورت محسوس ہوئی کہ اب میدانِ جنگ میں خون مطلوب ہے تو نیپال کی ترائیوں سے لے کر سندھ کے ریگستانوں تک اور سندھ کی بادِ سموم سے گزر کر یاغستان کی برف پوش پہاڑیوں تک شمعِ شہادت کے پروانے خاک وخون میں تڑپتے نظر آئے۔ عشق ومحبت کی داستان، جو تیرہ سو سال گزرنے سے کچھ پارینہ ہورہی تھی، اسے پھر تازہ کر دیا گیا۔ عہدِ وفا کی ایک بار پھر تجدید ہوئی، آسمان کے فرشتوں نے بدر وحنین کی مثالیں ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را①

اقامتِ دین کا نظم:

بلا معاوضہ اور حسبتاً للہ کام کرنے والوں نے دنیا کے سامنے خلوص کا ایک نمونہ رکھا، چنے کھا کر ہزاروں میل کا سفر طے کیا۔ جماعت کے ہزاروں پاؤنڈ بغل میں ہیں لیکن یہ سفر فاقوں سے ہو رہا ہے۔ تاکہ ملت کی امانت جوں کی توں ملت کے خزانوں میں پہنچ جائے۔ نظم کی پابندی، بے مثال اطاعت، تقویٰ اور عبادت میں خلوص، اور شہادت ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی زبان سے سنیے۔ (ملاحظہ ہو: ہمارے ہندوستانی مسلمان)

---

① خاک وخون میں لوٹ پوٹ ہو کر انھوں نے اچھی رسم کی بنیاد رکھ دی، خدا ان نیک خو عاشقوں پر رحم فرمائے!

قافلہ کن راہوں سے گزرا؟

اقامتِ دین اور آزادی کی اس جدوجہد کو کیا کچھ پیش آیا؟ یہ کن راہوں سے گزری؟ اس کے لیے انبالہ بم کیس کی مِسل ملاحظہ فرمایئے۔ مولانا جعفر تھانیسری کی تواریخ عجیبہ اور کالا پانی پڑھیئے۔ مولانا احمد اللہ ایسے مقدس اور فاضل بزرگ کے حالات پڑھیئے۔ جس نے اسّی سال کی عمر میں بیڑیاں زیب تن کیں۔ زنجیروں کے بوجھ سے گردنیں جھکی جا رہی تھیں، بیڑیوں اور زنجیروں کی جھنکار کے ساتھ عدالت کے کمرے اذان کی آواز سے گونج گئے۔ ہر دو تحریک حق نے ۱۸۵۷ء سے شروع کر کے آج تک آزادی وطن اور اقامتِ دین کا کام کیا۔ صادق پوری خاندان کو دیکھیے، جنھیں آج بمشکل اسی شغل سے کسی قدر فرصت ملی۔ مولانا قاسم نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور حضرت عبداللہ غازی پوری، جن کی قیمتی عمریں اور لاکھوں روپیہ کی جائداد تھی جو آزادئ وطن اور اقامتِ دین کی نذر ہوگئیں۔

انبالہ بم کیس سے قاضی کوٹ بم کیس تک، جو پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۱۸ء کے پس و پیش واقع ہوا، اہل توحید اور اصحاب سنت نے اس تحریک میں پیہم کام کیا۔ کبھی یہ تحریک میدانِ جنگ کی زینت تھی اور کبھی مصالح نے اسے انڈر گراؤنڈ ہونے پر مجبور کر دیا۔ کبھی یہ تحریک فرنگی کی انتظامیہ کے لیے دردسر بنی اور کبھی عدلیہ نے اس پر طبع آزمائی کی، لیکن اس کی کوششیں اس وقت تک جاری رہیں جب تک پاکستان کی صورت میں اسے جزوی کامیابی نہیں ہوگئی۔ پرانے حضرات کو جانے دیجیے شاید وہ حافظوں میں نہ ہوں۔ مولانا عبدالرحیم عرف مولانا بشیر احمد کو آپ جانتے ہیں جو لاہور سے ہجرت کر کے ہمیشہ کے لیے یاغستان میں جا بسے اور وہیں شہید ہوئے۔ مولانا محمد علی قصوری مرحوم مدتوں کابل اور یاغستان میں رہے۔ مولانا عبدالقادر قصوری کی دلچسپیاں کسے معلوم نہیں؟ مولانا عبدالاول غزنوی کو کون نہیں جانتا؟ امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی مرحوم سے کون ناواقف ہے؟ قاضی عبدالرؤف بم کیس مجرم ابھی زندہ

ہیں۔ محمد حسین مرحوم ضلع گجرانوالہ جس نے عمر قید کاٹی، جبل پور جیل سے اسے رہا کیا گیا جبکہ عزرائیل اس کے انتظار میں موجود تھا!

آج کی تحریکاتِ اقامت دین:

میں بھول نہیں رہا، ان ایام میں بعض بزرگوں نے اقامتِ دین کے نام سے کچھ کام کیا، اس کے لیے لٹریچر چھپایا، بیچا، جلسے کیے، حضری پروپیگنڈہ کیا، شرائط کو کافی حد تک پورا فرمایا۔ میرے خیال میں اس سے فائدہ بھی ہوا۔ مجھے کسی کی تنقیص مقصود نہیں مقصود ان مساعی کا تذکرہ ہے جو اہل حق نے اس راہ میں کیں، اور ان مصائب کی یاد کو تازہ کرنا ہے جو آزادی کی راہ میں ان کو پیش آئیں۔ یومِ آزادی کا سہرا کسی شہرت پسند اور ابن الوقت جماعتوں کے سر باندھ دیا گیا تو یہ مخلص کارکنوں پر ظلم ہوگا۔ اور ان جماعتوں کی توہین ہوگی جنھوں نے برسوں اس میں پورے خلوص سے کام کیا اور انگریز کے پاؤں اکھیڑنے میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت مسیح اور حضرت مہدی کو سارے مسلمان مانتے ہیں؟ اور صدیوں سے مانتے چلے آئے ہیں۔ کتنا بڑا ظلم ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ مسیح اور مہدی کے تذکرے صرف قادیانی تحریک سے زندہ ہیں؟ ہمیں معلوم ہے کہ علماءِ امت نے حضرت مسیح کا تذکرہ جب پورے عقیدہ سے کیا لیکن ہمارے قادیانی دوستوں نے اس میں صرف اس قدر جدت فرمائی کہ مسیح اور مہدی کو فروخت کرانے میں ان کی تجارت کی ایک راہ پیدا کر دی۔ بہر حال دستور اسلامی اور تحریک اقامتِ دین کے ہر کسی پجاری نے اس پر برسوں عقیدت مندی سے کام کیا۔ کسی نے وقتی طور پر اس سے فائدہ اٹھایا۔ كل ميسر لما خلق له، ❶ وإنما الأعمال بالنيات. ❷

(المنبر، استقلال نمبر، شمارہ: ۲۴۔۲۳، جلد: ۴، ۱۶/ اگست ۱۹۶۰ء)

---

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٦٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٤٧)

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث (١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٠٧)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت اہلحدیث

اور

نوائے پاکستان کا ایک خط

نوائے پاکستان مورخہ یکم ستمبر ۱۹۵۷ء میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا ایک خط شائع ہوا ہے، غلط تحریکات کی فہرست میں مولانا نے جماعت اہلحدیث کا تذکرہ فرمایا۔ مرحوم زندہ ہوتے تو شاید ہماری گزارشات کا لہجہ آج سے کسی قدر مختلف ہوتا، مگر اب مولانا اُس دنیا میں چلے گئے ہیں جہاں ان کے لیے دعائے مغفرت کے علاوہ کچھ کہنا مناسب نہ ہوگا، اس لیے ہم اس کے سوا ان کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتے، البتہ جماعت اہلحدیث یا تحریک اہلحدیث کے متعلق عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ مولانا کے خط سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں ان سے ذہن محفوظ رہیں۔

مولانا کے خط سے مندرجہ ذیل اغلاط پیدا ہوسکتی ہیں:

1. تحریک اہلحدیث مدراس سے شروع ہوئی۔
2. سید احمد شہید رحمہ اللہ، شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک وہابی تحریک تھی۔
3. بعض غلط تحریکوں میں اہلحدیث زیادہ شامل ہوئے۔
4. سیاست میں اہلحدیث انگریز کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔
5. کانگریس میں اشتراک کے لیے مولانا کے دادا نے فتویٰ دیا، اہل حدیث نے اس کی تصدیق نہیں کی۔

٦ بریلویوں نے اس فتویٰ کی تصدیق کی، اہلحدیث نے نہیں کی۔

ذیل کی گزارشات ان مغالطات کی اصلاح کے لیے پیش کی جا رہی ہیں۔

کیا اہلحدیث مکتب فکر مدراس سے شروع ہوا؟

اہل حدیث مکتب فکر کا تعلق مدراس یا کسی دوسرے ملک سے نہیں، یہ مکتب فکر اتنا قدیم ہے جس قدر متعارف ائمہ مجتہدین کے مکاتب، بلکہ اتنا فرید تقدم جس قدر کہ قرآن عزیز اور احادیث نبویہ کو ائمہ مجتہدین سے حاصل ہے۔ اگر اس نام کی کوئی تحریک مدراس سے شروع ہوئی ہو تو مولانا مرحوم واقف ہوں گے، ہم لوگ باوجود اہلحدیث ہونے کے مدراسی تحریک سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ اگر یہ فقرہ از قسم طنز ہے، جیسا کہ مرحوم اور ان کے خاندان کی عادت ہے، تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے، وہ ایسی دنیا میں پہنچ چکے ہیں جہاں انھیں عفو کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

اہل حدیث اور اہل الرائے:

ابن خلدون فرماتے ہیں:

”وانقسم الفقه فيهم إلى طريقين: طريقة أهل الرأي والقياس، وهم أهل العراق، و طريقة أهل الحديث، وهم أهل الحجاز.“

(مقدمہ ابن خلدون، ص: ۳۸۹)

”فقہ کے دو طریق ہو گئے: اہل عراق کا طریق جو اہل الرائی والقیاس کے نام سے مشہور تھے اور اہل حدیث کا طریق، جن کا مرکز حجاز تھا۔“

حضرت شاہ ولی اللہ ﷫ نے حجۃ اللہ جلد اول کے متعدد اوراق میں ان دونوں مکاتبِ فکر کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ (۱/ ۱۱۸) ایک باب کا عنوان یہ ہے:

”باب الفرق بين أهل الحديث وأهل الرأي“

اس کی تفصیلات (۱/ ۱۲۹) تک چلی گئی ہیں۔

امام عبدالعزیز بن احمد بخاری (۴۸۱ھ) شارح اصول بزدوی کشف الاسرار شرح

اصول بزدوی میں اہل حدیث کا تذکرہ بار بار فرماتے ہیں۔ فتح الباری، نووی شرح مسلم، غایۃ التحقیق شرح حسامی وغیرہ کتب شروح میں یہ تذکرہ آپ کو عام طور پر ملے گا۔① وہ باقی مکاتب فکر کے ساتھ اہل سنت کے اس مکتبِ فکر کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔

علماءِ مقالات میں سے شہرستانی اور ابن حزم نے بھی یہ تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت امام ابو منصور عبدالقاہر بغدادی (۴۲۹ء) نے "الفرق بين الفرق" میں اہل الرائے اور اہل حدیث کے دونوں مکاتب فکر کو "أهل السنة والجماعة" کے مکتب فکر سے تعبیر فرمایا ہے:

> "والصنف الثاني منهم أئمة الفقه من فريقي الرأي والحديث من الذين اعتقدوا في أصول الدين مذهب الصفات." (ص: ۱۰۰)
>
> "دوسری قسم وہ ائمہ فقہ ہیں جن کا تعلق اہل الرائے سے ہے یا اہل حدیث جن کا مسلک اصول دین میں صفات پر بلا تاویل ایمان لانے کا ہے۔"

مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم کے اس اکتشاف کو کہ یہ تحریک مدراس سے شروع ہوئی "الہامی" ہی کہا جا سکتا ہے، واقعات سے تو اس کی تائید مشکل ہے۔ بعض اہل علم میں یہ مرض ہے کہ وہ حقیقتِ حال کا اظہار فرماتے ہوئے بسا اوقات حقائق پر کثیر پردے ڈال دیتے ہیں، ہر مکتب فکر میں کم و بیش یہ مرض پایا جاتا ہے۔ إلا من عصمه الله، مولانا کے اس اکتشاف کو مسامحت ہی کہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے!

وہابی تحریک:

مولانا موصوف نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک کو وہابی تحریک سے تعبیر فرمایا ہے، انگریز نے واقعی اپنی مصالح کے پیش نظر اس تحریک کو بدنام کرنے کے لیے وہابی تحریک کہا ہے مگر یہ حقائق اور واقعات کے لحاظ سے قطعی جھوٹ ہے اور دجل۔ میں یہ یقین نہیں کرتا کہ مولانا ایسا فرنگی دشمن انسان اس جھوٹ اور

---

① اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

دجل کو نقل کے طور پر بھی قبول کر لے۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے شہیدین کی تحریک کو محمد بن عبدالوہاب کی نجدی تحریک سے کوئی تعلق نہیں، سید صاحب رحمہ اللہ اور شاہ صاحب رحمہ اللہ جب حج کے لیے تشریف لے گئے اہل نجد کی آمد و رفت حجاز میں بالکل بند تھی۔ تاریخی طور پر کوئی وقت ایسا معلوم نہیں ہوتا جس میں ان دونوں تحریکوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا ہو، البتہ مولانا ولایت علی اور مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی کا امام شوکانی سے استفادہ ثابت ہوتا ہے جو اس وقت یمن کے بہت بڑے محقق عالم تھے لیکن سیاستاً یمن بھی ان دنوں نجد سے برسر پیکار تھا، یمن کی زیدی حکومت کو نجدی مسلمان بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے قربِ مکان کے باوجود ممکن نہیں کہ یہ حضرات اثنائے تلمذ میں نجدی عقائد یا سیاسیات سے کوئی اثر لے سکے ہوں، البتہ توحید اور اس کی اشاعت میں یہ دونوں تحریکیں دوش بدوش ہیں، کیونکہ تقویۃ الایمان اور کتاب التوحید دونوں کا ماخذ قرآن ہے اور سنت صحیحہ۔ اس لیے ہندوستان کے اہل توحید کو وہابی کہنا اتنا ہی بے محل ہے جیسے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ❶ !!

متحدہ ہندوستان کی تحریک جہاد کو وہابی تحریک سے تعبیر کرنا اسی پس منظر کا نتیجہ ہے جو مولانا کے ذہن کو کبھی کبھی گدگداتی رہتی تھی۔ عفا اللہ عنہ!

اہلحدیث اور انگریز:

یہ حقیقت ہے کہ مئی ۱۸۳۱ء کے سانحہ بالاکوٹ تک سید احمد شہید رحمہ اللہ کے رفقا میں دونوں مکاتب فکر کے آدمی موجود تھے۔ سرحد کی مصالح کی بنا پر لشکر کے لوگ ظاہری سنن پر عمل نہیں کرتے تھے لیکن جن لوگوں نے تقویۃ الایمان، تذکیر الاخوان،

---

❶ قریش مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو استخفاف کے پیش نظر ابو کبشہ کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ (صحیح البخاري، رقم الحدیث: ۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۷۳) ابو کبشہ کون تھا؟ اس بارے میں علمائے انساب کی مختلف آراء ہیں۔ بیشتر شارحین اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے کوئی غیر معروف شخص قرار دیتے ہیں، اور اہل عرب کی عادت تھی کہ جب وہ کسی شخص کی اہانت کا ارادہ کرتے تو اسے غیر معروف نسب کے ساتھ ذکر کر دیتے۔ دیکھیں: فتح الباري (۱/ ۴۰) شرح مسلم للنووي (۱۲/ ۱۱۰)

صراط مستقیم، تنویر العینین، ایضاح الحق الصریح وغیرہ جماعت کے لٹریچر کو بغور پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ تحریک کا رخ کس طرف تھا؟ وہ لوگ جہاں ظاہری بدعات کے خلاف تھے فقہی جمود کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ شہیدین کی قوت قدسی تھی کہ لشکر میں دونوں مکاتب فکر میں نمایاں طور پر کبھی تصادم نہیں ہوا، لیکن سانحہ بالاکوٹ کے بعد ہوسکتا ہے کہ حضرات دیوبند کی دلی ہمدردیاں تحریک کے ساتھ ہوں مگر عملی طور پر ذمہ داریوں سے قریباً الگ ہی رہے۔ تحریک کی تنظیم جدید میں صادقپوری خاندان آگے آ گیا، یہ لوگ اہلحدیث مکتب فکر سے کافی متاثر تھے، اکابر دیوبند اس وقت تحریک سے بے امید ہوکر تعلیم میں مشغول ہوچکے تھے، اس میں انھیں یہ بھی تسکین تھی کہ وہ اس طرح حنفی مکتب فکر کی بھی خدمت کرسکیں گے اور انھیں اس پریشانی سے بھی آرام مل سکے گا جو جہاد اور اس کے اسباب کی فراہمی میں ناگزیر ہے، لیکن صادق پوری حضرات نے تحریک حریت کی ساری ذمہ داریاں اپنے سر پر لے لیں، جب تک کام کھلے طور پر چل سکا چلتا رہا، جب اخفاء کے سوا چارہ نہ رہا تو کام مخفی کر دیا گیا۔ ڈاکٹر ہنٹر کی رپورٹ سے اس تحریک کے مختلف ادوار کی تاریخ مرتب ہوسکتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں میں ہر دو مکتب فکر کے آدمی موجود تھے لیکن ذمہ داری اربابِ صادق پور پر تھی، یہ ہی لوگ اس وقت پوری تحریک کی روح رواں تھے۔

عراقی مکتب فکر کے اساطین تحریک سے روز بروز الگ ہو رہے تھے اور دُور سے دور تر ہوتے گئے، مولانا محمد قاسم نانوتوی مرحوم، مولانا رشید احمد مرحوم انگریز کے مخالف تھے مگر عملاً تحریک میں کوئی نمایاں حصہ ان کا دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمود الحسن مرحوم نے ۱۹۱۴ء کی بڑی جنگ میں جب ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ فرمایا تو جماعت مجاہدین کی بجائے ترکی سے تعلقات استوار کیے اور ریشمی خطوط کے افسانہ نے انگریز مصنفین اور یورپین سیاستدانوں میں بے حد شہرت پائی۔ رولٹ کی تحقیقاتی رپورٹ میں خاص طور پر اس کا تذکرہ آیا، حالانکہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن جو

کام کرنا چاہتے تھے سرحد اس کے لیے زیادہ سازگار میدان تھا لیکن یہ سابقہ تحریک سے بالکل الگ ایک نئی تحریک تھی جس کے اسباب و دواعی کی پوری تفصیل مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ یا مولانا حسن احمد ہی کو معلوم ہوسکتی ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ یہ مسئلہ سابقہ تحریک سے بالکل الگ تھا اور طریق کار بھی بالکل مختلف۔

حضرات اہلحدیث:

اس وقت ملک میں مختلف محاذ بن گئے، مسیحی اور سماجی تحریکیں ملک میں شروع ہوگئیں، تھوڑی دیر بعد قادیانی اور چکڑالوی تحریک بھی شروع ہوچکی تھی، ایک زندہ جماعت کے لیے کسی محاذ سے صرف نظر مشکل تھا۔ حضرات دیوبند کا لب ولہجہ بھی اہلحدیث تحریک کے متعلق خاصہ تلخ ہوتا جا رہا تھا، عراقی مکتب فکر کے مدارس نے یہ احساس بھی پیدا کر دیا تھا کہ تعلیمی اور تعمیری کام کے سوا بھی جماعت کا قیام اور استحکام مشکل ہے۔ سرسید احمد خاں کی نیچر نوازی اور حکومت پرستی نے ایک نئی صورت حال کو نمایاں کر دیا تھا۔ سرسید کے اس نئے انداز فکر سے اہل حدیث کے عقائد اور اعمال سے براہ راست تصادم تھا، جسے اہلحدیث کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ سرسید کے بعض اعمال اور افکار سے تحریک کو بالواسطہ کچھ فائدہ پہنچا کیونکہ سرسید کے مقاصد کے لیے دیوبند اور بریلی کے فقہی جمود یکساں مضر تھے، سرسید نے اس راہ میں جو کام کیا اس سے بالواسطہ تحریک حریت فکر کو فائدہ پہنچا، جسے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب ایسے ظاہر بین اور جماعت کی نقل وحرکت سے بے خبر حضرات نے انگریز کے ساتھ تعاون سے تعبیر فرمایا۔ وشتان بينهما!

قدرتی تقسیم:

میری معلومات کے مطابق اکابر جماعت اتفاقاً ایسی راہ پر چل پڑے جسے تقسیم کار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا حافظ عبدالمنان صاحب، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب (پشاور) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب عمر پوری، مولانا محمد بشیر

صاحب سہسوانی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، حضرت مولانا حسین بن محسن الانصاری الیمانی تعلیم کے میدان میں آ گئے، قلت وسائل کے باوجود ان حضرات نے اتنا کام کیا جس پر حیرت ہوتی ہے، ہر طرح دنیوی وسائل سے بے نیاز ہو کر ان بزرگوں نے تدریسی خدمات انجام دیں، سینکڑوں کی تعداد میں اہل علم ان سے مستفید ہوئے۔ اس وقت تک ان مدارس کے فضلا کی ایک بہت بڑی تعداد ملک کے اطراف و اکناف میں تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے علوم دین اور مسلک کی خدمت کرتی رہی ہے۔

تصنیف و تالیف:

حضرت نواب سید محمد صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ، مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی، مولانا ابو الحسن سیالکوٹی (صاحب فیض الباری شرح اردو صحیح بخاری) مولانا شمس الحق صاحب ، مولا تلطف حسین صاحب عظیم آبادی، نواب وحید الزمان مرحوم، مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوری، حضرت مولانا غلام حسن صاحب سیالکوٹی، مولانا محمد غزنوی، مولانا عبدالاول، مولانا عبدالغفور غزنوی، شیخ محی الدین مرحوم، قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا محمد حسین بٹالوی نے تالیف و تصنیف اور طبع و اشاعت کا کام سنبھال لیا اور لاکھوں صفحات پر پھیلا ہوا لٹریچر شائع کر دیا۔ ان حضرت کی مساعی سے بہت بڑا خلا پُر ہو گیا، حدیث، شروح و تراجم حدیث اور سلفی مکتب فکر کی بہت سی کتب ہندوستان میں آ گئیں۔ فتح الباری، حجۃ اللہ، سبل السلام، نیل الاوطار، ازالۃ الخفا ایسے نایاب جواہر ان حضرات کی مساعی سے دستیاب ہوئے۔

جہاد اسلامی:

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا سعید الحق، مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، حضرت مولانا عبدالقادر قصوری، حضرت مولانا عبدالاول غزنوی، امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی، مولانا عبدالرحیم

عرف مولانا محمد بشیر، مولانا اکبر شاہ ستھانوی، صوفی ولی محمد فتوحی والا، صادق پوری حضرات نے سید شہید کے مشن کو کامیاب بنانے کی ذمہ داری اپنے سر پر لے لی اور اس نظم سے کام کیا کہ پون صدی تک انگریز کو پریشان کر دیا، کوہستان کی برفانی پہاڑیاں انگریز کے لیے جہنم سے کم نہ تھیں، معمولی سی دانشمندانہ حرکت سے یہ حضرات انگریز کے خزانے خالی کر دیتے تھے۔

حضرات دیوبند کا طرز عمل:

اس دور میں انگریز کے ساتھ دشمنی کی حد تک حضرات دیوبند اسی تحریک کے ساتھ تھے مگر عملی مساعی کی حد تک ان حضرات نے اس نہج پر کچھ نمایاں کام نہیں کیا۔ اس تلخ نوائی سے معاف کیا جائے کہ کتاب ''علماءِ ہند کا شاندار ماضی'' تاریخ پر ایک ظلم ہے، جس میں یا تو علماء اہلحدیث کا نام ہی نہیں لیا گیا اور اگر کہیں لینا پڑا ہے تو اس پر اتنا کثیف پردہ چڑھایا گیا ہے جس سے یہ ظاہر ہی نہیں ہوتا کہ صاحب واقع کا مسلک کیا تھا؟ بلکہ یہ کوشش فرمائی گئی ہے کہ ہر تحریک حضرات علماء دیوبند کا ضمیمہ قرار پائے، حالانکہ اکثر تحریک دیوبند کے سوا تمام سیاسی تحریکات میں حضرات اکابر دیوبند ضمیمہ کی حیثیت سے رہے ہے۔ یہی حال ہمارے محترم بزرگ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی ''حقیقت حال'' کا ہے جسے انھوں نے ڈر کر لکھا ہے، اگر نڈر ہو کر لکھتے تو ہم پر کیا کرم فرماتے؟ ع

خدانخواستہ گر خشمگیں ہوتے تو کیا ہوتے!

حال کی سیاسی تحریکات:

اہلحدیث کی ہندوستانی نشاۃ میں انگریز کی مخالفت ان کی تحریک کا جزو تھا، اس لیے اس کے علاوہ بھی جو تحریک اس بنیاد پر اٹھی یا جب وہ اس مقام پر پہنچی اہل حدیث اپنی پوری قوت کے ساتھ اس میں موجود تھے، کانگرس، خلافت، احرار کونسی قومی یا دینی تحریک تھی جس میں اہلحدیث نے جانثارانہ کام نہیں کیا؟ آپ کے دوش بدوش نہیں چلے؟ وہلی

میں حاجی علیجان کی کوٹھی کیا ان سیاسی دیوانوں کا مرکز نہ تھی؟ پنجاب میں سیدی العلام مولانا عبدالقادر قصوری کی قیادت میں کیا کانگرس اور خلافت کا کام نہیں ہوا؟ محمد علی قصوری مرحوم کی تبلیغی اور سیاسی مساعی نظر انداز کرنا کہاں تک ممکن ہے؟ احرار کی سٹیج پر مولانا سید محمد داود غزنوی، مولانا محمد علی لکھوی، مولوی عبیداللہ احرار فیروز پوری، شیخ عبدالرشید صدیقی ایسے مخلص کارکنوں کو کوئی بھول سکتا ہے؟ آج کی بدنام مسلم لیگ نے جب انگریز کی مخالفت کا مصنوعی مظاہرہ کیا اہل حدیث اس کی پہلی صفوں میں موجود تھے۔

انگریز کا ساتھ؟

''وہ لوگ انگریز کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔'' یہ کس قدر بدبو دار طعن ہے جو مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم کی طرف منسوب ہے؟ کاش قلم کی آنکھیں ہوتیں وہ حیا سے عرقِ انفعال میں ڈوب جاتا۔ بالاکوٹ کے بعد کون نہیں جانتا کہ سید شہید کے خلفا کی ٹکر براہ راست انگریز سے رہی؟ انبالہ کیس ۶۴ء میں کیا اہلحدیث پھانسیوں پر نہ لٹکے؟ عبور دریا شور کی سزائیں ان کو نہ ملیں؟ کیا یہ انگریز کے ساتھ رہنے کی سزا تھی؟ قلبِ حقائق کی کیا یہ بدترین صورت نہیں جو مولانا موصوف کی طرف منسوب ہے؟ اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔

تابوت میں آخری میخ:

انگریز کے تابوت میں آخری میخ ۱۹۲۱ء میں قاضی کوٹ بم کیس ہے، اس میں متہم، ماخوذ، سزا یافتہ تمام کے تمام اہلحدیث تھے۔ قاضی عبدالرؤف، قاضی عبیداللہ اور محمد حسین مرحوم، مولانا فضل الٰہی، مستری محمد ابراہیم صاحب، بہادر خاں مرحوم یہ سب اہلحدیث تھے جن کو ۲۱، ۱۴، ۷ سال سزائیں ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کے بعد انگریز کے پاؤں اکھڑنے شروع ہوئے تا آنکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو یہ نحوست بظاہر ہمیشہ کے لیے اس ملک سے رخصت ہوگئی۔ معلوم نہیں مولانا موصوف کو یہ غلط فہمی کہاں سے ہوئی کہ ''اہل حدیث انگریز کے

ساتھ رہنا چاہتے تھے؟" غالباً ان دنوں میں کسی اہلحدیث احراری دوست کی علیحدگی کے رنج میں یہ فقرے نوک قلم پر آگئے ورنہ مولانا ایسے حقیقت آگاہ سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اتنی بڑی غلط بیانی کریں۔ اللهم اغفرله واعف عنه وتجاوز عن سيآته.

مولانا بٹالوی رحمہ اللہ:

اہلحدیث کی طرف سے انگریز کی حمایت میں اگر کوئی قابل ذکر آواز اٹھی تو وہ مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی تھے۔ یقیناً مولانا اس رائے میں اکیلے تھے۔ یہ ان کی شخصی رائے تھی، پورے ملک میں کوئی قابل ذکر اہلحدیث اس نظریہ میں ان کے ساتھ نہ تھا بلکہ عین اس وقت جبکہ مولانا اپنے رسالے میں انگریز کی حمایت فرما رہے تھے ہندوستان اور پنجاب میں اکابر جماعت سید احمد شہید کی تحریک کے کامیاب بنانے میں سرگرم عمل تھے۔ کیا کسی غزنوی اور لکھوی خاندان یا صادقپوری اور رحیم آبادی اور قصوری اکابر نے مولانا بٹالوی کی کبھی حمایت فرمائی؟ اسے جماعتی فعل تصور کرنا واقعات پر ظلم ہے۔

مولانا بٹالوی کا دور اور لدھیانوی بزرگوں کی نوازشیں!

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مسلک اہلحدیث کی مخالفت میں حضرات دیوبند بھی بریلی کی سڑک پر سوار ہو چکے تھے، لدھیانہ میں مولانا حبیب الرحمن کے خاندان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے ان کی مسجد میں نماز پڑھی تو مسجد کو پورے اہتمام سے دھویا گیا۔ اس واقع کی عینی شہادت آج بھی مل سکتی ہے۔ مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی امید ہے اس شہادت حق سے گریز نہیں فرمائیں گے۔ انتظام المساجد① کے نام سے مولوی محمد صاحب نے ہی بڑی ذلیل کتاب لکھی۔

---

① اس رسالہ کا پورا نام اس طرح تھا: "انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد" اس رسالہ کو مولوی محمد صاحب ولد مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی مصنف "نصرۃ الابرار" ہی نے ۱۸۸۳ء کے لگ بھگ تصنیف فرمایا تھا۔ اس رسالے کا موضوع کیا تھا؟ کس غرض کے لیے لکھا گیا؟ اس کی اشاعت کے نتائج کیا نکلے؟ اس کے لیے ماہنامہ اشاعۃ السنۃ لاہور کے چند اقتباسات پیش کرنا شاید بصیرت وعبرت ←

اگر مولانا کے آباؤ اجداد واقعی دیوبندی تھے تو فرمایا جائے کہ ایسے بے وفا دوستوں کے ساتھ کوئی سنجیدہ آدمی کیسے چل سکتا ہے؟ مولانا کے خاندان کی عصبیت کا یہ حال ہو اور مولانا بٹالوی ''نصرۃ الابرار'' پر دستخط فرما دیں۔ کس قدر سادگی ہے؟ ہندوؤں کو ابرار سمجھیں

← کا موجب ہوگا۔

''تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ لدھیانہ کے مولوی صاحب نے صوبہ بہار میں پہنچ کر اہل حدیث کو مسجدوں سے نکالنے میں بہت زور لگایا اور اس مضمون کا ایک رسالہ، جس کا نام نامی ''انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد'' ہے، شہر پٹنہ عظیم آباد میں چھپوا کر مشتہر کیا۔ اس میں آپ نے اہلحدیث کو قتل کر ڈالنے کا فتویٰ دیا ہے جس کا اثر تھوڑے دنوں کے بعد اس نواح میں یہ پیدا ہوا کہ ضلع شاہ آباد میں اہل حدیث و حنفیہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے پر لڑائی ہوئی۔ اس رسالہ میں مولوی صاحب موصوف نے اہل حدیث کو مسجد سے خارج کرنے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ لوگ مشرک ہیں۔'' (اشاعۃ السنۃ، ص: ۲۴۷ نمبر: ۸، جلد: ۶، ستمبر ۱۸۸۳ء)

''لدھیانہ والے مولویوں نے اہل حدیث کی نسبت واجب القتل ہونے کا صاف فتویٰ دیا ہے، چنانچہ رسالہ ''انتظام المساجد'' میں لکھ دیا ہے کہ ''حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان کو قتل کریں، اگر وہ لاعلمی کے عذر سے توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کریں'' اس رسالہ کا مؤلف مولوی محمد پسر مولوی عبدالقادر لدھیانوی ہے۔'' (اشاعۃ السنۃ، ص: ۲۹۱، نمبر: ۱۰، جلد: ۶)

غور کیجیے: یہاں چار امر قابل ذکر ہیں:

① یہ وہ زمانہ ہے جس میں سرحد پر اہلحدیث مجاہدین انگریز سے جہاد کرنے میں مصروف تھے اور اندرون ملک سے جماعت اہلحدیث ہی حالات کے مطابق اپنے خاص طریقوں سے ان کو امداد پہنچا رہی تھی۔

② بہت سے اہل حدیث مجاہدین انبالہ کیس کے سلسلہ میں جزائر انڈیمان میں قید تھے۔

③ مجاہدین صادق پور کے بقیۃ السیف مولانا عبدالرحیم صادق پوری رحمہ اللہ قریباً بیس سالہ قید سے رہا ہو کر کالے پانی سے واپس آئے، درآں حالیکہ سر پر انگریزی نگرانی کی تلوار لٹک رہی تھی جو پورے سات برس تک رہی۔

④ ایسے مناسب وقت میں ان لدھیانوی مولوی صاحب نے سفر کی کیفیتیں برداشت کر کے عظیم آباد (جس کا ایک محلہ صادق پور ہے) کو منتخب فرمایا کہ اس اعلیٰ شاہکار لٹریچر کو وہاں پھیلایا جائے!

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے! (مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ)

اور سنت پر عمل کی سزا میں مسجد دھو دی جائے۔

أوردها سعد وسعد مشتغل
وما هكذا يا سعد تورد الإبل ①

مولانا اور ان کے ہم خیال ہمیں غالباً خلوص اور اصول پروری کا وعظ فرمائیں گے، مگر نفسیات کا کیا کیا جائے کہ مولانا محمد حسین مرحوم انسان تھے فرشتے نہیں تھے، ان کی نماز سے لدھیانہ کی مسجد پلید ہو، مولانا کے دادا اہل حدیث کو مساجد سے نکال دینے کا فتویٰ دیں، مولانا محمد پھر "نصرة الأبرار" پر دستخط کرائیں، ٹھیک ان ہی ایام میں شیخ الکل حضرت سید نذیر حسین صاحب دہلوی سفر حج کے لیے تشریف لے گئے تو حضرات اکابر دیوبند کے گل سرسبد مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے حضرت ممدوح کو گرفتار کرانے میں جو کوششیں کیں ان کا تفصیلی تذکرہ مولانا محمد حسین صاحب مرحوم نے "اشاعۃ السنۃ" میں فرمایا ہے۔ حضرات اکابر دیوبند کے ذہن کی اس تبدیلی سے مولانا بٹالوی بے خبر نہ تھے، ان غیر متوقع بلکہ خلاف توقع حوادث کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مغفور اور ان کے ہم خیال جو بھی فرمائیں وہ مختار ہیں، مگر ایک حساس اور غیرت مند انسان، جو نفسیات کو سمجھتا ہے، وہ مولانا بٹالوی کو معذور سمجھے گا۔ ایسے وقت میں اتفاقی امور میں بھی اشتراک سے گھبرانا بالکل قدرتی چیز ہے۔

کانگرس میں اشتراک:

کانگرس بھی اس وقت آج کی کانگرس نہ تھی نہ انگریز کے ساتھ لڑنا اس کے پروگرام کا لازمی جزو تھا، مگر جب وہ انگریز کی مخالفت کے لیے مستعد ہوئی تو اہل حدیث نے اس میں ممکن اشتراک کیا۔ مولانا ابو القاسم بنارسی مرحوم، مولانا عبدالوہاب صاحب آروی، حاجی محمد صالح صاحب کوٹھی علی جان، مولانا عبدالقادر صاحب قصوری، مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی، مولانا محمد اسماعیل صاحب غزنوی، مولانا سید عبدالغفار

---

① سعد اونٹوں کو پانی پلانے لایا اور وہ غافل ہو گیا، اس طرح تو اونٹوں کو پانی نہیں پلایا جاتا اے سعد!

صاحب رحمہ اللہ غزنوی، مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مرحوم، خود راقم الحروف نے اپنی بساط کے مطابق سالہا سال کانگرس میں کام کیا۔

بلکہ ایک وقت آیا کہ مولانا حبیب الرحمان صاحب کانگرس قیادت سے بدگمان ہوکر کانگرس سے نکل گئے اور مجلس احرار کی بنیاد ڈالی۔ برسوں کانگرس کے خلاف حرفِ شکایت بنے رہے، مسلمانوں سے پوری ایک کارکن پارٹی مرحوم چوہدری افضل حق کی راہنمائی میں کانگرس سے باہر کام کرتی رہی۔ کشمیر کی تحریک احرار کے ان دونوں کا شاہکار ہے۔ اگر شکایتاً یا کسی مقصد کے لیے کانگرس سے باہر رہنا جرم ہے تو مولانا نے اپنے رفقا سمیت برسوں اُس جرم کا ارتکاب فرمایا اور اپنے دادا مولانا محمد مرحوم کے فتویٰ کے خلاف عمل کیا۔

ایک اور چیز ”ڈر ڈر کے کہہ رہا ہوں“ مگر کیا کروں حقیقت یہی ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کانگرس میں چنداں نیک نام نہیں تھے، جس قسم کی شکایت مرحوم کے خلاف کانگریس سٹیج اور پبلک میں آئیں بحمداللہ اہل حدیث کا دامن ان آلودگیوں سے پاک رہا۔ مولانا عبدالقادر قصوری رحمہ اللہ کی سیاسی خدمات سے کون بے خبر ہے؟ مگر خوبی یہ ہے کہ کانگرس سے کبھی ممنون نہیں ہوئے، ایک پائی تک کے لیے متہم نہیں ہوئے، کانگرس کے ساتھ اکابر اہلحدیث کی وابستگی مولانا حبیب الرحمان صاحب اور ان کے بعض رفقا کی وابستگی سے بہر حال بہتر ہی رہی، اس لحاظ سے بھی مولانا کی تہمت کے لیے کوئی بنیاد نہیں۔

مولانا نے اپنے ارشاد میں ”بطور جماعت“ کی قید لگائی ہے، اگر یہ قید اتفاقی ہے تو خیر، اگر احترازی ہے تو ادباً گزارش ہے کہ آج تک کوئی دینی جماعت بحیثیت جماعت کانگرس میں شامل نہیں ہوئی، نہ کانگرس نے کسی جماعت کو بلحاظ جماعت اندر آنے کی اجازت دی۔ اور محترم مرحوم کا تو یہ حال ہے کہ جب وہ ”بحیثیت جماعت“ بنے تو فوراً کانگرس سے باہر آ گئے اور اپنی اسٹیج بنالی، اور جب رفقا سے کشمکش ہوئی تو

بحیثیت ''حبیب الرحمٰن'' کانگرس میں تشریف لے گئے، اہلحدیث کو ایسے تجربہ سے بحمداللہ سابقہ نہیں پڑا۔

نصرۃ الابرار:

مولانا کے اکابر بریلوی تھے یا دیوبندی؟ معلوم نہیں ہوسکا مگر بقول مولانا وہ مولوی احمد رضا وغیرہ سے فتویٰ لینے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کا ذہن اہل توحید سے زیادہ بریلوی حضرات کی طرف مائل ہوگا ورنہ جہاں تک بریلوی حضرات کے متعلق ہے وہ اہل توحید کے ساتھ، اہل حدیث ہوں یا دیوبندی، چند قدم چلنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ یقین ہے کہ اس وقت اہلحدیث علماء کو جناب کے جدامجد پر بدگمانی ہوگی، وہ ''نصرۃ الابرار'' کو کسی حقیقت پر مبنی نہیں سمجھتے ہوں گے۔

''نصرۃ الابرار'' نے معلوم نہیں کانگرس کے ساتھ اشتراک کے لیے اساس اور اصول کیا قرار دیا تھا؟ عنوان سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد مرحوم نے ان ساتھیوں کو ''ابرار'' سمجھ کر ان سے عملی اشتراک کیا ہوگا۔ راقم الحروف نے زندگی کا کافی حصہ کانگرس میں کام کیا ہے بلکہ کانگرس کو اس وقت چھوڑا جب کانگرس ہم لوگوں کو چھوڑ گئی، اس کے باوجود ان ساتھیوں کو ''ابرار'' سمجھنا تو مشکل ہے۔ آج بھی اگر مولانا اپنے کانگریسی ساتھیوں کو ''ابرار'' سمجھیں تو میرے جیسا کم سواد آدمی اشتراک سے انکار کر دے گا۔ افسوس ہے کہ کوشش کے باوجود ''نصرۃ الابرار'' نہیں مل سکا، اگر نصرۃ الابرار کی بنیاد انگریز کی مخالفت ہوتو میں یقین نہیں کرتا کہ اہل حدیث اس سے کبھی گریز کریں۔

میرا وجدان کہتا ہے کہ مولانا کے جدامجد نے شائد عمائدین اہلحدیث سے دریافت ہی نہ فرمایا اور مولانا محمد حسین صاحب رحمہ اللہ کے عمل اور طریق کار سے مایوس ہوگئے ہوں۔

مولانا ۱۹۵۳ء میں جب وہ یہ مکتوب کسی کو لکھ رہے ہیں بہت سے اہلحدیث بمبئی سے دلی تک کانگرس میں شریک ہوں گے، پھر معلوم نہیں ان کو اس شکوہ کی

ضرورت کیوں محسوس ہوئی جب اہل حدیث ان کے دوش بدوش کام کر رہے تھے؟

مصلحت نیست از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست ①

ابرار کی نئی قسم:

ابرار کی جس پارٹی میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم کے جد امجد مولوی احمد رضا، مولوی غلام دستگیر قصوری، مولوی کرامت اللہ دہلوی، مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری، پنڈت مالویہ، لالہ لاجپت رائے، ڈاکٹر گوپی چند اور مسٹر پٹیل پنڈت پنت ایسے کریکٹر اور اخلاق کے ساستدان شامل ہوں اگر اہلحدیث اس میں شامل نہیں ہوئے تو کوئی جرم نہیں۔ معلوم ہے سوال انگریز کے ساتھ دوستی یا دشمنی کا نہیں، سوال اس اتحاد کی نوعیت کا ہے جس میں بریلوی حضرات شامل ہوں، حالانکہ وہ ہندوستان کو دارالحرب ہی نہیں سمجھتے۔ مولانا کے جد امجد یا علماءِ دیوبند سے وہ ''نصرۃ الابرار'' میں کیونکر متفق ہوگئے؟ غالباً اہل حدیث نے اس کھوکھلے اتحاد میں، جن کی بنیاد شاید اغراض پر ہو، شمولیت مفید نہیں سمجھی۔ اور ''ابرار'' کے اس جدید ایڈیشن میں اشتراک کوئی سمجھدار آدمی پسند بھی کیوں کرتا؟

اہلحدیث کا اپنا نظام:

میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اہل حدیث میں کام تقسیم کار کے طور پر ہو رہا تھا، یہی اپنی طبعی صلاحیتوں کے مطابق مختلف شعبوں میں ہمارے علما تقسیم ہوگئے، شہیدین کے مشن کی تکمیل کے لیے علما کا ایک مقتدر اور ہوشمند طبقہ اپنی زندگیاں وقف کر چکا تھا اور ان کا موقف مذہبی نقطہٗ نگاہ سے بہت اونچا تھا۔ کانگرس قومی نقطہ نظر سے ہندوستان کی مختلف اقوام کی نمائندگی کا دعویٰ کر سکتی تھی لیکن شہیدین کا مشن پورے

---

① اس میں مصلحت نہیں کہ راز سے پردہ اٹھ جائے وگرنہ رندوں کی مجلس میں کوئی خبر بھی نہیں کہ نہیں۔

ہندوستان میں دینی نظام قائم کرنے کے لیے کوشش کرنا تھا۔ اس وقت ان کی پوزیشن کانگریس سے بہت زیادہ مضبوط تھی، ان کے وسائل بھی کانگریس سے کافی زیادہ تھے، ان کا نظام بنگال سے لے کر پشاور تک پھیلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر ہنٹر نے اس نظام کے متعلق کافی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ ان حالات میں کانگرس کے ساتھ اشتراک نہ سیاستاً مناسب تھا اور نہ ہی مقاصد کے لحاظ سے ایسا کرنا مفید تھا، بلکہ کانگرس ان دینی مقاصد کے بالکل مخالف تھی۔

آپ کے جد امجد اور بریلوی علما کا یہ فتویٰ انگریز کی بہترین اعانت تھی اور اسلامی مقاصد کی پشت میں چھرا گھونپنے کے مترادف تھا۔ اہل حدیث اگر آپ کے جد امجد کے ساتھ ''نصرۃ الابرار'' میں شریک ہوتے تو اپنی نصف صدی کی محنت پر پانی پھیر دیتے۔ مولانا اور ان کے ہم خیال غور فرمائیں! جن ایام میں احرار زوروں پر تھی اور مولانا حبیب الرحمان صاحب کا طوطی احرار کے نخلستان میں بولتا تھا، انھوں نے کانگرس کے ساتھ اشتراک کے متعلق کبھی سوچا تھا؟ مولانا کی اس وقت کی تقریریں میرے کانوں میں ہیں، ہندو اور کانگریس پر مولانا کی تنقید کا انداز اتنا ہی مجرمانہ تھا جتنا جرم ۵۳ء میں مولانا اہلحدیث کا سمجھ رہے ہیں۔ مولانا کے رفقا جو معذرت احرار اور مولانا کے متعلق پیش فرمائیں گے وہی معذرت ''نصرۃ الابرار'' پر دستخط نہ کرنے کے متعلق سمجھ لیں۔ کلاهما سواءٌ

بعد کے حالات:

تحریک مجاہدین کو جن ناخوشگوار حالات سے سابقہ پڑا، انگریز کے انتقامی جذبوں نے اسے جس طرح کمزور کیا، اس کے نتائج میں انتشار رونما ہوا، مولانا بٹالوی کی طرح بعض نے انگریز کے ساتھ سمجھوتہ اور سازگار حالات پیدا کرنا مناسب سمجھا، بعض اپنی روش پر قائم رہے، بعض دوسری سیاسی جماعتوں میں چلے گئے، بعض خاموش

ہوگئے، بعض نے تعلیم کا رخ کیا، بعض تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ حالات کا ناگزیر نتیجہ تھا، اسے جماعتی فیصلہ نہیں کہنا چاہیے، البتہ احرار کا لیگ میں ادغام یہ ہمارے لیے آج بھی معمہ ہے، مگر ہم مجبور ہیں اور شعور پر اس کے ناگزیر اثرات کو سمجھتے ہیں۔ احراری رفقا کو کبھی بدنام نہیں کیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن کی نجی چٹھی اور نوائے پاکستان میں ان اغالیط کی اشاعت ہم اسے جماعتی خدمت سمجھنے سے قاصر ہیں!

(مجلہ رحیق لاہور، اکتوبر ۱۹۵۷ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تحریک مجاہدین اور مجلّہ رضوان

پچھلے دنوں مجلّہ رحیق کے دفتر میں رضوان لاہور، مارچ ۱۹۵۸ء پر اتفاقاً نظر پڑ گئی۔ کیونکہ پیشہ ورانہ مناظرات سے نفرت کی وجہ سے اس انداز کا لٹریچر پڑھنے کی مجھے عادت نہیں۔ پہلے ہی صفحہ پر سوانح احمدی مؤلفہ مولانا محمد جعفر تھانیسری مرحوم کا ذکر خیر دیکھا تو تعجب ہوا کہ مدیر رضوان کو کیسے ہمت ہوئی کہ وہ اپنے صفحات میں اس مقدس تحریک کا ذکر کرے وہ تو بریلوی خیالات کا ترجمان ہے؟ مگر ورق الٹتے ہی وہ تعجب جلد دور ہو گیا اور معلوم ہوا کہ اس سے ”رضوان“ کا مقصد بریلوی مناظرین کے لیے چند حوالے جمع کرنے اور مناظرانہ و معاندانہ گرفت کے سوا اور کچھ نہیں۔

پچھلے صفحہ کے اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ ادارۂ رضوان کو سوانح احمدی کے چند نسخے کہیں سے ارزاں مل گئے ہیں جنھیں وہ حسب منشا قیمت پر فروخت کرنا چاہتے ہیں، میری دعا ہے کہ وہ بک جائیں اور مدیر رضوان کا دماغ ہلکا ہو جائے۔ اور یوں بھی یہ شکوہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات دینی کاروبار میں پیٹ کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب.①

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ رضا خوانی حضرات مولوی احمد رضا خان صاحب کی قیادت میں ہمیشہ انگریز بہادر کی کاسہ لیسی فرماتے رہے اور تحریک جہاد اسلامی و آزادی ہند کی ہر ممکن مخالفت کی۔ انگریزی ہند کی دارالاسلامیت پر کتابیں لکھتے رہے، ترکوں کے خلاف انگریزی فوجوں کو تعویذ مہیا کرتے رہے، جبکہ اہل توحید نے اس کے پورے دورِ اقتدار میں نہ صرف ملک کی سرحدوں پر انگریز سے لڑائیاں لڑیں بلکہ

---

① صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٧٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٤٩)

اندرونِ ہند بھی ہر قسم کی آزادی کی تحریک چلا کر یا ان میں شامل ہو کر اس کو پریشان کیے رکھا، تا آنکہ وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ اہلِ توحید کا یہ ایسا اعلیٰ کردار ہے جس پر انگریز دنگ تھا، ہندو حیران اور سب مسلمان ممنون!

مگر مدیر رضوان کو انگریز کی لکیر پیٹنے کی یہ نئی تجویز سوجھی ہے کہ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک انگریز کے خلاف نہیں بلکہ صرف سکھوں کے خلاف تھی۔ اس کے لیے انھیں سوانح احمدی کی کوئی ناقص عبارت مل گئی۔ بس انھیں اپنی انگریز دوستی اور اسلام و ملک دشمنی کو چھپانے کا بہانہ خیال کر لیا اور باور کر لیا کہ اس طرح وہ داغ دھو ڈالیں گے مگر ان کو معلوم نہیں۔ لن يصلح العطار ما أفسده الدهر!①

مجھے خیال ہوا کہ عوام اور بریلوی مناظرین کے سامنے حقائق اور واقعات بھی رکھ دیے جائیں تاکہ لاعلمی کی وجہ سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾

سوانح احمدی، تحریک سید احمد شہید کی تاریخ ہے جسے مولانا جعفر رحمہ اللہ نے اس وقت لکھا جب انگریز کے دماغ پر بھی حضرات بریلوی کی طرف وہابی خولیا سوار تھا، اور وہابی، بریلوی انگریزی ذہن پر اس طرح مسلّط تھے جیسے یہودی علماء پیلاطس کی حکومت پر!

کچھ شک نہیں کہ ان دنوں یہ تحریک جہاد بے حد مقہور تھی، انگریز ہر قیمت پر اسے ختم کر دینا چاہتا تھا، حضراتِ شیعہ اور کبراءِ بریلی پر امید تھے کہ یہ حق کی آواز دب جائے گی۔ ان حضرات کے فتاویٰ، وعظ، اخبارات، رسائل ہر چیز اس آواز کے دبانے میں استعمال ہو رہی تھی یا مظالم اس طرح توڑے جا رہے تھے کہ سر سید احمد خاں تک جیسے آزاد منش، جو اہلحدیث مسلک اور عقیدہ کے پورے مخالف تھے، بے تاب ہو گئے۔ انھوں نے ان مظالم کے خلاف محض انسانی ہمدردی کی بنا پر احتجاج فرمایا، یہ ان کی انسانی شرافت تھی، حالانکہ ان کے خلاف جس قدر علمائے اہلحدیث نے لکھا شاید ہی کسی نے لکھا ہو۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کا اشاعۃ السنۃ سر سید کی مخالفت

---

① جسے زمانے نے خراب کر دیا ہو اس کی عطار کیا اصلاح کرے گا!

سے بھرپور ہوتا تھا مگر سید احمد خاں کی شرافت اور معاملہ فہمی کا اعتراف کرنا چاہیے کہ انھوں نے بڑی جرأت سے احتجاج کیا اور انگریز کو متاثر کرنے میں اچھا کردار ادا کیا، جس سے انگریز تو کسی قدر متاثر ہوا بھی مگر افسوس بریلویت اب تک شرم محسوس کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئی!

ایسے نازک دور میں مولانا جعفر تھانیسری نے اس جماعت کے حالات کو شائع کرنے کی کوشش فرمائی۔ اس وقت یہ حالات یا تو مستند روایات کی صورت میں محفوظ تھے جن کو مولانا جعفر اور دوسرے اکابر عرفی تواتر کی صورت سے جانتے تھے یا وہ مکاتیب اور مخطوطات تھے جو طبع نہیں ہوئے تھے اور عقیدتمندوں کے پاس محفوظ تھے، یا پھر وہ سرکاری کاغذات اور جماعتی دستاویزوں کی طرح اصل یا ان کی نقول کہیں محفوظ نہیں۔ مولانا جعفر ایسے ہمدرد اور دور اندیش انسان کے لیے اس وقت عجیب مشکل تھی، اگر وہ حقائق کو من و عن سامنے رکھیں تو عام گرفت اور قید و بند کے علاوہ بہت ممکن تھا کہ اشاعت میں رکاوٹ ڈالی جاتی یا پورا مواد ضبط ہو کر حکومت کے قبضہ میں چلا جاتا۔

مولانا جعفر نے حالات کے لحاظ سے جہاں تک واقعات میں لچک پیدا کر سکتے تھے حکومت کی گرفت سے بچنے کی کوشش کی تاکہ اس جہاد کے حالات جس قدر منظر عام پر آ سکتے ہیں آ جائیں۔ ما لا يدرك كله لا يترك كله

بنا بریں مولانا جعفر سے اس معاملے میں بعض کمزوریوں کا صدور بالکل قدرتی تھا، بعض مکاتیب جو تحریک کی روح تھے وہ شائع ہی نہیں فرما سکے بلکہ بعض انھیں دستیاب ہی نہیں ہو سکے کیونکہ تحریک کے لٹریچر کا زیادہ تر ذخیرہ نواب وزیر الدولہ والی ٹونک کے پاس تھا۔ ماخذ کی تفصیل کے لیے بریلوی مناظرین کو سیرت احمد شہید مؤلفہ مولانا غلام رسول صاحب مہر اور سیرت احمد شہید مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی وغیرہ تصانیف کی طرف رجوع کرنا چاہیے، تاکہ انھیں تحریک کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ کیونکہ اول الذکر ایسے وقت میں لکھی گئی جبکہ انگریزی دور ختم ہو گیا اور ثانی الذکر ایسے

وقت لکھی گئی تھی جبکہ انگریز کا انتقامی جذبہ کم ہوگیا بلکہ ختم ہوگیا تھا۔

کچھ لٹریچر صادق پور پٹنہ میں مولانا ولایت علی، عنایت علی مرحوم کے خاندان کے پاس موجود تھا۔ معلوم نہیں اس وقت وہ موجود ہے یا ضائع ہوچکا ہے؟

نیز بریلوی مناظرین اور خود مدیر رضوان کی حق تعالیٰ کے ان مقبول بندوں سے مخالفت اگر دیانت پر مبنی ہے تو اس امر پر بھی غور فرمائیں کہ خود مولانا جعفر تھانیسری کو انبالہ بم کیس میں عمر قید بعبور دریا شور کی قید ہوئی، آیا یہ مقدمہ رنجیت سنگھ کی عدالت میں پیش تھا؟ مولانا کو یہ سزا کس سنگھ نے دی؟ مولانا جعفر نے اس کیس کی سرگزشت انڈیمان سے واپسی کے بعد "کالا پانی" کے نام سے لکھی۔ بریلوی مناظرین ملاحظہ فرمائیں یہ پورا کیس انگریزی حکومت نے مرتب کیا اور انتہائی انتقامی سزائیں دیں۔ جب بقول آپ کے تحریک انگریزوں کے خلاف ہی نہ تھی تو مقدمہ اور انتقامی سزائیں کیوں دی گئی؟ یہاں جج انگریز تھا۔ سکھ فریقِ مقدمہ بھی نہیں، پھر کیا یہ انگریز کی حمایت کا نتیجہ تھا؟

سانحہ بالا کوٹ میں سید احمد اور شاہ اسماعیل شہید ہوگئے۔ تحریک میں قیادت مولانا ولایت علی فرمانے لگے۔ اس اثنا میں سکھوں اور انگریزوں میں تصادم ہوا۔ سکھ حکومت آخری ہچکیاں لے کر ختم ہوگئی لیکن سرحد پر انگریزوں سے ۱۹۲۱ء تک تصادم ہوتا رہا، جس میں مجاہدین بدستور گوریلا جنگ لڑتے رہے۔ بریلویوں اور شیعہ کے سوا تمام مسلمان اس تحریک کی مالی سرپرستی کرتے رہے، کشمیر کی جنگ میں ان مجاہدین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کی قیادت مرحوم لیاقت علی خاں کے مشورہ سے مولانا فضل الٰہی فرماتے رہے۔ سکھوں کے بعد آخر پنجاب پر انگریزوں کے سوا کون قابض تھا جس سے پوری صدی تک شمال مغربی سرحد پر تصادم ہوتے رہے؟

آپ حضرات کو ان کوششوں کے ساتھ، جو انگریزوں کے خلاف ہوتی رہیں، چونکہ ذہنی طور پر اختلاف تھا اس لیے آپ ان سے بے خبر ہیں، ورنہ آپ یقین فرماتے کہ سوانح احمدی کے یہ ناقص حوالے ان واقعات کو نہیں بدل سکتے جو صدی کے

پس و پیش وقوع پذیر ہوتے رہے۔ مولانا جعفر تھانیسری کو آپ نہیں جانتے۔ انھوں نے مصلحت اندیشی کو واقعات میں اس انداز سے سمویا ہے کہ واقعات پر مجموعی نظر خود آپ کی تردید کر دے گی۔ اور آپ یقین کریں گے کہ مدیر رضوان کی توجیہ غلط اور من قبیل "ما لا یرضی به القائل" ہے۔

۱۹۱۴ء کی جنگ میں خلافت کمیٹی ایسی سیاسی جماعتوں نے انگریز کے خلاف سرحد پار کے مجاہدین سے استفادہ کرنے کی کوشش کی، مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی رحمہ اللہ جالندھر میں نظر بند ہوئے، مولانا ثناء اللہ صاحب سے سید مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی تک کے وارنٹ جاری ہوئے۔ جو میاں عبدالعزیز انسپکٹر خفیہ پولیس سے مل ملا کر بمشکل معاملہ رفع دفع ہوا، اس ابتلا میں منشی فضل الدین مرحوم (برانڈرتھ روڈ لاہور) نے بہت زیادہ کوشش فرمائی۔ فجزاہ اللہ أحسن الجزاء

ہاں تو مولانا محمد جعفر صاحب نے اس مصلحت اندیشی سے کیوں کام لیا؟ پھر سن لیجیے! آپ حضرات اور آپ کے اکابر سیاست میں انگریزوں کے آلۂ کار تھے، اور عقائد میں طبعاً توحید و سنت کے خلاف۔ مولانا جعفر صاحب مرحوم کے سامنے تحریک کا عروج و زوال گزر رہا تھا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ انگریزوں سے لڑنا مشکل ہے، اس لیے توحید و سنت کی اشاعت کے پروگرام کو جہاں تک ممکن ہو زندہ رکھنا چاہیے اور سیاسی مشاغل کو کم کر دینا چاہیے۔ گو اس سے بھی مجاہدین ان سے متفق نہیں تھے تاہم ان کی رائے یہی معلوم ہوتی ہے۔

اس کی زندہ مثال آپ کے سامنے ہے۔ ۵۳ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی، بریلوی حضرات سے ٹوڈی قسم کے حضرات تو دودھ کے مجنوں نکلے، ان کی آنحضرت ﷺ سے محبت جمعرات کے ختموں اور شب برات کے حلوے تک ہی تھی، ان سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا اور اتفاقاً پھنس گیا تو گڑگڑا کر معافی مانگ لی۔ مولانا ابو الحسنات صاحب، مولانا غلام محمد صاحب ترنم نے جرأت فرمائی۔ یہ دونوں بزرگ

بڑی جوانمردی اور استقلال سے جیل گئے، ہم نے بریلوی کیمپ میں خدا شاہد ہے ان دونوں بزرگوں کو صاحبِ ہمت پایا۔ خلیل میاں کی سزا سے مولانا کو جو تکلیف ہوئی اس پر مولانا کے استقلال کا ہمیں پورا احساس ہے، لیکن جیل سے باہر آنے کے بعد مولانا پر عجیب اثر پڑا۔ ہمیں مولانا کے اس فیصلے پر بے حد تعجب ہوا کہ وہ آئندہ بریلوی بزدلوں کی سٹیج کے سوا کہیں تقریر نہیں فرمائیں گے اور کسی سیاسی تحریک میں شامل نہیں ہوں گے۔ مسجد وزیر خاں کے ادارۂ اہتمام سے جو معاملہ طے ہوا چنداں جرأت مندانہ نہیں۔ اب اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ مولانا نے اپنے عقیدے کی بنا ہی پر سوچا ہوگا کہ ختم نبوت اور دوسری دینی جماعتوں کی بجائے بریلوی مکتب فکر کی خدمت فرمائیں۔ انھوں نے غلط یا صحیح طور پر یہی مناسب سمجھا کہ ختم نبوت کا مسئلہ سید عطاء اللہ شاہ۔ زید فضلہ۔ اور مولوی محمد علی جالندھری کے سپرد کر دیا جائے اور بریلوی طریقہ کار کے علاوہ تمام نیک کاموں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان مصلحتوں میں یہ حضرات جیل کے دیرینہ تجربہ کار سید فیض الحسن کو بھی لے ڈوبے۔ یہ ہونہار نوجوان اپنی سابقہ حسنات پر پانی پھیرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اور ساری دیرینہ قومی خدمات پر خط نسخ کھینچ کر بزدلوں کی راہ نمائی پر مطمئن ہو گئے۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون!

ان حالات کو دیکھیے! ہم تو یہ گمان بھی نہیں کر سکتے کہ مولانا ابوالحسنات اور مولانا غلام محمد ترنم ختم نبوت کے منکر ہیں، تو اسے مصالح کا تقاضا ہی کہا جا سکتا ہے جن کا دوسرا نام کمزوری ہے۔ یہی مصالح اگر ذاتی مفاد اور پیٹ کے لیے کیے جائیں تو بددیانتی اور ٹوڈی پن ہے، اگر کسی اچھے مقصد کے لیے ان کا ارتکاب ہو تو اس کا نام اجتہادی غلطی ہے۔

ٹھیک اسی قسم کے حالات مولانا جعفر کو پیش آئے، ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھے جب مولانا جعفر نے سوانح احمدی لکھی۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان واقعات میں جہاں بھی مولانا جعفر سے کچھ جھول رہ گئی ہے وہاں بعد کے واقعات

نے اس جھول کو سیدھا کر دیا ہے۔

بقیۃ السیف اہل توحید اور باقی اصحابِ سنت میں بحمد اللہ پیر پرستی کا مرض نہیں، وہ انبیا علیہم السلام کے سوا کسی کو معصوم نہیں سمجھتے۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ انسان تھے۔ ان سے غلطیاں ہوسکتی ہیں تو مولوی جعفر بیچارے کون ہیں؟ حقائق اور دلائل کی راہ پیر پرستی بھی نہیں روک سکتی چہ جائیکہ جب ذہن اس مرض سے بالکلیہ صاف ہوں تو بریلوی مناظر اور مدیر رضوان کی یہ معاندانہ کوششیں اہل حق کا کیا بگاڑ سکتی ہیں؟

اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کسی دوسری صحبت میں وہ تمام واقعات منظر عام پر لائیں گے جن پر اہل حدیث کے اکابر نے انگریز سے روبرو لڑائیاں لڑیں، انگریز نے خود اس کا اعتراف کیا اور باہر تحریک کو دبانے کے لیے مجاہدین کے خلاف جھوٹے مقدمات قائم کیے، آپ حضرات کے قیمتی فتووں سے استفادہ کیا، بالآخر شکست کھا کر ملک کو خالی کرنے پر مجبور ہوا، آپ کو اور قادیانی حضرات کو بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔

معلوم نہیں اس خبر میں کہاں تک صداقت ہے جو گزشتہ سال لائل پور کے بعض اخبارات میں چھپی کہ لائل پور کے بعض بریلوی دانش وروں نے اسی سلسلہ میں سر ظفر اللہ سے چھپ چھپا کر ملاقات کی۔ معلوم نہیں یہ سجود کہاں تک کامیاب ہوا؟ اس خبر کے بعد اہل توحید کے خلاف ہنگامے تو تیز تر ہو رہے ہیں، نہیں کہا جا سکتا کہ یہ گرم بازاری کب تک رہے؟

امید ہے بریلوی مناظرین نے مدیر رضوان سے کتابیں تو مناسب قیمت پر خرید لی ہوں گی، اگر کوئی رہ گیا ہو تو وہ کتاب صوفی کمپنی منڈی بہاؤالدین سے اسی نایاب گوہر کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ کتاب اتنی نایاب نہیں جس قدر اس کا اظہار کیا جا رہا ہے، البتہ مدیر رضوان کے مشوروں پر عمل کرنے سے پہلے سو بار سوچ لیں ع

کہ اسی نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے!

(مجلّہ رحیق لاہور، مئی ۱۹۵۸ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مدیر رضوان اور عدالتی چیلنج

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ یہیں سے بریلوی مذہب شروع ہوا۔ مولوی صاحب موصوف نے بدعات کو ''مدلل'' اور اہل بدعت کو منظّم کرنے کی کوشش کی۔ ان ایام میں انگریزی حکومت کے قدم ہندوستان میں جم چکے تھے، اس لیے مولانا نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح جہاد کی مخالفت کی اور ہندوستان کو امن اور اسلام کا گہوارہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ انگریز کے خلاف جو طاقتیں زور آزمائی کر رہی تھیں ان کی کھلی مخالفت کی، مجاہدینِ سرحد اور اہل توحید وسنت پر اتہامات لگائے، پوری کوشش کی کہ یہ لوگ بدنام ہوں۔ ان کوششوں سے واقعی انگریز کو کافی فائدہ پہنچا اور کافی وقت ہندوستان میں کاٹ گیا۔

اس مقصد کے لیے مولوی احمد رضا صاحب اور ان کے رفقا ہر غلط بیان اور حوالوں میں قطع و برید جائز سمجھتے رہے اور ایسی حرکات کر گزرے جو علم و دیانت کی پیشانی پر بدنما داغ بن کر نمایاں ہوئی۔

مدیر رضوان:

اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے پچھلے دنوں رسالہ ''رضوان'' لاہور نے مولانا جعفر تھانیسری کی کتاب ''تواریخ عجیبہ'' کے بعض اقتباسات سے بریلوی مناظرین کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کی تھی اور سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک جہاد کو بدنام اور غلط صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا۔

میں نے مدیر رضوان اور بریلوی مناظرین کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ تحریک کے صحیح خد و خال کو واضح کیا تاکہ یہ حضرات غلطی سے بچیں۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ حضرات اکل و شرب کی بدعات میں مشغولیت اور انگریز کے انعامات سے مستفید ہونے کی وجہ سے اس تحریک کے مبادی اور عواقب دونوں سے بے خبر ہیں، اور عصبیت کی وجہ سے ان کے ذہن پر بے شعوری کی کیفیت طاری ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ حقیقت کی وضاحت سے ان کے دماغوں میں شعور آجائے اور یہ حضرات حقائق کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہوجائیں۔ مگر افسوس جون ۵۸ء کا "رضوان" دیکھا تو محسوس ہوا کہ توقع غلط تھی، وہ اس کے جواب پر آمادہ ہوگئے ہیں، تاہم میری گزارشات کا جواب تو سردست ملتوی کردیا ہے (جس کے لیے ہم چشم براہ ہیں) مگر مولوی نور احمد زیدی کا ایک مضمون درج کرتے ہوئے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ میں ان حقائق کو عدالت میں چیلنج کروں۔

مجھے دونوں حضرات سے اس وقت کچھ الگ الگ گزارش کرنا ہے۔

مولوی نور احمد صاحب کے مضمون سے جہاں تک ہم انھیں سمجھ سکے ہیں وہ دقیانوسی قسم کے مناظر معلوم ہوتے ہیں، وہ حقیقت کو سمجھے بغیر مکھی پر مکھی مارنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ سنجیدگی کے ساتھ کسی حقیقت پر غور کرنے سے ان کا دماغ قاصر ہے۔ وہ اپنے مطالعہ سے ناظرین رضوان کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں جس کا انھیں پورا پورا حق ہے، مجھے اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں۔ ان کا مضمون میری گزارشات کے جواب میں نہیں وہ بظاہر مستقل پیش کش ہے اس لیے اس کے جواب کی ذمہ داری اخلاقاً مجھ پر نہیں۔

مولانا نور احمد سے گزارش ہے کہ آپ کا سارا زور حیات طیبہ اور تواریخ عجیبہ کی ورق گردانی پر ہے لیکن یہ دونوں کتابیں آپ کے مخالف کے نزدیک مسلّم نہیں، اس لیے جناب کی یہ کوشش بے سود ہے۔

آپ کا خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیات طیبہ کا مصنف اہلحدیث ہے اور سید احمد صاحب کا معتقد! یہ خیال درست نہیں۔ مرزا حیرت کو شاہ صاحب کی تحریک کے بعض حصوں سے ہمدردی ہے، وہ اس توہم پرستی کو ناپسند کرتے ہوں گے جو آج کل بریلویت کے لیے سرمایہ افتخار ہے لیکن وہ اہلحدیث نہیں تھے۔ وہ انگریز کے ایسے وفادار تھے جیسے آپ اور آپ کے اعلیٰ حضرت خان صاحب بریلوی! مرزا حیرت نے تحریک جہاد کو اسی راہ پر ڈالا جو عین انگریز کا منشا تھا۔ مرزا حیرت کے بعض خیالات ممکن ہے مولانا احمد رضا صاحب سے نہ ملتے ہوں لیکن تحریک کو بدنام کرنے اور انگریز کو اس اذیت سے بچانے میں خان صاحب اور مرزا حیرت کا ایک ہی مقصد ہے۔ اس لیے آپ کا یہ گواہ تو اس قابل نہیں کہ اس کی شہادت پر اعتماد کیا جا سکے۔ مرزا حیرت عقیدتاً منکر حدیث تھے۔ واللہ اعلم

مولانا جعفر صاحب تھانیسری رحمہ اللہ:

یقیناً تحریک کے خیر اندیش ہیں، انھوں نے تحریک کے متعلق بہت سا مفید مواد جمع کیا، بہت سی دستاویز محفوظ فرمائیں۔ اس راہ میں بے پناہ صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کے خلوص و دیانت میں کوئی شبہ نہیں لیکن تحریک کے رخ کی تبدیلی کے متعلق ان سے جو غلطی یا لغزش ہوئی اسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ شاہ شہید کے مکاتیب مل سکتے ہیں وہ ناپید نہیں۔ آپ حضرات چونکہ تحقیق کے عادی نہیں، غلط بیانی اور ظنون و اوہام آپ کے ہاں حقائق اور دلائل کا نعم البدل سمجھے جاتے ہیں یا ان کے مرادف، ورنہ معاملہ سمجھنے میں کوئی اغلاق اور دقت نہیں، مکاتیب میں آپ کو وضاحت ملے گی۔

ہمارا تجربہ یہ ہے کہ بریلویت کے تین ستون ہیں: موسیقی، گالیاں، ظنون و اوہام۔ سرگودھا میں حضرت مولانا ابو الحسنات نے ایک تقریر ان اصولوں سے ہٹ کر فرمائی تھی، امیر حزب اللہ نے اسی وقت ان کے متعلق وہابیت کا فتویٰ دے دیا تھا۔ ۱۹۵۳ء کی اسارت کے ایام میں مولانا سید ابو البرکات کے نزدیک وہ بھی وہابی اور کافر تھے۔

معلوم نہیں مولانا ابوالحسنات صاحب کے ایمان کا آپ کے ہاں آجکل کیا حال ہے؟

اگر آپ کو اللہ تعالیٰ ظنون و اوہام سے نجات کی توفیق مرحمت فرمائے تو آپ میری سابقہ گزارشات پر نظر ثانی فرمائیں۔ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

ان حقائق کی وضاحت سے قبل ہم خود مولانا تھانیسری کے موقف کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ تعجب ہوتا تھا جو شخص دنیا میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا ہو، شاہ ولی اللہ صاحب کی تعلیمات، شاہ عبدالعزیز صاحب کی ہدایات کو اپنا راہنما تصور کرتا ہو وہ انگریزوں کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے؟ اور معلوم ہے جب وقت آیا تو ان مجاہدین نے انگریزوں کو بھی پوری ایک صدی تک پریشان کیے رکھا۔ یہ اچھا حلیف ہے جس نے اپنے حلیف کا ناک میں دم کر دیا۔ آخری تصادم انگریز کے ساتھ ۲۰۔ ۱۹۲۱ء میں ہوا، جس کا مفصل تذکرہ میں نے سابقہ گزارشات میں کیا۔ آپ کے دونوں گواہ مجروح ہیں، کوئی ایسا گواہ لائیے جس پر جرح نہ ہو۔ آپ کے اکابر تو انگریز کے حلیف رہے ہیں، ان شہداءِ حق کے خلاف فتویٰ دیتے رہے ہیں، اپنے ولی النعمہ پر اگر کچھ اعتماد باقی ہو تو ہنٹر کی کتاب ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ ملاحظہ فرمائیے، وہ اس حلف کی حقیقت اور تحریک کے مقاصد آپ کو بہتر طور پر بتا سکے گا۔

اگر خدا تعالیٰ کی عدالت پر یقین ہے تو اسی کے خوف سے اپنے حقائق پر نظر ثانی کیجیے اور اس ضمن میں ہنٹر کی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان، سیرت احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر، سیرت احمد شہید مؤلفہ مولانا ابو الحسن علی ندوی کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ پھر مل سکے تو کالا پانی بھی۔ لعلك تتذكر أو تخشىٰ!

عدالتی چیلنج:

1 مولانا میری نظر میں اللہ تعالیٰ کی عدالت سے کوئی عدالت بڑی نہیں، میں نے جو کچھ اس موضوع پر لکھا ہے بحمد اللہ اسی عدالت کی برتری اور انصاف کو پیش نظر

رکھ کر لکھا ہے۔ واللہ علی ما أقول شہید!

۲ آپ کی پوری پارٹی میں یہ کمزوری ہے کہ آپ آج کل دنیوی عدالتوں پر زیادہ اعتماد فرماتے ہیں۔ آپ کے اکابر بھی اس غلط فہمی میں رہے کہ شاید موت وحیات کی چابیاں حکومت کے ہاتھ میں ہیں!!

۳ آج کی دنیوی عدالتیں کبھی بھی اہل حق کے نزدیک سچائی کا معیار نہیں قرار پا سکیں، بلکہ صداقت عموماً ان عدالتوں کے خلاف پائی گئی۔ ان عدالتوں نے جن لوگوں کو مجرم قرار دیا آسمانی عدالت میں وہی کونے کے پتھر قرار پائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے کیس پر ایک نظر فرمائیں!

۴ پیلاطس کی عدالت میں فریسیون (اس وقت کے بریلوی) کی شہادت سے حضرت مسیح مستحق دار قرار پائے۔ نمرود کی عدالت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجرم قرار دیا۔ فرعون کی عدالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے ساتھ جو عدالتی انصاف ہوا وہ آپ حضرات کو معلوم ہوگا۔ جب آپ حضرات کے فتوؤں کی بنا پر ہمارے اکابر کو مساجد سے نکالا گیا ہم دونوں فریق انگریزی عدالتوں کے سامنے حاضر ہوئے۔ عدالتی انصاف نے جو گل کھلائے وہ ہم دونوں جانتے ہیں۔

۵ جسٹس سید محمود جج ہائی کورٹ نے آمین بالجہر کے متعلق جو انصاف فرمایا تھا کیا آپ اس پر مطمئن ہیں؟

آپ حضرات کا سارا زور گانے اور اعلیٰ حضرت کے رسائل پڑھنے میں صرف ہوجاتا ہے، نہ آپ قرآن عزیز کی تاریخ میں تدبر فرماتے ہیں نہ آپ کو اپنی تاریخ پر صحیح عبور ہے!

۶ اگر عدالتی چیلنج ہی جناب کے لیے اطمینان کا موجب ہوسکتے ہیں تو مجلّہ سہ ماہی ”ہلال“ ملاحظہ فرمایئے۔ یہ رسالہ کراچی سے نکلتا ہے۔ فارسی ممالک میں پروپیگنڈا کے لیے یہ مجلّہ حکومت کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو: شمارہ اول جلد ۵ متعلقہ جنبش ۱۸۵۷ء۔ اداریہ میں فرماتے ہیں:

"مسلمانانِ شبہ قارہ بفکر جہاد و مبارزہ برخلاف انگریز و سکھ ہا افتادند و یک نفر مجاہدین قیادت مردم دیگر قیادت مردم مسلمان رابعہدہ گرفت و رسماً برخلاف سکھ ہا اعلام جہاد نمودہ باکمک ای فداکار داز جاں گذشتہ پشاور را اشغال کرد و ایں طور بنظرے رسد کہ اگر عموم مسلمان ہا و جرأت و شہامت و یک جہتی نشان مے دارند تاریخ شبہ قارہ متغیر مے کرد و لے ایں مرد مجاہد قربانی اختلافات بیں خور مسلماناں گردید و درسال ۱۸۳۱ء در جنگ بالاکوٹ جامِ شہادت نوشید۔" اھ ① (ہلال ۱۹۵۷ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ، ۱۳۳۴ھ)

اگر عدالتی انصاف ہی جناب کی نظر میں آخری سند ہے تو یہ حکومتِ پاکستان کی ہائی اتھارٹیز کی رائے ہے اس پر غور فرما لیجیے! ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

4 مولانا! آپ سخت غلطی میں ہیں اور تاریخ کے شدید ترین مجرم۔ آپ کے اختلافات مولانا شہید سے اعتقادی ہیں سیاسی نہیں۔ غالباً جس کذب و افترا کا آپ حضرات آغاز کر رہے ہیں آپ کے اکابر مولانا فضل حق مرحوم وغیرہ نے بھی سید شہید اور شاہ شہید رحمہ اللہ پر نہیں لگایا۔ ان کی تگ و دو بھی امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کے مفروضات تک ہی رہی اور ستائیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ وہ شاہ شہید کے موقف کی صدر دفتر پر گواہ بن کر براستہ انڈیمان خدائے تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں۔ وقت بہترین واعظ ہے۔

---

① برصغیر کے مسلمانوں میں انگریز اور سکھوں کے خلاف جہاد کی سوچ پیدا کی اور مجاہدین کی ایک جماعت نے سکھوں کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا، فداکاروں کی مدد سے پشاور کو جہادی سرگرمیوں کے لیے منتخب کیا۔ صورت یہ ہوگئی تھی کہ اگر عمومی مسلمان، جرأت، بہادری اور یکجہتی کا مظاہرہ کرتے تو برصغیر کی تاریخ بدل جاتی، لیکن اس مرد مجاہد کی قربانی مسلمانوں کے اختلافات کی نظر ہوگئی اور ۱۸۳۱ء میں انھوں نے بالاکوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش کر لیا۔

مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے منیر انکوائری کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''مجھے ان بزرگوں کے عقاید سے اختلاف ہے لیکن میں ان کی مجاہدانہ مساعی کی قدر کرتا ہوں۔''

٨ اگر انسان کو اپنے خالق سے حیا نہ ہو اور دل میں آنحضرت ﷺ کا احترام نہ ہو تو جناب مولانا! عدالتی چیلنج سے کیا ہوتا ہے؟ ہمارا بحمد اللہ یہ جماعتی اخلاق ہے کہ ایسے معاملات کے لیے عدالت میں نہیں جاتے۔ آپ ایسے دوستوں کی ہدایت کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور صبر و صلاۃ کے ساتھ اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ آپ اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں، ایک صدی سے آپ ہمارے ساتھ دست و گریبان ہیں، فرمایئے! فائدے میں کون ہے؟ ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ [الرعد: ٤١] اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت ہماری تعداد لاکھوں تک ہے۔

٩ آپ کو غلط فہمی ہے، مولانا احمد اللہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی یقیناً بریلوی نہیں تھے۔ ''المقارنة أصل المعاداة'' کے مطابق مولانا فضل حق صاحب کو شاہ شہید سے کچھ چشمک سی ہوگئی ورنہ وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے۔ علم غیب اور آنحضرت ﷺ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا، مختار کل ہونا وغیرہ قسم کی جو مزخرفات آپ حضرات نے گھڑی ہیں، اور ''اثنا عشری'' اور ''حادی عشری'' جس طرح مل کر مسلمانوں میں جا بجا فساد برپا کر رہے ہیں کیا ان مسائل کا تذکرہ مولانا فضل حق ایسے دانشمند نے بھی کہیں اپنی کتب میں کیا ہے؟ اور مولانا احمد اللہ کی زندگی کی تفصیلات آپ کے سامنے رکھی گئیں تو شاید لاہور سے بریلی تک ارتعاش کی کیفیت پیدا ہوجائے۔ ان حالات کے باوجود وہ سید شہید کی تحریک سے متاثر تھے۔ اس وقت کے حکومت پرستوں نے انھیں بھی وہابی کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ۱۸۵۷، مولانا مہر)

اس کے باوجود اگر آپ ان دونوں بزرگوں کو بریلوی کہنے پر مصر ہیں تو ایسے بریلویوں کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ اس وقت انگریز کی مخالفت ایسا عمل ہے جس کے عوض اکبر الکبائر معاف کیے جا سکتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یہ لوگ یقیناً اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں۔

١٠ آپ حضرات کی کم فہمی اور بے خبری پر تعجب ہوتا ہے آپ حضرات نے ١٨٥٧ء کی حرکت کو بہت ہی غلط سمجھا ہے۔ اس تحریک کا حنفی اہلحدیث دیوبندی بریلوی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک عالم گیر ناراضی تھی جو تمام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئی۔ ابتداءً اس میں سکھ ہندو بھی پوری طرح شامل ہوئے۔ رانی جھانسی کا نام آپ نے سنا ہوگا، کس جرأت سے اس نے قربانی کی؟ کیا وہ بریلن تھی؟ اسے مکاتبِ فکر کی جنگ قرار دینا حماقت ہے اور تحریک کی توہین۔ معلوم نہیں آپ حضرات ملک کی تحریکات سے ناآشنا ہیں یا عمداً اپنے عوام کو غلطی میں رکھنا چاہتے ہیں؟

آخری گزارش:

ہم عدالت میں کیوں جائیں؟ ایک صدی سے زیادہ قریباً آپ اور آپ کے اکابر اہل توحید وسنت کے خلاف اتہام تراشی میں مشغول ہیں، ہمارا آپ نے کیا بگاڑ لیا؟ آپ ہمارے اشتہار ہیں۔ آپ کے تیز اور تلخ فتوے ہماری ترقی کا سبب ہیں۔ جب مقاصد کے لحاظ سے آپ کی یہ روش ہی ہمارے لیے مفید اور ترقی کا موجب ہو تو کسی کا سر پھرا ہے آپ کو خواہ مخواہ عدالت میں چیلنج کرتا پھرے!

ہم اور ہمارے اکابر یقیناً معصوم نہیں، اور شاید اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے طعن و تشنیع کو ہمارے لیے کفارۂ سیآت بنا دے۔ اگر آپ حضرات (خانصاحب بریلوی، مولانا الوری، مولانا ابو البرکات) سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہو جائے تو فرمایئے! ہم عدالت میں کیوں جائیں؟ ہم عدالت کی بجائے ان فوائد ہی سے کیوں نہ متمتع ہوں؟

مولانا! ایک بابت ذہن میں رکھ لیجیے کہ سب سے بڑا دھوکہ آپ کے متعلق یہ ہوسکتا تھا کہ آپ آنحضرت ﷺ کا ادب کرتے ہیں، مگر تحریک ختم نبوت نے اس سلسلے میں آپ کو عریاں کر کے رکھ دیا۔ اور مولانا ابو البرکات اور عام بریلوی حضرات کی بزدلی نے آپ کا وقار ختم کر دیا ہے۔ عوام اب سمجھنے لگے ہیں کہ آپ حضرات کو صرف لفظ "یا" سے محبت ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات سے نہیں، سنت سے نہیں، آنحضرت ﷺ پر صلاۃ وسلام سب کرتے ہیں، البتہ لفظ "یا" سے آپ کو واقعی محبت ہے!

ہاں! اگر عدالت کے بغیر تسکین نہ ہو سکے تو جناب مجھے عدالت میں چیلنج کیجیے۔ میں ان شاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔ والسلام

(مجلّہ رحیق لاہور، اگست و ستمبر ۱۹۵۸ء)

جماعت کی خدمت
میں
ضروری گزارشات

ہمارے اَسلاف:

عرصہ سے جماعت میں انتشار پایا جا رہا ہے اور گوناگوں حوادث وفتن کے پیش نظر نظام کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ بارہویں صدی کے اواخر میں جب تحریک اہلحدیث کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز ہندوستان سے باہر تھا جماعت کا نظم امارت کے طریق پر تھا۔ بنگال بہار کے دیہات وقصبات تک نظم کی کڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

تبلیغ کا سلسلہ اتنا مکمل تھا کہ بقول ہنٹر عدالت کے احاطوں میں اہل توحید اپنی آواز پہنچا دیتے ہیں۔ معصیت اور کبائر کے خلاف کھلے طور پر یہ لوگ اپنی رائے کا اظہار کرتے، سادہ لوح اور نیک دل عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہوتیں، حکومت کے عمال، انگریزی عدالتوں کے کارندے، بڑے بڑے پروفیسر، وکلا، تعلیم یافتہ طبقہ ان کی اخلاقی جرأت، تقویٰ وخلوص اور حسن عمل سے بالخصوص متاثر ہوتا۔

عالمانہ بناوٹ اور وضعداری ان میں ناپید تھی، اس کے باوجود عامۃ المسلمین ان مجنوں فرزانوں کی کما حقہ قدر کرتے تھے اور ان کی باتیں کان لگا کر سنتے تھے، اور وہ بھی اس گراں مایہ پند وموعظت پر اپنے سامعین سے کسی مادی منفعت کے خواہشمند نہ تھے۔

ان کی امانت ودیانت کا یہ حال تھا کہ ان کے مبلغین کے پاس ہزاروں پونڈ اور لاکھوں روپیہ ہوتا جو بنگال، بہار، پنجاب دہلی اور ٹونک وغیرہ سے یہ وصول کر کے مرکز کو پہنچاتے، اس میں ایک پائی کی خیانت نہ ہونے پاتی، یہ بیچارے بہار سے سرحد

پار پہنچتے اور اپنی محنت پر ایک پائی وصول کرنے کی کوشش نہ کرتے بلکہ یہ کام حسبتاً للہ ہوتا۔ محض آذوقہ حیات پر یہ لوگ سکھوں اور غیر مسلم طاقتوں سے لڑتے اور اس فرض کی ادائیگی پر خوش ہوتے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق مرحمت فرمائی ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی　　منت ازو شمر کہ بخدمت گذاشت❶

اس جماعت کا کوئی آئینی منشور ہمارے سامنے نہیں اور نہ باقاعدہ آئینی منشور کی اشاعت کا وہ وقت ہی تھا، زیادہ سے زیادہ سید احمد صاحب اور سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے خطوط جو مختلف امرا کو اس وقت لکھے گئے یا وہ دعوتی خطوط جو بعض سکھوں کو لکھے یا علما کی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے جو کوششیں عمل میں لائی گئیں، اس سے جماعت کے مقاصد پر فی الجملہ روشنی پڑتی ہے اور یہی مکاتیب جماعت کے منشور کی حیثیت سے تصور کیے جا سکتے ہیں۔

ان خطوط کا کافی حصہ ضائع ہو چکا ہے اور بعض یورپ کی لائبریریوں کی زینت ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس سوانح احمدیہ اور بعض دوسری محققانہ دستاویزات سے مل سکتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل توحید کی سرگرمیوں کا مقصد مندرجہ ذیل مقاصد کا حصول تھا:

① سرزمین ہند میں خالص اسلامی نظام کا قیام۔

② رفض کے اثرات کی روک تھام۔

③ فکر و عمل کی بدعات کا استیصال۔

④ فواحش و منکرات کی کلی تردید۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لیے دو طریق سے کام ہوتا تھا، جہاد بالسیف جس کا زیادہ اثر صوبہ سرحد میں تھا، اور وعظ و نصیحت جسے سفر و حضر میں حسب موقع نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ مبلغین خود اس قدر متقی اور اسلامی تعلیمات کے پابند تھے کہ ان میں

---

❶ احسان ہے کہ سلطان کی خدمت کرتے ہو، اسے احسان شمار کر جو خدمت میں گزر گیا۔

ہر شخص بجائے خود ایک وعظ تھا۔ انفرادی زندگیاں اس قدر پاک تھیں کہ ایک شخص پورے معاشرہ پر اثر انداز ہوسکتا تھا، یعنی ایک ایک شخص اس قدر لائق تھا کہ وہ پورے پورے علاقہ کو متاثر کرے اور اپنے حسن عمل سے لوگوں کی زندگیاں بدل دے۔

پبلک جلسے اور کانفرنسوں کا چنداں رواج نہ تھا لیکن یہ ایک ایک شخص اپنی سیرت کی پاکیزگی کی وجہ سے پوری بستی اور قصبے پر اس طرح حاوی ہوتا تھا کہ سینکڑوں غیر مسلم محض اس کی سیرت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے۔

ہماری کیفیت:

اس وقت حالات یہ ہیں کہ کرنے کے کام بہت سے ہیں، منکرات و فواحش کے خلاف مستقل جہاد کی ضرورت ہے، اسلام کی بقا و تحفظ کے تقاضے ہیں، جماعتی تصور کے داعیے ہیں لیکن نظم و حوصلہ مفقود ہے۔ اگر سب احباب سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو متعین پروگرام کا طے کرنا کچھ مشکل نہیں۔ جہاں حضرت مولانا محمد داود صاحب غزنوی، مولانا محی الدین احمد اور مولانا محمد علی صاحب قصوری و اُمثالہم ایسے بزرگ سنجیدگی سے سوچیں تو پروگرام کا طے کرنا سہل ہے۔

ہمارے نزدیک اس مسئلہ کی اصل مشکل مخلص کارکنوں کا فقدان اور علمائے اہلحدیث کی بے توجہی ہے، امسال مجھے بہت سے پبلک جلسوں میں شرکت کا موقع ملا جس میں اہل جلسہ نے روپیہ تو پانی کی طرح بہایا مگر نتیجہ چنداں تسلی بخش نہ تھا، کیونکہ مقاصد متعین نہیں اور ضبط و اہتمام کی کمی ہے۔

جلسہ منعقد کرنے سے پہلے یہ سوچنا ضروری ہے کہ جلسہ کس ضرورت کے لیے بلایا جا رہا ہے؟ صرف جلسہ کی خاطر جلسہ یہ کوئی مقصد نہیں۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ بعض واعظین کی ساری کوشش اس بات پر مرکوز رہتی ہے کہ ان کا نام اشتہار میں نمایاں طور پر چھپے۔ ایک دو جچی تلی تقریریں ان علما کو یاد ہوتی ہیں، عنوان چاہے کچھ ہو وہ انھیں ہی دہرا دیتے ہیں۔ عوام کا ذہن اس طرح بن گیا ہے کہ وہ بعض نظموں

اور تقریروں کو سننا چاہتے ہیں قطع نظر اس سے کہ عنوان کیا ہے یا اس نظم یا تقریر کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟

یہ ساری مصیبت اس لیے ہے کہ اخلاص اور نظم کی کمی ہے، علما اور عوام دونوں کسی حد تک اس کا شکار ہیں، جلسوں نے ایک پیشہ اور فیشن کی صورت اختیار کر لی ہے، جہاں چند بے فکرے جمع ہوگئے اور کوئی کام پیش نظر نہ رہا تو دو مولویوں میں مختصر سی بحث چھیڑ دی، اختلاف بڑھا تو پارٹی بن گئی اور مستقل مناظرہ یا جلسہ کی ضرورت کا احساس ہوا، چندہ جمع ہوا اور نہایت بے تکے پن سے خرچ ہوا۔ چند مشہور جمعیتوں کے سوا ان ہنگامی جلسوں اور مناظرات کا کوئی باقاعدہ حساب نہیں ہوتا، جب تک عمل میں اخلاص اور نصب العین کا شعور نہ ہو جلسے مفید ہو سکتے ہیں نہ مناظرات ہی سے بگڑی بن سکتی ہے۔ ضرورت ہے کہ متعین پروگرام کے ساتھ مخلصین کی ایک جمعیت اصول کی وحدت کو سامنے رکھتے ہوئے میدان میں آئے، صوبہ اور ضلع کی جمعیتیں اصطلاحی الحاق اور نظام کی رسمی صورت سے نکل کر متدین، درد مند اور بااصول حضرات وقت کے تقاضوں کے مطابق کام کریں اور عہدوں سے قطعی بے نیاز ہو کر توحید اور سنت کی اشاعت اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی صلاحیتوں کو صرف کرنے کا عہد کریں۔

تقسیم وطن سے اسلام کی سربلندی کی جس قدر امیدیں وابستہ تھیں وہ بڑی حد تک سراب و خواب ثابت ہوئی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا پرست حضرات سے الگ رہ کر اپنی دنیا آپ بسائی جائے اور پوری کوشش اور خلوص سے کام کیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر جماعت اہلحدیث پاکستان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ تمام جمعیتیں تعاون کا ہاتھ بڑھائیں، مل کر کام کرنے کی کوشش کریں، بیسیوں جمعیتیں اس وقت تک تعاون کا عہد کر چکی ہیں، کام بتدریج بڑھ رہا ہے، خیال ہے کہ اب کچھ لٹریچر شائع کیا جائے۔ چنانچہ عنقریب ''تقویۃ الایمان'' کا ایک جدید اور عمدہ ایڈیشن دفتر جمعیت کی طرف سے شائع ہوگا۔ اس کے علاوہ دیگر

کتابوں کی طباعت بھی پیش نظر ہے، متعلقہ جمعیتوں کا فرض ہے کہ اس کی اشاعت کے لیے پوری تندہی سے کام کریں۔

حالات کی سازگاری:

اس وقت اطراف ملک، عراق و شام، مصر و نجد اور یمن وغیرہ تمام علاقوں میں اہلحدیث پھیلے ہوئے ہیں۔ اتباع سلف کی یہ تحریک اپنی ذاتی خوبیوں کی بنا پر دلوں میں گھر کر رہی ہے، لوگ خود بخود اس طرف کھنچے آ رہے ہیں، جمود اور تقلید کی بندشیں خود بخود ٹوٹ رہی ہیں، غلط رسوم و عادات کے بُت زمین پر آ رہے ہیں، تھوڑے سے نظم اور حمایت کی ضرورت ہے پوری اسلامی دنیا میں یہ نظام پھیل رہا ہے۔

مصر میں تحریک اہلحدیث بڑی سرعت سے پھیل رہی ہے۔ سید رشید رضا مرحوم کے بعد دو مقتدر عالم شیخ احمد شاکر اور شیخ حامد الفقی اس وقت اس تحریک کی روح رواں ہیں۔ بیسیوں کتابیں مع شروح وحواشی شائع ہوچکی ہیں، اور مصر میں مسند احمد مع شرح احمد شاکر اور تہذیب السنن علامہ ابن قیم حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ موصل میں حضرت صاحب التقویٰ مولانا الشیخ عبداللہ الحسو اپنی توفیق کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں بعض غیر اہم مسائل اور بعض شخصیتوں کی وجہ سے انتشار پیدا ہوگیا تھا جو بتدریج کم ہو رہا ہے اور بحمد اللہ ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ سابقہ کشمکش بالکلیہ ختم ہوجائے۔

عام جمعیتیں دفتر کے ساتھ برابر تعاون کر رہی ہیں، دفتر بھی انھیں مناسب مشورے دے رہا ہے، چند پرانی اور بڑی بڑی جماعتیں البتہ تعاون سے گریزاں ہیں۔ حقیقی اسباب کا علم تو خدائے برتر کو ہے بظاہر عدم احساس، جماعتی مزاج اور شعور کی کمی کو اس میں بڑا دخل ہے۔

اس سلسلہ میں یہ نامناسب نہ ہوگا کہ ملتان کی جمعیت کا تذکرہ کیا جائے، یہ بلاشبہ قابل قدر جماعت ہے، اس کی مالی حالت اچھی ہے۔ پچھلے سال سے یہ ایک

مدرسہ بھی چلا رہی ہے، جماعت کے حسابات جہاں تک میرا خیال ہے درست اور باقاعدہ ہیں۔ حضرت مولانا شرف الدین صاحب دہلوی کی تشریف آوری نے اس کے اخلاص اور عمل کو اور بھی چمکا دیا ہے۔

اس کے باوجود جمعیت نے مرکز کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ باقی جماعتیں بھی ان کی پیروی کریں گی اور بے قاعدہ و بے نظمی کو چھوڑ کر جماعت کے ساتھ تعاون کریں گی۔ يد الله على الجماعة فإنه من شذ شذ في النار۔ ❶ جماعت سے علیحدگی مجرمانہ فعل ہے، جب تک صحیح شرعی نظام ملک میں قائم نہیں ہوتا یہی جماعتی اور شورائی نظام ہے جو اس کی جگہ لے سکتا ہے بلکہ اس کی اقامت کے لیے ابتدائی کوشش تصور کیا جا سکتا ہے۔ مرکز کے ساتھ جماعتوں کی وابستگی کے بعد ہی مرکز اور برانچوں کے باہمی تعلق و تعاون کے لیے قواعد و ضوابط کی صحیح تشکیل کی جا سکتی ہے۔

(الاعتصام، شمارہ: ۴۱، جلد: ۱، ۲۰ر رمضان ۱۳۶۹ھ بمطابق ۷ر جون ۱۹۵۰ء)

---

❶ سنن الترمذي، رقم الحديث (۲۱٦۷) اس حدیث کی سند میں ''سلیمان بن سفیان المدنی'' راوی ضعیف ہے لیکن اس روایت کا پہلا حصہ ''يد الله على الجماعة'' ثابت ہے۔ دیکھیں: ظلال الجنة للألباني (ص: ۸۰، ۸۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علماء و زعمائے اہل حدیث کے لیے

چند قابل التفات گزارشات، تعلیمی انحطاط اور اس کا مداویٰ

﴿اِنَّ فِیۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ﴾

دینی مدارس اور ان کا نظام بلا تخصیص پاکستان میں رو بہ انحطاط ہے، مدارس مطلق العنان ہیں۔ عموماً ان کی موجودہ مساعی کا رخ کسی اہم دینی مقصد کی طرف نہیں۔ امسال سیالکوٹ کانفرنس کے صدر محترم مولانا محی الدین احمد صاحب نے اختصار کے باوجود بڑی وضاحت کے ساتھ اس پر بحث فرمائی اور انحطاط کے اہم نکات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ صدر محترم نے موقع و مقام کے لحاظ سے اہل حدیث مدارس اور ان کے مدرسین و مہتممین کو توجہ دلائی ہے بلکہ ان جماعتوں کو جو ان مدارس کا اہتمام کر رہی ہیں وارننگ دی ہے کہ اگر آپ حضرات نے اپنے نظامِ تعلیم کو درست نہ کیا تو وقت آپ کو مجبور کرے گا اور تعجب نہیں کہ آپ کے یہ مدارس بے کار سمجھ کر نظر انداز کر دیے جائیں۔ اساتذہ اب بھی ناپید ہیں، ایسا نہ ہو کہ طلبا بھی آپ کو میسر نہ آ سکیں!

تعلیم میں نظم کا فقدان:

مولانا نے فرمایا:

”جب ہم اس (نظام تعلیم) پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ظاہری اور باطنی انتشار کا طوفانِ عظیم نظر آتا ہے۔ ظاہری نظم تو اس لیے مفقود ہے کہ ہر مدرسہ بجائے خود ایک مستقل اور خود مختار ادارہ ہے جس کا نظم اس کے بانی یا مہتمم کے ہاتھوں میں ہے، اور کوئی ربط یا انسلاک ایک مدرسہ کا

دوسرے مدرسہ سے نہیں۔“

اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو نظر آجائے گا کہ بڑے بڑے شہروں، قصبات اور دیہات تک چھوٹے چھوٹے مدارس کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ مدارس برائے نام آزاد حکومتیں ہیں۔ نہ ان کی تعلیمات میں کوئی نظم و ربط ہے نہ کسی مدرسہ کے اساتذہ اور طلبا کا دوسرے مدارس سے کوئی تعلق اور ربط۔ نہ طلبا پر کوئی پابندی، طالب علم جب چاہے مدرسہ کو خیر باد کہہ سکتا ہے، کوئی قانون اسے نہیں روک سکتا۔ جب وہ دوسرے مدرسے میں جاتا ہے تو گویا وہ دوسری حکومت میں داخل ہوتا ہے اور وہ ادارہ بھی اسے اہلاً وسہلاً کہہ کر قبول کر لیتا ہے کہ درس گاہ میں ایک نفری بڑھی مگر دونوں اس سے بے خبر ہیں کہ اس طالب علم کی آئندہ زندگی میں اس کا کیا اثر ہوگا؟

ممکن ہے وہ پورا سال انھیں تبدیلیوں میں صرف کر دے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ مدارس ضرورت کے مطابق کھولے جائیں اور ان مدارس کے باہم مراسم ہوں۔ طلبا کا داخلہ اثنائے سال میں کسی ضرورت اور اصول کے تحت ہو، اور یہ مدارس شہری یا ضلعی جماعتوں کی صواب دید کے مطابق تعلیم کی ایک حد مقرر کریں، اور جب طالب علم اس حد تک پہنچ جائے تو پہلا مدرسہ خود اسے دوسرے مدرسہ کے حوالے کر دے۔

مولانا چاہتے ہیں کہ ان مدارس کے باہم ربط کے بعد ان تمام مدارس کو مرکز اور مرکزی درس گاہ کے ساتھ مربوط ہونا چاہیے، اس سے خود بخود نصاب میں وحدت پیدا ہوگی اور پورے ملک میں ایک نصاب رائج ہوگا۔ اپنے اپنے درجوں میں اساتذہ محنت سے کام کریں گے اور طلبا ایک حد تک قابلیت پیدا کر سکیں گے۔

اب یہ حال ہے کہ بعض مقامات پر اساتذہ صرف بہائی، نحو میر ختم ہونے کے بعد بخاری شریف کو شروع کرا دیتے ہیں تاکہ گرد و نواح کے دیہات میں بخاری شریف کو ختم کرنے کی تقریب منا سکیں اور سال کے اخراجات کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ اور دکھا سکیں کہ سال میں کتنے فضلائے کرام نے صحیح بخاری شریف ختم کر

کے سند فراغت حاصل کی؟ ایسے ’’فارغ التحصیل‘‘ طلبہ سے کبھی معیاری قابلیت کی امید رکھنا ظاہر ہے نہایت موہوم اور غلط قسم کی امید ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

> ’’نہ مرکز کے ساتھ کسی قسم کی وابستگی ہے، نصاب اپنا اپنا ہے، امتحان اپنا اپنا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تعلیم کا کوئی معین معیار نہیں۔‘‘

آپ کا خیال ہے کہ نصاب کی وحدت کے بعد کم از کم انتہائی جماعتوں کا امتحان مشترک ہونا چاہیے، قابل ممتحن سے معیاری پرچے بنوائے جائیں۔ پورے ملک میں بیک وقت نتائج شائع ہوں، ان امتحانات کی نگرانی ایک بورڈ کرے جس کا تمام مدارس سے یکساں تعلق ہو۔

مولانا قصوری جن دنوں ناظم تعلیمات تھے اُن کی مساعی سے جامعہ سلفیہ میں ایک دفعہ مختلف مدارس کا امتحان اجتماعی طور پر ہوا تھا۔ اس پر مرکزی جمعیت کا کئی ہزار روپیہ خرچ آ گیا تھا۔ بعض فروگذاشتوں کے باوجود اس میں بے حد فوائد تھے مگر اصحابِ غرض نے دوسرے سال اس کے امکانات ختم کرا دیے۔

مولانا کے علم میں ہے کہ اس ملک میں پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے مدارس میں صرف امتحانات کے سلسلہ میں کتنی بے ضابطگیاں ہوتی ہیں۔ اساتذہ اور مہتمم حضرات اپنے مدرسہ اور طلبہ کے لیے کس قدر منت سماجت کرتے ہیں اور بعض ممتحن حضرات اس ضمن میں کس قدر ناجائز مراعات دے کر مہتممین اور مدرسین کو کس طرح ممنون کرتے ہیں اور خود خوش ہوتے ہیں۔ اس سے امتحان کا مقصد ہی غارت ہو جاتا ہے۔

مولانا کا مقصد یہ ہے کہ امتحانات صرف علم اور قابلیت کی بنا پر ہونے چاہییں، اس میں کسی سفارش یا طمع کی بنا پر کسی کو کوئی رعایت نہیں ملنی چاہیے۔

ہمارے موجودہ نصاب میں حدیث بہت کم پڑھی اور پڑھائی جاتی تھی۔ سنتے ہیں صرف ربع مشکوۃ شریف پڑھایا جاتا تھا۔ باقی عرصہ تعلیم میں سارا زور فقہ، اصول

فقہ اور منطق پر صرف ہوتا تھا۔ اب بھی تاریخ، حضری علوم حساب، جغرافیہ، معاشیات وغیرہ صفر کے برابر ہیں، حالانکہ دورِ حاضر میں وقتی ضروریات کے لحاظ سے ان علوم کا اضافہ نہایت ناگزیر ہے۔ معلومات عامہ، تاریخ، جغرافیہ اور حساب کا اضافہ قطعاً ناگزیر ہے، تاکہ دینی درس گاہ کا فارغ التحصیل زندگی کے میدانِ عمل میں اپنے آپ کو پوری طرح اہل ثابت کر سکے۔ موجودہ نظام ممکن ہے مولانا نظام الدین مغفور سہالوی کے وقت مفید ہو اب تو وقت بدل چکا۔ اہل حدیث نے اس میں فن حدیث کا معتدبہ حصہ بڑھایا۔ اب ضرورت ہے کہ جدید عربی ادب، تاریخ، جغرافیہ، حساب وغیرہ کا اضافہ کیا جائے۔

یہ احساس اب عام ہو رہا ہے، یہاں تک کہ جو مدارس جمود اور قدامت پسندی میں اپنی مثال آپ ہیں وہ بھی اب نصاب میں تبدیلی کی ضرورت کو بیش از بیش محسوس کر رہے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

> ”اس انتشار سے بھی زیادہ افسوسناک اور پریشان کن وہ معاشی بحران ہے جو ہمارے معاشرے میں پیدا ہو رہا ہے۔ اور دن بدن زیادہ خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔“

کم سواد اور غیر مربوط مدارس کی پیداوار جب ان چھوٹے چھوٹے مدارس سے فارغ ہوتے ہیں تو اپنے لیے تجارت، محنت، مزدوری کی راہیں کچھ سازگار نہیں پاتے، تو پھر یا تو وہ بعض معمولی معمولی مسائل پر جھگڑا شروع کرتے ہیں یا پھر الگ ایک مسجد بنانے کے بعد پڑوسی کی مساجد سے نمازی اغوا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر ذرا زیادہ باہمت ہوئے اور عقل کے دشمن اور دو چار سر پھرے مل گئے تو وہ شہر سے زکوۃ جمع کر کے ایک مدرسہ جاری کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ دین کی آڑ میں معاش کے لیے تگ و دو ہوتی ہے۔ پھر یہ حضرات ہر اخلاقی انحطاط اور انتہائی

بد ذوقی، بے مروتی اور شرارت کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے کوئی دنیا پرست اپنی دکان کے لیے کرتا ہے۔

مولانا موصوف کا کہنا یہ ہے کہ تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن ضرورت یہ ہے کہ تعلیم بد اخلاقی اور باہم رنجش کا موجب نہ بنے۔ اگر تعلیم کا نتیجہ باہم اختلاف اور امت میں افتراق ہو تو اس علم سے جہالت بدرجہا بہتر ہے۔

مولانا کا منشا یہ ہے کہ دینی تعلیم کو مفید بنایا جائے اور اس میں نظم اور اخلاق کو اس طرح آمیز کیا جائے کہ یہ دین اور دنیا کی برکتوں کا موجب ہو، علمائے کرام کے اعمال دیکھ کر لوگوں میں یہ شوق پیدا ہو کہ ان کی اقتدا کریں۔ ہمارے موجودہ مدارس کے بعض فوائد سے انکار نہیں مگر ان مدارس کی بے ربطی اور نصاب کی ناہمواریوں نے جن عیوب کو پیدا کیا ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس لیے میں اربابِ مدارس سے پورے دردِ دل کے ساتھ اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ نظام تعلیم پر ہمدردانہ غور فرمائیں۔ خصوصاً:

- مدرسہ تعلیم الاسلام، اوڈانوالہ۔
- جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ۔
- مدرسہ دار الحدیث محمدیہ، ملتان۔
- مدرسہ جامعہ اسلامیہ، گوجرانوالہ۔
- دار العلوم تقویۃ الاسلام غزنویہ، لاہور۔
- مدرسہ دار القرآن والحدیث، لائل پور۔
- مدارس دینیہ تاندلیانوالہ۔ وغیرہ۔

ان مدارس کے مہتممین اور اکابر مدرسین سے گزارش ہے کہ امت کی حالت اور جماعت کی غربت پر رحم فرمائیں، اور بچوں کے مستقبل پر غور فرمانے کے لیے باہم سر جوڑ کر اصلاحِ حال کی کوشش کریں۔

سماجی برائیوں کا سدِّ باب:

سماجی برائیوں پر غور کرنے کے لیے جو کمیشن ۱۹۶۱ء میں مقرر ہوا تھا اس نے نہایت ہی تحقیق، تفتیش اور جانفشانی سے چار سال بعد اپنی تحقیقاتی رپورٹ حکومت کی خدمت عالیہ میں پیش کر دی ہے کہ یہ برائیاں درحقیقت برائیاں ہیں۔ اور الحمدللہ کہ حکومت نے بھی ان برائیوں کو برائیاں تسلیم کر لیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ بورانیت باذنجان، باذنجان بورانی ①

لیکن رپورٹ کرنے اور تسلیم کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا جب تک کہ ان برائیوں کے محرک اسباب کی عمومیت، عریاں تصاویر، فحش رسائل، فحش مضامین، فحش اشتہارات وغیرہ بند نہ کیے جائے۔ پھر ان سب کی اصلی جڑ سینما ہے جہاں چوری، ڈکیتی، زنا، شراب، اغواء، عاشقی معشوقی وغیرہ کے جملہ اسباق عملاً پڑھائے جاتے ہیں۔ جب تک یہ محرکات بند نہ ہوں وعظ و پند کچھ فائدہ دے سکتا ہے نہ حکومت کا قانون آڑے آسکتا ہے اور، نہ عصمت فروشی، منشیات کا استعمال، رشوت ستانی، شادی بیاہ وغیرہ میں اسراف و تبذیر اور افسروں کی بدکرداری اور اسی قسم کی دوسری برائیاں جب تک سرکاری اور نیم سرکاری حلقوں میں ختم نہ ہوں گی ان کا انسداد نہیں ہوسکتا، کیونکہ رشوت کے باعث اب روپیہ کی ریل پیل زیادہ تر اسی حلقہ میں ہے۔ اور حرام کی کمائی ہی درحقیقت ان برائیوں کی جڑ ہوتی ہے۔ جب سرکاری اور نیم سرکاری افسران و اہل کاران برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں تو بفحوائے ”الناس علی دین ملوکھم“ پرجا بھی راجا کے پیچھے پیچھے چلنے لگتی ہے۔

---

① تیس سال بعد یہ حقیقت خاقانی پر ثابت ہوئی کہ یہ بورانیت بینگن ہے اور بینگن بورانی۔

مسیحی مشنریوں کے زہریلے اثرات:

پاکستان کے تقریباً سبھی جرائد حکومت کو متنبہ کر چکے ہیں کہ اس اسلامی ملک میں جو اب تک لاکھوں غیر عیسائیوں کو عیسائی بنایا گیا ہے اس کے نتائج صرف اسلام کے لیے ہی خطرناک نہیں ہیں بلکہ کسی وقت اکثریت و اقلیت کے انتخاب اور تقسیم کا سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے جو اس اسلامی مملکت کے لیے مہلک نتائج کا حامل ہوگا۔ اور یہ صرف قیاس ہی نہیں عالمی مشنری کونسل مذہب کی اشاعت و تشہیر کی آزادی سے فائدہ اٹھا کر جو نو آزاد ممالک میں اپنے مشنری بھیج رہی ہے ان کا مقصد ہی ان ممالک میں سیاسی اثر و رسوخ پیدا کرنا ہے۔ ورنہ دنیا جانتی ہے کہ یورپ اور امریکہ کو جب اب خود ہی مذہب سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں رہا ہے تو ان کے خیال کے مطابق موہومہ جنت و دوزخ کے لیے دنیا کی ہمدردی کی مروڑ ان کے پیٹ میں کیوں پیدا ہونے لگی؟

تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے اسکول، ہسپتال، مشنری اور تمام خیراتی ادارے درحقیقت مذہبی نہیں بلکہ سیاسی حیثیت رکھتے ہیں۔ گذشتہ سال مدھیہ پردیش (بھارت) میں حکومت ہند نے غیر ملکی مشنری اداروں کی سرگرمیوں کی تحقیقات کرنے کے لیے جو کمیشن مقرر کیا تھا اس نے اپنی رپورٹ تیار کر لی ہے مگر ہند سرکار نے امریکہ کی ناراضی کے خوف سے اس کو ابھی تک شائع نہیں کیا۔

اب جبکہ ہم پر امریکہ کا کوئی دباؤ نہیں رہا تو حکومت کو چاہیے کہ غیر ملکی مشنری پلپلی چوہوں کو جلد از جلد ملک سے نکال دے کہ یہ اسلام اور پاکستان کے لیے سخت خطرناک ہیں!

قرآن خوانی کی گرانٹ نامنظور:

محکمہ تعلیم نے گذشتہ سال پرائمری اور ہائی اسکولوں میں قرآن ناظرہ کی تدریس کے انتظامات کے لیے ایک خصوصی سکیم نافذ کی تھی کہ ہر ضلع میں دو انسپکٹر اور ایک انسپکٹرس کا تقرر کیا تھا جو اساتذہ بچوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھا سکتے ہوں، ان کے

لیے مندرجہ بالا خصوصی اسکیم کے تحت دو انسپکٹر اور ایک انسپکٹرس ہر ضلع میں مقرر کیے گئے تھے کہ ناظرہ قرآن سے بھی ناخواندہ اساتذہ کی تعلیم کا انتظام یہ انسپکٹر کریں۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ پرائمری اسکولوں کے صرف نو فی صد اساتذہ قرآن ناظرہ پڑھا سکتے ہیں اور اکانوے فی صد بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہ عوام کا حال نہیں ہے بلکہ ہماری اسلامی جمہوریہ پاکستان، جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت ہے، اس کے پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کا حال ہے۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.

اس افسوسناک اطلاع پر چاہیے تو یہ تھا کہ ہماری یہ اسلامی حکومت اپنی گزشتہ غفلت پر اظہارِ ندامت کر کے ہر ضلع میں دو صد انسپکٹر اور ایک صد انسپکٹرس کا انتظام اساتذہ کو قرآن پڑھانے کا کرتی، مگر ہوا یہ کہ محکمہ تعلیم کی طرف سے اس سال ان تین انسپکٹروں کو بھی قرآن خوانی کے انتظام سے الگ کر دیا گیا ہے کہ محکمہ خزانہ نے تعلیمی بجٹ میں قرآن خوانی ریفریشر کورس کے لیے مطالبہ زر کو تسلیم نہیں کیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ دیگر غیر دینی تعلیمات اور موسیقی میں باجا وغیرہ کے لیے تو کروڑوں روپیہ منظور کیا جا سکتا ہے مگر قرآنی تعلیم کے لیے خزانہ کے بجٹ میں کچھ نہیں ہے۔ اسی لیے کہا جاتا تھا: پاکستان کا مطلب ہے: لا إلہ إلا اللّٰہ؟

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ٦/ اگست ١٩٦٥ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوتِ عمل

حضرات! الحمد للہ وہ آرزو جو مدت سے ہمارے دلوں میں سلگ رہی تھی پوری ہوئی۔ ہم ایک عرصے سے ایسے اخبار کی اشاعت کے خواب دیکھا کرتے تھے جو مسلک اہلحدیث کو سلیقے سے پیش کر سکے، جس میں ان اختلافات کی پرچھائیں تک نہ ہو جو گزشتہ پچاس سال کی غلط روش سے ہمارے علما میں رونما ہوئے، جو صرف ہماری علمی کوششوں کو اجاگر کر سکے، ہماری جماعت میں عمل کی روح پھونک سکے اور ملک میں ان تقاضوں کا کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دے سکے جن کے صحیح صحیح جواب پر صرف اہلحدیث ہی کو قدرت حاصل ہے۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ خواب پورا ہوا۔ ''الاعتصام'' کا اجرا انھیں اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے ہوا ہے۔ اس کی تمام اشاعتیں آپ کے سامنے ہیں، اگر اس کو پڑھ کر آپ کی مذہبی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے، اگر اس سے اہلحدیث کا وقار بڑھتا ہے، اگر اس میں جماعتی شیرازہ بندی کے امکانات آپ کو نظر آتے ہیں تو پھر آپ کو اس کے مقابلے میں اپنے فرائض محسوس کرنا چاہییں۔ یہ کسی شخص کا ذاتی اخبار نہیں بلکہ پوری جماعت کی ترجمانی کا فخر اسے حاصل ہے، اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ ایک ہی معیاری پرچہ ہے جو انفرادی ذوق اور انفرادی کاروباری مصلحتوں سے بالا تر رہ کر کتاب و سنت کا داعی ہے۔ ہمیں ہر پڑھے لکھے اہلحدیث سے توقع ہے کہ وہ اس کی توسیعِ اشاعت کے لیے سرگرمی سے کوشاں ہوگا۔

جماعتی زندگی میں اخبار کی جو حیثیت ہے ہمیں یقین ہے کہ تمام حضرات اس سے آگاہ ہوں گے۔ آج نشر و اشاعت کے وسائل میں اس کو بلاشبہ یہ اہمیت حاصل ہے

کہ یہ جس قدر مؤثر، جتنا شاندار اور جس نسبت سے کثیر الاشاعت ہوگا اسی انداز سے بیداری اور جماعتی اعزاز میں اضافہ ہوگا۔

اہلحدیث اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور ان کے دلوں میں کتاب و سنت کی اس مخصوص ترجمانی سے، جسے ہم اہلحدیث سے تعبیر کرتے ہیں، واقعی لگاؤ ہے تو انھیں ہمارا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

ہمارے سامنے کام کا ایک تفصیلی نقشہ ہے، ہمارے دل میں جماعتی زندگی کی بقا و استحکام کے لیے کچھ عزائم ہیں، ہم خاص ڈھب سے اس تصور کی اشاعت چاہتے ہیں جس سے ایک طرف جماعت میں جو ایک طرح کا احساس کمتری پیدا ہوگیا ہے وہ دور ہو اور دوسری طرف دوسروں کی رائے میں خوشگوار تبدیلی ہو۔ ہم تنظیم و احیا کے ساتھ دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلامی تصور کے نکھارنے اور باطل کے خلاف صف آرا ہونے پر ہمارا کتنا بڑا حصہ ہے۔ ہماری تاریخ علمی اور عملی دونوں اعتبار سے اس لائق ہے کہ ہم اس پر فخر کرسکیں۔ لیکن یہ سب باتیں اس پر موقوف ہیں کہ اہل حدیث جہاں جہاں ہوں وہ ہمارا ساتھ دیں، اخبار کی اشاعت کو بڑھائیں اور ہمیں اس قابل بنادیں کہ اس سمت ہم کامیابی سے قدم بڑھا سکیں۔

خدارا روایتی جمود کو توڑیے، چھوٹے چھوٹے مقامی مسائل کے حصار سے نکل کر دیکھیے کہ یہاں زندگی کے بڑے بڑے معرکے آپ کے منتظر ہیں!

(الاعتصام، شمارہ: ۱۳، جلد: ۱، ۲۱ رصفر ۱۳۶۹ھ بمطابق ۲۳ ردسمبر ۱۹۴۹ء)

دینی جماعتوں کے اتحاد کے لیے
مرکزی جمعیت اہلحدیث کا مسلسل طریقِ کار

تمام دینی جماعتوں کے راہنماؤں سے دردمندانہ اپیل

مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے انتخابی بورڈ کی کارروائی جو ’’الاعتصام‘‘ کے اگست کے شمارے میں شائع ہوچکی ہے اس میں انتخابی بورڈ نے ایک بیان اخبارات کے لیے بغرض اشاعت مرتب کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نظام اسلام پارٹی اور جماعت اسلامی نے آنے والے انتخابات میں جماعت اہل حدیث کو اشتراک عمل کی جو دعوت دی ہے انتخابی بورڈ نے ان دونوں جماعتوں کی دعوت پر ہمدردانہ غور کیا اور اپنی قدیم اور مسلسل پالیسی کے ماتحت یہ فیصلہ کیا کہ دین پسند جماعتوں کا آپس میں مل کر کام کرنا اس نازک دور میں نہایت ضروری ہے، اور مزید تفصیلات کے طے کرنے کے لیے صدر مرکزی جمعیت اہلحدیث کو مجاز گردانا گیا، وہ ان جماعتوں کے سربراہوں سے گفتگو کریں تاکہ انتخابی بورڈ آخری فیصلہ کر سکے۔

اس فیصلہ کے شائع ہونے کے بعد ہمارے بعض کرم فرماؤں نے کچھ اس انداز میں تنقید کی گویا جماعت اہلحدیث کا یہ اقدام اسلامی تعلیمات یا اسلامی مقتضیات کے خلاف ہے یا جماعت اہل حدیث کے شایان شان نہیں۔

ایسے تمام دوستوں کی واقفیت نیز تمام قارئین ’’الاعتصام‘‘ کے لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم مرکزی جمعیت اہل حدیث کی اس بارے میں اس کی پالیسی کو، جو مسلسل ۱۹۵۲ء سے چلی آرہی ہے، کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کردیں تاکہ یہ حقیقت

سب پر آشکارا ہو جائے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث تمام لادینی طاقتوں کے مقابلے میں دینی رجحان رکھنے والی جماعتوں کے متحدہ محاذ کے لیے ساعی وکوشاں رہی ہے، اور بغیر کسی امتیاز اور خصوصیت کے تمام دینی جماعتوں کو مشترک مفادِ اسلامی کے لیے دعوتِ اتحاد دیتی رہی ہے۔

اسلامی دستور کے لیے:

سب سے پہلے اسلامی دستور کے مطالبہ کے لیے متحدہ محاذ پیش کرنے کی جب ضرورت محسوس ہوئی تو مرکزی جمعیت نے اس آواز پر لبیک کہا اور کراچی کے اجتماع میں، جو ۱۹۵۲ء کے اوائل میں ہوا، اپنے نمائندوں کے ذریعے شرکت کی، اس اجتماع میں جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علماءِ پاکستان، جمعیت اہلحدیث، جماعت اسلامی۔ غرض دیوبندی، اہل حدیث، بریلوی، شیعہ اور سنیوں کے تمام فرقوں کے مقتدر علما نے اس میں شرکت کی، اور فخر کے ساتھ یہ بات کہی جاتی رہی کہ لادینی جماعتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر کے علما نے جس اتحادِ عمل اور وحدتِ فکر کا ثبوت پیش کیا ہے وہ تاریخِ اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔

تحفظِ ختم نبوت:

تحریک تحفظِ ختم نبوت جو قادیانی فتنہ کے استیصال کے لیے ۱۹۵۲ء میں چلائی گئی تھی، اس میں بھی جمعیت علماء اسلام، جمعیت علماءِ پاکستان، جمعیت اہل حدیث، جماعت اسلامی، ادارہ تحفظ حقوقِ شیعہ اور مجلسِ احرارِ اسلام کے مقتدر راہنماؤں نے شرکت کی۔ اس تحریک کو کامیابی کے مراحل تک پہنچانے میں مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے راہنماؤں نے شرکت کی، اور کبھی یہ سوال ملک کے کسی گوشہ سے یا کسی دینی حلقہ کی طرف سے بھی نہیں اٹھایا گیا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت میں فلاں عقیدہ کا نمائندہ کیوں ہے یا اختلافِ عقائد کی وجہ سے فلاں فلاں بزرگ کو اس میں شامل نہیں کرنا چاہیے؟

لائل پور کانفرنس:

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی سالانہ کانفرنس لائل پور میں جو سب سے اہم قرار دار منظور کی گئی تھی اور ملک کے اخبارات نے جس کا خیر مقدم کیا تھا وہ یہی تھا کہ اسلام پسند عناصر کا متحدہ محاذ قائم کیا جائے۔ یہ قرار داد بڑی مفصل تھی جو ''الاعتصام'' کے ۸/اپریل ۱۹۵۵ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ اس قرار داد میں پاکستان کے سیاسی، معاشی اور اخلاقی حالات کے تذکرہ کے بعد یہ کہا گیا ہے:

> ''ان حالات کے پیش نظر یہ اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اصلاحِ احوال کے لیے یہ ضروری ہے کہ پاکستان کے تمام اسلامی عناصر اور دین کو اپنی سرگرمیوں کا محور قرار دینے والی جماعتیں ایک ایسے پروگرام پر جمع ہوں جو ان کو اسلام کے بقا و تحفظ اور پاکستان کی سالمیت اور اسلامی ریاست بنانے کے مقصد میں کامیابی تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکے۔''

مرکزی جمعیت کے دفتر میں اجتماع:

لائل پور کانفرنس کی اس قرار دار کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مرکزی جمعیت کی طرف سے مختلف دینی جماعتوں کے معزز نمائندوں کا اجتماع ۱۰/اپریل ۱۹۵۵ء کو طلب کیا گیا، اس اجتماع میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے اکابر کے علاوہ جمعیت علماءِ اسلام کل پاکستان کے اکابر مولانا مفتی محمد حسن صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا محمد متین صاحب خطیب، مولانا مطیع الحق صاحب، علامہ علاؤ الدین صاحب صدیقی، مولانا عبدالعلیم صاحب قاسمی، جماعتِ اسلامی پاکستان کے قیم میاں محمد طفیل صاحب، مولانا ملک نصر اللہ خاں عزیز، نعیم صدیقی صاحب، میاں عبدالباری صاحب لیڈر اپوزیشن پارٹی پنجاب اسمبلی نے شرکت کی۔ مولانا ابو الحسنات صاحب صدر جمعیت علمائے پاکستان کو بھی دعوت دی گئی

تھی لیکن وہ چکوال تشریف لے گئے اس لیے شریکِ اجتماع نہ ہو سکے۔

اس اجتماع میں مولانا سید محمد داود غزنوی صدر مرکزی جمعیت نے لائل پور کانفرنس کی قرارداد (جس کا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے) کی تشریح کرتے ہوئے تمام مکاتبِ فکر کے راہنماؤں سے اپیل کی کہ اسلام کے اجتماعی مفاد کے تحفظ کی خاطر اپنے اختلافات کو ایک دائرہ میں محدود کر کے لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور الحاد و زندقہ کے بے پناہ طوفان کے مقابلے کے لیے ایک مضبوط متحدہ محاذ پیش کریں۔ حاضرین نے اس مقصد سے اتفاق کیا اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس کے لیے کام کرنے کا عہد کیا۔

راہنماؤں کا اعلان:

اس کے بعد دینی جماعتوں کے راہنماؤں نے ایک مشترکہ بیان اپریل ۱۹۵۵ء میں تمام اخبارات میں شائع کیا، جس پر مولانا ابو الحسنات صدر مرکزی جمعیت علمائے پاکستان، مولانا مفتی محمد حسن صاحب صدر جمعیت علمائے اسلام کل پاکستان، مولانا سید داود غزنوی صدر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان، مولانا امین احسن اصلاحی امیر جماعتِ اسلامی پاکستان اور دوسرے راہنماؤں کے دستخط تھے۔

اس مشترکہ اپیل میں تمام جماعتوں سے یہی استدعا کی گئی تھی کہ جو حالات اس وقت برسرِ اقتدار حکمران طبقہ نے پیدا کر رکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و اہلِ دین کے خلاف عوام میں نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کر کے دلوں سے شعائرِ اسلامی کی عظمت ختم کر کے ان کی سبکی اور توہین کے لیے ذہنوں کو تیار کیا جا رہا ہے، اور مختلف دینی جماعتوں کو ایک دوسرے سے دست و گریباں کر کے اسلام کی مجموعی قوت کو ختم کر کے لادینیت کے راستہ پر یہ طبقہ ڈال دینا چاہتا ہے۔

مذکورہ بالا دینی جماعتوں کے اکابر نے اس اپیل میں کہا ہے کہ ہم پوری دل سوزی کے ساتھ تمام لوگوں سے استدعا کرتے ہیں کہ اپنی تمام توجہات اختلافی مسائل سے ہٹا کر اسلام کی بنیادوں کی مدافعت اور ان کے استحکام پر صرف کریں، اور اس

بات کا عزم صمیم کرلیں کہ کم ازکم اس وقت تک جب تک اباحت پسندی اور بے دینی و الحاد کے اس طوفان کا زور ٹوٹ کر فضا معمول پر نہ آجائے وہ اپنی توجہات فروعی اور اختلافی مسائل پر صرف کرنے کے بجائے اس حملہ کی مدافعت پر صرف کریں جو دین کی بنیادوں پر کیا جارہا ہے۔

مرکزی جمعیت کی سالانہ کانفرنس گوجرانوالہ اور سرگودھا کانفرنس کی قراردادوں میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس لیے مرکزی جمعیت اہل حدیث اپنے مسلسل اور مربوط طریقِ کار کی بنا پر تمام دینی جماعتوں کے ساتھ اتحادِ عمل کے لیے تیار ہے، وہ دیوبندیوں کی جمعیت علمائے اسلام ہو یا بریلویوں کی جمعیت علمائے پاکستان، وہ جماعت اسلامی ہو یا مجلس احرارِ اسلام، سب کے ساتھ اشتراکِ عمل کر کے اباحت پسندوں اور لادینی طاقتوں کے مقابلے میں صف آرا ہونے کو تیار ہے۔ اور اپنے اس ناقابلِ شکست یقین کے اظہار میں ہم کوئی تأمل محسوس نہیں کرتے کہ:

> ''اگر یہ دینی جماعتیں آپس میں برسرِ پیکار رہیں تو اس کا فائدہ اس طبقہ کو پہنچے گا جو عرصہ سے اس ملک کو لادینی ریاست بنانا چاہتا ہے، اور جو اہلِ علم اور اہلِ دین کے خلاف عوام میں نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کر کے ان کو مذہب سے متنفر کر رہا ہے، اور جو مختلف دینی جماعتوں کو ایک دوسرے سے دست و گریباں کر کے اسلام کی مجموعی قوت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔''

رمضان المبارک سے پہلے:

گزشتہ رمضان المبارک سے پہلے بعض مخلص مسلمانانِ لاہور نے موچی دروازہ کے اندر تمام دینی جماعتوں کے راہنماؤں کا اجتماع طلب کیا۔ اس اجتماع میں حضرت مولانا احمد علی صاحب صدر جمعیت علمائے اسلام مغربی پاکستان، مولانا ابوالحسنات صاحب صدر جمعیت علمائے پاکستان، مولانا سید داود صاحب غزنوی صدر جمعیت

اہل حدیث مغربی پاکستان اور جماعتِ اسلامی پاکستان کے قیم میاں محمد طفیل صاحب اور دوسرے سربرآوردہ حضرات تشریف فرما تھے۔ داعی حضرات نے تمام دینی جماعتوں کے راہنماؤں سے اپیل کی کہ انتخابات قریب آ رہے ہیں، اگر دینی جماعتوں نے باہمی اشتراکِ عمل سے کام نہ لیا تو نتیجہ ظاہر ہے، جو طاقتیں اس وقت ہم پر مسلط ہیں ان کی گرفت اور مضبوط ہو جائے گی اور دینی اقدار کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے وہ اپنے انتہائی نقطہ کو پہنچ جائے گی۔

اس اپیل کے جواب میں سب سے پہلے مولانا احمد علی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کے لیے بالکل تیار ہوں، دوسری جماعتوں کے رہنماؤں نے بھی حضرت مولانا کی تائید فرمائی۔ صرف مولانا ابو الحسنات صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی جماعت سے مشورہ کر کے بتا سکوں گا۔

بہر حال ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب جیسا بزرگ جو جمعیت علماءِ اسلام مغربی پاکستان کے صدرِ محترم ہیں اور جن کی سرپرستی میں عزیز معاصر "ترجمان اسلام" شائع ہو رہا ہے، سب سے پہلے انتخابات کے سلسلہ میں متحدہ اسلامی محاذ کی تجویز پر لبیک کہتے ہیں، وہ اسلامی متحدہ محاذ جس میں جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت علمائے اسلام، جماعت اسلامی اور جماعت اہل حدیث کے اکابر کی شرکت کی تجویز تھی۔

متحدہ اسلامی محاذ کے سلسلہ میں واقعات کا یہ تسلسل اس لیے ہمیں بیان کرنا پڑا ہے کہ آج تک جب کبھی بھی مختلف دینی جماعتوں کے اشتراکِ عمل کا مسئلہ پیش ہوا یا اس پر عمل ہوا سوائے مرزائی جماعت کے کبھی کسی جماعت کے متعلق یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ فلاں جماعت کو شریک نہ کیا جائے اور فلاں جماعت کو شریک کیا جائے۔

شیعہ سنی اتحاد کے لیے اجتماع:

موجودہ حکومت مغربی پاکستان نے جب شیعہ سنی اتحاد کے لیے اپیل کی تو تمام جماعتوں کے سربراہوں اور مقتدر راہنماؤں نے اس پر دستخط کیے اور جب حکومت نے

ایک کمیٹی کی تشکیل کی تو سب ہی جماعتوں کے سربراہوں نے اس میں شرکت کے لیے آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ کمیٹی میں مولانا ابو الحسنات صاحب، مولانا احمد علی صاحب، مولانا مودودی صاحب، مولانا داود غزنوی صاحب اور دوسرے بزرگ شانہ بشانہ بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں، اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہے ہوتے ہیں کہ ہم اپنے عقائد کے اختلافات اپنی جگہ رکھتے ہوئے مشترک اور عام اسلامی مفاد کے لیے ایک جگہ جمع ہو کر اور ایک جماعت میں منسلک ہو کر کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ کیا غضب ہے؟

یہ کس قدر حیرت اور استعجاب کی بات ہے کہ جس وقت حکومت ایک ایسی تجویز اسلامی فرقوں کے اتحاد کے لیے پیش کرتی ہے جس سے ری پبلکن پارٹی کی حکومت محمود، قابل ستائش اور مضبوط ہو اس وقت نہ جمعیت علماءِ اسلام کے اکابر کو جماعت اسلامی کی شرکت پر اعتراض ہوتا ہے نہ بریلوی حضرات کو اہل حدیث اور دیوبندیوں کی شرکت پر اعتراض ہوتا ہے، اور جس وقت برسرِ اقتدار لا دینی عناصر کو شکست دینے کے لیے دینی جماعتوں کے اتحادِ عمل کی تجویز سامنے آتی ہے تو پھر ہمارے اخبارات کے صفحات اور ہمارے جلسوں کے سٹیج اور ہمارے مقررین کی سحر بیانی اس کے لیے وقف ہو جائے کہ فلاں جماعت کے ساتھ اتحاد عمل نہیں ہو سکتا اور فلاں جماعت کے ساتھ ہم ایک جگہ بیٹھنا برداشت نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہے جسے یہ منظور نہیں کہ دینی جماعتیں ایک متحدہ محاذ بنا کر لا دینی طاقتوں کے مقابلے میں صف آرا ہوں۔ اس کا محبوب مشغلہ یہی ہے کہ دینی جماعتوں میں تصادم ہو اور اس تصادم سے ان کی طاقت بٹ جائے اور تصادم سے وہ خود فائدہ اٹھائے۔

دردمندانہ اپیل:

آخر میں ہم تمام دینی جماعتوں کے سربراہوں بالخصوص حضرت مولانا احمد علی

صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور فرمائیں کہ اگر دینی جماعتوں میں یہ تصادم رہا تو یقیناً تمام دینی جماعتیں شکست کھا جائیں گی اور اس کا فائدہ لادینی جماعتوں کو ہوگا، اور یہی لادینی عناصر پھر پوری قوت کے ساتھ حکومت کے مناصب اور عہدوں پر قابض اور مسلط ہوں گے۔ اس وقت یہ اسلامی تعلیمات کے مسخ کرنے اور دینی اقدار کے پامال کرنے اور علماء کے خلاف نفرت وحقارت پیدا کر کے ان کی زندگی کو ناکارہ بنانے میں جو جو آفتیں ڈھائیں گے اس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

ابھی وقت ہے کہ ہم صورتِ حال کا صحیح جائزہ لیں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے لادینی عناصر کو تقویت اور اور علماء کی تحقیر و تذلیل ہو۔ کیا آپ ایک منٹ کے لیے بھی یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اگر دین پسند جماعتوں میں تصادم ہوا تو مسلمانوں کا وہ طبقہ جو مذہب سے پہلے ہی ناآشنا ہے یا علما کے مذہبی جھگڑوں سے متنفر ہے وہ دونوں متصادم مذہبی گروہوں پر لعنت نہ بھیجے گا اور ری پبلکن پارٹی میں شرکت کو اور کچھ نہیں تو دنیوی مفاد کے لیے ترجیح نہ دے گا؟

بتائیے! آپ حضرات اپنے اس طرزِ عمل سے کیا ری پبلکن کو بالواسطہ امداد نہیں کریں گے؟

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۱۲؍ستمبر ۱۹۵۸ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جماعت اہلحدیث کے سیاسی موقف کا تعین

کل مغربی پاکستان اہل حدیث کانفرنس کا چوتھا سالانہ عظیم الشان اجلاس زیرِ صدارت علامہ خلیل بن محمد یمنی، ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴/ اکتوبر کو باغ جناح گوجرانوالہ میں بڑے تزک و احتشام سے منعقد ہوا۔ مغربی پاکستان کے طول و عرض سے، پشاور سے لاہور اور لاہور سے کراچی تک کے نمائندے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کے لیے گوجرانوالہ میں پہنچے ہوئے تھے۔ کانفرنس کا اجلاس بہت بڑے وسیع پنڈال میں منعقد ہوا، پچیس ہزار کے قریب آدمی سما سکتے تھے لیکن شرکائے کانفرنس کی کثرت نے منتظمین کو مجبور کر دیا کہ قناتیں ہٹا دی جائیں اور شامیانوں سے باہر بھی لوگ بیٹھ کر کانفرنس میں علما کی تقاریر اور اہم تجاویز سُن سکیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ چالیس ہزار کے قریب اہل اشتیاق باہر سے کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے۔ کانفرنس میں علماء کرام کی مختلف موضوع پر فاضلانہ تقریروں کے علاوہ حسب ذیل قرار دادیں بھی منظور کی گئیں۔

جماعت اہلحدیث کا سیاسی موقف:

ا۔ کل مغربی پاکستان اہل حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ جماعت اہل حدیث اس ملک میں ایسے آئین کے نفاذ کی متمنی اور ساعی ہے جو کتاب و سنت پر مبنی ہو اور کسی ایسی جماعت (پارٹی) کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتی جو کھلم کھلا لادینی ریاست اس ملک کو بنانا چاہتی ہو، یا اسلام کا نام غلط استعمال کر کے در پردہ لادینی ریاست قائم کرنے کی کوشش کر رہی ہو، اور ہر ایسی جماعت سے تعاون کر سکتی ہے جو اس موقف کی مؤید ہو۔

ب۔ جماعت اہلحدیث اس ملک کے انتخابی اداروں میں ایسے افراد کو منتخب کرانے کی کوشش کرے گی جو ملک میں صحیح اسلامی معاشرہ قائم کرنے اور لادینی رجحانات ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔

ج۔ جماعت اہلحدیث اس ملک کے لیے جمہوری نظام حکومت پسند کرتی ہے۔ اس لیے وہ کسی ایسے نظام کی تائید نہیں کرے گی جو جمہوری اصول کے خلاف اور مستبدانہ یا آمرانہ طریقِ حکومت پر مبنی ہو۔

د۔ جماعت اہلحدیث اس ملک کے لیے کوئی ایسا اقتصادی اور معاشی نظام پسند نہیں کرتی جو اشتراکی اصول پر مبنی ہو یا سرمایہ داری کی بنیادوں پر استوار ہو، بلکہ خالص اسلامی اصولِ عدال و مساوات پر مبنی ہو جس میں غریب کے حقوق کی بدرجہ اتم حفاظت ہو اور دولت مند طبقہ کو کسی حالت میں غریب کے حقوق کی پامالی اور استحصال کا موقع نہ مل سکے۔

ھ۔ جماعت اہل حدیث کی زندگی کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد ہے پاکستان کے استحکام اور سالمیت کے لیے کوشش کرنا اور ہر ایسی کوشش کی مخالفت کرنا جس سے پاکستان کے استحکام اور سالمیت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔

و۔ اس سیاسی موقف کی حفاظت و استحکام کے لیے ضروری ہے کہ جماعت اہل حدیث میں یہ شعور اور احساس پیدا کیا جائے کہ وہ ملک کی آبادی کا ایک اہم حصہ ہے۔ مغربی پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں ان کی آبادی موجود ہے اور یہ کہ اس ملک میں ان کے مذہبی، سیاسی اور معاشی حقوق ہیں، اور وہ حقوق حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے ووٹ کی طاقت محفوظ نہیں کر لیتی اور ہر ہر فرد کے دل میں یہ عقیدہ مضبوطی کے ساتھ نہیں قائم کر دیتی کہ وہ اپنے ووٹ کی طاقت جماعت کے فیصلہ کے ماتحت استعمال کرے۔

ز۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ تمام ماتحت جماعتوں کو ہدایت کی

جائے کہ وہ ووٹروں کی فہرستوں کی تیاری کے وقت اپنی اپنی جگہ جماعت کی تمام بالغ آبادی (مرد و عورت) کے ووٹ بڑی مستعدی اور ہوشیاری سے بنوائیں اور کسی قسم کی سستی اور کسل کا شکار نہ ہوں۔

ج۔ یہ کانفرنس تمام جماعت کو متنبہ کرتی ہے کہ اگر اس نے اپنے اس فرض کو نہ پہچانا اور اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی اور غفلت برتی تو اس ملک میں اپنا صحیح مقام حاصل کرنے میں ناکام رہے گی اور اس کے نتیجہ میں اسے ذلت اور تکالیف و مصائب کا شکار ہونا ہوگا، جسے کوئی بھی قابل برداشت نہیں سمجھتا۔

قومی اسمبلی کے فیصلہ طریقِ انتخاب پر ناپسندیدگی کا اظہار:

کل مغربی پاکستان اہل حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس پاکستان کی قومی اسمبلی کے اس فیصلے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے جو اس نے طریقِ انتخاب کے سلسلہ میں کیا ہے۔

اس کانفرنس کی رائے میں مشرقی پاکستان میں مخلوط انتخاب اور مغربی پاکستان میں جداگانہ انتخاب کا فیصلہ نہ صرف یہ کہ مضحکہ خیز ہے بلکہ افسوس ناک ہے۔ کیونکہ یہ فیصلہ ایک طرف دستور پاکستان کے خلاف ہے، دوسری طرف پاکستان کے بنیادی نظریہ اور ملک کی وحدت و سالمیت اور استحکام کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ اجتماع قومی اسمبلی کے اس فیصلہ کے خلاف پرزور احتجاج کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ اس فیصلہ کو واپس لیا جائے اور جمہور کے بڑھتے ہوئے اضطراب کو دور کرے، اور اگر قومی اسمبلی نے اس فیصلہ کو نہ بدلا اور اپنی تجویز پر مصر رہی تو اس کے جس قدر افسوس ناک نتائج ہوں گے اس کی ذمہ داری قومی اسمبلی کے اراکین پر عائد ہوگی۔

نوٹ:

اس قرار داد کو مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح نے پیش کیا۔ حاجی محمد اسحاق

صاحب حنیف نے اس پر یہ آئینی اعتراض پیش کیا کہ یہ قرارداد مجلس شوریٰ میں پیش نہیں ہو سکتی، مولانا محمد حنیف صاحب ندوی نے اس کی تائید کی۔

مولانا سید داود غزنوی صدر مرکزی جمعیت اہلحدیث، جو اس وقت کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے، انھوں نے اس آئینی اعتراض کے متعلق اپنا رولنگ یہ دیا کہ حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف نے جو آئینی اعتراض پیش کیا ہے وہ ایک حد تک صحیح ہے، بعض جماعتوں کے قواعد میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن ہمارے قواعد اس بارے میں خاموش ہیں۔ اس لیے اگر کوئی رکن مرکزی مجلس شوریٰ پیش کرنا چاہے تو میں اسے روک نہیں سکتا۔

صدر محترم کی رائے میں جن جماعتوں میں یہ قانون موجود ہے کہ براہ راست کانفرنس میں قرارداد پیش نہ ہو اس میں یہ بھی مذکور ہوتا ہے کہ اگر قرارداد پیش ہونے کے بعد گر جائے تو کوئی رکن یہ نوٹس دے سکتا ہے کہ میں اس قرارداد کو کانفرنس کے کھلے اجلاس میں پیش کرنا چاہتا ہوں، ایسی صورت میں وہ قرارداد کانفرنس کے کھلے اجلاس میں پیش ہو جاتی ہے اور کانفرنس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے، اس لیے یہ قرارداد کانفرنس میں پیش ہو کر جب پاس ہوگئی اور اراکین مجلس شوریٰ نے سوائے دو تین اراکین کے سب نے اس کے حق میں رائے دی تو یہ کہنا صحیح ہے کہ جماعت اہلحدیث کی کانفرنس نے اسے منظور کیا۔

آئین کو اسلامی بنانے کے لیے بورڈ میں اہل حدیث کی نمائندگی:

دستور یہ پاکستان کے فیصلے کے مطابق دستور پاکستان کے منظور ہو جانے کے بعد ایک سال کے اندر صدر جمہوریہ پاکستان ایک بورڈ کی تشکیل کرے گا جو ملک کے موجودہ قوانین کی کتاب و سنت کی روشنی میں اصلاح کرے گا۔

کل مغربی پاکستان اہل حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس اس سلسلہ میں یہ اعلان ضروری سمجھتا ہے کہ اس بورڈ میں جماعت اہل حدیث کی نمائندگی نہایت ضروری ہے

تا کہ محدثین کرام کے نقطۂ نگاہ کی نمائندگی ہو سکے۔ اگر صدر جمہوریہ پاکستان نے اس بورڈ کی تشکیل میں جماعت اہل حدیث کو، جو لاکھوں کی تعداد میں پاکستان میں موجود ہیں، کو نظر انداز کر دیا تو جماعت اہلحدیث اس بورڈ کے فیصلوں کو، اگر وہ مسلک اہلحدیث کے خلاف ہوئے، قبول کرنے کے لیے کسی حالت میں تیار نہ ہوگی، اگرچہ اسے کتنے ہی مصائب اس راہ میں برداشت کرنے پڑیں۔

جماعت اہل حدیث کی مساجد پر دھاندلی سے قبضہ کرنے والوں کی مذمت:

کل مغربی پاکستان اہلحدیث کانفرنس کا یہ اجلاس اس صورت حال پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ کئی مقامات پر جماعت اہلحدیث کی مساجد پر بریلوی حضرات اپنی کثرت کے بل بوتے پر غیر قانونی طور پر دھاندلی کے ذریعہ قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مقامی پولیس افسران کی غیر قانونی سرگرمیوں کی بعض جگہ کھلی ہوئی حمایت کرتے ہیں اور بعض جگہ درپردہ دھاندلی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

یہ اجلاس حکومت مغربی پاکستان سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ جمہوریہ اسلامی پاکستان کے دستور کے مطابق ہر فرقہ کے مذہبی حقوق کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری جو اس پر عائد ہوتی ہے، اسے دیانت داری کے ساتھ پورا کرے اور کسی فرقہ کو صرف اس لیے کہ وہ کسی جگہ اقلیت میں ہے وہاں کی اکثریت کو اجازت نہ دے کہ وہ دھاندلی کے ساتھ اقلیت کے فرقہ کی مساجد پر قبضہ کرے۔

اگر حکومت مغربی پاکستان نے اس بارے میں اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کی اور اس کے نتیجہ میں فرقہ دارانہ فسادات ہوئے تو اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

سنی علما پر حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کی مذمت:

کل مغربی پاکستان اہل حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس اس متشددانہ سلوک کے خلاف

پرزور صدائے احتجاج بلند کرتا ہے جو حکومت مغربی پاکستان نے سنی علما پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کر کے ان کی آزادی تقریر، آزادی نقل و حرکت اور آزادی اجتماع کو چھین رکھا ہے۔

اس کانفرنس کی رائے میں سنی علما کے ساتھ یہ سلوک نہ صرف غیر منصفانہ اور مستبدانہ ہے بلکہ ایک فرقہ کے علما کے ساتھ غیر مساوی سلوک کے مترادف ہے۔ اس لیے یہ کانفرنس حکومت سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ سنی علما کے ساتھ اس غیر مساوی اور متشددانہ سلوک کو بہت جلد ترک کر کے آزادی تقریر، آزادی اجتماع اور آزادی نقل و حرکت کا موقع بہم پہنچائے۔

دینی مدارس کے لیے مرکزی نظام کی ضرورت:

کل مغربی پاکستان اہل حدیث کانفرنس کے اس اجلاس کی یہ قطعی رائے ہے کہ تمام وہ دینی مدارس جو اس ملک کے طول و عرض میں جماعت اہل حدیث کے زیر اہتمام قائم ہیں، کہیں بھی اپنے نتائج کے لحاظ سے تسلی بخش اور جماعت کے دینی، تبلیغی اور تعلیمی مقاصد کے لیے کفیل نہیں ہو سکتے، جب تک وہ ایک نصاب تعلیم کے مطابق ایک مرکزی نظام کے ماتحت منسلک ہو کر خدمت نہیں سرانجام دیتے۔

اس لیے یہ اجتماع تمام دینی مدارس کے منتظمین اور مدرسین سے استدعا کرتا ہے کہ اس بارے میں وہ انفرادی مساعی کو ترک کر کے اپنی تعلیم گاہوں کا تعلیمی نظام جلد سے جلد جماعتی نظام کے ماتحت لے آئیں اور مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ساتھ اس بارے میں صدق دل سے تعاون کریں۔

محمد اسماعیل

ناظم اعلیٰ

مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان، لاہور

(ہفت روزہ "الاعتصام لاہور، ۱۹/ اکتوبر ۵۶ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شوریٰ اور عاملہ کے فرائض

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی تاسیس کے وقت آئینی طور پر فیصلہ کیا گیا تھا کہ جماعت کا نظام شورائی ہوگا۔ نظام کی تشکیل اس طرح ہوئی تھی کہ اصل قوت حاکمہ مجلس شوریٰ ہوگی۔ عاملہ اور کابینہ نظام کو شوریٰ کی ہدایت کے ماتحت چلائے گی۔ آیت: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ اور آیت: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کا یہی مفاد ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء سے جمعیت کا نظام اسی نہج پر چلتا رہا۔ شوریٰ کے فیصلوں کو پورا نظام عملی صورت میں نافذ کرتا رہا۔ وقتی معاملات کے لیے کابینہ کی تشکیل عمل میں آئی۔ ناظمین طے شدہ پروگرام کو اپنی صوابدید کے مطابق چلاتے رہے۔ جب کسی اہم مسئلہ میں تبدیلی کی ضرورت ہوئی اسے شوریٰ میں پیش کر کے منظوری حاصل کی، چنانچہ صدر کی بجائے امیر کا لفظ شوریٰ ہی کے فیصلے کی روشنی میں طے کیا گیا۔

حرفِ شکایت:

شوریٰ اور عاملہ کے اجلاس اکثر ہوتے رہتے ہیں، ان دونوں مجالس میں جن خطوط پر معاملات طے ہوتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے ہمارے محترم اراکین بڑے اہم معاملات اور جوہری مباحث کو وقتی طور پر سوچتے ہیں۔ اس لیے وہ دور رس فیصلے نہیں کر سکتے نہ اجلاس کے علاوہ جماعت کی بہتری کے لیے سوچنے کی کوشش ہی فرماتے ہیں۔ جماعت کے مالیات، تبلیغ، نشر و اشاعت کے لیے مفید تجاوز پر اراکین شوریٰ کو ہمیشہ سوچتے رہنا چاہیے اور افکار کی بابت دفتر یا ذمہ دار حضرات کو اطلاع دیتے رہنا چاہیے تاکہ ان سے مفید نتائج اخذ کیے جا سکیں، شوریٰ کے اجلاس سے پہلے ایسی تجاویز دفتر میں آنی چاہییں جن پر اجلاس میں غور کیا جا سکے۔

افواہیں:

ہر جماعت میں دور اندیش رفقا بھی موجود ہوتے ہیں اور سادہ دل حضرات بھی جو ہر افواہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ مرجف اور شرارت پسند غلط افواہیں پھیلا کر جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ساتھیوں میں بد دلی پھیلے اور نظام میں ابتری رونما ہو جائے۔ اس لیے افواہوں پر توجہ ہی نہیں دینی چاہیے۔ بوقت ضرورت ذمہ دار رفقا کی طرف توجہ دینا چاہیے تاکہ معاملہ کی حقیقت ظاہر ہو جائے، بدگمانی کی راہیں بند ہوں۔

گزشتہ ایام میں یہ افواہ پھیلی کہ مرکزی جمعیت کا نظام غیر شرعی ہے، بہت سے سادہ لوح اور نیک دل حضرات اس افواہ سے متاثر ہوئے، حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ بحمد اللہ سینکڑوں اہل علم اس نظام سے وابستہ ہیں جو دینی امور میں کافی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ وہ لوگ دین کا شعور رکھتے ہوئے کیسے لا دینی نظام سے وابستہ ہو گئے؟ آل انڈیا اہل حدیث کا نظام قریباً پون صدی سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جماعت کے مقتدر اہل علم اس میں شامل ہو کر دینی خدمت سر انجام دیتے رہے، کبھی اس کے خلاف ایک حرف ان کی زبان سے نہیں نکلا بلکہ یہ شورائی نظام انھوں نے پوری تحقیق کے بعد خود مرتب فرمایا۔

حال ہی میں ہندوستان کے مقتدر اہل علم نے آل انڈیا اہل حدیث کے نظام پر نظر ثانی فرما کر از سر نو اسے شورائی لائنوں پر ترتیب دے کر شائع کیا۔ علمائے حجاز کے مستند عالم شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد (پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے۔ مرکزی جمعیت کے سالانہ اجلاس سیالکوٹ میں شیخ عطیہ محمد سالم (پروفیسر مدینہ یونیورسٹی) شامل ہوئے۔ ان حضرات کو غیر شرعی نظام میں شامل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ ایسی افواہیں محض تخریبی اذہان کی پیداوار ہیں۔ مخلص رفقا کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے تاکہ مرجف حضرات جماعت میں خلفشار نہ پیدا کر سکیں۔

مرکزی جمعیت کے اراکین متدین ہیں اور سنت سے مخلصانہ محبت رکھتے ہیں، اور نظام جماعت کے ساتھ ان کا کوئی ذاتی مفاد متعلق نہیں۔ نظام میں اگر کوئی تبدیلی ہوجائے تو بھی ان کو خدمت کے وہی مواقع میسر آسکتے ہیں جو اب میسر ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ غیر شرعی نظام پر اصرار کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرکزی نظام فی الواقع شریعت کی ہدایات کے مطابق ہے۔ جن حضرات کو شبہ ہے انھیں خود تحقیق کرنا چاہیے، اہل علم سے دریافت کرنا چاہیے۔ جہاں تک حقیقتِ حال کا تعلق ہے وہ شرعی نظام کی تعریف کو خود غلط سمجھ رہے ہیں!

دستور میں ترمیم:

دستور خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوتا، ارباب حل وعقد اسے شرعی ہدایات اور راہنما اصولوں کی روشنی میں مرتب فرماتے ہیں، اور تجربہ کے بعد اس میں ترمیم کی راہیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں تاکہ وہ ضرورت و وقت کے لحاظ سے کارآمد ہو سکے۔ مرکزی جمعیت کا دستور ۱۹۵۵ء میں شوریٰ نے پاس کیا اور شائع ہوا، قریباً تیرہ سال تک اس پر عمل ہوتا رہا، بوقت ضرورت اس میں ترامیم ہوتی رہیں۔ اب تجربہ کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں دستوری ترامیم کی جائیں۔ عاملہ نے اس کے لیے دو کمیٹیاں ترتیب دی۔ ایک کمیٹی جو دستوری ترامیم کرے، دوسری کمیٹی جو شرعی نقائص پر غور کرے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ موجودہ دستور شریعت کے خلاف نہیں، تاہم ہم نے ایک کمیٹی اس کی شرعی حیثیت پر غور کرنے کے لیے بھی بنائی ہے۔ اراکین کو دستور کی کاپیاں ان میں کاغذ لگوا کر بھیج دیں۔ پھر ان تمام حضرات کو مکرر یاد دہانی کرائی گئی۔ اب عنقریب شوریٰ کا اجلاس ہونے والا ہے، امید ہے تمام ذمہ دار حضرات دستوری شرعی ترامیم فرما کر دستور کی تکمیل میں ہماری مدد کریں گے۔ گو دستور میں ترمیم کی راہ ہمیشہ کھلی ہے تاہم اس کے بعد نہ اعتراض کا حق ہوگا نہ ارجاف سے

کوئی فائدہ۔ ان دونوں کمیٹیوں کے علاوہ بھی اراکین شوریٰ کے اجلاس میں تیار ہو کر آئیں گے تاکہ وہ صحیح نتائج پر پہنچ سکے۔

جماعت کی مالی حالت:

مجلس شوریٰ کا جہاں یہ حق ہے کہ وہ اراکین سے ان کی کارکردگی کے متعلق محاسبہ کرے، طریقِ کار پر بحث کرے اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ کارکن رفقا کی اقتصادی حالت کی اصلاح اور ترقی کے متعلق پورا سال اپنی مساعی کو جاری رکھے۔ جماعت کے مالی استحکام کے لیے اپنے اردگرد اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے اقتصادی حالت کو مضبوط سے مضبوط تر رکھے۔ مجھے افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ چند مخلص رفقا کے سوا اکثر اراکینِ شوریٰ اس فرض سے غافل پائے گئے۔ شوریٰ کے اجلاس میں عموماً غیر ضروری مباحث کو گھسیٹ کر لے آتے ہیں۔

جماعت کی مالی مشکلات کیا ہیں؟ اسے وہ فرض کفایہ ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر اراکینِ شوریٰ اپنی اس ذمہ داری کو صحیح طور پر پورا سال محسوس فرمائیں تو جماعت کی مالی ساکھ کبھی کمزور نہیں ہوسکتی، لاکھوں کی تعداد میں جماعت اطرافِ ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے خزانہ میں کروڑوں روپیہ جمع رہنا چاہیے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کام کے بہت سے شعبے اس بے اعتنائی اور بے توجہی کی وجہ سے تا حال تشنہ ہیں۔ جماعت کے پاس کوئی پریس نہیں۔ ادارہ نشر و اشاعت اس وجہ سے کوئی اہم کام نہیں انجام دے سکا۔ حدیث کے تراجم، قرآن عزیز کا ترجمہ اور سلفی انداز کے حواشی بازار میں ناپید ہیں، غرض اس سلسلہ میں ہم کوئی اہم خدمت انجام نہیں دے سکے۔ اخبار چل رہا ہے لیکن اس کی حالت تسلی بخش نہیں، اخبار جماعت کی ایڈ پر چل رہا ہے، اگر یہ ایڈ بند ہو جائے تو اخبار کا چلنا قطعی ناممکن ہے۔

ضرورت ہے کہ ماہوار علمی رسائل جاری کیے جائیں، وقتی مسائل پر علمی طور پر قلم

اٹھایا جائے۔ الحاد و زندقہ اپنی پوری قوت صرف کر رہا ہے۔ ان کے پاس مادی وسائل کی فراوانی ہے، سادہ دلی سے حکومت تک ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ہمارے اراکینِ شوریٰ کا فرض ہے کہ وہ شوریٰ کے اجلاس میں مالی استحکام کی تجاویز لائیں۔ اپنے اثر و رسوخ سے خطیر رقوم ہمراہ لائیں، خود اور اپنے رفقا میں بھی اس کے متعلق تحریک کریں۔ ورنہ صرف خشک بحث اور اعتراضات اور نکتہ چینی سے کوئی مسئلہ حسبِ ضرورت حل نہیں ہوتا۔

والسلام

محمد اسماعیل گوجرانوالہ

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۲۶ رجنوری ۱۹۶۸ء)

جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان

جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے متعلق ''جریدہ اہلحدیث'' میں کبھی کبھار مولانا عبدالمجید صاحب مدیر جریدہ لکھتے لکھواتے رہتے ہیں۔ میں نے مولانا کے جواب سے ہمیشہ اغماض کیا۔ محترم مولانا جمعیت کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں، ہر اجلاس کی انھیں اطلاع ہوتی ہے، وہ عموماً زیارت کا شرف بھی بخشتے ہیں۔ میٹنگ اوپن ہوتی ہے کوئی راز کی بات نہیں ہوتی، پھر مولانا کو شکایت ہے کہ ان کو دفتر سے اطلاع بہم نہیں پہنچائی جاتی۔ اب میں کیا عرض کروں؟ میں ناظم تو ہوں مگر شاید رپورٹر نہیں، مجھے شکایت ہے کہ مولانا جانتے ہیں مگر جمعیت کی اطلاعات شائع نہیں فرماتے۔

مدیر محترم سے میرے ذاتی مراسم بھی ہیں، جماعت کی اور میری ذاتی اور دوسرے رفقاءِ کار کی کمزوریوں کو وہ خوب جانتے ہیں اور اخباری چھیڑ چھاڑ کے بھی مولانا ماہر ہیں۔ میری حیثیت ان کے سامنے طفل مکتب کی بھی نہیں، مولانا نے کئی دفعہ بعض معاملات کو اخبار میں لانے کے لیے کہا مگر میں نے ایسی باتوں کو غیر مفید سمجھا۔ اس لیے اخبار میں اس کا تذکرہ نہیں کیا، میں اپنے اس عیب اور کمزوری کا اعتراف کرتا ہوں کہ جماعت اور رفقاء کے معاملات اور کمزوریوں کو حدیث محفل بنانے کا عادی نہیں۔ یہ چند سطور جریدہ اہل حدیث کے نامہ نگاروں کی معتاد حق گوئی کی وجہ سے زبان قلم پر آ گئیں ورنہ حقیقت یہی ہے: ❶

رضينا من نوالك بالرحيل

مولانا ایک دوسری جمعیت اہلحدیث کے معتمد بلکہ مدار المہام ہیں، اس لیے ان

---

❶ ہم تمھارے عطیے سے صرف کوچ ہی پر خوش ہیں۔

کی دلچسپیاں چونکہ دوسری طرف زیادہ ہیں اس لیے جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے ساتھ وہ صرف اتنی دلچسپی رکھ سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی شکایت کی مولانا نے ازراہِ خدمتِ جماعت اخبار میں درج فرما کر مناسب نوٹ لکھ دیا، بس چھٹی ہوئی۔ دراصل مولانا کے دکھوں کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ مولانا کے قلبی دکھوں کا مداوا فرمائے!

مولانا ندیم کوموی:

مولانا ندیم کوموی کا ایک گرامی نامہ جریدہ اہلحدیث (مؤرخہ یکم اپریل ۱۹۵۱ء) میں شائع ہوا، مولانا اگر بذریعہ ڈاک مجھے براہ راست خطاب فرماتے تو شاید اس طریق سے بہتر ہوتا، تاہم جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے خلوص سے فرمایا ہے اس لیے لہجہ کی تلخی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس میں کوئی سختی ہے بھی نہیں، واقعات ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے جہاں تک دفتری کام کا تعلق ہے قریباً آپ کا ارشاد حرف بحرف صحیح ہے، اور اس کے کچھ وجوہ ہیں:

① میں بعض وجوہ کی بنا پر نظامت کا بوجھ اٹھانے کے لیے بالکل تیار نہ تھا، احباب کے تقاضا پر اس شرط سے قبول کیا تھا کہ احباب کا تعاون حاصل ہو، میں تمام احباب، ممبران جمعیت اور رفقائے کار سے دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ حضرات نے دفتر سے کہاں تک تعاون فرمایا؟ کوئی مشورہ دیا؟ بلکہ دفتر کی طرف سے جو خطوط بھیجے گئے چند ایک دوستوں کے سوا جواب تک کی زحمت گوارہ نہیں فرمائی گئی۔

② اخبار جماعت کا تھا، اس کا نفع اور نقصان جماعت کا فائدہ اور نقصان ہے، ہم نے بحمد اللہ جماعت کو ذاتی منفعت کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا نہ ہم اس کو دیانتاً جائز سمجھتے ہیں، اس صراحت کے باوجود حسبِ فیصلہ جماعت مختلف جماعتوں اور احباب کو لکھا، بعض حضرات نے جواب تک کی تکلیف نہیں فرمائی۔ ندیم صاحب فرمائیں کہ میں ان اصحابِ کہف کی نیند سونے والوں کو کیسے جگا دوں؟

۳ مولوی عبدالمجید صاحب نے بھی جمعیتِ تبلیغ کی نظامت سنبھال رکھی ہے اور ان کا اخبار جمعیتِ تبلیغ کا ترجمان ہے، وہی فرمائیں کہ جمعیتِ تبلیغ کا طول وعرض کیا ہے؟ اس کے باوجود جمعیت کے صدر تو بالالتزام کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں لیکن ہمارے صاحب صدر کے قلم میں جنبش ہی نہیں۔ فرمائیے! جب اتنی اہم شخصیتوں کا یہ حال ہو تو میں معجزات کہاں سے لاؤں؟ اس کے باوجود عرض کرتا ہوں کہ جمعیت اہلحدیث پاکستان کی حالت جمعیتِ تبلیغ سے یقیناً بہتر ہے۔

۴ میری مشغولیتوں کا یہ حال ہے کہ مدرسہ کی تدریس اور اہتمام دونوں میرے متعلق ہیں، مقامی جماعت میں بھی کافی حد تک دخل دینا پڑھتا ہے، شہری اور مقامی حوادثات سے بالکل بے تعلق رہنے کی عادت نہیں، سیاسیات سے بھی تھوڑا بہت تعلق رکھنا ضروری سمجھتا ہوں، اپنی ذاتی مشغولیتیں اس کے علاوہ ہیں، قوت قدسی کا بھی دعویٰ بالکل نہیں، ان حالات میں آخر آپ حضرات کیا چاہتے ہیں کہ آپ کے خط کا جواب بذریعہ الاعتصام کیوں دیا گیا؟ جو خطوط براہِ راست دفتر میں آئیں عموماً ان کے جواب خود لکھتا ہوں یا لکھواتا ہوں، اگر آپ حضرات میں کوئی صاحب نظامت سنبھالنے کے لیے تیار ہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں بھی خدمت کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۵ مولوی اسحاق صاحب کو بطور نائب ناظم رکھا تھا لیکن اخبار کا کام اتنا ہے کہ وہ بیچارے اس سے بمشکل عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

۶ معاملہ روپے کا ہے، جماعتی نظم کا اختلال ہمارے بزرگوں سے ہمیں وراثت میں ملا ہے۔ علما کی انفرادی ضروریات جماعتی فنڈ کی راہ میں حائل ہیں۔ مولوی عبدالمجید صاحب ہی فرمائیں کہ کیا وہ اخبار جمعیتِ تبلیغ کے سپرد کر سکتے ہیں اس طرح کہ وہ خود بالکل بے تعلق ہو جائیں؟ سیالکوٹ کی جمعیت نے جب اخبار مولانا موصوف سے لیا تو معلوم ہے وہ کس گندگی سے ختم ہوا؟ تفصیل کے لیے

حافظ محمد شریف سے دریافت فرمایئے۔ کون اس راہ میں حائل ہیں؟ جب تک جماعت کے پاس فنڈ نہ ہو کام میں وسعت نہیں ہو سکتی۔

۷ آپ حضرات کبھی کبھار محض کسی کے کہے کہلائے تخریبی انداز سے تنقید فرماتے ہیں، کاش تعمیری مشوروں سے نوازش فرما سکیں تو ہم سب کو اس سے فائدہ ہو۔

۸ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ سے دہلی میں جو گفتگو ہوئی معلوم نہیں وہ آپ کے حافظہ میں کیوں نہیں رہی؟ کانفرنس کی صدارت کی بحث تھی جس کی تفصیل حضرت مولانا کے انتقال کے بعد ایک ناخوشگوار قصہ ہوگا ورنہ اس کی پوری تفصیلات میرے ذہن میں ہیں۔ یہاں بحمد اللہ اس کا کوئی سوال ہی نہیں۔ جب آپ صاحب چاہیں نظامت حاضر ہے جو صاحب کام کر سکتے ہیں تشریف لائیں یہاں نہ استبداد ہے نہ مطلق العنانی۔ صدر محترم نے پچھلے اجلاس میں اعلان فرمایا تھا کہ جو صاحب صدارت فرمانا چاہیں تشریف لائیں مگر جماعت نے صدارت کا معاملہ خود اسی وقت نظر انداز کر دیا۔

۹ اس کے باوجود نہ میں مایوس ہوں اور نہ میں نے گھٹنے ہی ٹیک دیے ہیں بلکہ اپنی بساط کے مطابق کام کر رہا ہوں، خواص سے ضرور بدگمانی ہے لیکن عوام جماعت میں ابھی زندگی کی رمق موجود ہے۔ کاش قیادت اپنے فرائض کو محسوس کرے اور خواص تنقید سے زیادہ عمل کی طرف قدم اٹھائیں۔ تنقید اور خصوصاً تعمیری تنقید جماعتی زندگی کی روح ہے لیکن کام چور دوستوں کی تنقید بے قیمت جنس ہے جس کا کوئی سمجھدار آدمی خریدار نہیں ہو سکتا ع

پیش آنکس بروکہ خریدار تست ①

(الاعتصام، شمارہ: ۳۱، جلد: ۲، ۲۱/رجب ۱۳۷۰ھ بمطابق ۲۰/اپریل ۱۹۵۱ء)

---

① اس کے سامنے پیش کر جو تمھارا خریدار ہے۔

چند گزارشات

”المنبر“ مؤرخہ ۱۰؍ اگست ۱۹۶۳ء میں ایک تنقیدی مراسلہ مولوی عبدالحلیم صاحب خطیب جامع اہلحدیث شام کوٹ کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ المنبر میرے پاس اعزازی اور مسلسل آتا ہے اور میں ”المنبر“ کے ضروری عنوانات اور مناسب عنوانات اکثر پڑھتا ہوں۔ ۱۰؍ اگست کا یہ تنقیدی مراسلہ معلوم نہیں میری نظر سے کیوں نہیں گزرا؟ مجھے تعجب ہے۔ مجھے اس کے متعلق اطلاع برادرم محترم مولانا محمد داود صاحب راز ناظم اعلیٰ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نے دی جبکہ وہ مدراس کسی اجلاس میں شمولیت کے لیے جا رہے تھے۔ میں اس مخلصانہ تنقید کے لیے مدیر ”المنبر“، مولوی عبدالحلیم اور مولانا راز اصحاب ثلاثہ کا شکر گزار ہوں۔ زادكم الله إخلاصا و نصحا۔

ایسی مخلصانہ تنقیدات جماعتی نظم میں روح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں نے اسے لب ولہجہ کے لحاظ سے تنقید کہا ہے ورنہ درحقیقت یہ امور جماعت کی عملی مساعی میں مفید مشوروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عزیزم مولوی عبدالحلیم صاحب نے بعض معاملات کو کافی غلط سمجھا ہے، اس لیے کہ وہ لبِ جو بیٹھ کر طوفان سے کھیلنے والوں کو مشورے دے رہے ہیں۔ عزیز محترم نے یہ وطیرہ مدیر المنبر سے سیکھا ہے، وہ بھی مدت ہوئی جماعتی ذمہ داریوں سے الگ تھلگ ہو کر ساحل پر بیٹھے مشفق واعظ کا بھیس اختیار فرمائے ہوئے ہیں، اور وعظ کا یہ طریق سب سے آسان ہے اس لیے کہ اس میں اپنے عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب حمام ہی نہ ہو تو ننگا کون کہے؟ اس کے باوجود نصیحت بہرحال نصیحت ہے، اور مسلمان کا خوشگوار فرض ہے کہ کلمہ حکمت جہاں سے ملے لے لے اور اس پر عمل کی کوشش کرے۔

اظہار حقیقت:

اس سے پیشتر کہ میں ان کے تنقیدی ارشادات کے متعلق تفصیلی گذارشات کروں حقیقتِ حال کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ یقیناً جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کا نظم مغربی پاکستان میں دور دور گوشوں تک پھیلا ہوا اور باہم تعاون بھی کافی حد تک موجود ہے لیکن یہ تعاون رسمی اور آئینی حدود تک ہے۔ ایسے رفقا جو آئینی رسوم سے بے نیاز ہو کر جمعیت کے کام میں اس طرح دلچسپی لیں جیسے وہ اپنے ذاتی کاموں میں لیتے ہیں وہ قانون اور آئین کی آڑ لیے بغیر جماعت کے کام کو اپنا کام سمجھ کر کریں ان کی رفاقت پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ ان مخلصین کی مساعی سے یہ کام جس صورت میں بھی چل رہا ہے قابل تعریف ہے لیکن مجھے معلوم ہے اس کے بعض پہلو تشنہ ہیں۔ خصوصاً نشر و اشاعت کا پہلو کمزور ہے، اس کی طرف جماعت کے اہل قلم کو توجہ دینی چاہیے۔ ساری چیزیں میرے کرنے کی نہیں ہیں بلکہ اس کے لیے پوری جماعت کی توجہ ضروری ہے۔

لائل پور کے انتخابات کے بعد وہاں کے بعض افراد نے جو ہنگامہ برپا کیا اور جس انداز سے وہاں کے بعض بااثر افراد نے خاموشی اختیار فرمائی جماعت کے ہر خیر اندیش کی آنکھیں شرم سے جھک جانی چاہییں۔ مدیر ''المنبر'' نے وہاں بھی اپنے مواعظ حسنہ کو اتنا گول مول کیا جس سے بحیثیت مجموعی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔

مدیر ''المنبر'' مجھے اگر معاف فرمائیں تو عرض کروں کہ آپ کی حیثیت اس بزدل سپاہی کی ہے جو میدانِ کارزار سے بھاگ چکا ہو، وہ میدان میں تو آنے سے رہا، اب یا وہ میدان کے قصے بیان کرے گا یا پھر وعظ کہے گا۔ اگر آپ حضرات نے ان لوگوں کی جو عہدوں کی ہوس میں مرے چلے جا رہے ہیں نشان دہی فرما دی ہوتی تو یہ بھی ایک خدمت ہوتی۔ آپ پر وہاں مقامی مصالح غالب آگئے اور دو ٹوک بات نہ ہو سکی لیکن لفظِ اہلحدیث اور مسلکِ حق سے آپ کو اتنی محبت ہے کہ اس کی تنقیص میں جو کچھ زبانِ قلم پر آیا کہہ گزرے!

رجال کی قلت، رفقا کی ناہمواری، اسباب و وسائل کی ناسازگاری کے باوجود اب تک جو ہوا اس پر ندامت نہیں۔ اس کے ساتھ اگر آپ حضرات کے مخلصانہ مشورے شاملِ حال رہے تو یہ سفر جاری رہے گا۔ اگر تخریبی عناصر کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں اور احباب نے بھی تنقید ہی کا فریضہ ادا کیا تو اپنا وقت گذار کر موجودہ قافلہ رخصت ہو جائے گا۔ پھر جامعہ ہوگی اور جمعیت، آپ حضرات اس کے در و بست پر قابض ہوں گے اور اس وقت کے نقاد کا قلم آپ کے تعاقب میں۔ پھر آپ محسوس فرمائیں گے کہ تنقید کتنی آسان ہے اور کام کرنا کتنا مشکل؟ اس کے ساتھ ہی اگر مخلص رفقا کی ویسی ہی کھیپ آپ کے ہم سفر ہوگی تو مجھے امید ہے کہ آپ کام کے لیے کوئی دوسرا میدان تلاش فرمائیں گے۔

اب اپنے ارشادات کے متعلق گذارشات سنیے!

لٹریچر:

اگر پوری جماعت کی طرف سے اس سوال کا جواب مجھے ہی دینا ہے تو میں اس فرو گذاشت کو تسلیم کرتا ہوں، وقت کے لحاظ سے شستہ زبان میں عمدہ لٹریچر شائع ہونا تو بڑی چیز ہے، پرانا محققانہ لٹریچر بھی مرتب کر کے صحیح طور پر شائع نہیں ہوسکا۔ حدیث کے اچھے تراجم کے علاوہ معیار الحق، الإرشاد إلی أمر التقلید والاجتهاد، حسن البیان، سیرۃ البخاری، قرآن عزیز کا کوئی سلیس ترجمہ مفید حواشی کے ساتھ بھی شائع نہیں ہوا۔ یہ ایسی کمی ہے جس کے لیے کوئی معقول معذرت نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے علما کا ایک طبقہ جو چھوٹی چھوٹی "مدرسیاں" بنا کر کاروبار کے انداز سے ان کو چلا رہا ہے۔ یہ حضرات اگر اس بے ضرورت مشغلہ کو چھوڑ کر نشر و اشاعت کا کام کریں تو قوم کے سر سے ایک بوجھ اتر جائے اور آپ ہم خرما و ہم ثواب سے شاد کام ہوں۔

یہ تعلیمی انتشار جب تک کاروباری انداز سے جاری رہے گا نشر و اشاعت کا کام

نہیں ہو سکے گا۔ یہ متدین جونکیں جس انداز سے ملت کا خون چوس رہی ہیں ان مخلصین کی اصلاح کے بغیر نشر و اشاعت کا کام کسی اچھے پیمانے پر نہیں ہو سکے گا۔ میں اس ابتدائی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں کہ ہم اگر جامعہ سلفیہ کے بجائے نشر و اشاعت کا کوئی ادارہ شروع کرتے تو آج یہ ادارہ خود اپنا کفیل ہوتا اور آپ کو اس تنقید کی ضرورت نہ ہوتی۔ میں عزیز محترم مولوی عبدالحلیم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے والد محترم کے خلوص اور عم محترم کے کاروباری انداز کو ملت کے لیے کیسے مفید سمجھتے ہیں؟ اور کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ آپ کے چچا بزرگوار اپنا انداز بدل لیں؟ میری نظر میں بڑے بڑے اکابر تعلیم کا کام کاروباری انداز سے کر رہے ہیں، آپ کے قلم کا رخ اگر اس طرف پھرتا تو مفید ہوتا۔ جمعیت اور جامعہ نے اپنی کمزوریوں اور آپ ایسے حضرات کے عدم تعاون کے باوجود بہر حال کچھ نہ کچھ خدمت کی ہے۔ والحمد للہ علی ذلك.

طلباء کا باہر بھیجنا:

آپ نے فرمایا ہے کہ طلبا کو باہر بھیجا جاتا تو قابل فخر کارنامہ ہوتا۔ عزیز محترم نے شاید اس تجویز کے نتائج اور عواقب پر غور نہیں کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ عام تعلیمی ادارے پاک و ہند میں کافی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ان اداروں میں سلفی طریقہ تدریس کی ترجمانی نہیں ہوتی، جمود کی دعوت کے علاوہ مسلک اہلحدیث کے خلاف زہر اُگلا جاتا ہے، اور اس میں موحد اور بریلوی اداروں میں کوئی امتیاز نہیں۔ بیرونی ممالک میں شاید جمود کم ہو لیکن آوارگی سے بچنا ناممکن ہوگا۔

بیرونی ممالک کی آب و ہوا سے تاثر قبول کرنے کے بعد اگر شیخ الجامعہ یا شیخ الحدیث داڑھی مصری، حجازی، نجدی یا عراقی انداز کی رکھ لیں تو کیا یہاں کی جماعت کے اہلحدیث اسے پسند کر لیں گے؟ بیرونی ممالک میں اگر سلفی مکتبِ فکر کی کوئی مدرسہ ترجمانی کرتا ہو تو مطلع فرمائیں، جامعہ کی موجودگی میں اس تجویز پر غور کیا جا سکتا ہے۔

آپ کے سامنے جامعہ ازہر اور جامعہ مدینہ ہوگی۔ آپ اپنی معلومات کی بنا پر آگاہ فرمائیں آیا ان جوامع میں مسلکِ سلف کی آبیاری ہوسکتی ہے؟ پھر ان ممالک میں جو معیار اس وقت وظائف اور مشاہرات کا مروج ہے آیا پاکستان کی جماعت اہلحدیث ان کی ذمہ داری لے سکتی ہے؟ مولوی محمد شریف صاحب اشرف سے دریافت فرمائیں کہ وہ پاکستان میں کس مشاہرہ پر اقامت فرمائیں گے اور کیا پڑھائیں گے؟ مسلک کو نظر انداز کر دیا جائے تو آپ کی تجویز یقیناً قابل غور ہے۔

پھر ان ممالک میں اخلاقیات کا جو معیار ہے اس کا طلبہ پر کیا اثر ہوگا؟ مدینہ یونیورسٹی کے طلبا آج کل آئے ہوئے ہیں، ان کے طریقِ رہائش اور ان کی اخلاقی اقدار کو ملاحظہ فرما کر اپنی تجویز پر نظر ثانی فرمالیں۔ پتوکی تشریف لائیں تو ابا سے بھی مشورہ فرمالیں۔ میں آپ کی تجویز کا خلاصہ یہ سمجھا ہوں کہ قابل اساتذہ کے مشاہرات کی گرانباری سے تو بچیں لیکن ایسے طلبہ جن کی قابلیت اور مستقبل کی کامیابی موہوم اور مشکوک ہے ان کے خطیر وظائف کا بوجھ برداشت کر لیا جائے، اور آپ کا قلم اور الاعتصام کے صفحات ان کی آوارگی کی حمایت کے لیے وقف کر دیے جائیں ؎

نظیری را بمحفل بردم و گویا غلط کردم
مرا رسوائے عالم ساخت چشم گریہ آلودش ①

آپ کی دوسری تجویز یہ ہے کہ صرف منتہی طلبا کو داخلہ دیا جائے اور ابتدائی طلبا دوسری درس گاہوں کا رخ کریں۔

عزیزم! ہم نے جامعہ کا آغاز آپ ہی کی تجویز سے کیا اور منتہی طلبا کو ساٹھ ساٹھ روپے وظیفہ دیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرات طلبہ پورا وقت کھانے پینے میں گزارتے اور کچھ بقیہ دفتر سے جھگڑنے میں گزارتے کہ میرے اتنے روپے اتنے آنے بقایا ہیں۔

---

① نظیری کو محفل میں لا کر گویا میں نے کچھ غلط کر دیا ہے، مجھے رسوائے عالم کر دیا، آنکھ گریہ زاری سے آلودہ ہوئی۔

سرگودھا کانفرنس میں جب مجھے ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا تو ان حضرات طلبہ کا ایک وفد صرف اس لیے ملا کہ ہمارے اتنے روپے اور اتنے آنے باقی ہیں۔ اندازِ گفتگو انتہائی تکلیف دہ تھا۔

پھر نچلے مدارس سے جو خام مال ہمیں ملا وہ اتنا مایوس کن تھا کہ بعض مشہور مدارس کے فارغ طلبہ سورۃ کوثر اور سورۃ الم نشرح کا صحیح ترجمہ وغیرہ نہیں کر سکتے تھے، اس مجبوری سے ابتدائی کلاسوں کا رکھنا مناسب معلوم ہوا۔

غالباً یہ انتظام دو سال رہا، پندرہ یا شاید بیس طلبہ فارغ ہوئے، ان کے متعلق آپ ایسے دیدہ ہمیں مذاق کرتے تھے کہ ایک مولوی کتنے ہزار میں پڑا؟ میں نے عرض کیا کہ تنقید کرنا بڑا ہی آسان کام ہے، اس سے لیڈری چمکتی ہے، جرأت بڑھتی ہے کہ ہمارے زورِ قلم سے کون بچ سکتا ہے؟ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

آخر میں عزیز محترم نے ایک عجیب بات فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جمعیت کے نظم کا ڈھنڈورہ پیٹنے کے باوجود فارغ طلبہ کے لیے کوئی مصرف پیدا نہیں کیا جا سکا۔ عزیزم محترم کی نظر میں یہ بڑے ہی دکھ کا مقام ہے لیکن یہ ایسا دکھ ہے جس کا علاج شاید پچاس سال تک بھی مشکل ہو۔ عزیزم محترم نے اس دکھ کی شکایت میں انتہائی بچپن کا ثبوت دیا ہے، وہ شام کوٹ کی اقامت اور خطابت کے بعد شاید دنیا کے حالات سے بالکل بے تعلق ہیں، جامعہ اور جمعیت پر تنقید کے سوا دنیا سے بالکلیہ کٹ چکے ہیں۔

آپ سے زیادہ کون جانتا ہے عربی مدارس میں طلبہ کو کھانے سے لے کر صابن اور حجامت تک مفت مہیا ہوتی ہے، اس کے بالمقابل حضری تعلیم پرائمری سے ایم۔ اے تک قیمتاً ہوتی ہے اور بے حد صبر آزما اور گراں۔ اس کے ساتھ طالب علم اپنے اخراجات کا خود کفیل ہوتا ہے یا ورثا اس کی کفالت کرتے ہیں، لیکن یہ بے چارا پوری

طرح لٹ جانے کے بعد جب اس سرحد پر پہنچتا ہے جسے عرف عام میں ''فراغت'' کہتے ہیں تو حکومت مصرف کی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھاتی۔

کسی خوش نصیب کو کوئی سفارش مل گئی ورنہ بیچارے بی۔ اے، ایم۔ اے پاس کر کے سو پچاس کی ملازمت کے لیے در بدر خاک بسر کرتے پھرتے ہیں، حالانکہ وہاں حکومت کا نظام ہے جس کی پشت پر مادی قوت ہے، وہ اگر چاہیں تو اس کھیپ کے لیے مصرف پیدا کر سکتے ہیں، لیکن حکومت تعلیم کی ذمہ داری لیتی ہے مصرف کی ذمہ داری نہیں لیتی۔ اس دکھ کا مداوا حکومت پاکستان بلکہ کوئی حکومت بھی نہیں کر سکتی۔ پھر یہ بیچاری جمعیت اہلحدیث جس کا پورا نظام طوع و رضا اور احباب کی اعانت پر موقوف ہے۔ یہاں نہ حکومت ہے نہ مادی قوت۔ پھر یہ مصرف کہاں سے لائے؟

مصرف نہ حکومت پیدا کر سکتی ہے نہ جمعیت، نہ کوئی دوسری جماعت، یہ صرف قابلیت ہی پیدا کر سکتی ہے۔ آپ کی فراغت کے بعد آپ کو یاد ہوگا بعض شہروں میں آپ کی اقامت کا مشورہ ہوا تھا لیکن آپ اور آپ کے والد محترم نے قروی بدویت کو ترجیح دے کر شام کوٹ میں ڈیرے ڈال دیے۔

مجھے مسرت ہوئی آپ کی تنقید تعمیری ہے، قلم اور دماغ دونوں چلتے ہیں، ساحل کو چھوڑیے طوفان میں اتریے اور موجوں سے کھیلیے، ہم لوگ چراغ سحری ہیں، پنشن کی عمر گزار رہے ہیں۔ مستقبل کے معمار آپ ہیں، ابھی سے مثبت کام کی عادت ڈالیے، منفی تعریضات سے بچیے، یہ تعریضات کسی مرض کا علاج نہیں۔ آپ کی بعض چیزوں کو میں نے نظر انداز کیا ہے، مناظرہ مقصود نہیں۔

(الاعتصام، شمارہ: ۷، جلد: ۱۵، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ بمطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ء)

ہمارا سالانہ قومی اجتماع اور ہمارے فرائض

متحدہ ہندوستان میں اہلحدیث مسلک رکھنے والے لوگوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی، ہزاروں متبحر اور جید علما تھے، سینکڑوں مدارس تھے لیکن نظم ونسق کے اعتبار سے بے حسی جمود کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، بعض حساس طبائع نے نظمِ جماعت کے لیے اگر کوئی کوشش کی بھی تو ایسی رکاوٹیں درمیان میں حائل ہوگئیں کہ یہ کوششیں اخلاص اور ہمدردی کی پوری پونجی کے باوجود کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکیں۔ اس دوران میں ملک تقسیم ہوگیا، خون کی ایک گہری اور طویل لکیر نے برصغیر کو دو حصوں میں بانٹ دیا، نقشۂ عالم پر پاکستان کا وجود ابھر آیا، اسلامیانِ ہند کی کثیر تعداد ستلج اور واہگہ کی سرحدیں عبور کر کے پاکستان کے دار الامن میں داخل ہوگئی جس میں اہلحدیث کے علاقے کے علاقے بھی شامل تھے، ان کے علاوہ بحمد اللہ پاکستان میں پہلے سے اہلحدیث کی معقول آبادی تھی۔

تقسیم کے نتیجے میں ہندوستان سے آئے ہوئے اور پاکستان میں پہلے سے سکونت پذیر اہلحدیث کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی مگر انتشار اور بدنظمی کی سی کیفیت وہی رہی جو تقسیم سے قبل تھی، لیکن یہ کیفیت بہت جلد ختم ہوگئی۔ بعض مخلص اور دردمند حضرات کی بے لوث مساعی سے انتشار اور بدنظمی اتحاد اور تنظیم سے بدل گئی، یعنی جولائی ۱۹۴۸ء میں لاہور میں مغربی پاکستان کی جماعت کے مقتدر علما اور معزز ارکان کا اجتماع بلایا گیا جس میں ''جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان'' کے نام سے نظم جماعت کی بنیاد رکھی گئی۔ الحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً۔

ابتدا میں وسائل کی کمی اور ذرائع کی قلت کے سبب ہم اپنے کام کی رفتار کو اگرچہ زیادہ وسیع نہ کر سکے مگر اس پر قانع کبھی نہیں ہوئے اور اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہے۔

اواخر مئی ۱۹۴۹ء میں ہماری پہلی کانفرنس لاہور میں ہوئی جس سے ہمارے حوصلے پہلے سے بڑھ گئے، ولولے جاگ اُٹھے، جذبات بیدار ہوگئے، قوتِ احساس میں اضافہ ہوا اور ہمیں اپنی صلاحیتوں کے جانچنے اور طریقِ کار کی سمتوں کو متعین کرنے کا موقع ملا۔ اور اس کے ساتھ ہم نے محسوس کیا کہ اس زمانے میں یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنا ایک جماعتی اخبار ہو۔ چنانچہ ''الاعتصام'' کا اجرا عمل میں لایا گیا۔ ''الاعتصام'' نے جماعت میں نئی بنیادوں پر کام شروع کیا، جماعت میں نئی روح پیدا کرنے کی کوشش کی اور جماعت میں جدید طرزِ صحافت کی بنیاد رکھی، اور اس کے ذریعے ہماری آواز دیہات، قصبات اور بلاد میں پہنچی۔

اگست ۱۹۵۲ء میں ہم نے اپنی تنظیمی مہم کو مؤثر اور ہمہ گیر بنانے کی غرض سے رکن سازی کا آغاز کیا اور تھوڑے عرصہ میں ہماری رکنیت ساٹھ ہزار کے لگ بھگ پہنچ گئی، اور کوئی پانچ سو کے قریب مقامات پر جمعیتیں قائم ہوگئیں۔ اسی اثنا میں ہم نے فیصلہ کیا کہ مارچ ۱۹۵۳ء میں سالانہ کانفرنس لائل پور میں منعقد کی جائے مگر فروری میں تحفظِ ختم نبوت کی طوفان خیز تحریک سے ملک کی پرسکون فضا بے حد متلاطم ہوگئی، ہمارے علما اور با اثر حضرات جیل میں چلے گئے اور پروگرام وہیں کا وہیں رہ گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب جذبات میں اعتدال اور فضا میں سکون پیدا ہوا اور اکابر جماعت قید خانوں سے باہر آئے تو ہم نے دوبارہ فیصلہ کیا کہ مارچ ۱۹۵۴ء میں سالانہ کانفرنس لائل پور میں کی جائے مگر راستے میں قانون کی سنگین دیوار کھڑی کر دی گئی اور ضلع بھر میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ نے ہماری تمناؤں کا خون کر دیا۔ ہم نے لائل پور کے بجائے اپریل ۱۹۵۴ء میں اپنی سالانہ کانفرنس ملتان میں کی، بحمد اللہ ملتان کانفرنس بڑی کامیاب کانفرنس رہی اور ملک کی تمام جماعتوں اور افراد نے مرکز سے کلی تعاون کا مظاہرہ کیا۔

ملتان کانفرنس کے بعد ہم نے جو اہم کام کیے ان میں ''ادارہ اشاعۃ السنۃ'' کی تاسیس ایک ایسا کام ہے جو آج تک جماعت کی تاریخ میں جماعتی لحاظ سے کبھی نہیں ہوسکا تھا۔ اس ادارے کے اہتمام میں چند ایک کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور کچھ مزید کتابیں انشاء اللہ لائل پور کانفرنس کے موقع پر ہم آپ کی خدمت میں پیش کرسکیں گے۔

تنظیم برائے تنظیم نہ کوئی کام ہے اور نہ اس کو ہم نے کوئی حیثیت دی ہے، اصل چیز وہ ہے جو تنظیم کے ذریعے ہم کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہماری جماعت مضبوط ہو، اس کی بنیاد اور اساس مستحکم ہو اور ہر اعتبار سے اس میں مرکزیت کا جذبہ موجزن ہو۔ اس کے افراد اپنی اپنی جگہ اتنے مضبوط اور پختہ ذہن ہوں اور ان میں جماعتی زندگی کا عملی احساس اس درجہ راسخ ہو کہ ان کی نظریں مرکز کی طرف لگی رہیں اور کوئی کام مرکز کی ہدایت اور مشورہ کے بغیر انجام نہ دیں۔

یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اتنی بڑی جماعت کے اکثر افراد کا حال قریب قریب شتر بے مہار کا سا ہے، ان کو جو جماعت جب چاہے استعمال کر لیتی ہے اور یہ اس کی سیاسی چالبازیوں کے پھندوں میں نہایت آسانی کے ساتھ پھنس جاتے ہیں اور مرکز سے استصواب کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے؟ یہ چیز ہمارے جماعتی پندار کے سراسر منافی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا جس طرح ایک علمی اور مسلکی مقام ہے اسی طرح ہمارا سیاسی موقف بھی متعین ہو اور کوئی سیاسی و نیم سیاسی جماعت ہمارے افراد کو استعمال نہ کر سکے۔ یہ چیز پیدا کرنا بڑا ضروری ہے لیکن یہ اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب ہم میں مرکزیت ہو اور ہر ہر معاملہ میں اس کی طرف رجوع کریں اور اپنے سیاسی و عملی معاملات میں اس سے استصواب کریں، اور ہماری رائے وہی ہو جسے مرکز پسند کرے۔ ہر ہر فرد اور ہر ہر جماعت کی مرضی اور اس کی آواز مرکز کے تابع ہوحتی کہ ان کی زکوۃ، ان کے عشر اور ان کے عطیات کی تقسیم بھی اس طریق سے ہو کہ ان میں مقامی اور مرکزی بیت المال کے حصص متعین ہوں۔

اسی طرح ہمارے تبلیغی اجتماعات ہوں اور یہی کیفیت ہمارے دینی مدارس میں کارفرما ہو، ان کے نصاب میں اور طریقِ تعلیم میں پوری پوری وحدت اور یکسانی ہو۔ مغربی پاکستان کے اِس سرے سے لے کر اُس سرے تک سبھی مدارس نظم ونسق کی سلک میں منسلک ہوں اور ان کی زمامِ اختیار مرکز کے ہاتھ میں ہو۔ اسی طرح ہمارے مجوزہ دار العلوم کے بارے میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کی حیثیت ایک جماعتی یونیورسٹی کی ہو اور جماعت کے تمام دینی مدارس اس سے ملحق و منسلک ہوں، اور وہ ایک نوع کا نگران ادارہ ہو۔ اس کے اساتذہ اور تلامذہ کا علمی اور ذہنی معیار اتنا بلند ہو کہ ہم ان پر فخر کر سکیں اور ان سے ہر قسم کے تعلیمی، تبلیغی اور تدریسی کام لے سکیں اور ان کے علم وفضل سے جماعت مستفید ہو۔

علاوہ ازیں ادارہ اشاعۃ السنۃ کے ذریعہ قرآن مجید اور علم حدیث کی خدمت کرنا ہمارا اولین مقصد ہے۔ تین ترجموں والا نایاب قرآن مجید اُحسن الفوائد کے حاشیہ کے ساتھ شائع کرنا، (جس کی ایک منزل شائع ہو چکی ہے) حدیث کی درسی کتابیں اور ان کے بہترین تراجم شائع کرنا، مشکوۃ شریف غزنوی فوائد کے حاشیہ کے ساتھ شائع کرنا، یہ سب چیزیں ہمارے پروگرام میں شامل ہیں اور بحمد اللہ اس کے لیے ہم قدم اٹھا چکے ہیں، ضرورت آپ کے مخلصانہ تعاون اور ہمدردانہ وابستگی کی ہے۔ پھر اضلاع میں مبلغین کا تقرر ہمارے لیے ایک ضروری مسئلہ ہے جس کو ہم نے لائل پور کانفرنس کے بعد زیر عمل لانا ہے۔

اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو مؤثر بنانے کا ایک طریقہ ہمارے پروگرام میں یہ ہے کہ مغربی پاکستان کے چند معروف مرکزی شہروں میں ہوسٹل کھولے جائیں اور اس قسم کا اہتمام کیا جائے کہ جماعت کے جو طالب علم سکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم ہیں ہم ان کی تربیت کر سکیں اور ان سے ہمارا اتنا گہرا رابطہ ہو کہ تعلیم کے بعد بھی ان سے ہمارے مراسم قائم رہیں اور کسی صورت ہمارا ان کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے تا کہ ہماری نئی نسل جو

سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا رہی ہے ہم سے آشنا اور جماعت سے منسلک رہے۔ علاوہ اس کے "الاعتصام" کی ترتیب و تہذیب میں نمایاں تبدیلی اور ضخامت میں اضافہ کا معاملہ بڑا ضروری ہے۔

یہ سب امور ایسے ہیں جن کا تعلق لائل پور کانفرنس کے ساتھ وابستہ ہے اور ان پر جو اخراجات اٹھیں گے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ ان تمام مصارف کے لیے ابتدائی رقم کی فراہمی کتنی ضروری ہے؟ یہ آپ جانتے ہیں اور ان امور کی اہمیت کو بھی آپ خوب سمجھتے ہیں، لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ آپ ہمارے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کریں تاکہ کام کی رفتار میں پیسے کا مسئلہ حائل نہ ہو۔

(الاعتصام، شمارہ: ۲۴، جلد: ۶، ۱۹ر جمادی الاول ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۴ر جنوری ۱۹۵۵ء)

اپنی باتیں

جماعتی تگ و دو کی مختصر رُوداد

جماعت اہل حدیث کی تعداد بحمد للہ اس وقت لاکھوں سے بھی زیادہ ہے، اتنی بڑی جماعت میں فرقوں کی طرح نظم عملاً مشکل ہے۔ کثیر التعداد جماعتوں میں حاکمانہ نظم اور قانونی ربط و انقیاد تو پایا جاتا ہے لیکن اخلاقی روابط اور تعلقات کی جو کیفیت چھوٹے گروہوں اور فرقوں میں پائی جاتی ہے اور جو عصبیتیں ان ٹکڑوں اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں محسوس ہوتی ہیں اکثریتیں ان سے بمشکل متاثر ہوتی ہیں۔

تاہم نظم ایسی چیز نہیں جس کے فائدے کو نظر انداز کیا جا سکے، اس لیے صاحبِ صدر حضرت مولانا سید محمد داود صاحب۔ زیدت برکاتہم۔ اور جماعت کے دوسرے محترم رفقا کا عرصہ سے خیال تھا کہ دوستوں کے جمود کو توڑنے کے لیے ذاتی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا جائے، مختلف مقامات کے دوستوں سے وہیں جا کر ملاقات کی جائے، ان کی مشکلات کو سمجھا جائے اور کام کی راہ نکالی جائے۔

قادیانی اور رافضی جراثیم نے جس طرح حکومتِ پاکستان کے اداروں میں اپنے لیے جگہ پیدا کی ہے اور حکومت کے زیرِ سایہ جس طرح وہ اپنے اثرات پھیلا رہے ہیں ہماری روایات ہمیشہ اس کے خلاف رہی ہیں۔ اس لیے ہم نے حکومت کی چاپلوسی نہ کی ہے نہ ان شاء اللہ کریں گے لیکن اپنے بچاؤ اور حکومت کے لیے نصیحتاً اور خیر سگالی کے پیش نظر ضروری ہے کہ نظم سے کام کیا جائے اور جماعت کو ان زہریلے اثرات سے بچانے کی کوشش کی جائے جو بدعی تحریکات سے وطن کو جہنمستان بنانے میں مشغول ہیں۔

اس لیے راقم الحروف اور برادر محترم مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف اور مولانا

حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح خطیب جامع اہلحدیث مغلپورہ لاہور ۱۷ مارچ ۱۹۵۰ء کو اس کام کے لیے نکلے اور بحمد اللہ جماعت کو حرکت و عمل کے لیے مستعد اور منتظر پایا، عوام کا جذبۂ ایمان بہت حد تک صحیح ہے۔ ساری مصیبت ضعفِ قیادت کی پیدا کردہ ہے۔ نوجوان اور متحرک خون کراہیت کے باوجود بعض وقتی اور سیاسی تحریکات میں صرف اس لیے شامل ہوتے ہیں کہ ہماری قیادت جامد ہے، وہ مناظرات اور ہنگامی اکھاڑوں ہی کو وقت کا بہترین کام تصور کیے بیٹھے ہیں اور کتاب و سنت کے صحیح مقاصد کو سلجھے ہوئے انداز میں پیش کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہیں۔

منڈی چنوں:

۱۷/ مارچ ۱۹۵۰ء بروز جمعۃ المبارک ہم منڈی چنوں ضلع ملتان میں قریباً دو بجے شب پہنچے، یہ جلسہ کا آخری دن تھا۔ وسیع مسجد اہلحدیث یہاں زیرِ تعمیر ہے، اپنے رفقا میں عزیزم مولانا محمد داود ارشد یہاں کام کر رہے ہیں۔① ایک دینی مدرسہ بھی زیرِ تجویز ہے۔ یہاں ہیڈ ماسٹر صاحب بڑے مخلص اہلحدیث ہیں۔ مہاجرین کی خاصی تعداد خود منڈی اور اس کے مضافات میں اقامت پذیر ہے۔ منڈی میاں چنوں کا حلقہ اپنے پورے ماحول کو متاثر کر سکتا ہے اور توحید و سنت کی اشاعت اور ہمارے سیاسی مقاصد کی اشاعت کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ نمازِ جمعہ میں نے پڑھائی اور اپنے مقاصد کو واضح کیا۔ دوسرے دن صبح احباب اور کام کرنے والوں کی ایک میٹنگ بلائی گئی، جمعیت کا مرکز سے الحاق کیا گیا اور موجودہ علما نے تعاون کے ساتھ اپنے گرد و پیش میں تنظیم اور اشاعتِ توحید کا وعدہ فرمایا۔

جلال پور پیر والا:

یہاں سے رات روانہ ہو کر ۱۸/ مارچ ۱۹۵۰ء کو دو بجے شب ایکسپریس سے لودھراں اسٹیشن پر بسر کی، صبح بذریعہ کار جلال پور پہنچے، یہ قصبہ لودھراں سے تقریباً

---

① مولانا داود ارشد صاحب، حضرت سلفی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے بروز سوموار ۹ مئی ۱۹۲۶ء کو وفات پائی۔

تیس میل ہے، سڑک کچی اور خراب ہے، کار تقریباً ڈھائی گھنٹے میں پہنچی۔ ظہر کے بعد اظہارِ خیالات کا موقع ملا۔ ہم سے پہلے مولانا شرف الدین صاحب دہلوی پہنچ چکے تھے، مولانا ایسے نیک دل بزرگ سے مل کر بے حد مسرت ہوئی۔ كثر الله أمثاله فإنه أسوة في حب السنة.

عصر کے بعد مجلسِ شوریٰ بلائی گئی، جمعیت کا مرکز کے ساتھ الحاق کا فیصلہ ہوا۔ اس علاقے میں روافض کا بہت زور ہے۔ ہمارے رفقا میں مولانا سلطان محمود صاحب نہایت مخلص، فاضل اور درد مند نوجوان ہیں۔ ایک مدرسہ ہے جس میں مولانا کے ساتھی اور رفقا ہیں جو درس و تدریس کا کام کرتے ہیں۔ یہ مدرسہ، جماعت اور مولانا سلطان محمود اس علاقہ میں مغتنمات سے ہیں۔ یہ علاقہ شرک و بدعت کے لحاظ سے زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے۔ یہاں خدائے لایزال کے بجائے حسین اور دستگیر پر زیادہ اعتماد ہے مگر شکر ہے کہ اہل توحید بھی غافل نہیں۔ شكر الله مساعيهم!

ملتان اور خانیوال:

صبح ۱۹؍ مارچ ۱۹۵۰ء کو یہاں سے بذریعہ لاری شجاع آباد پہنچے۔ یہاں تک مولانا عبدالعزیز اور حضرت مولانا شرف الدین دہلوی کی رفاقت بڑی پرکیف رہی۔ شجاع آباد سے ٹرین پر سوار ہو کر خانیوال پہنچے۔ یہاں کی مسجد اہلحدیث کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا تھا۔ مسجد اب قریباً مکمل ہو چکی ہے۔ ہمارے محترم دوست خان عبدالعظیم خان مہاجر فیروز پوری بڑے با اصول، پختہ کار اور بیدار مغز اہلحدیث ہیں۔ یہاں مجلس شوریٰ میں جمعیت کا مرکز کے ساتھ الحاق کا فیصلہ ہوا۔ خاں صاحب محترم نے مرکز کی اعانت کا وعدہ فرمایا، رات یہاں بسر کی، صبح یہاں سے بذریعہ بس سروس ملتان پہنچے، محلہ وزیر آباد میں حضرت مولانا عبدالتواب کے درِ دولت پر پہنچے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب اپنی عادت سے نہ چوکے، کافی کتابیں خرید لیں، مجھے بھی زیرِ بار کیا۔

آہ! مولانا عبدالتواب کے انتقال نے ہمارے لیے پورے ملتان کو ویرانہ بنا دیا۔ ع

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند ❶

مولانا واقعی ولی اللہ تھے اور سلف کی یادگار!

منڈی وہاڑی:

یہاں بذریعہ لاری ۱۹/ مارچ ۱۹۵۰ء کو تین بجے پہنچے۔ بورا منڈی جانے والی لاری کا وقت پانچ بجے دن کے قریب تھا۔ مولانا عطاء اللہ صاحب سامان کے پاس ٹھہرے، میں اور حافظ اسماعیل صاحب بازار گئے۔ خیال نہ تھا کہ یہاں بھی کوئی جماعت کا آدمی ہوگا۔ بازار میں داخل ہوتے ہی مولوی غلام رسول صاحب ہشیارپوری اور میاں احمد دین صاحب کی دکان پر نظر پڑی، مولوی غلام رسول صاحب جماعت کے مخلص کارکن ہیں۔ ہشیار پور میں انھوں نے بہت کام کیا۔ ان سے معلوم ہوا کہ یہاں بھی مسجد اہلحدیث تعمیر ہوچکی ہے، باقاعدہ جماعت بھی موجود ہے جس کے صدر شیخ حاجی محمد علی ہیں اور ناظم میاں احمد دین صاحب ہیں، خطیب مولوی محمد عیسیٰ صاحب ہیں۔ نماز مغرب اس کچی از بس سادہ مسجد میں ادا کی، اس کے بعد مولانا عطاء اللہ صاحب نے نظمِ جماعت کی اہمیت کے متعلق خطاب فرمایا، جماعت نے مرکز سے الحاق کا فیصلہ کیا۔

بورا منڈی:

ہم بعد مغرب احباب سے رخصت ہوکر بس سٹینڈ پر پہنچے، بورا منڈی کو لاری آٹھ بجے چل کر تقریباً نو بجے پہنچی۔ وہاں جلسہ کے متعلق اعلان ہوچکا تھا۔ ہم سیدھے جلسہ گاہ میں پہنچے، جہاں انتظار کے بعد اکثر لوگ جاچکے تھے، آسمان ابر آلود تھا اور تقاطر ہورہا تھا، ٹھنڈی ہوا اور خنکی بڑھ رہی تھی لیکن احباب نے فیصلہ فرمایا کہ

---

❶ وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور وہ ساقی نہ رہا۔

جلسہ ملتوی نہ کیا جائے۔ چنانچہ تلاوتِ قرآن کے بعد میں نے مختصر سی تقریر کی، توحید اور اتباعِ سنت کا ذکر کیا۔ حاضری کافی ہوگئی۔ اس وقت بوندیں پڑ رہی تھیں لیکن حاضرین اطمینان سے سن رہے تھے۔ اس کے بعد اسماعیل صاحب نے مؤثر اور برجستہ تقریر فرمائی جو اسی موضوع پر تھی۔ جلسہ رات گیارہ بجے ختم ہوا۔ عزیزی مولوی محمد افضل صاحب کے مکان پر قیام تھا، کھانا کھا کر باتیں ہوتی رہیں، قریباً رات ایک بجے آرام کیا۔ نمازِ فجر کے بعد مسجد اہلحدیث میں درس ہوا جو حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے۔ یہاں مولوی محمد افضل کا خاندان اور مولانا عبدالعزیز صاحب سابق منسٹر ریاست فریدکوٹ تشریف فرما ہیں۔ صبح انتخاب ہوا، مولوی محمد افضل صدر مقرر ہوئے اور مولوی محمد اکبر صاحب ناظم، مولانا عبدالشکور صاحب نے خطابتِ جمعہ قبول فرمائی، جماعت کا الحاق کیا گیا۔ یہاں سے ناشتہ کے بعد بس سٹینڈ پر پہنچے۔

منڈی عارف والا:

بس پر سوار ہو کر منڈی عارف والا پہنچے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۵۰ء کو قریباً دس بجے لاری عارف والا میں پہنچی۔ کوٹ کپورہ کے یہاں کافی دوست موجود ہیں۔ اوڈ قوم کی کافی تعداد ہے جو عموماً بدوی اور سادہ زندگی کے عادی ہیں، اور پختہ اہلحدیث ہیں۔ یہاں اہلحدیث کی دو مسجدیں ہیں، صدر انجمن صوفی محمد ابراہیم صاحب ہیں اور ناظم حاجی شیخ محمد سرمد صاحب ہیں۔ دوپہر یہاں گزاری، قریباً تین بجے وفد پاک پتن پہنچا۔ خیال تھا کہ یہاں سے فارغ ہو کر رات کسی دوسری جگہ بسر کریں گے لیکن مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہیڈ ماسٹر امتحانات میں مشغول تھے، اس لیے رات یہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پاک پتن جہالت اور مشرکانہ رسوم کے لحاظ سے سارے علاقہ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، یہیں بہشتی دروازہ ہے جو غالباً سیدھا دوزخ میں کھلتا ہے۔ یہاں شیخ فرید کا مزار ہے اور بہت سی قبریں ہیں، مجھے اور میرے رفقا کو ان بدعی اور مشرکانہ

رسوم سے طبعی نفرت ہے، حضرت شیخ فرید الدین کی عقیدت کی وجہ سے ان کے مزار پر دعا کے لیے حاضر ہوئے، دعا کی گئی ورنہ یہاں سیاہ دِلی کے سوا کچھ بھی نہیں، خدا کے نام پر دکانداری، جہلا کو دھوکہ دے کر عوام سے تحصیل زر، جھوٹ بولنے اور جھوٹی آرزوؤں پر جینے کے سوا اور کچھ نہیں۔

شام کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی، خطیبِ جماعت مولانا محمد عباس صاحب بھی ملے۔ مولانا کو حدیث کے متعلق عجیب استحضار ہے، نہایت سادہ مزاج اور مخلص بزرگ ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی مساعی کی وجہ سے یہاں بڑی عمدہ اور وسیع مسجد بن چکی ہے جو بس سٹینڈ کے بالکل قریب ہے۔ صبح نماز اور درس کے بعد انتخاب ہوا اور الحاق کا فیصلہ کیا گیا، مولانا محمد عباس صدر چنے گئے اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب ناظم۔

منٹگمری:

۲۱ مارچ ۱۹۵۰ء صبح کو چل کر دوپہر کے قریب وفد منٹگمری پہنچا۔ حافظ عبدالحق صاحب مالک حافظ کلاتھ ہاؤس ہمارے پہنچنے سے پہلے بھاگ چکے تھے، غالباً لائل پور کسی شادی پر گئے تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب اوڈ، مولوی عبدالمنان صاحب اور مولانا عبداللہ صاحب فیروز پوری سے ملاقات ہوئی۔ نظم جماعت کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ سب حضرات نظم جماعت کے لیے بے تاب تھے، سب کی نظر مولانا عبدالجلیل پر تھی۔ مولانا یہاں بہت بارسوخ ہیں، بڑی مسجد اہلحدیث کے خطیب ہیں، میرے ذاتی مراسم مولانا سے بہت دیرینہ ہیں۔ میرے تاثرات مولانا کے متعلق بہت اچھے ہیں، میری دانست میں مولانا مخلص اہلحدیث ہیں۔ مطالعہ کافی وسیع ہے۔ مولانا سے نظم جماعت کے متعلق دیر تک تذکرہ ہوتا رہا، مولانا عبداللہ صاحب اوڈ، مولوی عبدالمنان صاحب، مولوی عبدالرحمٰن صاحب، مولانا عطاء اللہ صاحب اور دیگر ارکانِ وفد موجود تھے۔ مولانا پر کافی اعتماد ہے۔ دیر تک گفتگو کے باوجود میں مولانا کے مقصد کو نہ سمجھ سکا، مولانا کے ارشادات کافی بے ربط تھے جن میں کوئی تسلسل نہ تھا۔ مولانا کے

ملفوظات سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ باتیں ناہموار اور الجھے ہوئے دماغ سے نکل رہی ہیں، مجھے مولانا کے علم اور خلوص پر اعتماد تھا اور ہے، اس لیے میں مولانا کے ان ارشادات کی کوئی صحیح توجیہ نہیں کر سکا تاہم مولانا نے آخر میں فرمایا کہ جو نظام بنے گا میں اس کے ساتھ تعاون کروں گا، یہ ساری گفتگو دوستانہ تھی، مولانا بڑی خوش طبعی اور خوش مذاقی سے گفتگو فرماتے رہے۔

مولانا سے جدا ہو کر ہم مولانا عبدالجبار سے ملے، یہ سادہ مزاج اور پرانی وضع کے بزرگ ہیں اور راسخ العقیدہ مسلمان۔ یہ سب لوگ خواہشمند تھے کہ مولانا عبدالجلیل صاحب ان کی رہنمائی فرمائیں، ان کو مولانا عبدالجلیل صاحب سے دوستانہ شکوے بھی تھے۔ اس لیے یہاں جماعت کا کوئی ڈھانچہ نہ بن سکا، ہم نے مناسب سمجھا کہ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب اپنے خیالات پر دوبارہ غور فرمائیں اور پھر ہم کسی وقت حاضر ہوں گے۔

امید ہے کہ تمام احباب انہماک سے کام کریں گے اور چند ہفتوں میں جماعت کو ایک سلک میں پرو دیں گے۔

(الاعتصام، شمارہ: ۲۸، جلد: ۱، ۸؍الجمادی الثانیہ ۱۳۶۹ھ بمطابق ۷؍اپریل ۱۹۵۰ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے تبلیغی جلسے

آج سے چند سال پہلے جماعتِ اہلحدیث کی تبلیغی کوششیں تین نہج میں منقسم تھیں:

ا۔ کتبِ سنت کی اشاعت:

چنانچہ لاہور میں مطبع احمدی مرحوم فقیر اللہ صاحب تاجر کتب، امرتسر میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ اور مولانا عبدالاول صاحب غزنوی رحمہ اللہ نے بڑا مفید لٹریچر شائع کیا۔ دہلی میں مطبع انصاری نے عجیب عجیب علمی جواہر سے پبلک کو روشناس کرایا۔ بنارس میں سعید المطابع نے اچھی کتب کی اشاعت کی۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مغفور نے تو علم کے دریا بہا دیے۔ مطبع نظامی نے بڑے نایاب علمی موتی اطرافِ عالم میں بکھیر کر دنیا کی تشنہ کامی کے لیے تسکین کا سامان کیا۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم کا دفتر علم و تحقیق کا ابلتا ہوا چشمہ تھا۔

عرصہ سے یہ طریق متروک ہے۔ اس کے باوجود اچھی اچھی اشتہاری جماعتوں سے جماعتِ اہلحدیث کا لٹریچر مفید بھی ہے اور زیادہ بھی۔ تاہم اس وقت اشاعتِ کتب کی طرف توجہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ کاروباری مشاغل دنیا میں اس طرح بڑھ رہے ہیں کہ مستقبل قریب میں کئی کئی دن تقریروں کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوگا اور اس قسم کے عام خطاب بہت گراں پڑیں گے۔

۲۔ مدارس:

دوسرا طریق دروس اور مدارس کا تھا۔ یہ ٹھوس علمی مشغلہ تھا جس سے بے حد مفید نتائج پیدا ہوئے۔ حضرت میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے بعد پنجاب میں دارالعلوم

تقویۃ الاسلام امرتسر، مدرسہ نصرۃ الاسلام وزیر آباد اور لکھوکے نے بے حد مفید کام کیا۔ حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی، حضرت الاستاذ حافظ عبدالمنان صاحب مغفور ایسی جامع شخصیتوں نے بڑے بڑے علما پیدا کیے، ان مدارس کے طلباء بیرونی ممالک میں بھی دور دور تک پھیل گئے۔ اس وقت بھی مغربی پاکستان میں مدارس کی خاصی تعداد موجود ہے مگر اب یہ دکانوں کی صورت اختیار کر گئے ہیں، بعض مقامات پر تعلیم سے زیادہ ان مدارس کو چندہ کی فراہمی کے لیے صرف ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

ضرورت ہے کہ یہ مدارس زیادہ سے زیادہ مربوط اور منظم ہوں، ان کے نصاب میں وحدت پیدا کی جائے، طلبہ اور اساتذہ کے لیے ایسے قواعد مرتب ہوں جس سے دینی تعلیم میں آبرومندی کی شان پیدا ہو۔ طلبا اور اساتذہ کے اخلاق گداگری اور طمع کی نذر نہ ہوجائیں۔ بعض مہتممینِ مدارس نظم کی پابندیوں سے گھبراتے ہیں۔ اساتذہ اور طلبا اگر اس تعمیری عمل کے لیے مخلصانہ طور پر آمادہ ہوجائیں تو یہ مشکل کام حل ہوسکتا ہے اور اس کے نتائج ایک بہترین تعلیمی مستقبل کی کفایت کر سکتے ہیں۔ جمعیت اہلحدیث کا مرکزی دفتر اس معاملے میں ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہے۔

۳۔ جلسے:

تیسرا طریق مجالس اور خطاب عام کا تھا، اس خطابی طریق نے اصلاحِ عقائد میں ایک انقلابی انداز پیدا کر دیا۔ بدعی رسوم کی اصلاح میں خطابِ عام سے بے حد فائدہ ہوا۔ عورتوں کی حاضری کی وجہ سے ان مجالس سے گھریلو اصلاح میں بہت زیادہ مدد ملی۔ مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کو ان مجالس کی تشکیل و اور تنظیم میں امامت کا مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا کی تقریر عموماً ان تبلیغی اور اصلاحی مجالس کی جان ہوتی تھیں۔ ان کا دلکش اندازِ بیان اور اس میں ظرافت کی آمیزش تو سونے پر سہاگہ کا کام دیتی تھی۔

ضرورت ہے کہ ان مجالس کو اور منظم کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ یہ مجالس بزنس اور پیشہ کی سی صورت نہ اختیار کر جائیں۔ تقاریر موضوع کی پابندی کے ساتھ مقامی اور وقتی ضرورت کے مطابق ہوں، نہ جلسہ کرنے والوں کا مقصد عوام کی خوشنودی اور چندہ کی فراہمی ہو نہ علما ہی پیشگیاں وصول کریں اور وعدہ خلافیوں سے اپنی آبرومندی کو نقصان پہنچائیں۔

جلسوں کی تواریخ کا اقرار نظام اور مشورہ سے ہو اور اہل علم ہر وقت پہنچیں اور اپنے فرائض کا احساس فرمائیں۔ تقاریر میں خوش مذاقی ہو، پھکڑ پن نہ ہو۔ مذاق کو عامیانہ انداز سے پوری طرح محفوظ رکھا جائے۔

جمعیت مغربی پاکستان نے اس معاملے میں امسال تھوڑی سی منظم کوشش کی جس کے نتائج کافی مفید ثابت ہوئے۔ اسے اگر تھوڑا اور منضبط کیا جائے تو نتائج اور بھی شاندار ہو سکتے ہیں۔ مقامی احباب کو اپنی مقامی ضرورتوں کے مطابق کچھ مضامین کے انتخاب کا حق ہونا چاہیے تاکہ مقامی لوگ ان مجالس سے مستفید ہو سکیں اور مقامی غلطیوں کی اصلاح ہو سکے۔

منڈی میاں چنوں:

یہاں مولوی داود صاحب ارشد ہوشمندی سے کام کر رہے ہیں، ایک سادہ مگر وسیع مسجد تیار کی گئی ہے۔ یہاں پہلے اہل توحید کے صرف ایک یا دو گھر تھے، اب بحمد اللہ خاصی تعداد موجود ہے۔ اچھے ہوشمند، مستعد کارکن یہاں موجود ہیں جو خلوص سے کام کرتے ہیں، یہاں مختصر سا دینی مدرسہ ہے اور دار الحفاظ، جہاں بچوں کو حفظ اور ناظرہ دونوں طرح قرآن عزیز پڑھایا جاتا ہے۔

دیہات میں بھی جماعت موجود ہے، مولانا مقامی جماعت سے ملتے جلتے رہتے ہیں اور باہمی ربط اور الحاق سے کام کرتے ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ مولوی داود صاحب نے اس دفعہ مجلس شوریٰ نہ رکھی اس لیے امسال نظم کے متعلق یہاں کوئی مشورہ نہ ہو سکا۔ امید

ہے کہ مولوی داود اس کمی کو اپنے دوروں سے پورا کر دیں گے۔ یہاں امسال جلسہ مؤرخہ ۷۔۸۔۹ مارچ ۵۳ھ کو ہوا تھا۔ یہ جلسہ پُر رونق تھا۔ حاضرین علما سے مولوی معین الدین صاحب لکھوی، مولوی یحییٰ صاحب حافظ آبادی، برادر محترم حافظ اسماعیل اور حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بقیۃ السلف مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی بھی موجود تھے۔ حافظ صاحب محترم نے بڑا طویل درس بوقتِ صبح دیا۔ حافظ صاحب محترم کا وجود اس وقت مغتنم ہے، خدا تعالیٰ ان کے فیوض کو دائم و قائم رکھے۔

خانیوال:

یہاں پہلے محترم حکیم جمال الدین اور میاں محمد عمر صاحب جماعت کے مخلص کارکن تھے۔ ایک مختصر سی سادہ مسجد موجود تھی، مہاجرین کی آمد سے جماعت کی تعداد کافی ہوگئی۔ محترم حکیم عبدالعظیم خاں صاحب فیروز پوری پرانے تجربہ کار مخلص کارکن ہیں۔ یہاں مخلص اور جوشیلے احباب سے مل کر خوشی ہوئی۔

صدر محترم حضرت مولانا محمد داود صاحب غزنوی یہاں آغازِ اجلاس ہی میں پہنچ گئے تھے، احباب سے ذاتی طور پر مل کر نظمِ جماعت کے متعلق محترم نے بہت کام کیا۔ ایک مجلس شوریٰ بلائی، جس کے صدر حضرت مولانا ہی تھے، اطراف سے احباب کافی تعداد میں آئے ہوئے موجود تھے۔ علاقہ میں ہر کام کے لیے احباب نے نام دیے، اور رضا کارانہ طور پر کام کرنے کا وعدہ کیا۔

تجویز ہوا کہ جماعت یہاں پرائمری تعلیم کے لیے ایک سکول کھولے اور اس میں اپنی تعلیم کو لازمی رکھے، اور بچوں میں دینی دلچسپیاں پیدا کی جائیں۔

امید ہے کہ محترم میاں محمد حسین صاحب بی۔ اے، ناظم انجمن اہل حدیث تشکیل کے متعلق جلدی اطلاع دیں گے اور اپنے گرد و پیش میں نظم جماعت کا کام بڑے انہماک سے کریں گے، اور اپنے کام سے جمعیت مرکزی کے دفتر کو مطلع فرماتے رہیں گے۔

خانیوال میں یہ جلسہ ۲۱۔۲۲۔۲۳؍ مارچ ۵۲ء کو ہوا تھا۔

جمعیت ملتان شہر:

ملتان میں جماعت کا وجود بہت پرانا ہے، یہاں کی جماعت بحمداللہ کافی دولت مند ہے، حاجی کریم بخش صاحب، حاجی خدا بخش اور اسماعیل صاحب جماعت کے ساتھ کافی مالی ہمدردی فرماتے رہتے ہیں۔

ایک بہترین دینی مدرسہ قائم کیا ہوا ہے جس کی کفالت جماعت کے ذمہ ہے، احباب خیر اس میں حصہ لیتے ہیں۔ مولانا ملک عبدالعزیز صاحب مدرسہ کے مہتمم ہیں، ضلع ملتان کی جماعت اہلحدیث اور اکثر پرائمری جماعتیں مرکزی جماعت سے ملحق ہیں۔ ملتان جس طرح ایک مرکزی مقام ہے، مقامی جماعت بھی بحمداللہ کافی کام کر رہی ہے۔ شیخ عبدالرشید صدیقی کا نام قابل ذکر ہے۔

یہاں اطراف و جوانب کے احباب سے مجلس شوریٰ بلائی گئی، اس کی صدارت کے فرائض بھی صدر محترم حضرت مولانا غزنوی نے فرمائے۔ مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی نے شوریٰ میں نظمِ جماعت کے متعلق مفید مشورے عنایت فرمائے۔

اس ضلع میں جماعنت بحمد اللہ کافی حد تک منظّم ہے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب سوہدروی اور مولانا ابوحفص اور مولانا عبدالغفار حاضرین سے خاص کر قابل ذکر ہیں اور یہ لوگ بحمد اللہ جماعت کے سرگرم کارکن ہیں۔

ملتان میں جلسہ مؤرخہ ۴۔۵۔۶/اپریل ۵۲ھ کو ہوا، مختلف عنوانات پر مفید تقاریر ہوئیں۔ بڑی اہم تجاویز پاس ہوئیں، جن کا متن عنقریب شائع کیا جائے گا۔

کہروڑ پکا:

یہ ضلع ملتان میں قصور لائن پر واقع ہے، یہاں پہلے کوئی بزرگ مولانا معین الدین تھے، ان کے علم وفضل کی وجہ سے اہل حدیث کا نام زندہ ہے۔ ان کی اولاد دنیوی طور

پر کافی صاحب ثروت ہے لیکن دینی مشغلہ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ انھیں توفیق دے کہ وہ اپنے باپ کی جگہ سنبھال سکیں۔

اب تحصیل فاضلکا سے مہاجر آ کر آباد ہوئے ہیں اور ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ کام کرنے کے لیے نوجوان مستعد ہیں، مولوی مطیع اللہ صاحب خطیب ہیں۔ قصبہ کافی بارونق ہے۔

یہاں مورخہ ۸۔۹/ اپریل کو جلسہ ہوا تھا، مولانا عبداللہ صاحب ثانی، مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی اور بہت سے علما تشریف لائے تھے۔

یہاں اطراف میں جماعت بہت کم ہے بلکہ بالکل ناپید ہے، کہروڑپکا کے دوست اگر خلوص اور توجہ سے کام کریں تو یہاں ان کے لیے بہت سا موقع ہے، اطراف و جوانب میں توحید وسنت کی آواز کو بلند کرنا چاہیے۔

خود کہروڑ پکا میں شیعہ اور بریلویوں کا کافی چرچا ہے، اہلسنت کا فرض ہے کہ ان بدعی خیالات کی اصلاح وعظ ونصیحت اور اچھے اخلاق سے کریں۔ کہروڑ پکا میں عجلت کی وجہ سے کوئی مجلس شوریٰ نہ ہوسکی۔ محترم مولانا عبداللہ ثانی نے مقامی احباب کو نظم اور الحاق جماعت کے متعلق فرمایا اور سمجھایا، جسے سرکردہ احباب نے قبول فرمایا۔

جمعیت اہلحدیث قصور:

۱۱۔۱۲/ اپریل ۵۲ء کو جمعیت اہلحدیث قصور کا اجلاس تھا جس میں حضرت مولانا داود غزنوی اور جامع العلوم حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مدعو تھے۔ نماز جمعہ محترم حافظ صاحب نے پڑھائی۔ عزیز محترم معین الدین صاحب لکھوی نے رات مسئلہ توحید پر مبسوط تقریر فرمائی۔ مولانا محی الدین صاحب لکھوی، ایم۔ ایل۔ اے بھی اس اجلاس میں شریک تھے۔ اجلاس بریلوی حضرات کی مخالفت کے باوجود بے حد رونق تھا۔

صبح مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا، صدر محترم حضرت مولانا غزنوی شوریٰ اجلاس میں

شریک نہ ہو سکے۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی اجلاس شوریٰ میں موجود تھے اور معاملات پر سیر حاصل بحث ہوئی۔

دوسرا مسئلہ جماعت کی تنظیم کا تھا جس کے طریق اور اس کی مشکلات کے متعلق مختلف احباب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، اس گفتگو سے عوام کی بے قراری کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ جذبہ ظاہر کرتا تھا کہ باہمی تعلق میں نظم و ضبط کی از بس ضرورت ہے اور عوام اس کے خواہشمند ہیں۔

محترم حاجی نواب الدین صاحب آف بھویہ اصل نے ایک بڑے اہم معاملہ کی طرف توجہ دلائی۔ انھوں نے فرمایا کہ توحید و سنت کی اشاعت میں اس علاقے میں تین خاندان اثر انداز ہیں: (۱) غزنوی خاندان، (۲) لکھوی خاندان، (۳) روپڑی خاندان۔ آیا یہ تینوں خاندان اس تنظیم سے متفق ہیں؟

یہ سوال گو بے موقع تھا تاہم صدرِ شوریٰ مولانا معین الدین صاحب نے اس پر گفتگو کی اجازت دی اور مجلس میں مختلف حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

صدر شوریٰ مولانا معین الدین صاحب نے فرمایا: ہم اس جمعیت اہلحدیث سے پوری طرح متفق ہیں، مدرسہ بھی جمعیت کی ہدایات ہی کے ماتحت ہے اور جمعیت اہلحدیث اوکاڑہ سب سے پہلی جمعیت ہے جس نے مرکز سے الحاق کیا۔ محترم مولانا حافظ عبداللہ روپڑی بھی تشریف فرما تھے۔ محترم حافظ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ ہم جمعیت کے ساتھ متفق ہیں، ہمیں بعض اوقات نظر انداز کرنے کے باوجود ہم ہمیشہ جمعیت کے ساتھ رہے اور آئندہ بھی جو حکم ہو ہم اس کی تعمیل کے لیے حاضر ہیں۔

اس پوری گفتگو میں محبت اور خلوص کا جذبہ کام کر رہا تھا، شکر ہے کہ مجلس پوری کامیابی سے ختم ہوئی اور حاضرین بہت مطمئن اور محظوظ ہوئے۔

حاضرین مجلس میں ہمارے نوجوان علما سے مولوی حافظ یحییٰ میر محمد اور مولانا عنایت اللہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، مولوی محمد رفیق صاحب اور دوسرے

قابل احترام دوست موجود تھے۔ سب نے اپنے اپنے علاقے میں کام کا وعدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیکی اور خلوص کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جمعیت اہلحدیث گوجرہ (لائل پور)

۱۴۔۱۵/ اپریل کو یہاں جلسہ ہوا تھا، اس شہر میں اہلحدیث کی تعداد صفر تھی، اب انقلاب ۴۷ء کے بعد لدھیانہ کے اطراف سے کچھ اہل توحید یہاں آ کر آباد ہوئے ہیں، جو غربت اور افلاس کے باوجود اخلاص کی نعمت سے سرشار ہیں۔ اسی محبت میں انھوں نے جلسہ کی تواریخ مقرر فرمائیں۔ انتظام کی ابتدا اور ناتجربہ کاری کے خطرہ سے میں ۱۳/ اپریل ۵۲ء کی دوپہر کو گوجرہ پہنچ گیا، برادر عزیز مولوی عبدالحمید صاحب مدرس نے جلسہ میں مناسب حصہ لیا، ان کے خلوص اور انہماک سے جلسے کی رونق دوبالا ہوگئی۔ مولوی احمد دین صاحب گکھڑوی، مولانا عبداللہ صاحب ثانی، مولوی علی محمد صاحب صمصام اور بہت سے دوسرے دوست ۱۴/ اپریل دوپہر کو پہنچ گئے۔ حکیم صاحب محترم کا وجود اس ماحول میں برکت محض ہے، محترم کی موجودگی سے نوجوان کارکنوں کو بہت مدد ملی۔

جلسہ کی حاضری سے معلوم ہوا کہ اطراف میں اہل توحید کی کافی تعداد موجود ہے جن سے ربط کی ضرورت ہے۔ یہاں کوئی مجلس شوریٰ نہ ہوسکی، نہ اطراف کے بزرگوں سے تعارف ہوسکا۔

جمعیت اہلحدیث لائل پور کا فرض ہے کہ وہ ضلع میں کام کو پھیلائے، مگر افسوس کہ جمعیت لائل پور نے نہ تو تاحال مرکز سے تعلق اور ربط قائم کیا ہے نہ وہ اپنے اختلافات پر قابو ہی پاسکی ہے۔ امید ہے کہ جمعیت لائل پور جلد از جلد کام کو ہاتھ میں لے گی، ورنہ مرکز کو دوسرے ذرائع سے ضلع کا کام اپنے ہاتھ میں لینا پڑے گا۔

ضلع لائل پور میں جماعت لاکھوں کی تعداد میں موجود ہے، مقامی جماعت کی سستی کی وجہ سے ضلع میں کوئی کام نہیں ہوسکا، ضلع میں اور بھی بہت سے ایسے مقامات

ہیں جو مرکزی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ جمعیت اپنے فرائض کا احساس کرے اور ضلع میں جماعت کو منظم کرے۔

تاندلیانوالہ اور اوڈانوالہ میں ایسے مردانِ کار موجود ہیں جو ضلع میں بہتر کام کر سکتے ہیں۔ اور بھی بہت سے مقامات پر جلسے ہوئے لیکن قلتِ وقت کے سبب میں وہاں نہیں پہنچ سکا، وہاں کے احباب رپورٹ بھیج کر شکریہ کا موقع دیں۔

(الاعتصام، شمارہ: ۳۶، جلد: ۳، ۲۵ اپریل، ۱۹۵۲ء)

جماعت اہلحدیث صوبہ سرحد

حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مرحوم کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پاٹنا بظاہر ناممکن ہے لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ ہے محترم مرحوم کے بعد جماعت کے متعلق عام تعارف کسی کو بھی نہیں۔ اس وقت جماعت میں جس قدر بزرگ پاکستان یا ہندوستان میں موجود ہیں ان میں کسی کی شناسائی پورے دونوں منطقوں میں نہیں۔ تمام بزرگوں کے تعارفی دائرے مخصوص حلقوں تک محدود ہیں۔

مرحوم کی واقفیت پورے ہندوستان اور پاکستان کے منطقہ میں تھی۔ پھر یہ شناسائی افراد و اشخاص تک ہی محدود نہ تھی بلکہ افراد کی ذاتی صلاحیتوں تک سے مولانا کی مردم شناس طبیعت آگاہ تھی۔

جماعت کے ایک ایک فرد، اس کے جائے قیام، جماعتی صلاحیت کار اور طبیعت کے رجحان تک سے موصوف آگاہ تھے۔ اپنے ساتھیوں میں مجھے خیال تھا کہ میری واقفیت زیادہ ہے لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ جماعت کا حلقہ بحمد اللہ تسلی بخش ہے، ملک کے دور افتادہ کونوں اور پہاڑیوں کی وادیوں میں جماعت اپنی سچائی اور دل پذیر اصولوں کی بدولت ترقی کر رہی ہے۔

جھنگڑہ:

مولوی محمد ادریس صاحب نے راولپنڈی سے جلسہ جھنگڑہ سے متعلق اطلاع دی، مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ اس گرد و پیش میں بھی اہل سنت والحدیث کی کوئی جمعیت ہوگی۔ مظفر آباد، مانسہرہ، پرسچہ وغیرہ میں توحید و سنت کے اثرات کا کم و بیش علم تھا مگر حویلیاں کے ماحول سے مجھے بالکل لاعلمی تھی۔ وہاں پہنچ کر خوشی ہوئی کہ ایبٹ آباد

روڈ پر سلطان پور کے پاس دامن کوہ میں یہ بستی آباد ہے۔ حویلیاں سٹیشن سے ڈھائی میل کے قریب یہ بستی ہوگی۔ موسم معتدل، پہاڑوں کی چوٹیاں سرسبز، پانی بافراط اور خوشگوار ہے۔ یہاں مولانا عبدالغنی صاحب کا وجود غنیمت ہے، مولانا خاموش اور مخلص بزرگ ہیں۔ آپ کی تعلیم و تربیت سے مولوی عبداللہ صاحب اور حکیم برق ایسے نوجوان اپنی قوت عمل اور بصیرت کے لحاظ سے جماعت کے مستقبل کے لیے نیک فال ہوسکتے ہیں، خدا تعالیٰ ان نوجوانوں کو توفیق دے کہ وہ ذاتیات سے اونچے ہو کر جماعت کے مفاد کو مقدم رکھ سکیں، بعض ذاتی مناقشات کی وجہ سے یہاں جماعت کے مفاد کو بے حد نقصان پہنچ رہا ہے۔ ورنہ اس علاقے میں کام کے لیے بہترین میدان ہے، اگر یہاں نظم و ضبط سے کام لیا جائے تو دینی مفاد کے علاوہ سیاسی اور معاشی فوائد بھی حاصل ہوسکتے ہیں۔

خاں مہدی زمان خاں صاحب:

اسی ماحول کے احباب سے خاں مہدی زمان خاں آف کھلا بٹ کو میں دیر سے جانتا تھا، خاں موصوف نہایت راسخ العقیدہ موحد ہیں اور علی وجہ البصیرۃ اس مسلک کے پابند ہیں، ان کا سیاسی ذوق بھی دیانت کی پابندیوں سے آزاد نہیں، عموماً پنجاب کا سفر فرماتے ہیں تو ضرور ملتے ہیں۔ خاں صاحب کو اگر ہزار داستاں بھی کہا جائے تو بجا ہے، وہ ہر موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرماتے ہیں، خلافت، کانگریس اور احرار کے سیاسی کارناموں سے ان کا دماغ لبریز ہے، ان تمام جماعتوں میں تھوڑا بہت کام بھی کیا ہے۔ احراری طریق کار کے وہ برسوں مداح رہے ہیں اور اس میں کام کرتے رہے ہیں لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ جماعت کے نظم و ضبط کی مساعی سے ان کا اعمالنامہ یقیناً خالی ہوگا حالانکہ وہ اپنے وسیع اثر و رسوخ سے بہت کچھ کام کر سکتے ہیں۔ خاں صاحب معاف فرمائیں، یہ ایسی شکایت ہے جہاں معذرت سے کام نہیں چلے گا۔

سرحدی احباب نے بھی ان کی اس بے عملی کی بہت شکایت کی، سرحد کے اہل توحید شاکی تھے کہ خاں صاحب الیکشن پر تو ہزاروں روپیہ صرف فرما سکتے ہیں لیکن جماعت

کا خزانہ ہمیشہ ان کے تاریخی بخل کا شاکی رہا، وہ اپنے علاقے کے رؤسا میں شمار ہوتے ہیں لیکن جماعت ان کے ایسے کارناموں سے یکسر محروم ہے۔

ہم بذریعہ الاعتصام خاں صاحب سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے صوبہ میں پوری توجہ اور انہماک سے کام کریں، اللہ تعالیٰ ان کی دینی اور دنیوی ضرورتوں کے لیے حالات سازگار بنا دے گا اور انھیں اجر جزیل عطا فرمائے گا۔

مولانا محمد ادریس صاحب نتھیا گلی، شیخ عبدالرحمٰن صاحب شیشہ والے پشاور، ایم۔ اے، صاحب زادہ صاحب ایل۔ ایل۔ بی صدر جمعیت اہلحدیث مردان اور احباب سرائے صالح و دیگر مخلصین جماعت وہری پورہ ہزارہ باہم مل کر اپنے حلقہ کی جمعیت کو منظم کریں اور کام کو باہمی تعاون سے مضبوط کریں۔ باطل پرست جماعتیں آپ کے سامنے ترقی کر رہی ہیں اور آپ صرف تماشائی کا فرض انجام دے رہے ہیں ـــہ

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست ①

جس قدر جلد ممکن ہو سکے خاں مہدی زمان خاں صاحب ان تمام احباب اور دوسرے بزرگوں کو، جنھیں جماعت کے معاملات سے ہمدردی ہو اور جماعت کے لیے مفید ہو سکیں، بلائیں اور نتائج سے دفتر کو مطلع کریں۔ دفتر کی خدمات اس کے لیے حاضر ہیں۔

مولانا عبدالغنی صاحب جھنگڑہ علیل ہیں، احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت عاجلہ عطا فرمائے۔

(الاعتصام، شمارہ: ۳۵، جلد: ۲، ۱۱ر شعبان ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۸ر مئی ۱۹۵۱ء)

---

① پری نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا اور دیو حسن نمائی میں مشغول تھا، عقل حیران تھی کہ یہ کیا تماشا ہے!

جمعیت اہلحدیث علاقہ گلیات

علاقہ گلیات ملحقہ کالا باغ میں اہل توحید کی تعداد ستر اسی ہزار کے پس و پیش ہوگی۔ یہ حضرات عملاً سب اہل حدیث ہیں۔ حضرت سید اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ کی تحریک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی دیرینہ سادگی اور انگریز دشمنی پر اب تک قائم ہیں۔ بعض نقائص کے باوجود ان کی اکثریت صوم صلوۃ کی پابند ہے۔ ان میں اکثر زمیندار اور محنتی ہیں، موجودہ لادینی حضریت سے بہت کم مانوس ہیں۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث کی تنظیمی مساعی سے یہ لوگ بھی متاثر ہوئے۔ برادر محترم خان مہدی زمان خان صاحب اور حافظ محمد اسماعیل صاحب کی مساعی سے ۱۴، ۱۵ر نومبر ۱۹۵۵ء کو کالا باغ میں جلسہ منعقد ہوا۔ راقم الحروف مع خان مہدی زمان خاں صاحب، مولوی عبداللہ صاحب خطیب جامع اہل حدیث راولپنڈی، الحاج مولانا محمد یحییٰ صاحب حافظ آبادی، حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح، مولانا محمد ابراہیم صاحب خادم، ۱۳ر نومبر ۱۱ بجے کالا باغ پہنچے۔ مولانا محمد ادریس صاحب از تنزیلا، مولانا محمود صاحب خطیب جامع اہلحدیث کالا باغ استقبال کے لیے موجود تھے۔

اس اجتماع کا فیصلہ فوری طور پر دو چار دن میں ہوا۔ اس خلافِ امید اجتماع اور ملاقات سے علاقہ کے احباب بے حد مسرور تھے۔ سر محمد اسلم خاں صاحب ایم، ایل اے، سردار فتح محمد خاں صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب اور محمد ایوب صاحب ایسے مخلص حضرات سے مل کر بے حد خوش ہوئے۔ تیرہ کو آرام کر کے چودہ کی صبح کو تقریباً ۹ بجے اجلاس شروع ہوا۔ علاقہ کے حضرات دُور دراز کا سفر فرما کر سردی کے موسم میں وقت پر اپنے اپنے دیہات سے پہنچ گئے۔

۴ار کی صبح کو ٹھیک ۹ بجے اجلاس شروع ہوا۔ تلاوتِ قرآن اور نظم کے بعد مولانا عبداللہ صاحب نے تقریباً دو گھنٹے مختلف عملی خرابیوں کی نشاندہی فرمائی۔ اصلاحی نقطہ نظر سے تقریر مفید اور بے حد مؤثر تھی۔

نماز ظہر کے بعد مولانا یحییٰ صاحب نے تقریر فرمائی۔ یہ تقریر مسلسل نماز عصر تک جاری رہی۔ اس تقریر کا لب ولہجہ بھی تعمیری اور اصلاحی تھا، اور تقریر ازبس مؤثر تھی۔ حاضرین بہت متاثر تھے۔ اس کے بعد موسم بہت سرد ہوگیا۔ اجلاس کل پر ملتوی کر دیا گیا۔

عشا کے بعد قیام گاہ پر مختصر سی ورکرز میٹنگ رکھی گئی۔ علاقہ سے امراء اور علما دونوں موجود تھے۔ جماعت کے نظم کے متعلق دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ تمام احباب نے یقین دلایا کہ آئندہ علاقہ میں کام تیزی سے ہوگا اور سب دوست مل کر تندہی اور تعاون سے کام کریں گے۔ اس دور افتادہ علاقہ میں سردار فتح محمد خاں ایسے احباب کا وجود بسا غنیمت ہے۔

۵ر نومبر کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے جلسہ شروع ہوگیا۔ تلاوتِ قرآن اور نظم کے بعد حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح کی تقریر شروع ہوئی۔ حافظ صاحب نے مسئلہ توحید کی وضاحت قرآن عزیز کی روشنی میں فرمائی، قبر پرستی اور بُت پرستی کے نقائص پر سیر حاصل بحث کی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سید شہید رحمہ اللہ کے شاگرد اس موضوع سے کس قدر متاثر ہوئے ہوں گے۔ عوام کے چہرے توحید کے اثر سے تمتمار ہے تھے۔ نماز ظہر کے قریب اجلاس ختم ہوا اور مندرجہ ذیل تجاویز اس اجلاس میں پاس کی گئیں:

ا۔ جماعت اہلحدیث علاقہ گلیات کا یہ نمائندہ اجلاس حکومت مغربی پاکستان سے گزارش کرتا ہے کہ حویلیاں اور کالا باغ کے درمیان سڑک براستہ سجکوٹ تعمیر کی جائے۔ اس سڑک سے متعدد فائدے ہوں گے:

(ا)۔ علاقہ گلیات کے دیہات کا تعلق شہروں اور منڈیوں سے ہوجائے گا۔ اس سے

ان علاقوں کی معاشی حالت پر اچھا اثر پڑے گا اور حمل ونقل کے وسائل ارزاں اور سہولت ہوگی۔

ب۔ کشمیر کے موجودہ حالات، آنے والے خطرات اور ڈیفنس کے لیے یہ راستہ قریب اور بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔

ج۔ پشاور اور آزاد کشمیر کی سرحد کے درمیان بھی یہ راستہ قریب ترین شاہراہ کا کام دے گا۔

ان فوائد کے پیش نظر ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ سڑک جلد از جلد تعمیر کرائی جائے۔

محرک: خان مہدی زمان خان صاحب

مؤید: مولانا محمد ایوب صاحب

مزید: سردار سمندر خاں صاحب

۲۔ جماعت اہل حدیث علاقہ گلیات کا یہ نمائندہ اجلاس دستور کی ساخت میں غیر معمولی دیر کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے اور مزید تشویش اس امر سے محسوس کرتا ہے کہ موجودہ دستور یہ اس برائے نام اسلامی روح کو بھی ختم کر رہی ہے جو مرحوم دستور یہ نے قائم کر رکھی تھی۔

اس لیے ہم پوری وضاحت کے ساتھ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی دستور کے سوا کوئی دستور قبول نہیں کیا جائے گا، اور ہمیں یقین ہے کہ اس راہ میں کوئی غلط قدم نہیں اُٹھایا جائے گا، ورنہ ملک میں بے چینی اور پریشانی یقینی ہوگی جو حکومت اور اس کے وقار کے لیے کسی طرح بھی مفید نہیں ہوگی۔

محرک: محمد اسماعیل ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان

مؤید: مولانا محمد ادریس صاحب

مزید: مولانا محمد ایوب صاحب

۳۔ جماعت اہلحدیث علاقہ گلیات کا یہ اہم اجلاس مقبوضہ کشمیر کے معاملہ میں مزید انتظار کو پاکستان کے مفاد کے لیے بے حد مضر سمجھتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ دیر سے مزید مشکلات پیدا ہوں گی۔

ہم پورے زور سے یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ کشمیر کے مسئلہ کا دوٹوک فیصلہ ہونا چاہیے اور پنڈت نہرو کی نفاق آمیز پالیسی کو زیادہ دیر سے مہلت نہیں دینی چاہیے۔ اگر آئینی طور سے رائے شماری نہ ہو تو اسے قوت سے حاصل کیا جائے۔ اس خدمت کے لیے علاقہ کالا باغ کی جماعت اہل حدیث ہر خدمت کے لیے تیار ہے، جیسے کہ اس سے پہلے ہم نے جہاد کشمیر کا حق ادا کیا تھا۔ اپنے پیشوا سید اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ کی صدائے جہاد تا حال ہمارے کانوں میں ہے۔

محرک: خان مہدی زمان خاں صاحب

مؤید: مولانا محمد ایوب صاحب

۴۔ جماعت اہلحدیث علاقہ گلیات، مغربی پاکستان کی وحدت کا خیر مقدم کرتا ہے اور اس کے اندر کسی تقسیم کو پسند نہیں کرتا۔

پختونستان کے نام سے جو تحریک چلائی جا رہی ہے ہم اسے قطعی ناپسند کرتے ہیں اور اسے پاکستان کی سالمیت کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم اس تحریک کے بانیوں کو اسلام کے نام پر پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اُسے جلد از جلد بند کریں۔

محرک: مہدی زمان خاں صاحب

مؤید: مولوی ادریس خاں صاحب

آزاد کشمیر اور ضلع ہزارہ

مرکزی جمعیت اہلحدیث نے جب سے تبلیغ اور تنظیم کا سلسلہ شروع کیا ہے بحمداللہ ہر طرف جماعت میں بیداری پیدا ہو رہی ہے، جماعت کا لاکھوں روپیہ تعلیم اور تبلیغ پر صرف ہو رہا تھا لیکن نظم نہ ہونے کی وجہ سے وہ چنداں مفید نہیں ہو رہا تھا۔

جمعیت کی تنظیم اور ممبر سازی کا حلقہ آزاد کشمیر ہزارہ تک پھیلا ہوا ہے۔ آزاد کشمیر کا کچھ حصہ جہلم سے ملحق ہے جس کی نگہداشت حضرت مولانا عبدالمجید صاحب خطیب جامع اہلحدیث جہلم فرماتے ہیں۔ مظفر آباد اور اس کے ملحقات کی نگرانی جمعیت اہلحدیث راولپنڈی کے سپرد ہے۔ ہماری جماعت کے مخلص اور خوش بیان عالم مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح ان علاقوں میں توحید وسنت کی اشاعت کے ذمہ دار ہیں۔

کالا باغ:

نتھیا گلی کا سرد علاقہ بھی راولپنڈی کے حلقہ میں شامل ہے۔ گزشتہ سال کالا باغ کے دورے سے معلوم ہوا کہ ان اطراف میں جماعت اہلحدیث ہزاروں کی تعداد میں پھیلی ہوئی ہے، دور افتادہ اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے اس طرف علما کی آمد و رفت بہت کم ہے، اس کے ساتھ ان اطراف کی آبادی بے حد مفلوک الحال ہے، اس لیے صدر محترم نے جماعت اہل حدیث راولپنڈی کو حکم دیا کہ وہ اس طرف تبلیغی دوروں کا انتظام کرے۔

مظفر آباد:

حافظ اسماعیل کی تجویز سے اس علاقہ میں دو دوروں کا فیصلہ کیا گیا۔ پہلا دورہ مظفر آباد کا رکھا گیا، جمعیت اہلحدیث مظفر آباد کا دوسرا سالانہ اجلاس یکم دو جون

۱۹۵۷ء کو طے پایا۔ اس دورہ میں راقم الحروف مولانا محمد اسحاق قصوری، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب اور مولانا حافظ اسماعیل صاحب ذبیح کے ہمرکاب تھا۔ مظفر آباد میں مخلصین کی ایک مختصر جماعت ہے جس کی ابتدا غالباً محترم شیخ عبدالغنی صاحب سیشن جج نے فرمائی، اس کے ناظم برادر محترم غلام نبی صاحب مشکور ہیں۔ ہم سب رفقا یکم کی دوپہر کو مظفر آباد پہنچے، اجلاس رات نماز عشاء کے بعد شروع ہوا، موسم بے حد خوشگوار تھا۔ شہر میں بریلوی حضرات کی شرپسندی کے باوجود اجلاس بے حد بارونق تھا، معززین شہر اور سرکاری ملازمین اجلاس میں شریک ہوئے، مسجد سامعین سے بھرپور تھی، کوچوں میں بھی لوگ بکثرت موجود تھے۔ مختلف مضامین پر تقاریر ہوئیں، اثر کا صحیح اندازہ تو مقامی حضرات ہی بتا سکتے ہیں جہاں تک میرا اندازہ ہے اس دفعہ شہر کی فضا گذشتہ سال سے بہت صاف تھی، توحید و سنت اور اثباتِ حدیث کے موضوعات پر تقاریر کافی مؤثر تھیں، تقاریر کا لہجہ بے حد نرم اور مناسب تھا۔

۲؍ جون علی الصبح ہم احباب مظفر آباد سے رخصت ہوئے، گڑھی حبیب اللہ سے ہوتے ہوئے پورا قافلہ بالا کوٹ پہنچا، حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کے مراقد اور جائے شہادت کو دیکھا، ان کے لیے دعا کی۔ وہ تمام میدان اور پہاڑ جہاں ان شہداءِ حریت اور عشاقِ توحید نے حق کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور عزیمت کی منازل کو طے فرما کر جنت الفردوس تک پہنچے کتنا درد انگیز ہے؟ یہ خاموش مرغزار آج بھی توحید کے مبارک ولولہ شورِ محشر در آغوش میں ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ کی سریلی آواز میں آج بھی اربابِ بصیرت کے کانوں میں گونج رہی ہیں اور ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ﴾ کی نداءِ عمل سے آج بھی وہاں ایک شور سنائی دیتا ہے۔

یہ سرزمین کس قدر جاذب ہے؟ شہادت کے خون کی خوشبو آج بھی وہاں مہک پیدا کر رہی ہے۔ مئی کوٹ اور بالاکوٹ آج بھی جنت کی شاہراہ محسوس ہوتے ہیں۔ اس وادی میں جو اثر محسوس ہوتا ہے نہ زبان اسے بیان کر سکتی ہے نہ قلم اسے لکھ سکتا

ہے، یہاں پہنچ کر دل کے کوائف کی دنیا بالکل نرالی ہو جاتی ہے۔

ہم رفقا نے ان مراقد مقدسہ پر حاضری دی، اپنے مسلک کے مطابق ان کے لیے دعائیں کیں، اور تعجب ہوا کہ اہل شرک کی ذہنیت عجیب و غریب ہے، جن بزرگوں کو سکھوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں نے انھیں وہابی سمجھ کر شہید کرایا آج ان کی قبروں پر جھنڈے لگا کر ان کی ولایت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ آج سے ایک صدی قبل ان کا خون بیچا اور آج ان کی ہڈیاں فروخت کرنے کی کوشش ہو رہی ہے!!

بالاکوٹ میں مولانا محمد یونس، مولانا اسرائیل صاحب اور بعض دوسرے اہل توحید سے ملنے کا موقع ملا۔ مسرت ہوئی کہ شہید کی آواز میں اثر ہے۔

اس سارے سفر میں رفیق محترم مولانا خان مہدی زمان خاں صاحب کی رہنمائی اور رفاقت بے حد مفید ثابت ہوئی، ان کے ہمہ گیر تعارف سے ہمیں ہر جگہ سہولت نصیب ہوئی۔ یہاں سے چل کر رات سرائے صالح پہنچے۔ یہ بستی ہری پور ہزارہ کے بالکل قریب ہے، یہاں اہل توحید کا بہت پرانا اثر ہے، رات جلسہ ہوا، مولانا عبدالغنی شاہ کی تقریر بہت مؤثر ثابت ہوئی۔

صبح وہاں سے رخصت ہو کر کھلا پٹ پہنچے، مولانا مہدی زمان خاں صاحب کے ہاں تعزیت کی، خاں صاحب کی والدہ کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا۔ مرحومہ از بس متدین اور موحدہ تھیں، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ ان کے دو پوتے خان عبدالحمید خاں اور خاں عبدالعزیز خان ہونہار نوجوان ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں توحید کے خادم بنائے۔ یہاں سے راولپنڈی ہوتے ہوئے پانچ دن کے بعد واپس پہنچے۔

اب دوسرا دورہ ان شاء اللہ ۲۲/ جون ۱۹۵۷ء کو ہوگا۔ کالا باغ اور ہری پور میں جلسے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کی مساعی بار آور کرے۔

(الاعتصام، شمارہ: ۴۶، ۴۷، جلد: ۸، ۲۹/ زی القعدہ ۱۳۶۹ھ بمطابق ۲۸/ جون ۱۹۵۷ء)

اہلحدیث کانفرنس سرگودھا

میرے تاثرات

کانفرنس کا کھلا اجلاس ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶؍ مارچ کو تھا لیکن شوریٰ کا اجلاس ۱۳؍ مارچ نماز ظہر کے بعد شروع ہونا قرار پایا تھا۔ خیال تھا کہ شوریٰ کا ایجنڈا چوداں تک ختم ہو جائے گا اور چوداں کے کھلے اجلاس میں ہم اطمینان سے شریک ہو سکیں گے۔ سابق تجربہ یہ تھا کہ شوریٰ کی مشغولیت کھلے اجلاس پر اثر انداز ہوتی، ارکانِ شوریٰ کھلے اجلاسوں میں بعض وقت حاضر نہ ہو سکتے لیکن امسال بھی یہ تجربہ چنداں کامیاب نہ ہو سکا، شوریٰ کے ایجنڈے اور قرار دادوں پر بحث کسی قدر لمبی ہو گئی، ایجنڈا بمشکل ۱۵؍ کی صبح کو ختم ہوا۔

جماعت میں بیداری:

یہ خوشی کی بات ہے کہ اراکینِ شوریٰ اکثر ۱۳؍ مارچ قبل دوپہر پہنچ گئے، ظہر کے بعد کورم سے کہیں زیادہ شوریٰ میں شریک ہوئے۔ شوریٰ کے اجلاس سرگودھا کمپنی باغ میں جناح ہال کی کھلی اور شاندار عمارت میں منعقد ہوئے، گیلری میں وزیٹر حضرات موجود تھے جن کے لیے الگ ٹکٹ جاری کیے گئے تھے۔ شکر ہے کہ امسال پولیس نے شوریٰ میں مداخلت کی کوشش نہ کی۔

عرصہ سے عام مجالس میں مفت کھانے کا انتظام کرایا گیا ہے، دو روپے میں چھ وقت کا کھانا مجلس استقبالیہ کی طرف سے دیا جاتا ہے، اراکینِ شوریٰ تین روپے ادا کرتے ہیں، اس میں علما اور غیر علما میں کوئی امتیاز نہیں۔ احباب خوشی سے استقبالیہ کی

فیس ادا کر کے کھانا کھاتے ہیں، جماعت میں بیداری اور مفت خوری سے پرہیز اور اجتناب قابل مسرت ہے۔

اراکین استقبالیہ:

مولانا رضاء اللہ ثنائی، ملا عبدالعزیز، مولوی عبدالستار، مولوی عبدالغنی صاحب، میر عبدالرحیم صاحب کی مخلصانہ مساعی سے انتظام ہر لحاظ سے قابل تعریف تھا۔ باغ کی مغربی دیوار کے ساتھ دور تک بیت الخلاء کی قطار چلی گئی تھی، جس میں پردہ کا مکمل انتظام تھا۔ پانی کا انتظام نہایت معقول تھا۔ ایک پلاٹ میں چٹائیاں بچھا دی گئی تھیں۔ امامت کے فرائض مولانا محی الدین لکھوی اور حافظ محمد صاحب انجام دیتے رہے۔ وضو کے لیے نال لگا کر بہت اچھا انتظام کرایا تھا۔

ہال کی غربی دیوار کے ساتھ مکتبہ سلفیہ لاہور، سکول بک ڈپو گوجرانوالہ، اشاعۃ السنۃ لاہور کے علاوہ مکتبہ نعمانیہ گوجرانوالہ کے بک سٹال تھے، جن میں جماعت کا قدیم اور جدید لٹریچر سلیقہ سے فروخت ہو رہا تھا۔

تیسرے پلاٹ میں ہر ضلع کے لیے ٹینٹ لگا دیے گئے۔ اسٹیشن اور بسوں سے اترنے والے مہمان بلا تکلیف اپنی اپنی قیام گاہ میں پہنچ جاتے تھے۔ بسوں کے تمام اڈے کمپنی باغ کے سامنے تھے۔ راقم الحروف ناظم اعلیٰ کا خیمہ بھی وہیں تھا۔ مجھے بحمد اللہ کسی مہمان سے کوئی شکایت نہیں پہنچی۔

سندھ سے حکیم عبدالمجید شیداد پوری، کوہاٹ سے مولانا محمد عارف صاحب، ہزارہ سے خان مہدی زمان خان صاحب، کالا باغ آزاد کشمیر، سرحد پشاور سے مہمان پہنچ چکے تھے۔ سرگودھا ایسے دور افتادہ علاقہ میں آدمیوں کا سمندر دکھائی دیتا تھا۔ اس کے باوجود کہ اس علاقہ میں جماعت کے افراد کسی قدر کم ہیں، مولانا عبدالرحمٰن صاحب پنجابی دہلوی اور مولانا فقیر اللہ مرحوم مدارسی کا یہی وطن مالوف ہے، اور اہل حدیث اہل علم اس علاقہ میں پیدا ہوئے لیکن لا دینی ذہنیت کی وجہ سے تحریک زیادہ

بار آور نہ ہوسکی۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مع خاندان یہاں تشریف لائے۔ ان کے علاوہ امرتسر اور ریاست فرید کوٹ وغیرہ سے اور بھی اہل توحید یہاں آ کر آباد ہوگئے۔ مولانا امرتسری مرحوم نے مسجد کی تعمیر کے لیے ابتداءً کوشش فرمائی۔ اس وقت ۱۹۔ بلاک میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر ہوچکی ہے جس کی ماہوار آمدنی بحمد اللہ ہزار بارہ سو کے پس و پیش ہے۔ مولانا محمد اسحاق صاحب قصوری یہاں آج کل خطیب ہیں جو نہایت محنتی عالم اور مخلص ہیں۔ سرگودھا کانفرنس مولانا اور ان کے مخلص ساتھیوں کی مرہون ہے۔ اب اللہ کے فضل سے یہاں مضبوط اور فعال جماعت موجود ہے جس کی تبلیغی کوششیں ضلع کے علاوہ جوہر آباد میانوالی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے مال و جان میں برکت فرمائے۔

مجلسِ شوریٰ:

۱۳/ مارچ دوپہر سے پہلے مندوبین قریباً پہنچ گئے تھے، ظہر کے وقت مجلس شوریٰ کا اجلاس شروع ہوگیا۔ ناظم اعلیٰ کی رپورٹ اور ناظم مالیات کی رپورٹ مع بجٹ اپنے وقت پر اراکین شوریٰ کے میزوں پر تقسیم کر دی گئیں۔ ناظم اعلیٰ کی رپورٹ میں بعض دوسرے کوائف کے علاوہ جماعت کی تبلیغی کوشش پر روشنی ڈالی گئی۔ ناظم مالیات نے حسابات کی تفصیل اور گوشوارہ سامنے رکھا اور آئندہ سال کا بجٹ منظوری کے لیے پیش کر دیا، باقی ایجنڈے پر بھی دلچسپ بحث ہوتی رہی۔ صاحب صدر مناسب اوقات میں ہاؤس کی رہنمائی کرتے رہے اور یہ قافلہ آگے بڑھتا رہا۔ کبھی نرمی کبھی گرمی، کبھی تلخی کبھی مذاق جو ایسی مجالس کی خصوصیت ہوتی ہے، اسی انداز سے مباحث کے مختلف حصے ہوتے رہے، مباحث میں احباب کا خلوص اور اس کا انداز بے حد دل کش تھا۔

دوسرا پہلو:

جہاں یہ کیفیت موجود تھی وہاں ایک چیز قابل تأسف تھی۔ مولانا محی الدین احمد قصوری ناظم تعلیمات کسی وجہ سے اجلاس میں شامل نہ ہوسکے بلکہ اپنا استعفیٰ بھیج دیا جو

بادل ناخواستہ منظور کرنا پڑا۔ الحاج محمد اسحاق صاحب حنیف قلب کے عارضہ سے مریض تھے، ایک ماہ سے زیادہ وہ میو ہسپتال میں رہے، اب گھر میں صاحب فراش ہیں۔ ڈاکٹر نے انھیں سفر کی اجازت نہ دی، امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کے جنازہ پر بذریعہ ہوائی جہاز وہ دہلی پہنچے تھے اس سفر کا اثر ان کی صحت پر اچھا نہیں پڑا۔ میاں محمد عالم ناظم تعمیرات کی کار کا ایکسیڈینٹ ہوا، میاں صاحب تاحال میو ہسپتال میں زیر علاج ہیں، ان کا بازو دو جگہ سے اور ٹانگ دو جگہ سے ٹوٹ چکی ہے، اس لیے یہ حضرات اجلاس میں شامل ہو سکے نہ ہم ان کے افکار سے مستفید ہی ہو سکے۔ احباب دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ان حضرات کو صحت عاجلہ عطا فرمائے تاکہ جماعت ان کے فیوض سے مستفید ہو سکے۔ اللهم اشفهم بشفائك، وداوهم بدوائك، واشفهم شفاء عاجلاً غير آجل.

ناظم تعلیمات کا استعفیٰ منظور کیا گیا اور ان کی جگہ ڈرامائی انداز سے مجھے جکڑ دیا گیا، حالانکہ اتنے کام کے لیے نہ مجھے فرصت ہے نہ میں اس کے لیے تیار۔ احباب کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا گیا۔ امید ہے کہ اس کام کے لیے احباب سے کچھ نہ کچھ صاحب تیار ہو جائیں گے۔ میرے خیال میں مولانا معین الدین لکھوی میونسپل کمشنر و مہتمم جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، مولانا محمد اسحاق صاحب خطیب جامع سرگودھا، مولانا محمد صدیق صاحب خطیب جامع لائل پور، مولانا عبدالمجید صاحب مدیر جریدہ اہلحدیث مجھ سے کہیں زیادہ اس کے اہل ہیں۔ رزقهم الله التقوىٰ والإخلاص.

۱۳؍ مارچ شوریٰ کے اجلاس کانفرنس کی مجالس کے ساتھ چلتے رہے۔

کانفرنس کا کھلا اجلاس:

۱۳؍ کی شام کو مولانا اسحاق نے فرمایا: صاحب صدر کی طبیعت کمزور ہے ان کی خواہش ہے کہ خطبہ جمعہ میں دوں لیکن کانفرنس کے متعدد دوروں اور مختلف مجالس میں

حاضری کی وجہ سے گلہ خراب ہو چکا تھا، بدن میں بے حد کوفت تھی، اس لیے خطبہ جمعہ باجازت صدر خطیب جامع لائل پور امین پور بازار نے دیا۔ مولانا ہمارے نوجوان دوستوں سے بہترین خطیب ہیں اور شیعہ اور بریلوی لٹریچر پر ان کا عبور قابل رشک ہے۔ خطبہ جمعہ میں حاضری بہت تھی۔

نماز جمعہ کے بعد عزیزی مولانا رضاء اللہ صاحب حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب کے پوتے ہیں، عزیز محترم کے کھڑے ہوتے ہی یکایک ذہن مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کی طرف متوجہ ہو گئے، کوئی وقت تھا کہ مولانا مرحوم ان مجالس کی زینت ہوتے تھے، کوئی جلسہ مرحوم کے بغیر سجتا نہ تھا لیکن آج جلسہ ایسے شہر میں ہو رہا ہے جس کے ایک گوشے میں مرحوم آرام فرما ہیں لیکن مجلس ان سے خالی ہے۔ خطبہ استقبالیہ میں جب حضرت مولانا کا تذکرہ آیا تو مولانا رضاء اللہ کی آواز بھرا گئی اور پورا مجمع ہچکیوں میں کھو گیا، اور یہ بارگاہِ مسرت چند لمحوں کے لیے مجلسِ عزا ہو گئی۔ اللھم اغفرله وارحمه وأدخله الجنة.

دنیا کے کام چلتے رہتے ہیں لیکن جانے والوں سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ نہیں پاٹا جا سکتا۔ مولانا رضاء اللہ صاحب کے بعد صدر محترم خطبہ کے لیے مائیکرو فون کے سامنے آئے، خطبہ استقبالیہ طبع ہو چکا تھا لیکن خطبہ صدارت طبع نہ ہو سکا۔ صدر محترم نے خطبہ کے آغاز ہی میں امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب جانشین شیخ الہند کا ذکر فرمایا، اس کے ساتھ ہی صدر محترم کی ہچکیاں بندھ گئیں اور پورا مجمع تھوڑی دیر کے لیے ہچکیوں کی نذر ہو گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جس پر آنسوؤں کی جھڑیاں نہ بندھ رہی ہوں۔ چند لمحوں کے لیے مولانا رک گئے اور مجمع پر خاموشی طاری ہو گئی۔

خطبہ صدارت:

خطبہ صدارت کیا تھا؟ ایک بحر مواج تھا۔ عبارت کا تسلسل، جذبات کی فراوانی،

ارشادات میں خلوص کے ساتھ والہانہ محبت، مخالفینِ سنت پر اور منکرین پر مدلل اور کڑی تنقید۔ محسوس ہوتا تھا کہ یہ آواز ایسے دل سے نکل رہی ہے جو سنت کی محبت سے معمور ہے۔ گو وہ بے بس ہے لیکن منکرینِ سنت کی شرانگیز عیاریوں سے پوری طرح آگاہ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا انکارِ سنت کے قلعوں پر پے بہ پے حملہ آور ہو رہے ہیں اور یہ حملے اس وقت تک جاری رہیں گے تا آنکہ انکارِ سنت کے ان قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ اس مقام پر علالت اور نقاہت کے باوجود مولانا کی آواز میں گرج پیدا ہوگئی۔ پورے مجمع پر سکتہ طاری تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بقول مولانا اسحاق ابو الکلام اپنی خطیبانہ رعنائیوں کے ساتھ وقف خرام ہیں ۔ خطبے کے محتویات کا تذکرہ میری بساط میں نہیں نہ قلم میں ہمت ہے کہ ان حقائق کو اگل سکے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روح الامین صدر محترم کی تائید کر رہا ہے۔ عنقریب خطبہ بذریعہ الاعتصام آپ کے سامعہ نواز ہوگا اور عنقریب مطبوعہ خطبہ حضرات تک پہنچ جائے گا۔

خطبہ کے ایک حصہ میں منکرینِ سنت پر مدلل تنقید تھی، دوسرے حصہ میں اہلِ بدعت کی بدعت اور غلط روی کا تذکرہ تھا۔ ایک حصہ میں مسلکِ اہلحدیث کی وضاحت اور فقہی جمود پر خوشگوار مکمل مدلل بحث، اس کے بعد جماعت کے ساتھ لزوم، مرکزی جمعیت کے ساتھ وفاداری کا تذکرہ تھا۔

آخر میں دین پسند جماعتوں کو تلقین فرمائی گئی تھی کہ وہ اعتصام بحبل اللہ کریں اور جمع کلمہ کے لیے تیار، ورنہ وقت تمھارا انتظار نہیں کرے گا۔ حقیقت پسند جماعتیں بہت آگے نکل چکی ہیں اور معلوم ہے کہ تیز رو مسافر کم ہمت اور غفلت شعار ساتھیوں کا انتظار نہیں کریں گے۔

سب سے آخر میں دین پسند جماعتوں کے انتشار اور باہم اختلافات پر اظہارِ افسوس کیا گیا تھا۔ ایک واقف کار اور حقیقت آگاہ انسان کی طرح دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث کے اختلافات کا دردمندانہ تذکرہ فرمایا گیا تھا اور دعوت دی گئی تھی کہ تمام

دین پسند جماعتیں الحاد اور فحاشی کا مقابلہ کریں اور قرآن و سنت کے نفاذ کے لیے کوشش کریں۔

نماز عصر کے لیے جلسہ برخاست ہوا۔ دوسرا اجلاس نمازِ عشاء کے بعد شروع ہوا۔ اتوار رات بارہ بجے تک تقاریر اور تجاویز پاس ہوتی رہیں اور اجلاس خیر وخوبی سے ختم ہوا۔ علماء کی اس قدر کثرت تھی بعض حضرات کو تقاریر کا وقت ہی نہ دیا جا سکا۔ مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی اپنے انداز پر ایک مفصل تقریر فرما کر جلدی واپس تشریف لے گئے۔ ۱۶/ کی رات اور ۱۷/ کی صبح تک تمام مہمان واپس تشریف لے گئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسنِ عمل اور اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور مولانا رضاء اللہ صاحب ثنائی، مولانا ذکاء اللہ صاحب، مولوی عبدالستار صاحب، میر عبدالرحیم صاحب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ توحید و سنت کی اشاعت کر سکیں اور صدر محترم کی آرزو زیادہ سے زیادہ پوری ہو۔

(الاعتصام، شمارہ: ۳۵، جلد: ۹، ۷/ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ بمطابق ۲۸/ مارچ ۱۹۵۸ء)

اجتماع فیروز وٹواں میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ صاحب کی تقریر

بسلسلہ

نظمِ جماعت اور امارت وصدارت

مولانا محمد اسماعیل صاحب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث نے خطبہ مسنونہ کے بعد اہلحدیث تحریک، اس کی تبلیغی، اصلاحی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے مؤثر اور درد بھرے انداز میں جماعت کو خلفشار سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

برصغیر پاک و ہند میں جماعت اہلحدیث کی خدمات کے سلسلہ میں آپ نے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ان کے خاندان کا ذکر کیا۔ اور شاہ شہید رحمہ اللہ کے مجاہدانہ اور علمی کارناموں کا تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جب دیکھا کہ ہندوستان میں برائے نام مسلمان حکومت لُٹ رہی ہے اور انگریز کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے، مسلمان غیر اسلامی رسم و رواج کے پابند ہو رہے ہیں، شرک و بدعات کو مختلف ناموں پر اسلام میں داخل کیا جا رہا ہے۔ اور انگریز ایک ایسا نظام تعلیم رائج کر رہے ہیں جس سے اندر ہی اندر آہستہ آہستہ مسلمانوں کو اسلام سے دور کیا جائے تو شاہ شہید رحمہ اللہ نے سید احمد رحمہ اللہ کی قیادت میں ایک ایسی جماعت کی بنیاد ڈالی جو تمام غیر اسلامی رسومات کو مٹائے، توحید و سنت کی اشاعت اور صحیح اسلامی حکومت کا نفاذ کرے تاکہ سچی توحید کو اجاگر کیا جا سکے۔ آپ نے کہا کہ دہلی کا ماحول ایسا نہ تھا کہ وہاں اطمینان سے یہ جدوجہد کی جائے کیونکہ وہاں انگریزوں کا اقتدار تھا اور پنجاب میں بھی حالات سازگار نہ تھے وہاں سکھوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔

اس لیے اس جماعت نے ایک طویل راستہ جودھ پور، سندھ اور کوئٹہ کا اختیار کیا

اور پشاور کے علاقے میں پہنچ گئے۔ اس علاقے میں سکھوں اور انگریزوں کا کوئی اثر نہ تھا اور وہاں اسلامی ذہن بھی تھا۔ شاہ شہید ﷫ نے اسلامی تحریک کو زندہ کرنے کے لیے وہاں کوشش کی اور تین سال تک سکھوں کے ساتھ جنگ و قتال میں مصروف رہنے کے بعد شہادت کے درجہ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔

شاہ صاحب ﷫ نے تلوار کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی کام لیا اور توحید و سنت پر ایک کتاب ''تقویۃ الایمان'' لکھی جو آج بھی شرک و بدعت کی بیخ کنی کے لیے شمشیر برہنہ ہے۔

شاہ صاحب ﷫ کی تحریک سے ہندوستان میں مسلک اہلحدیث کو تقویت ہوئی اور ان کے بعد حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا سید محمد صدیق حسن خاں، مولانا عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا عبداللہ الغزنوی، امام عبدالجبار غزنوی، مولانا حافظ عبدالمنان، مولانا ثناء اللہ ﷫ نے اس مسلک کی خدمت اور قرآن و حدیث کی نشر واشاعت کے لیے جو کام کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔

جب ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوگیا اور جماعت اہلحدیث کے افراد پاکستان پہنچے تو وہ انتشار کی حالت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے۔ اس وقت عجیب افراتفری تھی اور تمام جماعت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں تھی، اور خطرہ تھا کہ اگر جماعت کو ایک نظام کے تحت منظّم نہ کیا گیا تو ملک میں جماعت کو بڑی مشکلات پیش آئیں گی اور ہمارے اسلاف نے جو خدمات اس سلسلہ میں کی ہیں وہ رائیگاں جائیں گی۔

ہم نے کچھ عرصہ انتظار کیا کہ شاید ہمارے بزرگوں سے کوئی صاحب آگے آئیں گے اور جماعت کو اس انتشار سے بچا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں گے مگر افسوس! ہماری یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔

آخر میں خود حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ آپ اس سلسلہ میں پیش قدمی فرمائیں۔ الحمد للہ کہ میری درخواست کو

انھوں نے منظور فرما لیا اور ہم نے مل کر جماعت کا ایک نظام ''مرکزی جمعیت اہلحدیث'' کے نام سے قائم کر دیا۔

اس کے بعد ہم نے کوشش کی کہ جماعت کے تمام اکابر کا تعاون حاصل کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک وفد مولانا سید داود غزنوی صدر مرکزیہ کی قیادت میں مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی، مولانا محمد حنیف صاحب ندوی، حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف اور میاں عبدالمجید صاحب پر مشتمل سیالکوٹ مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی خدمت میں پہنچا تاکہ ان کو اس سلسلہ میں آمادہ کیا جائے مگر افسوس کہ انھوں نے ملنے سے اعراض کیا اور مکان کو باہر سے تالا لگوا دیا، اور وفد ناکام وہاں سے واپس آیا۔

اس طرح کراچی میں مولانا عبدالستار صاحب دہلوی کی خدمت میں مولانا داود صاحب، مولانا محمد علی صاحب لکھوی، مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف اور میں خود حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ آپ اپنا دستور بھیج دیں اس کو دیکھ کر شمولیت کے متعلق غور کریں گے۔ چنانچہ ہم نے واپس آ کر دستور بھیج دیا مگر انھوں نے آج تک کوئی جواب نہ دیا تاہم انھوں نے مرکزی جمعیت کی کوئی مخالفت بھی نہیں کی۔

ایسے ہی مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی کی خدمت میں مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف کو متعدد بار بھیجا گیا مگر انھوں نے ملاقات کا کوئی وقت نہ دیا۔ مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی کے پاس ایک وفد نے جانے کا ارادہ کیا مگر انھوں نے خود پیش قدمی فرمائی اور ہمارے نظام سے وابستہ ہوگئے۔ وہ اس وقت شیخ الجامعہ کے عہدہ جلیلہ پر جامعہ سلفیہ میں کام کر رہے ہیں اور مرکزی جمعیت کے نائب صدر ہیں۔

تھوڑے ہی عرصہ میں جماعت منظم ہوگئی اور ملک میں جگہ جگہ اس کی سینکڑوں شاخیں قائم ہوگئیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ ملک کی سب جماعتوں اور حکومت کے ہاں اس کا وقار قائم ہوگیا۔ اور پھر اس موقع پر جبکہ ملک میں دوسری جماعتوں کو حکومت نے کسی مشورہ کے لیے بلایا تو مرکزی جماعت کو بھی باقاعدہ دعوت دی۔

امارت کا نزاع:

جب اللہ کے فضل و کرم سے جماعت پوری طرح منظّم ہوگئی تو چند گنے چنے لوگ اس کو برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے جماعت میں انتشار پیدا کرنے کا عنوان ڈھونڈ نکالا اور یہ بہانہ کیا جانے لگا کہ جماعت کا نظم امارت کے نام سے ہونا چاہیے صدارت غیر شرعی ہے۔

اس خواہ مخواہ کی ہٹ دھرمی کو ختم کرنے کے لیے ملتان کانفرنس میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا اور مرکزی جمعیت عنوان بدلنے پر بھی آمادہ ہوگئی، کیونکہ ہماری کوشش ہی یہ تھی کہ جس طرح ہو سکے اس نزاع کو ختم کیا جائے اور جماعت میں انتشار پیدا نہ ہو۔ آخر ان حضرات نے یہ شرط لگائی کہ جب کوئی امیر منتخب ہوجائے تو تاحینِ حیات اسے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ مطلق العنان ہو، کسی شوریٰ کا پابند نہ ہو۔ ظاہر ہے شرعا یہ نادرست ہے اس لیے ہم اسے مان نہ سکے۔

اس کے بعد انھی حضرات نے لاہور کے ایک سائیکل فروش صوفی محمد یٰسین صاحب کو امیر منتخب کرلیا اور کسی دوسرے موزوں امیر کی تلاش میں رہے۔ چنانچہ انھوں نے سید محمد شریف صاحب سابق امیر جماعت کے فرزند رشید مولانا سید محمد اسماعیل مشہدی کو کہا کہ وہ منصب امارت سنبھالیں مگر انھوں نے انکار کر دیا کہ میں جماعت کے لیے موجب نزاع بننا پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد مولانا عبداللہ صاحب جہانیاں کو امیر بنانے کی کوشش کرتے رہے مگر انھوں نے جواب دے دیا کہ میں مولانا سید داود غزنوی صاحب کے مقابلے میں آنا اور جماعت کو انتشار میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد صدر محترم مولانا سید داود غزنوی صاحب نے ایک تجویز پیش کی کہ جماعت کو انتشار سے بچانے کے لیے بہتر ہے کہ جید علماء کرام اور جماعت کے فہمیدہ اصحاب پر مشتمل ایک کنونشن بلایا جائے۔ صدارت اور امارت کا مسئلہ ان کے سامنے

پیش کر دیا جائے، وہاں جو فیصلہ ہو اسے تسلیم کیا جائے مگر امارت کے خواہشمندوں نے اس طرف بھی کوئی توجہ نہ دی۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ امارت وصدارت کے لفظی نزاع کو اتنا طول دیا گیا ہے اور اس امارت کو شرعی امارت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا جا رہا ہے حالانکہ یہ بے بس امارت کوئی چیز نہیں۔ اسے شرعی کہنا سراسر نادانی ہے!

یہ کیا امارت ہے؟ اقتدار کسی اور کے ہاتھ میں ہو اور امیر صاحب صرف امیر بنے گھر بیٹھے رہیں! جو امیر حدود شرعی جاری نہ کر سکے، جہاد نہ کر سکے وہ ہرگز شرعی امیر نہیں ہے۔ امارت شرعی تو ایک اسلامی نظام حکومت ہے اور ظاہر ہے کہ حکومت کے اندر ایک اور حکومت قائم نہیں کی جا سکتی۔

اب جبکہ ملک میں حکومت جنرل ایوب خاں کی ہے، اقتدار ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہے بھی گذشتہ تمام ذی اقتدار اصحاب سے عدل و انصاف میں ممتاز تو ان کے مقابلے میں ایک بے بس امارت قائم کرنا چہ معنی دارد؟

اگر ان لوگوں کو حکومت کے کسی فعل پر اعتراض ہے تو اس کی اصلاح کی کوشش کریں اور اگر اس کو خلاف اسلام سمجھتے ہیں تو ملک سے باہر جا کر اس کا مقابلہ کریں اور شرعی نظام کے نفاذ کی کوشش کریں۔ اور یہ حضرات جو یہ کہہ رہے ہیں کہ جو امیر کو تسلیم نہ کرے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ وہ یہ امارت ہرگز نہیں جو محض بے بس اور مجبور ہو۔ یہ اس امارت کے لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو با اختیار امیر ہو۔

اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حجاج بن یوسف اور ہشام بن عبدالملک جیسے ظالم بادشاہوں کے مقابلے میں بھی امارت قائم نہیں کی جا سکتی اور نہ وہ شرعی امارت ہو سکتی ہے۔

جب سید محمد شریف مرحوم گھڑیالوی کو امیر بنایا گیا تو مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی نے تنظیم میں لکھا تھا کہ ان کی امارت ''عریفِ قوم'' یعنی قوم کے چودھری کی مانند ہے تو اب یہ امارت امارتِ شرعی کیسے ہوئی؟

اس لحاظ سے امیر اور صدر میں کوئی فرق نہیں، مقصد دین کی خدمت ہے۔ جو لوگ امیر کی بیعت کر رہے ہیں وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں اور نظامِ صدارت بھی یہی کر رہا ہے تو پھر جماعت کو ایک نئی چیز پیدا کر کے انتشار میں ڈالنے کا کیا فائدہ؟ جب ایک نظام قائم ہے اور وہ کام کر رہا ہے تو اس کی تخریب کی کوشش کرنا کون سی نیکی کا کام ہے؟

میں نے سنا ہے وہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ صدارت کی گاڑی نہیں چلے گی یا روک دی جائے گی۔ تو میں انھیں کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ یہ گاڑی چلے گی اور چل رہی ہے۔ یہ خدا کا کام ہے جو اس نے کرنا ہے۔ اس گاڑی کو کوئی نہیں روک سکتا، جو روکنے کی کوشش کرے گا وہ ختم ہو جائے گا مگر گاڑی نہیں روک سکے گا۔

آخر میں مَیں اپنے رفقا سے عرض کروں گا کہ وہ حوصلہ مندی سے کام کرتے رہیں اور سب باتیں برداشت کریں، جماعت کو انتشار سے بچانے کی سعی کریں، اللہ کے دین کی خدمت کے لیے کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ وہی ہمارا اور سب کا حامی و ناصر ہے۔

(الاعتصام، شمارہ: ۲۲، جلد: ۱۰، ۱۴؍ جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ بمطابق ۲۶؍ دسمبر ۱۹۵۸ء)

مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کی

سالانہ رپورٹ

بابت ۵۷۔۱۹۵۸ء

الحمد لله الذي خلق السموات والأرض، وجعل الظلمات والنور، ثم الذين كفروا بربهم يعدلون. هو الذي خلقكم من طين ثم قضىٰ أجلاً، وأجل مسمى عنده، ثم أنتم تمترون، هو الذي بعث في الأميين رسولاً منهم، يتلوا عليهم آياته، ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة، وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين، وآخرين منهم لما يلحقوا بهم، وهو العزيز الحكيم، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء، والله ذو الفضل العظيم.

حضرات کرام! جناب واقف ہیں کہ مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کی تاسیس ۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ ۱۹۴۷ء کے تباہی خیز انقلاب میں جماعت اہل حدیث پر جو الم ناک مصائب آئے، ہمارے مکاتب و مدارس جس طرح برباد ہوئے وہ ڈھکی چھپی چیز نہیں۔

شاہ شہید رحمہ اللہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اہلحدیث حضرات کے کانوں میں جہاد کے نغمے تو سمع نواز ہوتے ہی رہتے تھے شہید حق کا پیغام بھی کانوں میں گونجتا رہتا تھا اس لیے اہلحدیث کے دل میں جہاد کی محبت اور شہادت کا شوق ہمیشہ کروٹیں لیتا رہا۔

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں بھی اتفاقاً سکھ ہندوؤں سے پیش پیش تھے اور آج سے سوا سو سال قبل بھی اہل توحید کی دست بدست جنگ سکھوں ہی سے ہوئی تھی، اپنے بزرگوں کی شہادت، سکھوں کے مظالم، انگریزوں کی شرپسندی ایک تاریخی حقیقت تھی۔ مشرقی پنجاب

میں جو ہنگامے ہوئے وہ بھی اس لحاظ سے بالاکوٹ کے ہنگاموں سے ملتے جلتے تھے۔

اہلحدیث علما اور عوام نے ان ہنگاموں میں پوری جوانمردی سے حصہ لیا، عوام کی طرح بھاگنے سے انکار کر دیا، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عموماً جرأت سے مقابلہ کیا، اگر فوجی طاقت مشرقی پنجاب میں شرارت پسند عناصر کا ساتھ نہ دیتی تو بالکل ممکن تھا کہ مسلمان سکھوں کو دہلی سے ورے سنبھالا نہ لینے دیتے۔

موحد نوجوانوں نے ان معرکوں میں بھاگنے سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال بھی نہ تھا کہ وہ ترک وطنی کریں گے، وہ اس شورش اور ہنگامہ کو وقتی سمجھ کر وہیں مقیم رہے، خود برباد ہوئے، عزیز و اقارب مظالم کا تختہ مشق بنے، آبروئیں برباد ہوئیں اور بالآخر اکثر نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اللھم اغفرلھم وارحمھم وارفع درجاتھم.

سراسیمگی اور پریشانی:

اس پریشانی میں جب وہ پاکستان پہنچے تو طبائع پر مایوسی چھائی ہوئی تھی، یہاں پہنچ کر ضروریاتِ زندگی کی فراہمی سے عرصہ تک فرصت نہ مل سکی، اس لیے کہیں ۱۹۴۸ء میں مرکزی جمعیت کی بنیاد رکھی جاسکی۔

پہلا مختصر سا اجلاس لاہور میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کی صدارت میں ہوا، ہماری مالی پریشانی کا یہ حال تھا کہ خطبہ صدارت بھی اس وقت طبع نہ ہوسکا، مولانا مرحوم نے اسے ”احتفال الجمهور“ کے نام سے بعد میں شائع فرمایا۔ جن حضرات کی نظر سے وہ خطبہ گزرا ہوگا وہ محسوس فرمائیں گے کہ محترم صدر جلسہ بھی اس وقت کام کی رفتار، طریقِ کار اور رفقاءِ کار پر مطمئن نہ تھے۔

اس اجلاس کا اثر:

اس جلسہ سے صرف اس قدر فائدہ ہوا کہ بعض بکھرے ہوئے دوستوں سے ملاقات ہوگئی، مایوس دوستوں کو جماعتی زندگی کا احساس ہوا، مایوسی کسی قدر کم ہوئی۔ اس

کے علاوہ ہم لوگ کوئی بنیادی فیصلہ نہ کر سکے۔ اس سے پہلے عارضی انتخاب ہو چکا تھا جس میں صدر حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی قرار پائے تھے، ناظم عمومی پروفیسر عبدالقیوم۔ اس وقت صدارت کی تصدیق کی گئی اور ناظم بدل دیا گیا۔

مالی حالت:

اس اجلاس میں جماعت کی مالی حالت میں کوئی ترقی نہیں ہوئی، جو رقوم آئیں مشکل سے اخراجات پورے ہوئے بلکہ جمعیت مقروض ہوگئی۔ اس وقت مرحوم اخبار ''اہلحدیث'' کے بعد اخبار کی ضروری شدت سے محسوس ہو رہی تھی لیکن اس وقت مالی حالات کے پیش نظر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ نظام جماعت کے متعلق بھی جو کوشش ہوئی وہ خط و کتابت ہی سے ہوئی۔ دفتر گوجرانوالہ چلا گیا، نظام کے متعلق احباب کی توجہ بڑھتی چلی گئی، اخبار کے لیے تقاضا ہونا شروع ہو گیا۔

الاعتصام:

۱۹۴۹ء میں ''الاعتصام'' کا اجرا عمل میں آیا، اس کے لیے ابتدائی رقم جماعت اہلحدیث گوجرانوالہ نے مرحمت فرمائی، جس کی مقدار مختلف وقتوں میں قریباً دو ہزار روپیہ تھی۔ اس کے پہلے مدیر مولانا محمد حنیف صاحب ندوی تھے، کچھ عرصہ کے بعد یہ ذمہ داری مولوی محمد اسحاق صاحب نے سنبھالی۔ آج کل ادارت کے فرائض صدر محترم مولانا سید محمد داود صاحب ادا فرما رہے ہیں۔

اخبار کے بعد قدرتی طور پر کام کی رفتار تیز ہوگئی، دفتر کا کام بھی زیادہ ہو گیا، مولانا محمد اسحاق صاحب ناظم کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے رہے اور کام بڑھتا گیا۔ فجزاہ اللہ أحسن الجزاء. حالات کے پیشِ نظر سالانہ اجلاس کا حوصلہ نہ ہو سکا۔

قواعد وضوابط:

غالباً ۱۹۵۲ء میں مختصر سے قواعد و ضوابط بنائے گئے، کام میں کچھ باقاعدگی کی کوشش کی گئی۔ اضلاعی اور شہری جمعیتوں کی تعداد بیس تک پہنچ گئی، تھوڑی بہت رقوم

بسلسلہ اعانتِ جمعیت آنی شروع ہوئیں اور ایک گونہ اطمینان محسوس ہونے لگا۔ احباب، سر جوڑ کر بیٹھنے لگے، یہ ساری ترقی صدر محترم کی سرپرستی میں ہوئی، یہ نظام ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ قادیانی بے اعتدالیوں نے ملک کو چونکا دیا۔ سر ظفر اللہ خاں کی وزارت خارجہ نے ملک کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ پاکستان میں جمہور مسلمانوں کی حکومت ہے یا خلیفہ بشیر الدین اینڈ کمپنی کی؟ مجلس تحفظ ختم نبوت قائم ہوئی، اہلحدیث اپنی کمزوریوں کے باوجود اپنے مزاج اور افتاد طبیعت سے مجبور تھے کہ عمومی مسائل میں حصہ لیں اور اسلام کے خلاف جو مفاسد سر اٹھائیں ان کے خلاف سینہ سپر ہو کر اسلام کی آبرو اور اسلامی عقائد کی حفاظت کریں۔ جماعتی حالات کی ناسازگاری کے باوجود جماعت تحفظِ ختم نبوت کی جنگ میں کود پڑی، حکومت کی عاقبت نااندیشی سے ملک میدانِ کارزار بن گیا اور جماعت کے عوام اور خواص پورے مغربی پاکستان میں جیل کے مہمان ہو گئے۔ اس خلفشار میں قریباً ایک سال گزر گیا، ہم کوئی تعمیری کام نہ کر سکے، نہ حکومت مطمئن ہو سکی نہ ملک میں اطمینان کی کوئی صورت پیدا ہو سکی، پورا سال پریشانی میں گزرا، کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا۔

ملتان کانفرنس:

۱۹۵۴ء میں جب ملک ذرا مائل بسکون ہوا، رفقا جیلوں سے باہر آئے، ملتان کانفرنس کی تیاری شروع ہو گئی۔ احبابِ ملتان نے اس خلوص اور بے جگری سے کام کیا پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ مجھے یہ کہنے میں باق نہیں کہ جماعت کے استحکام کا آغاز ملتان کانفرنس سے ہوا، احبابِ ملتان کی یہ کوششیں جماعت کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی جائیں گی۔

راقم الحروف تو ان دنوں نظر بند تھا، ملتان حاضر نہ ہو سکا، جو احباب ملتان گئے وہ احبابِ ملتان کے حسنِ انتظام اور ایثار سے بے حد مطمئن تھے۔ کانفرنس کامیابی سے ختم

ہوئی، رکن سازی کے بعد انتخاب ہوا۔ قریباً عہدہ دار پہلے ہی بحال رہے، کام کے لیے روپیہ بھی بچ گیا اور جماعت میں نئی روح پیدا ہوگئی۔

مبلغین:

کانفرنس کے بعد خیال پیدا ہوا کہ مبلغین کا ملک میں جال بچھا دیا جائے تا کہ نظم زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور مختلف علاقے باہم مربوط ہوجائیں لیکن یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا، مبلغین پورا سال رسمی وعظ کہتے پھرے، جماعتی نظم کے متعلق ان کے اپنے دماغ بھی صاف تھے نہ انھیں تجربہ ہی تھا، اس لیے وہ نظم اور اجتماعیت کی خوبیوں سے جماعت کو آشنا نہ کر سکے۔ ہماری غلطی یہ تھی کہ جس کام کے لیے انھیں ٹرینڈ نہیں کیا اس کام پر انھیں لگا دیا گیا، اس لیے اس پر جس قدر مصارف ہوئے ان کا فائدہ بہت کم ہوا۔ اس لیے اس سلسلے کو روک دیا گیا۔ یہ شکوہ اب بھی بدستور ہے کہ ہمارے مبلغین اجتماعیت کی خوبیوں سے بہت کم آشنا ہوسکے ہیں، حالانکہ اسلامی تعلیمات میں جماعت اور اجتماعیت روح کی حیثیت رکھتی ہے، نظم و ضبط جمہوریت کی جان ہے، تفرد فی الواقع جاہلیت کی رسم ہے۔

لائل پور کانفرنس:

۱۹۵۵ء بڑی امیدوں کا سال تھا، کچھ تجربے ہو چکے تھے، حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ خیال تھا کہ عام تبلیغ کی بجائے کوئی ٹھوس کام کیا جائے۔ تعلیم اور تدریس ہی سے پہلے جماعت بڑھی تھی۔ حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کے درس نے اکنافِ عالم کو منور فرما دیا تھا اور آج تک وہی روشنی ہے جسے ہم نئی ظلمتوں کے بالمقابل استعمال کر رہے ہیں۔ امامت اور قیادت حضرت میاں صاحب کے تلامذہ ہی کی مرہون احسان ہے۔ لائل پور میں کچھ زمین پہلے موجود تھی جو محترم صاحب خیر چودھری صاحب نے تعلیمی ضرورتوں ہی کے لیے وقت کر رکھی تھی۔ لائل پور شہر اور ضلع

میں جماعت کی بہت بڑی اکثریت ہے، احبابِ لائل پور بھی مرکزی مدرسہ کے لیے ہمہ تن شوق تھے، گو بمصداق ع

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے

یہاں شرارت پسند اور نفاق آمیز ذہن بھی موجود تھا، اور ہے، جو اپنی دکان داریوں اور ذاتی مفاد کے لیے پس پردہ مخالفت کرتا رہا لیکن ان منافقانہ کوششوں کے علی الرغم لائل پور میں مدرسہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔ مزید زمین بھی خریدی گئی، بقدر ضرورت اور زمین بھی اس کے ساتھ ملانے کا ارادہ ہے۔ ان شاء اللہ

اس ضرورت کا احساس طبائع پر اس قدر غالب تھا کہ عمارت کا انتظار کیے بغیر لاہور میں بعجلت تمام درجہ تکمیل اور تخصیص کا کام شروع کر دیا، حالانکہ جو طلبا داخل کیے گئے ضرورت کے لحاظ سے معیاری نہ تھے، امتحانِ داخلہ میں ان کی کامیابی خوش آئند نہ تھی لیکن ؎

بدہ رزق با مرغ و کبک حمام
کہ ناگاہ بمایت بیاید مسدام

جو کچھ تھا اسے قبول کر کے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے کام شروع کر دیا گیا۔

گوجرانوالہ کانفرنس:

لائل پور کے بعد کانفرنس کے لیے گوجرانوالہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ احبابِ لائل پور نے کانفرنس اور اس کے بعد جماعت کی مالی حالت مضبوط کرنے کے لیے مخلصانہ کوششیں فرمائی۔ لائل پور کانفرنس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جماعت کام کے لیے پوری طرح تیار ہے، بے امیدی کی کوئی وجہ نہیں، خزانہ بھی خالی نہ تھا، مزید جس قدر طلب کیا جائے مل سکتا تھا۔

سیلاب:

گوجرانوالہ کاروباری شہر ہے، جماعت بھی بحمد اللہ کافی ہے اور اچھی حالت میں

ہے، لیکن اس وقت طغیانی نے قریباً پورے علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اضلاع لائل پور، لاہور گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات، ملتان سیلاب سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ان متاثرہ علاقوں میں ریلیف کا کام جماعت نے بڑی تندہی سے کیا۔ پرانی کارکن جماعتیں ہمارے کارکنوں، رضا کاروں کی جرأت، ایثار اور محنت سے ششدر رہ گئیں۔ والحمد للّٰہ علی ذلك.

سیلاب زدہ علاقوں میں ہزاروں روپیہ صرف کر دیا گیا، سیلاب زدہ علاقے میں ادویہ مہیا کی گئیں، طبی مراکز کھولے گئے، اس طرح بھی کافی مصارف اٹھ گئے۔ حافظ آباد کی جماعت نے سیلاب زدہ علاقہ کے لیے بےنظیر کام کیا، سامان خورد ونوش کے علاوہ سینکڑوں روپے، ہزاروں گز کپڑا تقسیم کیا۔ جزاھم اللّٰہ

ان خطیر مصارف اور خطرناک حالات کے باوجود گوجرانوالہ میں کانفرنس کا فیصلہ کر لیا گیا۔ سیلاب کی وجہ سے قریباً چھ ماہ دیر کرنا پڑی۔ سڑکیں خراب تھیں، لائنیں ٹوٹ چکی تھیں، اس پریشان حالی کے باوجود شہر گوجرانوالہ کے اہل خیر نے قریباً بیس بائیس ہزار روپیہ جمع کیا، دوسرے اضلاع نے بھی دل کھول کر امداد دی۔ ایام کانفرنس میں بے پناہ بارش کی وجہ سے انتظامات پر بہت اثر پڑا، کانفرنس کے وقتی التوا کا اثر بھی کافی ہوا، اس کے باوجود کانفرنس امید سے زیادہ کامیاب ہوئی۔

تعلیمی نظام لاہور سے لائل پور منتقل کر دیا گیا، اساتذہ اور طلبا سب لائل پور پہنچ گئے، عمارت میں کچھ دیر تھی، کچھ کوٹھیاں کرایہ پر لے کر مسجد اہلحدیث امین پور بازار میں ابتدائی، ثانوی اور انتہائی تعلیم شروع کر دی گئی۔ ناتجربہ کاری اور کچھ نئے اور ابتدائی حالات کی وجہ سے مدرسہ کے نظام میں کچھ نقائص ضرور رہے۔ بعض شرارت پسند طلبا سے نظم ونسق کی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، تاہم تعلیم کا نظام تسلی بخش رہا۔ اور امید ہے کہ آئندہ کام کی رفتار مزید تسلی بخش ہوگی۔ ان شاء اللّٰہ

کام کا پھیلاؤ:

ان آٹھ نو سالوں میں کام کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہوگیا۔ ایک ناظم سے سارے کام پر کنٹرول مشکل تھا اس لیے قواعد وضوابط میں تبدیلی کے بعد مزید چار ناظم بڑھا دیے گئے، اور تقسیم کار کے طور پر کام اس طرح تقسیم کر دیا گیا:

ناظم اعلیٰ:	محمد اسماعیل گوجرانوالہ
ناظم تعلیمات:	مولانا محی الدین احمد صاحب قصوری، بی۔ اے
ناظم نشر واشاعت:	الحاج میاں محمد اسحاق صاحب حنیف امرتسری
ناظم تعمیرات:	محترم میاں محمد عالم صاحب گورنمنٹ کنٹریکٹر
ناظم مالیات:	میاں عبدالمجید صاحب مصری شاہ لاہور

اس تقسیم کار سے کچھ مشکلات بھی پیش آئیں لیکن سہولت بہت زیادہ ہوئی۔ اس قدر پھیلے ہوئے کام پر بقدر ضرورت انضباط کیا گیا۔

اثناءِ سال میں ارادہ ہوا کہ مزید زمین دارالعلوم کے ساتھ ملا لی جائے، احبابِ لاہور کی توجہ اور محنت سے احبابِ لاہور ہی نے اکیس ہزار کی رقم مہیا کرنے کے علاوہ پانچ ٹن سریا (قیمت چھ ہزار روپے) بھی تعمیر جامعہ سلفیہ کے لیے بہم پہنچایا۔ اللهم بارك لهم في أهلهم ومالهم، وبارك لهم فيما رزقتهم۔

گذشتہ سالوں میں کام کی رپورٹ اور مختصر حسابات بذریعہ ''الاعتصام'' ملاحظہ سامی سے گزرتے رہے ہیں۔ زیرِ قلم رپورٹ میں اس سال کی کارگزاری کے لیے سمع خراشی مطلوب ہے۔

ناظم اعلیٰ پر کام کی عمومی نگرانی کے علاوہ تبلیغی نظم ونسق کی خاص طور پر ذمہ داری عائد ہوئی تھی، اس سال مندرجہ ذیل مقامات پر سالانہ جلسے ہوئے۔ مجالس کے متعلق ہمارا طریق کار یہ ہے کہ جو جماعتیں مرکز کے ساتھ ملحق ہیں وہ جلسوں کی تاریخیں دفتر

سے لیتی ہیں، مرکزی دفتر کی ہدایت کے مطابق جلسے ہوتے ہیں۔ جو اہل علم اس نظم سے منسلک ہیں وہ جماعتی جلسوں کو مقدم سمجھتے ہیں، اگر کسی دوسرے جلسے میں جانا ضروری ہو تو دفتر کی اطلاع اور اجازت کے بغیر نہیں جاتے۔ دفتر ان کو اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیتا، محض اصول کی پابندی اور جماعتی فیصلوں کے احترام کی بنا پر وہ اس کا التزام فرماتے ہیں۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

اس سال تبلیغی جلسے:

لائل پور، ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوندلانوالہ، مرالی والا، حافظ آباد، سرگودھا، قلعہ دیدار سنگھ، ڈاراں والی، نوکھر، ممنا، فیروز والا، مریدکے، ایمن آباد، کامونکی، منصور پور، قصور، پتوکی، میاں چنوں، بورا منڈی، وہاڑی، خانیوال، ملتان، عارف والا، خواجہ چک، میانہ چک، لالہ موسیٰ، جہلم، قصور، پپنا کھہ، ٹڈیالہ تیگہ، کلاس والی، کوٹلی مہاراں، حمید پور کلاں، میانوالی، خوشاب، ہندو چک، چھینہ، گکھڑ، وزیر آباد، ڈھونیکی، بھٹینکی، داد والی، حیدر آباد، کراچی وغیر ذلک سینکڑوں مقامات پر باقاعدہ جلسے کیے گئے۔ جمعیت کے مبلغین نے مختلف اضلاع میں ہزاروں میل کا سفر کیا اور کلمہ حق پہنچایا۔ ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

بریلوی اور رفض کا فتنہ پاکستان میں سر اٹھا رہا ہے، اس کے بالمقابل جڑانوالہ، کامونکی، جیمس آباد، کوٹ رادھا کشن، جلو موڑ متصل واہگہ وغیرہ مقامات میں بے حد کامیاب معرکے ہوئے، چیچہ وطنی، اوکاڑہ، منٹگمری وغیرہ مقامات میں فریضہ تبلیغ ادا کیا گیا۔ اللهم وفقنا لما تحب وترضىٰ

راقم الحروف نے گزشتہ سال میں جماعتی مقاصد کے لیے قریباً تین صد سے زیادہ خطوط لکھے، دفتر کی ڈاک اس کے علاوہ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جماعت میں نظم کے لیے کس قدر تڑپ ہے اور اگر کیا جائے تو کام کے لیے کس قدر

میدان وسیع ہے؟

ضرورت ہے کہ چند مخلص دوست جماعت کے لیے اپنا پورا وقت دیں۔ جامعہ سلفیہ کے لیے اپنی کوششوں کو وقف کر دیں، نظم ونسق کی درستی کے لیے ملک کے طول و عرض میں دورے کر کے احباب کو جمع کریں۔ اس میں سب سے مشکل علمائے کرام حضرات کی پوزیشن کو سمجھنا ہے۔ اجتماعیت کے لیے سب سے بڑی مشکل ان کی ذہنیت ہے، جہاں کوئی صاحب تشریف فرما ہیں وہیں وہ مطلق العنان بادشاہ یا ڈکیٹیٹر کی طرح رہنا چاہتے ہیں۔ کسی نظم یا اجتماعی ذمہ داری کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ جن کی آبرو کے لیے یہ ساری بھاگ دوڑ ہے وہی اسے شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ إلی اللّٰہ المشتکی ع

وہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

انتشارِ تعلیم:

یہی حال ہمارے تعلیمی انتشار کا ہے۔ ہمارے ہاں دارالعلوم اور جامعہ کا نام مضحکہ بن کر رہ گیا ہے، جہاں دو چار طالب علم اور ایک نو آموز حضرت بیٹھ گئے، رسید بکیں چھپ گئیں، وہیں دارالعلوم بن گیا اور جامعہ کی تاسیس عمل میں آ گئی ع

بوتل جہاں رکھی وہیں مے خانہ بن گیا

اس ناقص اور نامکمل تعلیم سے علم کی وہ مٹی پلید ہوئی کہ "اتخذ الناس رؤسا جهالاً فضلوا وأضلوا" ❶ ارشادِ نبوی کی تصدیق ہونے لگی۔

"إذا وسد الأمر إلی غیر أهله فانتظر الساعة" ❷ (بخاری)

"جب کام کی ذمہ داری نا اہلوں پر ڈال دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔"

اگر جماعت کو خود زندہ رہنا ہے تو اولاً اس تعلیمی انتشار کو روکیے۔ ثانیاً مدارس میں

---

❶ صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۰۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۶۷۳)

❷ صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۹)

باہم ربط پیدا کیجیے۔ ثالثاً اونچی تعلیم کے لیے ایک مرکزی درسگاہ قائم کیجیے جس میں قابل استاذ رکھے جائیں، ہونہار دماغ جمع کیے جائیں، اساتذہ اور طلبا میں ذاتی اغراض اور مشاہرات کی فراوانی قطعاً پیش نظر نہ ہو بلکہ جماعت کی سربلندی اور ملت کی خدمت اور علوم کتاب وسنت کا احیا مطلوب ہو، اور عقیدہ سلف اور ائمہ سنت کے علمی ذخائر کی اشاعت اور ترویج مقصود ہو۔

آئندہ لائحہ عمل:

تدریسی خدمات اور علوم کتاب وسنت کی اشاعت میں کامیابی کے بعد مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے بھی آپ کو توجہ دینا چاہیے، مستقبل کی تعمیر کا بہت حد تک اس پر انحصار ہے۔

روزنامہ:

ایک روزنامہ کا اجرا جو جماعت کی شان کے مطابق اور مسلک کا صحیح آرگن ہو۔

اپنا پریس:

آج کل پریس جماعتی زندگی کے لیے رگِ جان کی حیثیت رکھتا ہے، اگر آپ علوم کتاب وسنت کی زیادہ سے زیادہ اشاعت فرمانا چاہیں تو جماعت کو اپنے پریس کے لیے زود یا بدیر سوچنا پڑے گا۔ میں ناظم نشر و اشاعت کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ وہ آج سے ہی اس کے متعلق سوچنا شروع کر دیں۔

دارالمطالعہ:

ایک عظیم الشان لائبریری کی ضرورت ہے جس میں طلبا اور اہل علم کے علاوہ مصنفین بیٹھ کر تصنیف و تالیف کا کام کر سکیں۔ ضرورت ہے کہ اس میں مختلف علوم و فنون کی لاکھوں کتابیں جمع کی جائیں، اہل علم اس میں تحقیق و تدوین کا کام کریں، احادیث پر شروح اور حواشی کے علاوہ قدیم اور جدید علوم میں تحقیقی مضامین لکھے جا سکیں،

اہل علم اس کے لیے اپنے کتب خانے وقف کریں۔ اہل ثروت اپنی تجوریوں کے منھ اس عملِ خیر کے لیے کھول دیں۔ اور اس کے لیے مخطوطے جمع کیے جائیں، نایاب کتب مہیا کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو توفیق مرحمت فرمائے کہ آپ جماعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کر سکیں۔ وما ذلك على الله بعزيز.

(الاعتصام، شمارہ: ۳۴، جلد: ۹، ۲۹/ شعبان ۱۳۷۷ھ بمطابق ۲۱/ مارچ ۱۹۵۸ء)

سالانہ رپورٹ

جو مولانا محمد اسماعیل صاحب ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث نے ۷؍جون ۱۹۵۹ء کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں پیش کی۔

الحمد لله الذي لم يتخذ ولدا، ولم يكن له شريك في الملك، ولم يكن له ولي من الذل، وكبره تكبيرا، هو الذي بعث في الأميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته، ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة، وإن كانوا من قبل لفي ضلٰل مبين، وآخرين منهم لما يلحقوا بهم وهو العزيز الحكيم، إن الله وملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما، اللهم صل على محمد وعلىٰ آل محمد عبدك ورسولك الأمي الأواب خاتم النبيين.

احبابِ کرام! گذشتہ سال سرگودھا کانفرنس کے موقع پر جمعیت کی تاسیس، ابتدائی مشکلات اور بتدریج کام میں وسعت کا تذکرہ احباب سے کیا گیا تھا۔ اس وقت کی ذمہ داری چار اشخاص کے سپرد ہے:

محمد اسماعیل: ناظم تعلیمات
حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف: ناظم نشر و اشاعت
میاں عبدالمجید مجیدیہ فلور ملز: ناظم مالیات
محمد اسماعیل: ناظم اعلیٰ

تمام ناظم صدر محترم مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی کی قیادت میں کام کرتے ہیں، نظامتوں کی علیحدگی کے باوجود کام جماعتی طریق پر ہوتا ہے۔

مجھے یہ اعتراف ہے کہ ہماری راہ میں تاحال کافی مشکلات ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہم نے ۱۹۴۸ء میں جب جماعت کی تنظیم کا کام شروع کیا تھا آج ۱۹۵۹ء میں ہم نے جہاں تک اپنا سفر طے کیا ہے تو میرا دل مسرت سے لبریز ہوجاتا ہے، بیرونی کے علاوہ اندرونی مشکلات اس قدر تھیں کہ ان سے عہدہ برآ ہونا ناممکن معلوم ہوتا تھا تاہم ہم نے کافی سفر طے کیا۔ والحمد للّٰہ علی ذلك.

آج جب ہم اپنے ماضی کو دیکھتے ہیں بحمد اللہ ہم نے اپنے سفر کا بہت سا حصہ طے کرلیا ہے، اور یہ سب رفقا کے خلوص اور صحیح تعاون کا نتیجہ ہے۔ اللھم زدھم إخلاصا وتوفیقا.

ہمارے مقاصد:

آغازِ کار سے ہمارے سامنے پانچ اہم مقاصد تھے:

① علوم سنت اور ان کے لوازم کی ترویج۔

② جماعت کی شان کے مطابق اخبار۔

③ اپنا پریس اور مکتبہ۔

④ ایک بہترین لائبریری جو جماعت کی تمام علمی ضروریات کے لیے مکتفی ہو۔

⑤ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ایسا مؤثر نظام جو آج کی تشنہ ذہنیت کو سلف صالحین کے خوشگوار چشموں سے سیراب کر سکے، اور اس تمام کام کے لیے جماعت کو منظم کرنا اور ہر فرد میں جماعتی زندگی کا احساس پیدا کرنا۔ اور جماعت اہلحدیث بحیثیت ایک منظم جماعت کے دوسری جماعتوں کے سامنے آئے اور مشترک مقاصد اسلام میں دوسری جماعتوں کے ساتھ باہمی تعاون کے اصول پر کام کرے۔

موجودہ درس گاہیں:

علماء کی قلت معلوم امر ہے، تمام جماعتیں محسوس کرتی ہیں کہ اکابر کی موت سے جو خلا ہوا ہے اسے پاٹا نہیں جاسکا۔ جو مدارس ملک میں موجود ہیں ان کا نام آپ کچھ

رکھ لیں لیکن افسوس کہ باہمی تعاون نہیں، اس طرح ہمارے نظامِ تعلیم میں ایک قسم کی اڑچن ہے۔ اساتذہ، طلبا اور انتظامی اداروں کا پورا ڈھانچہ اصلاح اور ترمیم کے قابل ہے۔ یہ مدارس ملت کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے بلکہ اس تعلیمی انتشار کو جس قدر بھی کم کیا جا سکے جماعت پر احسان اور علم کی خدمت ہوگی۔ ایک شہر یا بستی میں متعدد مدارس سے خواہ مخواہ رقابت پیدا ہوتی ہے۔ طلبا، اساتذہ، ادارۂ اہتمام تمام کے اخلاق پر اس کا برا اثر ہوتا ہے، اور اس رقابت کی وجہ سے جو تعلیم اور انتظام میں نقائص پیدا ہوتے ہیں وہ آپ حضرات سے مخفی نہیں۔ اس تعلیمی انتشار کی اصلاح کے دو طریق ہیں: تمام چھوٹی درسگاہیں ختم کر دی جائیں یا ان میں نظم قائم ہو جائے۔ یعنی نصاب ایک ہو، طلباء کا داخلہ اور اخراج نظام کے ماتحت ہو، جماعت بندی اور تعلیم میں حد بندی کر دی جائے۔ جس طرح سرکاری مدارس میں پایا جاتا ہے۔

جامعہ اور تجربے:

ہم نے جامعہ کو حسب فیصلہ شوریٰ اچھے پیمانے پر شروع کیا، اپنی بساط کے مطابق اس کے لیے بہترین اساتذہ مہیا کیے۔ خیال تھا کہ کسی تصادم کے بغیر ایک اچھی درسگاہ معرض وجود میں آ جائے گی، اور صرف انتہائی تعلیم کو پیش نظر رکھا تاکہ چھوٹے مدارس سے کسی مرحلہ پر تصادم نہ ہو، طلبا کی خود داری کی حفاظت کے لیے شروع میں معقول وظائف کا فیصلہ کیا گیا لیکن اس تجربہ میں ہمیں ناکامی ہوئی۔

منتہی طلبا کی تعداد قدرتی طور پر کم ہوتی ہے، انگریزی اور دینی مدارس دونوں کا یہی تجربہ ہے لیکن مصارف کم نہیں ہو سکتے۔ اساتذہ کی تعداد اسباق کے لحاظ سے ہوتی ہے آخری جماعت میں سو طالب علم ہوں یا پندرہ، اسباق کا تناسب ایک ہی ہوگا۔ اخراجات میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوتی، اس لیے رفقا دریافت فرماتے ہیں کہ فی طالب علم کتنے ہزار روپیہ صرف ہوا؟ مخالف مذاق اڑاتے ہیں۔ جامعہ میں صرف تیس پینتیس طلباء ہیں۔ اور سب سے بڑی دقت یہ ہوئی کہ دوسرے مدارس سے جو طلبا

آئے ان کی تعلیم معیاری نہ تھی۔

وظائف نے طلبا میں ایسی ہوس پیدا کر دی کہ طلبا جامعہ اور اس کے منتظمین سے وظائف کے بارے میں اس طرح حساب کرتے گویا جامعہ ان کی مقروض ہے۔ گذشتہ سال سرگودھا کانفرنس کے بعد ان حضرات کے قرضوں سے بصد مشکل عہدہ برآ ہو سکے۔ یہ ذہن اس پاکیزہ ذہن کے بالکل خلاف ہے جو انبیا کی وراثت کا واجبی تقاضا ہے۔ انگریزی اور دینی درسگاہوں میں یہ بنیادی امتیاز ہے کہ وہاں اصل مقصد دنیا ہے، دین کا مقام وہاں ثانوی بھی نہیں۔ ہمارے ہاں اصل مقصد دین ہے اور اس کی خدمتِ دنیا ثانوی مرتبہ ہے، اس لیے کوئی نظام جس سے اس ذہن کو ٹھیس پہنچے گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ ربنا عليك توكلنا وإليك أنبنا وإليك المصير.

جامعہ ۵۸۔ ۵۹ء میں:

ان تجربات کی بنا پر وظائف کی سکیم واپس لے لی گئی اور جامعہ میں بامید منظوری ابتدائی تعلیم کا سلسلہ بھی رکھ لیا گیا۔ اس وقت جامعہ میں طلبا کی تعداد قریباً ۱۲۵ ہے اور اساتذہ قریباً سات ہیں۔ کھانے کا انتظام عام مدارس سے کافی اچھا ہے۔ مجھے مسرت ہے ۱۹۵۸ء میں جامعہ کے انتظامات تسکین بخش رہے، طلبا میں کوئی بدمزگی ظاہر نہیں ہوئی، اساتذہ نے محنت سے کام کیا۔

ہم نے گزشتہ سال اہتمام کا کام ایک ادارہ کے سپرد کیا تھا جس کے چار ممبر تھے، تاحال یہ تجربہ کامیاب رہا ہے، مولانا محمد اسحاق، مولانا محمد صدیق، مولانا عبید اللہ، مولانا محمد یعقوب صاحب نے جس محنت سے جامعہ کا کام کیا ہے ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ شكر الله مساعيهم.

دینی مدارس کے نصاب کا مسئلہ:

درس نظامی میں عام تبدیلی کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمائی، پوری صحاح اور قرآن عزیز لازماً درس میں داخل فرمایا لیکن حدیث کا طریق دورہ کی

صورت سے تھا، ذہین طلبا تو شاید اس سے ضرور مستفید ہوں لیکن متوسط طلبا کو اس سے تبرک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الکل استاذ العرب والعجم مولانا الشیخ سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ نے فن حدیث کو نصاب میں ایسی جگہ دی کہ ہر کتاب پر بقدر ضرورت محنت کی جائے اور فن حدیث کے ساتھ رجال اور اصول حدیث پر ضروری توجہ دی جا سکے، جس کا تتبع کسی قدر اب ان مدارس میں بھی کیا جا رہا ہے جو اہل حدیث کہلانا پسند نہیں کرتے۔

اس کے باوجود نصاب کا مسئلہ ملک کا مشکل ترین مسئلہ ہے۔ علامہ شبلی مرحوم نے ندوۃ العلماء سے اس کا آغاز فرمایا لیکن وہ تاحال کسی ایسے نقطہ پر نہیں پہنچ سکا جسے ملت متفقہ طور پر قبول کر سکے، لیکن تبدیلی کی ضرورت کا احساس سب کو ہے۔ جمعیت نے بھی امسال تجربتاً نصاب میں نمایاں تبدیلیاں کی ہیں۔ علوم کتاب و سنت و دیگر علوم عربیہ ادبیہ کے ساتھ ساتھ تاریخ، معاشرت اور انگریزی کی طرف بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔ اس کی افادی حیثیت کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا ہے، اہل علم خصوصاً اصحاب مدارس اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمائیں گے۔

الاعتصام:

الاعتصام کا شمار بحمد اللہ ملک کے مؤقر پرچوں میں ہے، مخالف اور موافق اسے عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں، علمی حلقوں میں اس کا ایک مقام ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اربابِ شوریٰ اور جماعت کے عوامی حلقوں نے اس کے متعلق اپنے فرض کو محسوس نہیں فرمایا۔

اخبار کی زندگی کا دارو مدار یا اشتہارات پر ہوتا ہے یا اشاعت کی کثرت پر۔ دینی اخبار فحش اشتہارات لے نہیں سکتے۔ خریداری کے لیے کوشش آپ حضرات کا فرض ہے جس میں آپ نے تساہل فرمایا ہے۔ اگر شوریٰ کے تمام ممبر پانچ پانچ خریدار اپنے ذمہ لے لیں، اخبار اس سے کہیں بہتر حالت میں جا سکتا ہے۔

ہم نے گذشتہ سال ایک روزانہ اخبار کے اجرا کو اپنے مقاصد میں شامل کیا تھا اس بے توجہی کے ہوتے ہوئے بہتر ہے کہ آپ حضرات خود ہی اسے اپنے مقاصد سے خارج فرما دیں۔

''الاعتصام'' ادارہ اشاعۃ السنۃ کی مطبوعات سے ہے، اس ادارے کے متعلق تفصیلی معلومات ناظم نشر و اشاعت ارشاد فرمائیں گے۔

پریس:

ایک جماعتی پریس کا منصوبہ ہمارے سامنے تھا لیکن مجھے حقیقت کے اظہار میں تأمل نہیں کہ ہم نے اس کے متعلق کوئی قدم نہیں اٹھایا، جامعہ کی تعمیر اور تعلیم کے اس قدر مصارف ہیں کہ کوئی مزید بوجھ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ جماعت میں اصحابِ ثروت کی کمی نہیں، افسوس یہ ہے کہ ملی ضرورتوں کی طرف یہ حضرات بہت کم توجہ دیتے ہیں، عام طور پر یہ بوجھ متوسط الحال یا غربا کے حصے میں آیا ہے۔ اگر جماعت کے مرفہ الحال حضرات توجہ دیں تو پریس کوئی بڑی چیز نہیں، اگر پریس ہوجائے تو جماعت کی مطبوعات ارزاں قیمت پر فروخت کی جاسکتی ہیں۔ آخر میں عرض ہے کہ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست ❶

لائبریری:

جامعہ کے ساتھ ہی ایک دار المطالعہ کی بنیاد رکھی جا چکی ہے، درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ مطالعہ کی کتابیں بھی مکتبہ میں آ رہی ہیں، مگر یہ ذخیرہ بہت حقیر اور معمولی ہے تاہم اس کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ مولانا حکیم عزیز الرحمٰن بن حضرت مولانا محمد علی صاحب میر واعظ مرحوم نے قریباً ۷۵ کتابیں جامعہ کو مرحمت فرمائی ہیں، جن میں چند کتابیں ایسی ہیں جو اب بازار میں ناپید ہیں، بعض دوسرے احباب نے بھی کتابوں کے متعلق نوازش فرمائی۔ جزاهم الله أحسن الجزاء

---

❶ اہل سخاوت پر بہت سے کام دشوار نہیں ہوتے۔

آپ حضرات اپنے اپنے ماحول میں اگر متواتر کوشش جاری رکھیں تو کتابوں کا ذخیرہ لاکھوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس معاملے میں اعضاءِ شوریٰ کے علاوہ علما اور اصحابِ ثروت بھی میرے مخاطب ہیں۔ کتابیں صدقہ جاریہ ہیں۔ ﴿وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا﴾

امر بالمعروف:

تبلیغ کا مسئلہ جماعتوں میں عموماً اور دینی اداروں میں خصوصاً ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔ جماعتِ اہلحدیث نے اس شعبہ میں اتنا کام کیا ہے کہ کوئی دوسری جماعت اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اہلحدیث کانفرنس نے ملک میں وعظ و نصیحت کا جال بچھا دیا۔ بمبئی سے پشاور تک، تبت، گلگت اور نیپال کی ترائیوں تک کانفرنس کے واعظین نے حاتم الموحدین مرحوم شیخ حافظ حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مغفور کی مساعی جمیلہ سے یہ کام بہترین طریقہ پر انجام دیا۔ اسی طرح اور بھی مقتدر علماء اور صلحا کی کوششوں سے دعوت وارشاد کا کام ہوتا رہا۔

وقت کے تقاضے:

لیکن اب وقت کے تقاضے بدل چکے ہیں، اس وقت ضرورت ہے کہ آپ حضرات کے سامنے کوئی متعین مقصد ہو، تقاریر میں موضوع کی پابندی کی کوشش کی جائے، ان کی نقل وحرکت اس نظم کے ساتھ ہو جس سے جماعت کا اور خود ان کا وقار بڑھے۔ تقاریر میں موضوعات اور ضعاف سے پرہیز کیا جائے۔ اسلام کے اہم مسائل سے لوگوں کو آشنا کیا جائے، ائمہ سلف اور ان کی سیرت کی دنیا میں اشاعت کی جائے۔

اس معاملے میں مجھے اعتراف ہے کہ ہم کوئی اہم کام نہیں کر سکے۔ حضرات علما کی تنظیم کا مسئلہ بہت مشکل ہے، جب تک آپ حضرات کا مذاق نہ بدلے، آپ حضرات نظم کے احترام کو دل میں جگہ نہ دیں، تقاریر میں حضرت واعظین اور مبلغین جماعتی نظم کو مقدم نہ رکھیں اور اپنے سامعین میں جماعتی روح پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں تو عام تقاریر جماعت کے وقتی تقاضوں کے لیے چنداں سود مند نہ ہوں گی۔

ہماری مالی حالت:

مالیات کی رپورٹ ناظم مالیات دیں گے۔ مجھے صرف اسی قدر کہنا ہے کہ آپ حضرات فیاضی سے جس قدر روپیہ آج کل جامعہ اور جمعیت کے پروگرام پر صرف کر رہے ہیں اتنا روپیہ بحیثیت مجموعی جماعت کے ہاتھوں میں نہیں آیا۔ یہ آپ کا احسان ہے کہ آپ اپنے رفقا پر اعتماد فرما کر روپیہ ان کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں، اس وقت لاکھوں روپیہ بحمد اللہ صرف ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود حال یہ ہے کہ جس انداز سے آپ نے کام شروع کیا ہے اور جن منصوبوں کی تکمیل آپ کے پیش نظر ہے اس لحاظ سے جماعت کو بہت زیادہ روپیہ کی ضرورت ہے۔ ہمارا خیال تھا جامعہ کی تعمیر پر سات آٹھ لاکھ روپیہ صرف ہوگا لیکن موجودہ گرانی اور حالات کا نشیب و فراز بتا رہا ہے کہ یہ منصوبہ شاید بیس لاکھ میں بھی پورا نہ ہو۔

اساتذہ کے مشاہرات کے متعلق جو اندازہ ذہن میں تھا ملک کی حیران کن گرانی نے اسے بالکل بدل دیا۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ حضرات اپنے اعمالِ خیر اور صدقات میں جامعہ، جماعت اور جمعیت کو پہلا مرتبہ دیں تاکہ اپنی زندگی میں اپنے مقاصد کی تکمیل دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

(الاعتصام، شمارہ: ۴۶، جلد: ۱۰، ۴ر ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ بمطابق ۱۲ر جون ۱۹۵۹ء)

محترم ناظم اعلیٰ کی

رپورٹ

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله وأصحابه أجمعين.

حضرات! جمعیت مرکزی کی تشکیل اور جامعہ سلفیہ کی تاسیس کے بعد شاید ہی کوئی ایسا سال گزرا ہو جس میں کسی چھوٹے موٹے بحران سے سابقہ نہ پڑا ہو۔ اساتذہ کے طریق کار میں بعض ناہمواریاں، طلبا کے حقوق و مطالبات کی ناسازگاریاں، رفقا کے طریق فکر کی مشکلات، بعض حلقوں کی شریعت نوازیاں، جامعہ کے متعلقین اور خدام کے لیے ایسے حوادث طبیعت ثانیہ بن گئے ہیں، اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ یہ خلافِ معمول واقعات ہو چکے ہیں ع

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

ے

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے
بہ پیش ہمت ما ہرچہ آید بود مہمانے ①

لیکن حضرت الامیر ۔عافاہ اللہ وشفاہ۔ کے تدبر اور رفقائے کار کے خلوص اور پیہم مساعی سے یہ سب بحران ختم ہوتے رہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ العزیز ختم ہوتے رہیں گے۔ وما ذلك على الله بعزيز ے

---

① خوش سامانی داد ہے نہ غم کوئی نقصان آدہ، ہماری ہمت کے سامنے جو بھی آتا ہے مہمان ہی ہوتا ہے۔

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

خدا کا شکر ہے کہ اس شجر طیبہ کی شاخیں پاکستان کے اطراف تک پھیلیں اور جامعہ کا غلغلہ تو حدود پاکستان کو پھاند کر دور دور تک پہنچ چکا ہے۔ خدا کرے وہ دن جلد آئیں جب اس چشمہ صافی سے علم کی تشنگی دور ہو جو عرصہ سے جماعت میں محسوس کی جا رہی ہے۔

حالات جو بھی ہوں جامعہ کا منصوبہ بحمد اللہ اپنی طبعی رفتار سے جاری ہے اور بتدریج ترقی کر رہا ہے۔ اس سال جامعہ میں آٹھ اساتذہ کام کر رہے ہیں جن کے اسمائے گرامی ذیل میں مرقوم ہیں:

① مولانا حافظ عبداللہ صاحب شیخ الحدیث۔
② مولانا محمد یعقوب صاحب۔
③ مولانا محمد صادق صاحب۔
④ مولانا شریف اللہ صاحب۔
⑤ مولانا علی محمد صاحب۔
⑥ مولانا حافظ بنیامین صاحب۔
⑦ مولانا محمد بن عبداللہ صاحب۔
⑧ محترم پروفیسر عمر فاروق صاحب۔ باقی عملہ ان کے علاوہ ہے۔

مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی اس دفعہ شروع سال ہی میں مستعفی ہو گئے تھے، بعض حضرات کا یہ خیال تھا کہ جامعہ پر اس کا اثر ہوگا لیکن بظاہر یہ خیال صحیح ثابت نہیں ہوا۔ طلبہ کی تعداد ابتداءِ سال میں قریباً پونے دوسو تھی، اس وقت آخر سال میں قریباً ایک صد چالیس ہے۔ بعض طلبا خود چلے گئے۔ بعض کو تادیب کے طور پر خارج کیا گیا، پھر بھی گزشتہ سال سے اس وقت تعداد زیادہ ہے۔

اس سال مولانا ابوحفص صاحب عثمانی کو جامعہ میں بطور سپریٹنڈٹ رکھا گیا۔ اساتذہ تعلیمی مشاغل کی وجہ سے بعض انتظامی امور میں پوری توجہ نہیں دے سکتے تھے۔ طلبا کا نظم و ضبط، اسباق میں حاضری، تعطیلات میں قواعد کی پابندی، جامعہ کے مہمانوں کی دیکھ بھال، زائر حضرات سے گفتگو اور ضروری معاملات کے متعلق معلومات کی فراہمی، بعض طلبا کی آوارگی۔ سپریٹنڈنٹ کے تقرر کے بعد ان معاملات میں کافی اصلاح ہوچکی ہے۔ بلا عذر غیر حاضر ہونے والے طلبہ سے مناسب جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جو جامعہ کے فنڈ میں جمع ہوتا ہے اور طلبہ پر صرف ہوجاتا ہے۔

جمعہ کی نماز جامعہ میں باقاعدہ ہوتی ہے۔ طلبہ اس میں التزاماً حاضر ہوتے ہیں، اگر کوئی ضروری ہوتو اجازت سے جاسکتے ہیں اور وقت پر حاضر ہوجاتے ہیں۔ روزانہ نماز میں طلبہ حاضر ہوتے ہیں اور اس میں کوتاہی کو قطعاً گوارا نہیں کیا جاتا، نماز کی حاضری باقاعدگی سے لگتی ہے۔ کھانے کی تقسیم میں عموماً بے قاعدگی ہوجاتی ہے، کبھی کھانا کم ہوجاتا ہے اور کبھی بڑھ جاتا ہے، اس صورت میں غلے کا خرچ بہت بڑھ جاتا ہے۔ سپریٹنڈٹ صاحب نے جامعہ میں اس کا مناسب احتساب کیا ہے، عام مدارس کی بہ نسبت جامعہ کی حالت اور نظم بہت بہتر ہے۔

اسباق کی حاضری، مطالعہ اسباق کے تکرار وغیرہ میں طلبہ کی مشغولیت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اب بحمد اللہ چوری وغیرہ اخلاقی برائیوں کی شکایت نسبتاً بہت کم ہے۔ اساتذہ کرام مفوضہ فرائض کو پوری پابندی سے ادا فرماتے ہیں۔ خود اساتذہ کی بھی دو وقت حاضری ہوتی ہے۔ چھٹیوں کا باقاعدہ نظام ہے، بلا وجہ غیر حاضری کبھی نہیں ہوئی۔ حضرات اساتذہ اس نظام کے ساتھ تعاون فرما رہے ہیں۔ جزاهم اللہ۔ تعطیلات کا پورا نظام موجود اور محفوظ ہے۔

جامعہ کے مہمانوں کی دیکھ بھال حسب ارشاد نبوی "أنزلوا الناس منازلهم"①

---

① ضعیف. سنن أبي داود (٤٨٤٢) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام ابو داود ؒ یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "میمون لم یدرك عائشة"

کے مطابق کی جاتی ہے۔ ان کے پتوں کا اندراج ہوتا ہے۔ گویا آنے والے تمام مہمانوں کا بھی ریکارڈ موجود ہے۔ سال میں تمام مہمانوں کی تعداد معلوم ہوسکتی ہے۔

نظام کی پابندی کی وجہ سے بعض حلقوں میں سپریٹنڈنٹ کی سخت گیری کی شکایت پہنچی ہے۔ ممکن ہے کوئی شکایت کسی حد تک درست بھی ہو لیکن نظم کی پابندی اور اخلاق کی اصلاح کے سلسلے میں بہر حال اسے برداشت کرنا چاہیے۔ نظم ونسق کے سلسلہ میں بعض ناخوشگوار باتیں بھی برداشت کرلینی چاہییں۔ اس کے باوجود یقین ہے کہ آئندہ سپریٹنڈنٹ صاحب بھی اپنے فرائض کو زیادہ خوش اسلوبی سے ادا فرمائیں گے۔

جامعہ میں بحمد اللہ ایک معقول لائبریری موجود ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، لغت، ادب، صرف، نحو، معانی، بیان، منطق، فلسفہ اور دیگر فنون کی عربی، فارسی، اردو، انگریزی کا کافی ذخیرہ جمع ہے۔ بعض جامعہ نے خود خریدی ہیں اور کچھ بعض احباب نے وقف فرمائی ہیں۔ ان کی مکمل فہرست اور رجسٹروں میں اندراجات موجود ہیں، اس کے باوجود کتب کی بے حد کمی ہے، کتب خانہ کے لیے لاکھوں روپے درکار ہیں، امید ہے اصحاب خیر اس طرف توجہ دیں گے۔ جامعہ میں مکمل فہرستِ کتب موجود ہے جو ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

جامعہ کی تعمیر:

۲۴ کمرے مکمل ہوچکے ہیں، ایک بالائی کمرہ بھی تعمیر ہوچکا ہے۔ یہ کمرے طلبہ اور اساتذہ کے زیر استعمال ہیں۔ ایک مہمان خانہ، جو متعدد کمروں پر مشتمل ہے، تعمیر ہو چکا ہے۔ چاروں طرف پختہ دیوار تعمیر ہوچکی ہے۔ جو ۵ سو فٹ لمبی ہے۔ گھاس کے پلاٹ بن رہے ہیں۔ چھ کمروں کی اس عمارت میں ابھی کمی ہے۔ توقع ہے اصحاب خیر اس کی تکمیل فرمائیں گے۔

مسجد:

مسجد کی تعمیر کا ذمہ میاں عبدالوہاب صاحب (کراچی) نے لیا تھا لیکن وہ کسی نامعلوم سبب سے رہ گئے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ مسجد کا ۷۰×۴۰ کا کمرہ مع گیلری تیار ہو چکا ہے جس کی چھت ۲۲ فٹ ڈالی گئی ہے۔ یہ کمرہ میاں فضل حق صاحب صدر جامعہ اور محترم شیخ محمد انور صاحب کے مصارف اور مساعی سے تیار ہو گیا ہے۔ جزاهم الله عنا وعن المسلمين أحسن الجزاء.

امید ہے آئندہ سال محترم الحاج محمد اسحاق صاحب حنیف ناظم نشر و اشاعت و مالک چناب وولن ملز حسب وعدہ جامعہ ہال کی تعمیر شروع کرا دیں گے۔ اور حضرات ممبرانِ شوریٰ سے گزارش ہے کہ کمروں کے آگے برآمدہ کے لیے اس وقت اعانت فرمائیں یا وعدہ فرمائیں تاکہ طلبا گرمی اور سردی کی شدت سے محفوظ رہ سکیں۔

اب وضو کے لیے ٹونٹیاں، غسل خانے اور طہارت خانے زیر تعمیر ہیں۔ ٹیوب ویل لگ چکا ہے، اس کے تمام اخراجات کا ذمہ محترم عبدالستار صاحب مالک ستارہ فیکٹری گوجرانوالہ نے لے لیا ہے جس کی تکمیل عنقریب ہو جائے گی۔

ناظم تعمیرات اس کے متعلق اپنی مفصل رپورٹ آپ کے سامنے پیش فرمائیں گے اور اسی طرح ناظم نشر و اشاعت اور ناظم مالیات اور مولانا محی الدین صاحب و حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیر پوری اپنے کام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے۔

جامعہ میں ششماہی اور سالانہ امتحانات باقاعدہ ہوتے ہیں اور نتائج کا اعلان الاعتصام میں کیا جاتا ہے۔

اس سال گندم کی فراہمی میں محترم مولانا محمد اسحاق امیر جمعیت اہلحدیث ضلع لائل پور، مولانا محمد صادق صاحب مدرس جامعہ سلفیہ اور مولانا محمد رفیق صاحب مدنپوری اور مولانا عبدالرشید خطیب جامع نشاط ملز لائل پور، مولانا محمد عبداللہ صاحب ثانی، مولانا محمد داود صاحب سمندری اور مولانا قاضی محمد اسلم صاحب سیف، مولانا

اللہ بخش صاحب کمیر پوری نے مخلصانہ کوشش فرما کر ہزار من سے زیادہ گندم فراہم فرمائی۔ شكر الله مساعيهم.

اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں میں برکت فرمائے اور مزید حسن عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ان حضرات کی خدمات کو خصوصاً اس بحرانی دور میں جامعہ کسی طرح نہیں بھول سکتی۔

مولانا عبیداللہ احرار احباب لائل پور میں روح رواں کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا عزم ہی تعمیرات کے کام کی تکمیل کا کافی حد تک ضامن ہے۔ جزاه الله أحسن الجزاء.

(الاعتصام، شمارہ: ۱۷، جلد: ۱۵، ۵ رجب ۱۳۸۳ھ بمطابق ۲۲ نومبر ۱۹۶۳ء)

خطبہ استقبالیہ

مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کانفرنس منعقدہ گوجرانوالہ

(۱۲۔۱۳۔۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

الحمد للّٰه وكفىٰ، والصلاة والسلام على سيد الأصفياء، وآله وأصحابه وأزواجه وذرياته السادة الأتقياء، اللّٰهم صل وسلم ما نور النيران جو السماء، وأضاء نور السنة شفاف القلوب بضياء الاهتداء.

اخوان کرام! بارش، سیلاب، راستوں کی صبر آزما تکالیف اور فصل خریف کی تیاری کے جن ایام میں آپ نے سفر کی صعوبت برداشت فرمائی ہے آپ کے خلوص اور جماعت کے ساتھ وابستگی کی یہ کھلی دلیل ہے۔ اس پر خلوص عمل کے لیے سیاہ کار قلم اگر رسمی شکریہ کی جرأت کرے تو یہ صرف ایک جسارت ہوگی۔ مناسب یہی ہے کہ میں ”ایاز قدر خود بشناس“ کہہ کر اس رسم پروری سے سبکدوش ہونے کی کوشش کروں۔ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ وہ اس اخلاص سے بھرپور عمل کو قبول فرمائے اور آپ کو اس کی پوری جزا مرحمت فرمائے۔ مزید اخلاص اور جماعت کے ساتھ وابستگی اور تعاون کی توفیق ارزانی فرمائے۔ وقولي لكم: أهلاً وسهلاً ومرحباً۔

گجرانوالہ:

حضرات! جس شہر میں آپ تشریف فرما ہیں یہ کوئی پرانا تاریخی شہر نہیں۔ آخری مغل سلطان بہادر شاہ کے وقت یہ ایک گاؤں تھا، آج سے تقریباً چار سو سال قبل خاں نامی ایک زمیندار نے، جو سانسی قوم سے تعلق رکھتا تھا، اس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد

ایک زمیندار قوم ”گجر“ نامی اس میں آباد ہوئی۔ اسی سبب سے اس کا نام ”گجرانوالہ“ مشہور ہوا جسے زبان کے تغیرات نے ”گجرانوالہ“ بنا دیا۔ آج ایام کی گردش نے بانی اول اور گجر قوم دونوں کو اپنی عادت کے مطابق طاق نسیان پر رکھ دیا ہے اور غالباً ان کی نسل سے ایک فرد بھی شہر میں موجود نہیں۔ تلك الأيام نداولها بين الناس.

سکھ اور گجرانوالہ:

چڑت سنگھ۔ راجہ رنجیت سنگھ کے دادا۔ اپنے گاؤں راجہ سانسی سے آ کر یہاں آباد ہوئے اور بتدریج اس گاؤں نے قصبہ کی صورت اختیار کی۔ راجہ رنجیت سنگھ یہیں پیدا ہوئے۔ سکھ ایسی مشہور اور عاقبت نا اندیش قوم کی تاریخ اس شہر سے وابستہ ہوگئی۔ انگریزی عملداری میں یہاں سٹیشن بنا اور اسے ضلع کا صدر مقام قرار دیا گیا، اور یہ قصبہ شہر بن گیا جس کی آبادی ۱۹۴۷ء سے پہلے قریباً ۹۰ ہزار تھی، اب غالباً ۲ لاکھ سے متجاوز ہے، کپڑے برتنوں اور بعض دوسرے کاروبار کے لیے بہترین منڈی ہے اور تجارت کے لحاظ سے ایک اہم مرکز۔

سکھ قوم اور اہلحدیث:

حاضرین کرام! سکھوں کے ساتھ آپ کو بھی کچھ تاریخی تعلق ہے، سکھ قوم مسلمان بادشاہوں کی دشمن نوازیوں کا زندہ ثبوت ہے، سکھ شاید بھول چکے ہوں لیکن تاریخ شاہد ہے وہ مغل بادشاہوں کی غلط نوازی بلکہ ایک غلط خواب کی ایک غلط تعبیر ہیں، ان دشمن نواز بادشاہوں کی بدولت سکھوں کو حکومت ملی۔ قزاقی اور راہزنی کی راہ سے جو لوگ حکومت کی بلندیوں تک پہنچتے ہیں وہ نہ رعیت پروری جانتے ہیں نہ آئین جہانداری! اس لیے سکھ اور ظلم قریباً دو ہم معنی لفظ سمجھے گئے۔

سکھوں کے مظالم تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہیں اور ہندوستان میں تحریک اہلحدیث کا وجود ان مظالم کی صدائے بازگشت ہے۔ آپ کی دینی اور سیاسی زندگی

کے دو عظیم المرتبت اور مقدس راہنما حضرت مولانا سید احمد شہید اور مولانا سید اسماعیل شہید رحمہما اللہ سکھ استبداد کی وجہ سے میدان کارزار میں اترے اور چند برسوں میں سکھوں کے جبر و استبداد کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ اگر انگریزی سیاست کی عیاری اور بعض آبرو باختہ جماعتوں کی غداری اور انگریز کے ساتھ تعاون نہ ہوتا تو ہندوستان کا جغرافیہ بالکل مختلف ہوتا، پاکستان کی سرحد واہگہ کے بجائے کلکتہ سے کہیں پرے ہوتی

ما كل ما يشتهيه المرء يدركه   تجري الرياح بما لا تشتهي السفن①

عساکرِ توحید کا پارینہ:

یہ پارینہ جھنڈا جو آپ کے قریب لہرا رہا ہے کبھی ستاروں کا ہمراز تھا اور ملائکہ سے ہمکلام۔ یہ سید شہید کے ان عساکر کا جھنڈا ہے جو اسلام کی سربلندی کے لیے سکھ استبداد اور برطانوی عیاری سے برسوں برسر پیکار رہے، یہ جھنڈا کالا باغ علاقہ ہزارہ کے اہلحدیث حضرات کے پاس محفوظ تھا جن کے آباؤ اجداد برسوں ان مقدس عساکر میں داد شجاعت دیتے رہے۔ یہ حضرات کراؤل قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں نتھیا گلی کے قریب اپنے مسلک اور روایات کی حفاظت فرماتے ہوئے ان دور افتادہ پہاڑوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ موجودہ آزاد کشمیر پر حکومت پاکستان کا قبضہ ان حضرات کی مساعی کا مرہون منت ہے، اور شاید ان سرحدوں کی حفاظت میں بھی یہ سادہ دل حضرات کونے کا پتھر ثابت ہوں۔ شکر اللہ مساعیهم.

آہ! آج یہ جھنڈا رزم کے میدانوں سے بہت دور آپ کی اس بزم کی زینت ہو رہا ہے اور اپنے پُر شکوہ ماضی کی خاموش حکایت بلکہ کفر و فسق، شرک و بدعت کے مظالم کی ایک دردناک شکایت ہے اور بس!

احبابِ عظام! آنسوؤں کو روکیے، تھوڑی دیر ٹھہریے اور دماغ میں اپنی گذشتہ

---

① آدمی جو چاہتا ہے پا نہیں لیتا، ہوائے کبھی سفینوں کی مرضی کے خلاف بھی چلتی ہیں۔

رفعتوں کا تصور لائیے اور سوچیے کہ آپ کہاں تھے اور اب کہاں ہیں؟ غور کیجیے یہ مسافر کہاں سے بھٹکا کہاں پہنچا اور اب اسے کہاں جانا ہے؟ جو قدم اٹھانا ہے اسے سوچ کر اٹھایئے، عزم و ضبط سے اٹھایئے۔ واللہ معکم إن تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت أقدامکم.

مسلک اہلحدیث عروج و زوال کے مراحل میں:

حاضرینِ کرام! تحریک اہلحدیث کا آغاز قرونِ خیر سے ہوا اور ان صدیوں میں عروج و زوال کے کئی مراحل سے تحریک گذری۔ یہ تاریخ کا مسئلہ ہے جسے آپ مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ اس پر کیسے کیسے انقلابات گزرے اور سخت جان تحریک ان مصائب سے بچ نکلنے میں کس طرح کامیاب ہوئی؟ یہ سب حوادث تاریخ کی امانت ہیں، اس کی تفصیل وہیں ملے گی۔ خروج اور رفض، تجہم و اعتزال سے یہ تحریک کیسے نمٹی؟ مستبد اور ظالم اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان بے نوا فقیروں نے کیا کچھ کیا؟

تحریک اہل حدیث پاک و ہند میں:

لیکن ان ممالک میں اس کی نشأۃ کیسے ہوئی؟ یہ مقدس تحریک کن مراحل سے گزری؟ اسے اختصار سے سُن لیجیے، شاید اس کی روشنی میں مستقبل کے لیے آپ کو کچھ سوچنا پڑے۔ ہندوستان میں بدعات کے شیوع اور علوم سنت کے فقدان اور فقہی جمود کے استیلا کا احساس آج سے برسوں پہلے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے خاندان کو ہوا۔ مغل حکومت کے سیاسی انحطاط نے وقت کی سیاسیات کو بھی اسی اصلاحی پروگرام کا جزو لاینفک بنا دیا، اس پروگرام کی تکمیل کے لیے آخری اور اہم کوشش حضرت سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ان کے مقتدر رفقا نے فرمائی۔

یہ پروگرام عروج و زوال کے مراحل سے گزرتا ہوا تدریجی طور پر موجودہ پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ معلوم ہے کہ ان حضرات کے ذہن میں پورے ہندوستان میں ایک دینی نظام کے قیام کا تصور تھا، وہ اس مملکت کو اس سے بہت زیادہ وسیع

دیکھنے کے خواہشمند تھے تاہم جو کچھ ہوا یہ ان کی مساعی کا بہت حد تک مرہون ہے۔

اس پروگرام کے سیاسی حصے کو جس سنگین تصادم سے سابقہ پڑا اور اس کے قائدین کو جن خاردار اور سنگلاخ راستوں سے گزرنا پڑا وہ جماعت کے لیے سرمایہ صد افتخار ہے، اور معلوم ہے کہ اہل حدیث اس راہ میں اکیلے نہیں ہندوستان کے دوسرے نیک دل اصحاب فکر اس سفر کی ہر منزل میں ان کے ساتھ شریک رہے۔ دیرپا ٹھنڈے اور گرم محاربات کے بعد یہ جزوی کامیابی حاصل ہوئی جس کی دینی حیثیت ہنوز قابل اطمینان نہیں، تاہم اس تصور نے ایک دل پسند وجود اختیار کر لیا جسے آج ہم پاکستان کہہ رہے ہیں۔ ہم آرزومند ہیں کہ یہ ٹھیک اسلامی مملکت بنے اور دنیا میں ایک نمونے کا ملک ہو۔

اسلامی دستور کی تشکیل، بدعات کی روک تھام اور علوم توحید و سنت کی اشاعت اور طریقہ سلف کی ترویج میں جو مصائب آئے ان کے تحمل میں جماعت کسی کو اپنا رقیب و سہیم نہیں سمجھتی، اس راہ کی مصائب کو بہت حد تک ہمارے اسلاف نے برداشت فرمایا اور کافی حد تک کامیاب ہوئے۔ والحمد لله على ذلك

۱۸۵۷ء کے بعد:

آزادی کی مقدس تحریک کی بظاہر ناکامی سے انگریزی مظالم کا دھارا بہہ نکلا، ان سے تنگ آ کر سیاسی پروگرام انڈر گراونڈ اور مخفی ہو گیا، علوم کتاب وسنت کی ترویج و اشاعت کا نظام نمایاں ہو کر سامنے آ گیا۔ شخصی آرا و افکار سے آزاد رہ کر فقہا محدثین کے نہج پر علوم سنت کی اشاعت کا سہرا حضرت شیخ الکل مولانا السید نذیر حسین، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا شمس الحق صاحب محدث صاحبِ عون المعبود، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری، حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی استاذ ہند، حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی، خاندان لکھویہ وغیرہم کے سرپر رہا۔ ان حضرات نے یہ خدمت اس خوبی سے انجام دی کہ اس کی ضیاباریاں عجم سے عرب تک پہنچیں، اور آپ جہاں جائیں آپ کو ایسے اساتذہ علم ملیں گے جن کی

تشنگی کے لیے سیرابی کا سامان مدرسہ دہلی نے فرمایا۔ ؎

أولئك آبائي فجئني بمثلهم
إذا جمعتنا يا جرير المجامع ❶

تصنیف و تالیف:

علوم کتاب و سنت کی تصنیف و تالیف، طباعت اور اشاعت میں بقیہ السلف حضرت الانام نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ جدید تصانیف کے علاوہ سلف کے قدیمی ذخائرِ علوم کو مرحوم نے اس طرح بازارِ علم میں لا کر ڈال دیا کہ قرونِ وسطی میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اللهم اغفرله وارحمه وأدخله الجنة.

تصوف اور سنت:

مغل دور میں گو تصوف کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل تھی مگر اس کی قیادت خانقاہی نظام کے ہاتھ میں تھی، وہ پورے کا پورا بدعات کی گرفت میں تھا۔ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر اسے حق سے قریب ہونا چاہیے تھا وہ اسی قدر صداقت کی راہوں سے دور تھا۔ اس کے بعض رہنماؤں پر فسق و فجور کی حوصلہ افزائی کا شبہ ہوتا تھا۔ للّٰہیت کا وہ مذاق یکسر ناپید تھا جس کی راہنمائی صحابہ اور ائمہ سنت رحمہم اللہ نے فرمائی تھی۔ رسمی اور ورزشی ورد و وظائف اور مشقیں تو خانقاہوں میں موجود تھیں لیکن ان میں سنت کی روح ناپید تھی۔ سنت اور اخلاص کی حلاوت سے یہ پورا نظام محروم تھا، اس کمی کو ملک الاتقیاء حضرت عبداللہ غزنوی نے پورا فرمایا۔ افغانستان کی جامد سرزمین سے نکل کر حضرت عبداللہ غزنوی نے ہندوستان میں قدم رکھے، علوم سنت کے ساتھ خلوصِ عمل کو حیاتِ نو بخشی، یہ وہی للّٰہیت تھی جس کی سرمستیوں سے

---

❶ یہ ہیں میرے آباو اجداد، اے جریر! کوئی ان جیسا محفل میں لا کر تو دکھا!

صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سرشار تھے۔ جس کی حلاوت سے حافظ اور رومی بہت حد تک نا آشنا تھے۔ کوئی مجھے تصوف کا منکر کہے مگر ع

مجھ کو بتوں سے عشق ہے کافر نہیں ہوں میں

گجرانوالہ میں تحریک اہلحدیث:

اس شہر میں تحریک اہلحدیث کا احیا حضرت پیر میر حیدر صاحب خانپوری اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ کے توسط سے ہوا، اور مزید مدد حضرت الشیخ حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی اور حضرت علاؤ الدین صاحب مغفور کے دروس و مواعظ سے ملی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد بکنوی رحمہ اللہ کی مساعی بھی شامل تھیں۔ ۱۲۹۰ھ میں حضرت مولانا علاؤ الدین صاحب رحمہ اللہ نے مستقل طور پر یہاں ڈیرہ ڈال دیا، آپ کے رفقا سے محلّہ حاجی پورہ کے اہل توحید اور شیخ جھنڈو، حاجی پیر محمد، شیخ مبارک دین اور شیخ اللہ دتہ صاحب کی کوشش سے ایک مختصر سی مسجد تعمیر ہوئی۔ جس میں اہل توحید کو سر چھپانے کی جگہ ملی، اور موجودہ عظیم الشان مسجد مرحوم مستری حاجی محمد عبداللہ صاحب اور صدرِ محترم الحاج اللہ دتہ، حاجی محمد علی مرحوم اور ماسٹر غلام محمد صاحب ڈار اور ان کے رفقا کی کوشش سے تعمیر ہوئی، یہ سابقہ مسجد کی توسیع شدہ صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی تکمیل کر سکیں۔

جمعیت اہلحدیث گجرانوالہ:

جمعیت اہلحدیث گجرانوالہ کی تاسیس ۱۹۱۵ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نے فرمائی، وہ جب تک زندہ رہے جمعیت پر نظر عنایت فرماتے رہے۔ اللهم اغفرله وارحمه واجعل جنة الفردوس مأواه.

اب یہ جمعیت مرکزی جمعیت کے ساتھ ملحق ہے اور جمعیت ضلع کی شاخیں دیہات تک پھیلی ہوئی ہیں، اور شکر ہے کہ شہری اور ضلعی دونوں جمعیتیں سرگرم عمل ہیں۔ اللھم زد فزد!

جامعہ سلفیہ:

حاضرینِ کرام! گذشتہ سال آپ نے جامعہ سلفیہ کی تاسیس کا فیصلہ کیا تھا اور مزید دو مربع زمین خرید کر اس میں جامعہ کی تعمیر کا خیال فرمایا تھا لیکن آپ کے خدام کی انتہائی اور مخلصانہ کوشش کے باوجود لائل پور میں کسی وسیع قطعہ کا انتظام نہ ہو سکا، اس منصوبہ کی تکمیل میں بہر حال وقت صرف ہوگا، اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ امسال حالات کچھ بھی ہوں جامعہ میں تعلیم کا کام شروع کر دیا جائے اور جو وقف شدہ اراضی موجود ہے اسے سر دست استعمال میں لایا جائے، اور بڑے منصوبے کے لیے کوششیں جاری رکھی جائیں، اس کے ابتدائی انتظامات مکمل ہو چکے ہیں، ضرورت ہے کہ آپ حضرات جمعیت اور جامعہ کو مالی لحاظ سے مستغنی فرمائیں۔ وما ذلك على الله بعزيز

بیت المال:

گذشتہ سال بیت المال کے متعلق مختصر سی تجاویز آپ نے پاس فرمائی تھیں اور ایک مجمل سا خاکہ بھی آپ کے سامنے تھا لیکن سیلاب کی تباہی اور سیلاب زدہ علاقوں میں مہینوں مسلسل کام کرنے کی وجہ سے دفتر اس طرف پوری توجہ نہ دے سکا اور نہ آپ حضرات ''بیت المال'' کے استحکام کے لیے کوئی مستقل کام ہی کر سکے۔ اب ضرورت ہے کہ اسے اپنی توجہ کا مرکز بنایا جائے۔

بیت المال کے استحکام کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں:

① صدقات اور زکوۃ پورے یا ان کا کچھ حصہ جماعت کو دیا جائے۔

② الاعتصام کی اشاعت دس گنا بڑھانے کی کوشش کی جائے، اور یہ آپ کا کام ہے۔

③ جماعت کی مطبوعات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔

④ وقتی عطیوں سے جماعت کا خزانہ بھرپور رہے۔ کام کی بنیاد دراصل ''بیت المال'' ہے اس کی طرف پوری توجہ دی جائے اور اس کے استحکام کے لیے مزید تجاویز

لائی جائیں۔ گذشتہ سال بھی یہ تذکرہ آیا تھا، امسال پھر سمع خراشی کی جا رہی ہے۔ جامعہ کی تاسیس کے بعد بیت المال کا استحکام اور بھی ضروری ہے۔ (۱) طلباء کی ضروریات۔ (۲) تعلیم کے لیے کتابیں۔ (۳) دار المطالعہ اور جامعہ کی تعمیر۔ یہ مستقل ضرورتیں ہیں، ان کے لیے مصارف کا انتظام بھی مستقل طور پر ہونا چاہیے، اور یہ بیت المال ہی سے ہو سکتا ہے۔ واللّٰہ یوفقکم لما یحب ویرضیٰ

اسلامی دستور:

حضرات! مسٹر محمد علی اور ان کے رفقاءِ دستور یہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ امسال دستور کی تسوید سے فارغ ہو گئے، دستور بعض جوہری نقائص کے باوجود قبول کر لیا گیا، اگر آپ اسمبلیوں میں عقل مند اور متدین آدمی بھیج سکیں تو اس دستور سے اسلام کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہو سکتا ہے اور نقائص کو دور کیا جا سکتا ہے۔

لیکن جس چیز کی طرف آپ کی توجہ بے حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کی وسعت قائم رہے، دستور کی اسلامیت شخصی آرا اور قیاسات کی بھینٹ نہ چڑھا دی جائے۔ ائمہ اربعہ کی فقہیات اور ائمہ حدیث کے اجتہادات بوقت ضرورت مجموعی طور پر قانون کی بنیاد قرار پائیں۔ کتاب وسنت کے فہم میں زمامِ اقتدار جمود اور شخصی افکار کے سپرد نہ کر دی جائے بلکہ فقہاء محدثین کے طریقِ فکر کو زیادہ سے زیادہ اساسِ کار بنایا جائے۔

دستور میں اسلام کے لیے جہاں تک افادیت کا تعلق ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ کتاب وسنت اپنی وسعتوں کے ساتھ اور اسلام اپنی ہمہ گیر تعلیمات کے ساتھ قوانین اور آئین کی بنیاد قرار پائے۔ اس مقصد کی تحصیل میں ممکن ہے بعض دین پسند جماعتوں کے قدم لڑکھڑا جائیں، وہ اپنی عوامی پوزیشن کو قائم رکھنے کے لیے اپنے آپ کو حق کی حمایت سے معذور تصور کریں، ان کے عوامی مصالح ان کے لیے سدراہ ثابت ہوں۔ اہلحدیث کا فرض ہے کہ وہ نظر و اجتہاد کی وسعت اور

فقہ الحدیث کے احترام کو اس ملک میں قائم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور توفیق آپ کے شامل حال ہو۔

میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھی انتہائی کوشش کے باوجود آپ کو مناسب آرام نہیں پہنچا سکے، آپ کو لازماً تکلیف ہوئی اس لیے میں کسی رسمی معذرت کے بغیر آپ سے معافی چاہتا ہوں اور آپ کی وسعتِ ظرف سے امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے، اور امیدوار ہوں کہ آپ اپنی صالح دعاؤں میں ہم گناہ گاروں کو یاد رکھیں گے۔

میری یہ گزارشات نا تمام ہوں گی اگر میں اپنے رفقا کی جرأت مندانہ کوششوں کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی وجہ سے یہ انتظامات انسانی حد تک پایہ تکمیل تک پہنچے، خصوصاً مقامی جمعیت کے صدر محترم حاجی اللہ دتہ صاحب، انھوں نے پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اس قدر کام کیا کہ شاید کوئی جوان نہ کر سکتا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے اثر و رسوخ ہی کی وجہ سے ہم ان خطیر مصارف کو برداشت کر سکے۔

مسٹر عبدالرحیم ایم ایس سی۔ الحاج عبدالکریم، محترم چوہدری خیرات اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مجلس استقبالیہ، حکیم عبدالرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت ضلع بھی کم شکریہ کے مستحق نہیں جن کی مساعی اور مفید مشوروں سے ہم ہر قدم پر مستفید ہوتے رہے۔

خلوص مجسم محترم ماسٹر غلام محمد صاحب ڈار، منشی محمد یوسف صاحب آڑھتی، بابو نصیر الدین صاحب اس شکریے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں جنھوں نے عرفی ذمہ داریوں سے بالا رہ کر انتہائی ہمدردی سے اس کانفرنس کی کامیابی کے لیے پوری کوشش فرمائی۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء

انصار برادری کے روح رواں محمد ابراہیم صاحب صدر بلدیہ، حاجی عبدالعزیز، محمد اسماعیل کا بھی میں ممنون ہوں جن کی مالی اعانت اور بعض دوسرے ذرائع سے یہ کانفرنس پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو خلوص اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔

اپنے فرض سے قاصر رہوں گا اگر میں ان اصحابِ خیر کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے دستِ جود نے اس مہتم بالشان کانفرنس کے لیے ضروریات بہم پہنچائیں، اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں برکت فرمائے اور اخلاص سے نوازش فرمائے۔

میں ان دوستوں کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے غائبانہ ہمیں بُرے اور غلط القاب سے یاد فرمایا، منبروں اور عام مجالس میں گالیاں دے کر ہمارے گناہوں کے دھونے کا سامان فرمایا۔ نیز جن اشتہاروں کو انھوں نے ہاتھوں سے پھاڑا تھا وہ انھوں نے اپنی زبانوں پر لکھ کر عوام کے دلوں تک پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں معاف فرمائے، انھیں صداقت کے فہم کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ربنا اغفرلنا ذنوبنا وإسرافنا في أمرنا وثبت أقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين.

یہ حضرات بلا اجرت ہماری تبلیغ فرماتے، ان کے تلخ اور تیز فتوے عقل و دانش کو بیدار کرتے۔ جو ہم سے گھبراتے ہیں وہ ان حضرات سے سنتے اور ہم سے سمجھتے ہیں، اور یہ حضرات ہمارے نادانستہ مبلغ ہیں۔ جب یہ حضرات سرمنبر بد زبانی فرماتے ہیں یہ ہمارے گناہوں کو دھوتے ہیں، ان حضرات سے ناراضی کی بجائے ان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة إنك أنت الوهاب.

أخوكم في الدين
اسماعیل بن ابراہیم السّلفی
گوجرانوالہ

(الاعتصام، شمارہ: ۱۲، جلد: ۸، ۱۴؍ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۹؍ اکتوبر ۱۳۷۶ء)

خطبہ صدارت

(اہلحدیث تبلیغی کانفرنس لاہور منعقدہ ۲۵۔۲۶۔۲۷/ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونؤمن به، ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيآت أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، صلى الله عليه وآله وأصحابه وسلم. أما بعد:

رفقاءِ کرام و حاضرین عظام! لاہور کی علمی اور مقامی حیثیت کے مطابق ضروری تھا کہ صدارت کے لیے مجھ سے کوئی بہتر آدمی منتخب فرمایا جاتا۔ مجھے معلوم ہے کہ اعضائے جمعیت میں ایسے حضرات بحمد اللہ موجود ہیں جو مجھ سے کہیں بہتر اس خدمت کو سرانجام دے سکتے تھے۔ معلوم نہیں کن وجوہ کی بنا پر اس ذرہ نوازی یا غلط نوازی کو پسند فرمایا؟

اب کسی رسمی معذرت کے بغیر احباب کے فیصلہ کی اطاعت اور ان کے حکم کی تعمیل میں اپنا خوشگوار فرض تصور کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا ساتھی سمجھ کر میرے ساتھ تعاون فرمائیں گے اور تخریبی تنقید کی بجائے مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے۔

احباب کرام! مسلک اہلحدیث میری ناقص رائے میں اسلام کے مرادف لفظ ہے، ائمہ حدیث نے اسلام کی سادہ تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش فرمائی، فرقہ پرستی کے زہر آلود اثرات کو ان حضرات نے کم کرنے کی کوشش کی، مقصد یہ تھا کہ تمام ائمہ اسلام کے ساتھ مساوی نسبت رکھتے ہوئے ان کی علمی ہدایات اور فیوض سے استفادہ کی کوشش کی جائے، اہل علم میں تقابل اور ایک دوسرے پر تفوق

سے جو کدورت پیدا ہوتی ہے اس سے ذہنوں کو صاف کر لیا جائے۔

ماوراء النہر میں مختلف فقہی نظریات کی باہم آویزش سے اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا تاریخ کا یہ تلخ حصہ برصغیر پاک و ہند کے زعمائے اہل حدیث کے سامنے تھا، اس لیے ان کا مطمح نظر تھا کہ اس تاریخ کو دوبارہ دہرانے کا موقع نہ دیا جائے۔ ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ مجتہدین کے اجتہادات اور فقہی فیوض سے جو اُوفق بالسنۃ والمصالح ہوں ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے، اور ایک امام کو دوسرے کے بالمقابل لا کر ترجیح اور حق و باطل کی تقسیم کے طریق کو ختم کر دیا جائے۔ اس سے ائمہ کا احترام بڑھے گا، ان کے وقار میں اضافہ ہوگا اور ان کے علوم سے بلاتخصیص فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔

اس حریت کے دور میں جب ملک آزادی کی منزلوں سے گزر رہا ہے قانون سازی میں یہ طریق بے حد مفید ہوگا، اس سے عوام پر غیر ضروری پابندیاں، جو صدیوں سے محیط ہو رہی ہیں، جہاں تک ہو سکے کم ہو جائیں گی۔

اہلحدیث اور غیر مقلد میں فرق:

ائمہ حدیث نے جہاں ان غیر ضروری پابندیوں کو ناپسند فرمایا اور ذہنوں سے شخصی اقتدار اور مخصوص آرا اور افکار کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش فرمائی وہاں اس چیز کو بھی ملحوظ رکھا کہ یہ آزادی آوارگی کی صورت اختیار نہ کرنے پائے، اس لیے انھوں نے صراحت فرمائی کہ تحقیق و نظر کی راہیں صحابہ اور تابعین کی روش سے متجاوز نہیں ہونی چاہئیں۔

”من كان مستنا فليستن بمن قد مات، أولئك أصحاب محمد ـصلى الله عليه وسلم ـ أولئك أصحاب محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة أبرها قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه.“ ❶ (ابن مسعود، مشكوة)

---

❶ مشكاة المصابيح (١/ ٤٢) رقم الحديث (١٩٣) نیز دیکھیں: جامع بيان العلم (٢/ ٩٧) حلية الأولياء (١/ ٣٠٥)

> ”جو شخص کسی طریقے پر عمل کرنا چاہتا ہے تو فوت شدہ کے طریقہ پر عمل کرے کیونکہ زندہ شخص پر فتنے کا خوف رہتا ہے۔ یہ محمد ﷺ کے صحابہ سے ہیں جو اس امت میں سب سے افضل، پاکیزہ دل، گہرے علم اور سب سے کم تکلف کرنے والے ہیں۔ انھیں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے منتخب کیا ہے۔“

اس لیے اہلحدیث نے اپنی آزادیوں کو ائمہ سلف تک محدود فرمایا، جہاں تک میری رائے ہے اہلحدیث اور غیر مقلد میں یہ جوہری فرق ہے جسے تنقید یا تائید فرماتے وقت نظر انداز نہیں ہونا چاہیے۔

ایک غلط فہمی:

تعجب ہے ہندوستان کے ناقدین نے اہلحدیث کی اس اساسی صراحت کو نظر انداز فرما کر اس پاکیزہ تصور کے لیے حشوی، غیر مقلد، وہابی، ائمہ دین کے مخالف ایسے الفاظ استعمال کیے جو حقیقت کے خلاف ہونے کے علاوہ بے حد غلط تعبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو معاف کرے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم کتاب و سنت کے اتباع اور ائمہ سنت کی صحیح طور پر اطاعت کر سکیں اور جمود اور آوارگی سے بچ سکیں۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ.

مسلک اہلحدیث کی عمر:

حضرات! حدیث آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور آپ کے سکوت و رضا کا دوسرا نام ہے۔ ہم اس معنی سے حدیث کو حجت سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جب سے حدیث دنیا میں موجود ہے اس کے ماننے والے بھی موجود تھے۔ آنحضرت ﷺ کے رفقاء کرام آپ ﷺ کے ارشاد کو واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔ کسی قول و فعل کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کرنا اہل علم کی نظر میں اس کی تحقیق، اس کی سند کے متعلق بحث ائمہ حدیث کا محبوب مشغلہ رہا۔ تاریخ و عقل کی

مطابقت، قرآن عزیز کے اصول عامہ اور خاصہ سے موافقت اور غور و فکر کو ان حضرات نے کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ ان تمام مراحل سے گزر کر اگر ثابت ہو جائے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے تو یقیناً ہم نے شرعی حجت سمجھا۔ قرآن عزیز کی تفسیر میں ہم اسے بہترین دستاویز سمجھتے ہیں۔ دین کے اثبات کا اسے صحیح ترین ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اہلحدیث کی اتنی ہی عمر ہوگی جتنی حدیث کی ہے اور اہل حدیث وہی ہوں گے جو ان نبوی علوم پر یقین رکھیں۔

ایک مشکل:

حضرات! یہاں ایک دقت یہ ہوئی کہ ہندوستان میں انگریز کے تسلط اور ہندو کی دیرینہ ہمسائیگی کی وجہ سے کچھ رسوم اور عادات نے دین کا رنگ اختیار کر لیا۔ عوام اسے اسلام سمجھنے لگے۔ حدیث کے ساتھ اس وابستگی کی وجہ سے، جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، ضروری تھا کہ ان سے نہ صرف اختلاف کیا جائے بلکہ مخالفت کی جائے، اس لیے عوام کے ذہنوں سے تصادم ضروری ہوا، اور ایسے اہل علم حضرات جن کی زندگی کا انحصار عوام کی ان رسوم سے تھا وہ اس مقدس تحریک سے متصادم ہوئے۔ ان کے اسی تصادم اور ناراضی نے تہمت تراشی کی صورت اختیار کر لی اور مختلف قسم کے غلط تصورات اس تحریک کی طرف نسبت کیے جانے لگے، اور ہماری سابقہ آنجہانی انگریز کی حکومت نے ان تمام غلط نوازیوں میں عوام اور علما کے اس طبقے کی دل کھول کر حمایت کی، اور انگریز کے بعد آج بھی ان عامیانہ تصورات کو خواص تک کی حمایت حاصل ہے اور اس کی وجہ سے جماعت پر جو مصائب آئے نہ ہم پہلے ان سے آزاد تھے نہ اب ہیں ؎

أجد الملامة في هواك لذيذة
حبا لذكرك فليلمني اللوم ①

---

① تیرے عشق میں ملامت مجھے لذیذ محسوس ہوتی ہے، تیری یاد کی محبت میں مجھے کمینگی ملامت کرتی ہے تو کرے!

یہ ایسی مشکل ہے جس سے ہم بھی مجبور ہیں اور عوام بھی!

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ﴾

اہلحدیث کی خدمات:

اس خلیج کے باوجود، جو عوام اور متبعین حدیث میں حائل تھی، ہمارے زعما نے قدیماً و حدیثاً ملک و ملت کی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ اس راہ میں نظام حکومت سے ٹکرانا پڑا تو بحمد اللہ کبھی گریز پائی کی نوبت نہیں آئی بلکہ جہاں تک تاریخ کی شہادت کا تعلق ہے اہلحدیث زعما پہلی صفوں میں نظر آئے اور اس کے لیے انھوں نے بڑی عظیم الشان قربانیاں دیں ؎

أولئك آبائي فجئني بمثلهم
إذا جمعتنا يا جرير المجامع ①

حریتِ وطن:

وطن سے غیر ملکی اقتدار اور لا دینی خطرات کا پروگرام قریباً بارھویں ہجری میں ہی مرتب ہو چکا تھا، اس کے ابتدائی مراحل اسی وقت شروع ہو گئے تھے۔ انگریز، سکھ اور بعض دوسری غیر مسلم طاقتیں ان ممالک پر چھا جانا چاہتی تھیں، دین پسند طبقہ ان کی راہ میں حائل تھا۔ حدیث اور سنت سے تعلق رکھنے والے ان میں پیش پیش تھے، وعظ و نصیحت، دروس القرآن، مدارس حدیث، دفاتر سنت کی اشاعت، شروحِ حدیث کے علاوہ اردو، فارسی، پنجابی میں اتنا لٹریچر شائع کیا گیا جو لاکھوں کروڑوں صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میں انھیں علمی اور دینی خدمات تصور کرتا ہوں کہ ان خدمات سے ایک ایسا ذہن پیدا ہوا جو ہندوستان میں اقامتِ دین اور دینی حکومت قائم کرنے کے لیے بے حد موزوں اور مناسب تھا اسی ذہن کے مطابق سکھوں سے برسوں جنگ لڑی گئی۔ اور

---

① یہ ہیں میرے آبا و اجداد، اے جریر! کوئی ان جیسا محفل میں لا کر تو دکھا!

جب سکھوں کی جگہ خلافِ امید انگریزوں نے سنبھالی تو وہی جنگ نصف صدی تک ان سے بھی لڑی جاتی رہی۔

اس حقیقت کا اقرار سکھوں اور انگریزوں نے بڑی صراحت سے کیا۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے وہابی کے لفظ کو جو شہرت اور بقائے دوام عطا کی ہے وہ غلط ہو یا صحیح ہمارے ملک کی بعض پارٹیوں کو ان کا ممنون ہونا چاہیے۔

مصائب و آلام:

خدمتِ وطن اور آزادی کی کوششوں کی وجہ سے جماعت اہل حدیث پر جو مصائب آئے، طویل و عریض داستان ہیں، آپ کے قیمتی وقت کو صرف نہیں کرنا چاہتا نہ یہ مناسب ہی سمجھتا ہوں کہ ان کی تفصیلات سے اس وقت آپ حضرات کی سمع خراشی کروں۔ مختصر سنیئے:

۱۲۴۶ھ، ۱۸۳۱ء سے ۱۲۵۶ھ، ۱۸۳۹ء تک ایک دور ہے، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کی شہادت سے ان کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ تحریک مختلف مرحلوں سے گزرتی رہی، کبھی مصافی جنگ، کبھی انڈر گراؤنڈ کی صورت میں قائم رہی، اور اس کی قیادت صادق پور کے اہلحدیث خاندان کے ہاتھ میں رہی۔

دیوانگانِ عشق:

یہ دیوانے کبھی میدان جنگ میں دیکھے گئے، کبھی انبالہ جیل میں، کبھی انھوں نے لاہور سنٹرل جیل کے ہاتھی خانہ کو شرفِ زیارت بخشا، کبھی کراچی کی بندر گاہ سے سوار ہو کر دریائے شور کو عبور کیا لیکن اقامتِ دین اور آزادیٔ وطن کا جذبہ ان کے دلوں میں اس طرح سمویا گیا جو کبھی ان سے الگ نہ ہو سکا۔

انبالہ کیس، ۱۹۱۴ء کا کیس، ۱۹۲۱ء کا قاضی کوٹ بم کیس ان پاکیزہ مساعی کی آخری کڑی تھی جس کے بعد انگریز کمزور ہونا شروع ہوا۔ ۱۹۲۱ء کا کیس اس کے

تابوت میں آخری میخ ثابت ہوا، اس آخری کیس کے بھی سارے مقید اور متہم اہل حدیث تھے۔ جنھیں چودہ چودہ سال سزائیں دی گئیں۔

ملک کی تحریکات:

خلافت، احرار، کانگرس، مسلم لیگ کی تحریکات جب کھل کر انگریز کے خلاف میدان میں آئیں تو جماعت اہلحدیث نے ان تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بمبئی، لاہور، دہلی وغیرہ شہروں میں غیر ملکی اقتدار کے خلاف جماعت اہلحدیث نے اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا۔

مجاہدین بالا کوٹ، مولانا عنایت علی رحمہ اللہ، مولانا ولایت علی رحمہ اللہ، مولانا جعفر تھانیسری، مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ رحیم آبادی، مولانا حافظ عبداللہ رحمہ اللہ غازی پوری، فخر قوم حضرت مولانا عبدالقادر رحمہ اللہ قصوری، صدر محترم حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی، حضرت مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا محمد بشیر صاحب لاہوری، مولانا فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی کو آزادیٔ وطن کی تاریخ کبھی نہیں بھول سکتی۔ حاجی علی جان کے خاندان، غزنوی، لکھوی، قصوری خاندانوں کی ملّی اور عملی خدمات کو فراموش کرنا تاریخ کے لیے آسان نہیں۔

تصنیف و تدریس:

جہاں سیاسی اور ملکی خدمات ہیں وہاں جماعت کی علمی خدمات بھی کم نہیں۔ مجتہد العصر نواب صدیق الحسن خاں کو تاریخ کے صفحات پر سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب، حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا حافظ محمد صاحب لکھوی، مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی، مولانا غلام حسن صاحب سیالکوٹی، مولانا محمد بکنوی آسمان علم کے ستارے ہیں۔ جماعت ان کے علم و فیوض کی ہمیشہ ممنون رہے گی۔ حضرت مولانا حسین بن محسن انصاری، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی کے علمی احسانات تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ نقش رہیں گے۔

تالیف وتصنیف اور درس وتدریس کی یہ داستان نا تمام ہوگی اگر حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ، جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اور مولانا ابو القاسم کا ذکر نہ کیا جائے جن کی مساعی نے غیر مسلم حملہ آوروں کو دندان شکن جواب دے کر اسلام کی سرحد کو ان کے حملوں سے محفوظ کر دیا۔ اللهم اغفرلهم وارحمهم واجعل جنة الفردوس مأواهم.

دینی حکومت یا پاکستان:

یہ ساری سیاسی، علمی، ملکی خدمات اس لیے تھیں کہ ہندوستان میں ایک اسلامی حکومت قائم ہو سکے جس کی حدود ان حضرات کی نظر میں بمبئی سے کابل تک، نیپال کی ترائیوں سے سندھ کے ریگستانوں تک تھی، یہ اسلام کو بلند دیکھنا چاہتے تھے مگر اس کے خلاف جو لادینی کوششیں ہو رہی تھیں وہ مادی طور پر ان سے کہیں زیادہ مضبوط تھیں۔ اس لیے اس خواب کی تعبیر اس مختصر خطے کی صورت میں ظاہر ہوئی جو ۱۹۴۷ء کو کرۂ زمین پر نمودار ہوا، جس نے جغرافیہ میں ایک اور اسلامی ملک کا اضافہ کر دیا۔

یہ خواب کیوں اپنی اصلی صورت میں پورا نہ ہوا اور مسلمانوں کو کیوں اس مختصر سے خطے پر قناعت کرنی پڑی؟ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کا دہرانا اس وقت بے سود ہے، ایسے ہی اب یہ تاریخ کا مسئلہ ہے، مؤرخ کا فرض ہے کہ اس کے اسباب ودواعی سے بحث کرے، ان افراد اور جماعتوں کی نشاندہی کرے جو ان صد سالہ مساعی کے بار آور ہونے کی حامل ہوئیں۔

پاکستان میں دینی رجحانات:

احباب کرام! سابقہ گزارشات سے آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ آج کا پاکستان ان مساعی کا نتیجہ ہے جو دین پسند طبقہ نے تقریباً ایک صدی سے انگریز اور ہر الحاد پسند طاقت کے بالمقابل فرمائیں، یہ انھیں آلام ومصائب کا اثر ہے جو علمائے حق اور اہل توحید ہی نے برداشت کیں۔ ان بزرگوں کی پیہم کوششوں کا ثمر ہے جنھوں

نے لادینی استبداد کے خلاف بنگال، بہار، یوپی، سی پی، سندھ، پنجاب، افغانستان اور آزاد قبائل تک جہاد جاری رکھا اور برسوں تک مسلسل لڑتے رہے۔

آج جبکہ پاکستان بن چکا اور انگریز جا چکا ہے، ہر کفر کی عددی اکثریت ختم ہوچکی ہے، اس وقت ایک گروہ اسی کوشش میں مصروف ہے کہ اس ملک میں لادینی نظام قائم ہو، امریکہ اور برطانیہ کے حاکمانہ نظریات کو یہاں فروغ حاصل ہو یا پھر کمیونزم کے لیے جگہ خالی کر دی جائے۔ اگر یہ دونوں نظریے فوری طور پر کامیاب نہ ہوسکیں تو کم ازکم دین پسند طبقوں کی آواز کو اس قدر کمزور کر دیا جائے کہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں تاکہ جب پھر لادینی طبقہ موقع پائے ملک کے نظم ونسق پر قابض ہوسکے اور دین پسند طبقے اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کرسکیں۔

اس تصادم کا آغاز:

۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان کا اعلان ہوا اور اس ملک کی قیادت نے اس ملک کے نظم ونسق اور اس کی نوعیت پر غور کرنے کی کوشش کی تو انگریز پرست اور کمیونزم نواز طاقتوں نے دین پسند طاقتوں سے تصادم شروع کر دیا اور کوشش کی کہ یہاں ایک سیکولر سٹیٹ قائم ہوجائے مگر جس آئیڈیالوجی اور نظریہ کی بدولت یہ ملک حاصل ہوا تھا وہ پورا پس منظر نگاہوں کے سامنے اور ذہنوں میں موجود تھا اس لیے فوراً اس میں کامیاب ہونا آسان نہ تھا۔

وہ علمائے حق جنھوں نے اس راہ میں قربانیاں دی تھیں انھیں اتنی جلدی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، عوام جنھوں نے پاکستان کی تعمیر میں مالی جانی قربانیاں دی تھیں وہ ان علما ہی کے زیر اثر تھے، اور میرے اندازے کے مطابق اس وقت سب سے زیادہ مؤثر شخصیت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تھی۔ ان لوگوں کی رائے کو قدرتی اہمیت حاصل تھی جو اس جنگ میں پاکستان کی قیادت کے ساتھ دست و بازو

کی طرح کام کرتے رہے، چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۹ء میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کے دورِ حکومت میں قرارداد مقاصد پاس ہوئی۔ جس میں بے حد محتاط الفاظ میں یہ اقرار کیا گیا کہ اسلامی مساوات کے ساتھ اس ملک کے لوگوں کو موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی زندگیاں کتاب وسنت کے موافق گزار سکیں گے۔ یہ ایک جزوی سی کامیابی تھی جو دین پسند طبقے کو حاصل ہوئی لیکن لادینی گروہوں نے اسے کبھی مُلّا کی فتح سے تعبیر کیا، کبھی حکومت کی بزدلی کہا، کبھی سنت کے مفہوم میں تشکیک پیدا کی، کبھی قرآنی معاشرہ کی آڑ لی، کبھی مرکزیت کے مبہم اور مجہول تصور کو سنت اور رسول کے قائم مقام قرار دیا گیا تا کہ مصطلحات شرعیہ کو بدل کر ذہنوں کو پریشان کیا جائے۔

ایک اور حیلہ:

ملک میں وزارتوں کی خلافِ امید یا غیر موقت تبدیلی نے بھی ان حضرات کو بعض اوقات کوشش کا موقع دیا، چنانچہ ۵۳ء میں علما کے اختلاف کی آڑ لے کر حیلہ بنایا گیا کہ وہ سنت کی تفاصیل اور تفاسیر میں مختلف ہیں، مختلف اسلامی فرقے اس کی حسبِ منشا تشریحات کرتے ہیں۔ اس لیے سنت کو اساسی اور آئینی حیثیت نہیں دینی چاہیے۔ قریباً ۳۱ علما نے، جو مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، اجمال کے ساتھ ایسے رہنما اصول بالاتفاق طے کیے جو آئین کی تاسیس میں کار آمد اور مفید ہو سکتے تھے، اس کے بعد تفصیلی آئین کی ترتیب میں علما جو کچھ کر سکتے تھے انھوں نے بقدر ضرورت تفصیلی سفارشات فرما کر حکومت اور مجلس آئین ساز سے پورا تعاون کیا اور مختلف مکاتبِ فکر کے اختلاف سے کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلك.

یہ سارے مراحل علما کی دور اندیشی سے طے ہو گئے اور سیکولر سٹیٹ کے حامی حسرت سے یہ تمام مناظر دیکھتے رہے اور منتظر رہے کہ کوئی ایسی وزارت بدلے جو لادینیت کی حوصلہ افزائی کر سکے۔

۱۹۵۳ء میں سر ظفر اللہ وزیر خارجہ تھے لیکن اپنی قوت ارادی کی وجہ سے پوری وزارت کی قوت فکر پر حاوی اور محیط تھے، انھوں نے قادیانیت کی اس انداز سے حوصلہ افزائی کی کہ ملک کی مسلمان آبادی نے حکومت سے مایوس ہو کر خود زندہ رہنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے۔ حکومت سے افسوس ناک تصادم ہوا۔ مارشل لاء لگایا گیا اور ملک میں قیامتِ صغریٰ قائم ہوگئی۔ لاکھوں آدمی جیل میں چلے گئے، کئی شہید ہوئے، خدا خدا کر کے ایک سال کے بعد قادیانی بحران ختم ہوا اور ملک نے کسی قدر آرام کا سانس لیا۔ اس تحریک میں قادیانی حضرات کے سوا شیعہ، سنی، بریلوی، اہلحدیث تمام مکاتب فکر شریک تھے اور ان میں نظریاتی اختلاف کے باوجود بظاہر کوئی تصادم نہ تھا، جس کا اثر یہ ہوا کہ سر ظفر اللہ خاں کچھ وقت کے بعد وزارت سے الگ ہوگئے اور قادیانیت کا نہ صرف ظاہری زور کم ہوگیا بلکہ قادیانیت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہوگئی۔

اس تحریک میں خوبی یہ تھی کہ قادیانی حضرات کے جائز حقوق سے انکار نہیں کیا بلکہ ان کی جارحیت کے خلاف یہ کوشش عمل میں آئی۔ بظاہر حکومت نے اسے قوت سے ناکام کیا لیکن معنوی طور پر تحریک ختم نبوت کامیاب ہوگئی اور قادیانی استبداد کسی قدر اعتدال پر آ گیا۔ إن تعودوا فقد مضت سنة الأولين.

سید حسین سہروردی:

حضرات میں سیاست دان نہیں ہوں نہ سیاست میرا مشغلہ ہی ہے۔ علما میں تو سمجھوتہ ہوگیا لیکن بنگال اور پنجاب کے سیاستدان میں سمجھوتہ نہ ہو سکا، اس لیے بنگال کی چیرہ دستیاں سید حسین شہید سہروردی کو وزارت کی کرسی پر لے آئیں اور میجر سکندر مرزا صدارت کے عہدے پر قابض ہوگئے۔ سنا ہے یہ دونوں بزرگ بنگالی ہیں، بس پنجاب بے چارا عدل و انصاف کا منہ دیکھتا رہ گیا!

دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر ان دونوں بزرگوں کی تشریف آوری کے بعد ملک میں ایک طرف شیعہ سنی ہنگامے شروع ہوگئے، شیعہ حضرات کی مہربانی سے بعض

مقامات پر شیعہ حضرات نے حادثہ کربلا بپا فرما دیا، دوسری طرف بریلوی و دیوبندی حضرات کی مساجد پر جبری قبضے شروع ہو گئے اور ملک ایک نئی جنگ کی آغوش میں چلا گیا۔ شاید کوئی دن خالی جاتا ہوگا جب اخبارات میں ان ہنگاموں کی اطلاعات نہ آتی ہوں۔

﴿لَا نَدْرِيٓ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾

[الجن: ۱۰]

یہ ہنگامے اس وقت ملک میں ہو رہے ہیں، سہروردی کی وزارت رخصت ہو چکی ہے تاحال ان ہنگاموں کے خلاف کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا گیا۔ ان چیرہ دستیوں کو روکنے کے لیے کوئی کامیاب تجویز سامنے نہیں آئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ صدر مملکت کی سیاست کامیاب ہوئی، اب شاید شیعہ سنی فسادات اور تیز ہو جائیں گے، ہوا کا رخ بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ؎

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش
رموز مملکت خویش خسرواں دانند ❶

ایک شیعی اشتہار کا اقتباس سنیے جو آپ کے شہر کی جعفریہ ایسوسی ایشن کی طرف سے شائع ہوا ہے:

> ”اگر ہمارے سیاسی رہنما کامیابی کا انحصار صرف سنی ووٹوں پر سمجھتے ہیں تو وہ ہمارے نمائندے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہم انھیں اپنا سیاسی رہنما تسلیم کریں گے، بلکہ ہم شیعہ قوم کو مجبور کریں گے کہ وہ ایسے ضمیر فروش رہنماؤں سے علیحدگی اختیار کریں اور ہم اپنا نمائندہ خود منتخب کریں گے۔ اور وہی سیاسی رہنما متصور ہوگا، اگر اس کے بعد بھی ان کانگریسی ملاؤں نے کانگریس کا حق نمک ادا کرنے میں پاکستان کے امن عامہ کو برباد کرنے کی کوشش کی تو ہم مفاد پاکستان کے پیش نظر شیعستان بنانے پر مجبور ہوں گے۔“

---

❶ اے حافظ! گوشہ نشینی کے گدا کو آواز نہ دے، بادشاہ اپنی مملکت کے رموز جانتے ہیں۔

اس مطالبہ کی معقولیت کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اگر نمک خواران کانگریس یہ مطالبہ کرتے رہے کہ شیعہ اپنی مذہبی رسومات اپنی چار دیواری کے اندر ہی اپنی حدود میں محدود رہ کر ادا کریں یا سوادِ اعظم میں مدغم ہو جائیں تو شیعوں کا شیعستان بنانا حق بجانب ہوگا اور ہمارے خیال میں شیعستان کے لیے سندھ، کراچی اور کوئٹہ نہایت ہی موزوں مقامات ثابت ہوں گے۔''

اقتباس پڑھیے اور ہوا کا رخ دیکھیے! مطالبہ یہ ہے کہ ہم اپنی مذہبی رسوم سنّیوں کے گھروں میں ادا کریں گے، امن ملاّ برباد کر رہے ہیں اور شیعستان کے لیے موزوں جگہ کوئٹہ، سندھ اور کراچی ہے!

لاء کمیشن:

ابتدائی مراحل میں دین پسند طبقوں کو جو ضمنی یا جزوی کامیابی ہوئی اس وقت شیعہ حضرات ملک کی معزز رعایا تھے، کوئی شیعہ ان دنوں نہ وزیر اعظم تھا نہ صدارت کی کرسی پر فائز۔ اب صورتِ حال کس قدر مختلف ہے؟ صدر مملکت شیعہ ہیں، کئی کمشنر شیعہ ہیں، وزرا شیعہ ہیں، لاء کمیشن میں شیعہ حضرات کی نمائندگی ان کی تعداد سے کہیں زیادہ دی گئی ہے، اور نمائندگی دراصل دو ہی جماعتوں کو عطا ہوئی ہے: منکرین حدیث کو اور حضرات شیعہ کو۔ دین پسند جماعتوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ جمہوریہ اسلامیہ کے اربابِ اقتدار کی نظر دین پسند طبقوں کی طرف کس طرح کی ہے؟

پھر اس لاء کمیشن میں ان جماعتوں کو پوری طرح نظر انداز کیا گیا ہے جو فی الواقع سنت کو شرعی حجت سمجھتی ہیں اور ان کا یقین ہے کہ اُدلہ اربعہ میں سنت کو ثانوی مقام حاصل ہے۔

اہل سنت سے ایک دو آدمی جو لیے گئے ہیں یا ان کے ذاتی رسوخ کی وجہ سے انھیں لیا گیا ہے یا کسی دوسری مصلحت کے پیش نظر!

مقصد کے لحاظ سے لاء کمیشن میں ایسے حضرات کو آنا چاہیے جو اولاً صحیح عقیدہ

رکھتے ہوں پھر سنت کو صحیح طور پر سمجھتے بھی ہوں۔ جو لوگ سنت پر یقین ہی نہیں رکھتے وہ ایسے قانون کی اصلاح کیسے کریں گے جس کی بنا کتاب وسنت پر ہے اور کتاب وسنت کی راہنمائی میں اسے درست کیا جاتا ہے؟

حضرات! جہاں تک میرا اور میری جماعت کا نقطۂ نظر ہے کہ ہمیں قطعی اس لاء کمیشن کا اعتماد نہیں، ان کی قانون سازی یا قانونی ترمیمات کسی توجہ کی مستحق نہیں ہوں گی اور عائلی کمیشن کے سلسلے میں جو کھیل کھیلا گیا اس کو دیکھتے ہوئے ہمارے یہ خدشات بے محل نہیں ہوسکتے۔ ان حالات میں:

1. ملک کو سوچ لینا چاہیے کہ لاء کمیشن کی مساعی کا آئندہ اس پر کیا اثر ہوگا؟
2. اور اگر حکومت اپنی ضد پر قائم رہے اور اس نے لاء کمیشن میں کوئی مناسب اور صحیح تبدیلی نہ کی تو ملک کو ابھی سے فیصلہ کر لینا چاہیے کہ انھیں اس کے متعلق کیا کرنا ہوگا؟
3. حکومت کو پھر سوچ لینا چاہیے کہ اگر اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے ملک میں مایوسی کا دور شروع ہوگیا اور اس کے نتائج میں عوام نے اپنے حقوق کے لیے کوئی جدوجہد شروع کر دی تو ملک کے حق میں بہتر نتائج کی توقع نہیں ہوسکتی۔
4. ہمیں معلوم ہے کہ ملحدین کی یہ حوصلہ افزائی ملک کی سابقہ مساعی اور دینی خدمات کو غارت کر سکتی ہے، بلکہ ممکن ہے سابقہ محنت بالکلیہ پامال ہوجائے۔
5. اس لیے ضرورت ہے کہ دین پسند جماعتیں سر جوڑ کر بیٹھیں اور مستقبل کے لیے سوچیں۔ پاکستان ہمارا ہے ان لوگوں کا نہیں جن کا مقصد صرف اقتدار ہے اور بس!
6. ضرورت ہے کہ فروعی اور جزوی اختلافات کو ختم کر دیا جائے اور وقتی احکام کے بجائے دائمی فوائد کو پیش نظر رکھا جائے۔
7. جو جماعتیں برسر اقتدار حضرات کی رضا مندی کے لیے عوام کو ناراض کر رہی رہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حالات ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

آخر میں آپ حضرات کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ان پریشان خیالات کو پورے سکون سے سنا۔ اللهم وفقنا لما تحب وترضىٰ.

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وأصحابه أجمعين.

(الاعتصام، شمارہ: ۱۵، جلد: ۹، ۱۴؍ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ بمطابق ۸؍ نومبر ۱۹۵۷ء)

خطبہ صدارت

(اہلحدیث کانفرنس نواب گنج ضلع راجشاہی مشرقی پاکستان)

الحمد لله الذي لم يزل عالما قديرا حيا قيوما سميعا بصيرا. اللهم صل وسلم على من أرسله إلى الناس كافة بشيراً ونذيراً وداعيا إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، وعلى آله وصحبه الأتقياء هداة الخلق فاسئل بهم خبيراً.

أيها الكرام! میری نگاہ اربابِ توحید وسنت کے ایسے خوشگوار ماحول کو دیکھ رہی ہے جس کا میسر آنا اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ اس بُعدِ مسافت اور ماحول کے تفاوت کے باوجود جو چیز ہمیں جمع کر رہی ہے وہ اسلام کی ہمہ گیر اخوت اور توحید و سنت کی اتباع اور اس کی طرف دعوت کا رشتہ ہے اور بس۔ اس مقدس جذبہ کا اثر ہے کہ میں اپنے سامنے ﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ کا پاکیزہ منظر دیکھ رہا ہوں۔

حضرات! مجھے اپنی نارسائیاں اور کمزوریاں خوب معلوم ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں مجھ سے کہیں زیادہ اربابِ کمال موجود ہیں، اس کے باوجود میں جس مقام پر کھڑا ہوں یہ آپ حضرات کے وسعتِ اخلاق کا نتیجہ ہے اور وسیع الظرفی کا اثر ورنہ ”من آنم کہ من دانم“۔❶

معشر الأخوان! میں آپ کے سامنے ایسے دو درد ناک حوادث کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جس سے ہماری جماعتی زندگی میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جسے پاٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ میں اس سانحہ کا اثر قلب اور دماغ پر محسوس کر رہا ہوں:

اول: سید القوم حضرت مولانا عبداللہ الکافی القرشی مرحوم جو علم و فضل کے لحاظ

---

❶ میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں؟

سے پورے پاک و ہند میں اہم شخصیت تھے اور ان کی خدمات جماعت کے لیے روح کی حیثیت رکھتی تھیں۔

دوم: حضرت مولانا کبیر الدین جن کے ملفوظات گذشتہ سال لاہور مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے تاریخی اجلاس میں ہم نے سُنے تھے۔ ان کے گرامی قدر ارشادات میرے اور میرے رفقا کے لیے غذاءِ روح تھے۔ آج میری نگاہ خیرہ ہے، وہ آپ کے اس عظیم الشان اجتماع میں ان دو عظیم المرتبہ شخصیتوں کو نہیں دیکھ رہی ہے۔ افسوس یہ دونوں مقدس اور پاکباز بزرگ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

فما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما ❶

اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور توفیق عنایت فرمائے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چل سکیں۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس:

آج سے قریباً اٹھارہ سال پہلے کتاب و سنت کی اشاعت اور اس کی دعوت کی مرکزیت کا سہرا آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے سر تھا، جس کی تاسیس سالارِ قافلہ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور حضرت الامام مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی وغیرہما رحمہما اللہ نے فرمائی، اور جس کی قیادت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہما اللہ فرماتے رہے، اور جس کی سرپرستی خاندان حاجی علی جان مرحوم اور حاتم ملت حافظ حمید اللہ کرتے رہے۔ اللهم اغفرلهم وارحمهم وأدخلهم الجنة۔

اب کانفرنس کی تبلیغی مساعی تین حصوں میں منقسم ہو گئیں ہیں۔ ہندوستان میں تو

---

❶ قیس کی ہلاکت ایک آدمی کی ہلاکت نہیں تھی بلکہ وہ پوری قوم کی عمارت تھی جو گر گئی!

بدستور یہ خدمت کانفرنس ہی کر رہی ہے۔ مشرقی پاکستان میں یہ ذمہ داری حضرت العلام مولانا عبداللہ الکافی رحمہ اللہ اور ان کے رفقا نے لی اور مغربی پاکستان میں ہم نے سید القوم مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی رحمہ اللہ کی قیادت میں اسے شروع کیا جسے بحمداللہ ہم لوگ اپنی بساط کے مطابق کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے۔

مسلک اہلحدیث:

حضرات! مسلک اہلحدیث قدیمی مکتب فکر ہے جس نے چند بنیادی اقدار کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا:

① اسلام کی سادہ دعوت اور تکلفات سے پرہیز۔
② اصلاح بین المسلمین اور امت کو تفرقہ سے بچانا۔
③ شخصی آرا اور افکار کے التزام سے بچتے ہوئے کتاب و سنت کی طرف دعوت دینا۔
④ نصوص کے فہم میں قرونِ خیر اور ائمہ سلف کا اتباع کرنا۔

آپ تاریخ کے مختلف ادوار پر غور فرمائیں، مختلف فرقوں میں افراط و تفریط کی رفتار پر گہری نگاہ ڈالیں تو آپ محسوس فرمائیں گے کہ فقہاءِ اہلحدیث اور ائمہ سنت سے اعتدال کا دامن کبھی چھوٹنے نہیں پایا۔ مشاجراتِ صحابہ اور اہل بیت کے مقام کے تعین میں جب غلو ہوا اور اکفار و تکفیر تک نوبت پہنچی تو ائمہ حدیث ہی نے ہر فریق کے احترام کو قائم رکھا۔ دوسری صدی کے وسط میں مامون الرشید کی بے اعتدالی کی وجہ سے یونانی افکار نے مذہبی دنیا میں جب دھاندلی سی بپا کر دی تو ائمہ حدیث اور فقہائے سنت کی قربانیوں نے حق و صداقت کی آبرو رکھ لی۔ اس طرح رسمی تصوف کی بے اعتدالیوں کے جلو میں جب بدعات کا سیلاب آیا تو جن لوگوں نے سنت کی

حمایت میں جان کی بازی لگا دی وہ اہلحدیث علما ہی تھے۔ اس کاروباری تصوف نے اسلام کی تخریب اور توحید و سنت کی مخالفت میں جو محاذ قائم کیا تھا اس کا جواب وہی لوگ دے سکتے تھے جن کے سینے ما سویٰ اللہ کی محبت سے پاک اور حق کی حمایت میں سینہ سپر ہو سکتے تھے۔

ان مختصر گزارشات سے آپ سمجھ سکیں گے کہ پہلی صدی سے چودھویں صدی تک بحمداللہ قرآن و سنت کے داعیوں نے پوری جرأت سے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا۔

نعم ما قال الإمام عبدالعزیز الرحیم آبادي ؎

پیشتر از پیشتر از پیشتر
نصرت حق را ہمے بستم کمر ①

حضرات! آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اہلحدیث نہ کوئی فرقہ ہے نہ کوئی دھڑا۔ بلکہ یہ اسلام کی وہ سادہ آواز تھی جو اس وقت اٹھائی گئی جبکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ ان کے تلامذہ رحمہم اللہ اور ان کی علمی خدمات اور ان کی فقہی نکتہ نوازیوں سے دنیا نا آشنا تھی، اور ان فروعی مسائل سے جو اجتہادی علوم رونما ہوئے ان کا تصور بھی ذہنوں میں نہیں تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ”ومن أهل السنة والجماعة مذهب قديم معروف قبل أن يخلق الله أبا حنيفة، ومالكا، والشافعي، وأحمد، فإنه مذهب الصحابة الذين تلقوه عن نبيهم، ومن خالف ذلك كان مبتدعا عند أهل السنة والجماعة.“ (منهاج السنة: ١/ ٢٥٦)
>
> ”یہ اہل سنت کا ایک قدیمی اور مشہور مذہب ہے جو اس وقت سے پہلے موجود تھا جب اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ کو پیدا کیا، یہ صحابہ کا مذہب تھا جو انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے سیکھا۔ جو اس مذہب کی مخالفت کرے وہ

---

① اس سے پہلے کہ اس سے پہلے حق کی نصرت کے لیے کمر بستہ ہو جانا چاہیے۔

اہل سنت کے نزدیک بدعتی ہے۔"

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"وأما أهل الحديث والسنة والجماعة فقد اختصوا باتباع الكتاب والسنة الثابتة عن نبيهم ـصلى الله عليه وسلمـ في الأصول والفروع، وما كان عليه أصحاب رسول الله ـصلى الله عليه وسلم." (منهاج السنة: ۲/ ۱۰۳)

"اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت کتاب اللہ اور سنت ثابتہ کا اتباع ان کی خصوصیت ہے، اصول اور فروع میں وہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کا اتباع کرتے ہیں۔"

شیخ الاسلام کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ اصحاب حدیث اور اہل سنت کا مکتب فکر موجودہ مکاتب فکر سے پہلے موجود تھا اور یہ اصول اور فروع میں صحابہ کی روش کے پابند تھے، قرآن اور سنت پر یقین رکھتے تھے اور کسی خاص عالم کی رائے کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ یہی مذہب ہے جس کی دعوت آخری دور میں اہلحدیث نے دی۔ یہی وہ مسلک ہے جس کے متعلق شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"درعقائد مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردی و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردند اعراض نمودن و بتشکیکات معقولیاں التفات نکردن و دائماً تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن است امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و بدیشاں التفات کردن و قربت خدا جستن بدوامی ایناں۔" (تفہیمات الٰہیہ: ۲/ ۲۴۰)

حضرات! جب بھی اس دعوت کا ظہور ہوا کچھ ذہن اس کی مخالفت پر آمادہ

ہو گئے۔ زمخشری نے اپنے وقت میں اہل علم کے باہمی مطاعن کا ذکر کرتے ہوئے اہل حدیث کے متعلق بڑا دلچسپ طعن ذکر کیا ہے:

وإن قلت من أهل الحديث وحزبه
يقولون تيس ليس يدري ويفهم

اگر میں اپنا تعلق اہلحدیث سے ظاہر کروں تو لوگ مجھے کہتے ہیں یہ کند ذہن ہے اسے درایت وشعور اور ادب سے تعلق نہیں ہے۔

حشویہ کا ذکر عموماً متکلمین کی کتابوں میں اہل حدیث کے متعلق کیا گیا ہے، آج بھی یہی تنابز بالالقاب کی عادت دنیا میں موجود ہے، عوام ہی نہیں اچھے پڑھے لکھے آدمی بھی اس سے پرہیز نہیں کرتے، وہابی، بے دین، لا مذہب ایسے الفاظ کہتے ہوئے یہ حضرات حجاب محسوس نہیں کرتے۔ مجھے ان حضرات پر کوئی افسوس نہیں، نہ میں ان تہمتوں سے براءت کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے قصیدہ نونیہ، صواعق مرسلہ، اعلام الموقعین وغیرہ میں، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے رد المنطق وغیرہ میں حشویہ کی حقیقت کو کافی واضح فرمایا ہے۔ اور اس آخری دور میں پون صدی سے زیادہ عرصہ ان اتہامات کی حقیقت کو واضح کرتے گزر گیا، شاید ہم ان حضرات کو سمجھا نہیں سکے یا ان حضرات کو صحیح فہم کی توفیق نہیں ملی۔ میں ان کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور اپنے اور آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وہ جو کہنا چاہتے ہیں کھلے طور پر کہیں ع

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی ①

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو توفیق دے کہ وہ حق کو سمجھ سکیں ؎

وكم من عائب قولاً صحيحا
وآفته من الفهم السقيم ②

---

① تیری خنجر آزمائی سے دوستوں کا سر سلامت ہے۔

② اور کتنے ہی درست بات میں عیب جوئی کرنے والے ہوتے ہیں حالانکہ ان کی اصل مصیبت کم عقلی ہے!

سیاسی موقف:

وقت اور بساط کے لحاظ سے غربا کے اس گروہ نے ملت کی سیاسی خدمات سے بھی کبھی گریز نہیں کیا۔ گو یہ واقعہ بہت کم ہوا کہ ائمہ حدیث کسی مسلم حکومت کے بالمقابل تخت و تاج کے حریف ہوئے ہوں۔ نصیحت، تنقید، جائر اور غیر منصف حکام کے سامنے کلمہ حق کہنے کا فریضہ ہمیشہ انجام دیتے رہے۔ اگر وقت آیا تو فریضہ جہاد کے لیے شمشیر بکف میدان میں آ گئے۔ ہندوستان کی فتح کے لیے سب سے پہلا جیش جو مقام دیبل میں ساحل ہند پر اترا، یہ مسلک حق کا ہی پابند تھا۔ یہ لشکر ۹۲ ہجری میں ولید بن عبدالملک بن مروان کے حکم سے محمد بن قاسم کی قیادت میں ہندوستان پہنچا۔ اس کی فتوحات ملتان، بھکر، قنوج تک پہنچیں۔

معلوم ہے کہ اس وقت ہمارے وہ دوست جو اہل سنت پر مخالفانہ قبضہ جما کر اہل حق کو خارج کر رہے ہیں، یہ خود اور ان کے ائمہ سے بھی اس وقت کوئی موجود نہ تھا۔ اس وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قریباً بارہ سال کے ہوں گے۔ اس کے بعد ہر دور میں اہل حق یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی ان ملی خدمات کو تاریخ کبھی نہیں بھول سکتی۔

اس آخری دور میں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ، سید احمد شہید نے اور ان کے خلفا نے سکھوں اور انگریزوں سے یکے بعد دیگرے ٹکر لی۔ یہ تحریک خالص دینی تھی، پورے ہندوستان پر اسلامی آئین اور کتاب و سنت کا دستور راج کرنے کے لیے شروع کی گئی تھی، ناگزیر حالات کی وجہ سے یہ تحریک مئی ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۶ھ میں کمزور ہو گئی۔ شاہ اسماعیل رحمہ اللہ اور سید احمد رحمہ اللہ کثیر رفقا کے ساتھ بالا کوٹ کے میدان میں شہید ہو گئے۔ اس شہادت میں بھی مسلم مخالفین کا کافی دخل تھا۔ اس کے بعد یہ تحریک انڈر گراؤنڈ ہو گئی، اس کی قیادت مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی پٹنوی

اور ان کے خلفا نے سنبھال لی۔ یہ لوگ خالص اہلحدیث تھے۔

اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جمود پسند طبقہ تحریک جہاد سے بالکل الگ ہوگیا، خود اہلحدیث علما سے بھی بہت سے اکابر نے زیادہ توجہ درس و تدریس اور دروس و مناظرات کی طرف پھیر لی۔ دواوین سنت کی اشاعت اور دفاتر حدیث و تفاسیر کی خدمت اپنا عمومی مشغلہ قرار دے لیا۔

یہ قدرتی تقسیم کار کا سلسلہ ۱۹۴۷ء تک چلتا رہا۔ اس کے بعد یہ تحریک جلد ختم ہوگئی، اور اب معدودے چند افراد کے سوا اس مرکز میں کچھ نہیں۔ اس اثنا میں ملک کی سیاسی تحریکات میں بھی اکابر اہلحدیث پیش پیش رہے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی، مولانا اکرم خاں صاحب، مولانا عبداللہ الباقی اور مولانا عبداللہ الکافی وغیرھم ۔شکر اللہ مساعیھم۔ آخری وقت تک ملک کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

آج جب پاکستان بن گیا، اسلامی نظام کے لیے زمین کسی قدر ہموار ہوگئی، اربابِ توحید کی خدمات کتاب و سنت کی اشاعت اور نظامِ اسلام کے لیے وقف ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اس ملک میں اسلام سربلند ہو۔ بے شک سیاسی جماعتوں کی طرح ہم اس میدان کے کھلاڑی نہیں، انتخابات کے جھمیلوں سے ہمیں چنداں دلچسپی نہیں لیکن ہم اپنی رائے کی قیمت اور اس کے دور رَس اثرات سے نا واقف نہیں۔ صحیح رائے کا اظہار اور دین پسند معتدل اور غیر متعصب رجال کے ہم خادم ہیں۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ.

اندازِ فکر و عمل میں تبدیلی:

۱۹۴۷ء کے انقلاب اور اس کے بعد فوجی انقلاب نے ملک کی فضا کو بدل دیا ہے۔ اس کا اثر قدرتی طور پر زندگی کے تمام شعبوں پر پڑا ہے، آج سے چند سال

پہلے مناظرات کی گرم بازاری دین کی بہت بڑی خدمت تصور ہوتی تھی، عمومی خطابات سے بھی عوام کو متاثر کیا جاتا تھا، چھوٹے مدارس محدود طور پر قرآن وسنت کی خدمات سر انجام دے رہے تھے، لیکن اب یہ مناظرات اور یہ مختصر قسم کے مدارس ملت کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے۔ ان رسمی مناظرات کے متعلق ذہنوں کی آمادگی بہت ہی کم ہوگئی ہے۔

حضرات! وقت کے تقاضوں کے مطابق آپ کو اپنی راہیں بدلنی ہوں گی، تبلیغ و اشاعت کے انداز بدلنے ہوں گے، لوگوں کو قریب لانے کے لیے علما اور جماعت کے اصحاب خیر کو بڑی حد تک بدلنا ہوگا۔

خدمت خلق:

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں فرمایا ہے کہ خدمت خلق ان اسباب سے ہے جن سے انسان کو شرح صدر حاصل ہوتا، انسان میں خدمت کا جذبہ بڑھتا ہے۔ اس لیے اگر آپ دین کی خاطر خدمت خلق کے لیے تیار ہوجائیں، اربابِ دولت شفاخانے کھولیں، محتاج مریضوں اور غیر مستطیع بیماروں کو علاج کی سہولتیں مہیا فرمائیں۔ وہ آپ کی ہر چیز پر غور کریں گے۔ مسیحی مشنریوں نے آپ کے سامنے صحت کے مراکز قائم کیے۔ مجھے معلوم ہے کہ اب مسیحی مبلغین یہ کام کاروباری انداز سے کر رہے ہیں، پھر بھی اس سے انھوں نے کافی فائدہ اٹھایا۔ اگر یہ کام اخلاص اور خدمتِ دین کے جذبہ سے کیا جائے تو بے حد مفید ثابت ہوگا۔

دارالمطالعہ:

مناظرات میں تصادم کے ساتھ عناد کی روح پیدا ہوتی تھی، جو بسا اوقات مقصد کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوتی تھی۔ اگر مناسب مقامات پر دارالمطالعہ کھولے جائیں، اس میں مدلل اور سنجیدہ لٹریچر رکھا جائے، قرآن عزیز اور دفاتر سنت کے تراجم سلیس ملکی زبانوں میں کیے جائیں، ذہنوں کے لیے پُرسکون فضا مہیا کی جائے تو یہ دلوں تک پہنچنے

کے لیے پُر امن اور بہترین طریقہ ہے، واقعات بتاتے ہیں کہ سلجھے ہوئے لٹریچر نے ایسے دلوں کو متاثر کیا جن سے امید بھی نہیں کی جاتی تھی کہ وہ کوئی اثر قبول کریں گے۔

دارالایتام:

یتیم قوم کی امانت ہیں، اس امانت کی حفاظت اور تربیت قوم کا فرض ہے۔ جو قومیں یتامیٰ کی حفاظت نہیں کر سکتیں وہ بڑی جلدی صفحہ ہستی سے ناپید ہو جاتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ ۔ فداہ ابی وامی۔ کا ارشاد گرامی ہے:

"من ترك مالا فهو لورثته ومن ترك كلًّا أو ضياعا فهو عليّ وإليّ"①

"کلاً" اور "ضیاعاً" کی ذمہ داری یتامیٰ ہی کی تربیت کا ایک طریقہ ہے۔ یتامیٰ نے قوموں کے خشک سوتوں کو لہلہاتے کھیتوں کی شکل دے دی۔ یتامی کی خدمت اور تربیت کا سامان کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو حل فرمائیں گے۔

محتاج خانے:

اسلام نے سوال کو عام حالات میں حرام فرما دیا تھا۔ چند ایک موقع پر سوال کی اجازت فرما کر ارشاد ہوا:

"ما سوى ذلك يا قبيصة سحت يأكلها صاحبها سحتاً"②

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان مواقع کے سوا اگر کوئی مانگتا ہے تو وہ حرام سے اپنا پیٹ پُر کر رہا ہے۔ لیکن آج یہ حال ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے مانگنا پیشہ بنا لیا ہے، حکومت کا فرض ہے کہ گداگری کو قانوناً روکے۔ آپ کا فرض ہے کہ مستحق یعنی اپاج، اندھے، لنگڑے محتاجوں کے لیے محتاج خانے کھول کر ان کے

---

① دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٣٦٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦١٩) مسند أحمد (٣/ ٣٣٨)

② **صحيح.** سنن أبي داود، رقم الحديث (١٦٤٠) سنن النسائي، رقم الحديث (٢٥٨٠) صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث (٢٣٦١)

لیے آبرومندانہ طور پر خوراک کا انتظام فرمائیں۔ ان محتاج خانوں میں مختصر سی تعلیم بقدر ضرورت، صنعت وحرفت جاری کریں، پھر دیکھیں اس کے کیا نتائج ظاہر ہوتے ہیں؟

دینی مدارس:

یہ خدمتِ دین کا بہترین اور پُرسکون طریقہ ہے لیکن ہماری بدنصیبی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مدارس کاروباری انداز اختیار کر گئے ہیں۔ یقیناً عوام بڑے خلوص سے اس میں حصہ لیتے ہیں لیکن ذمہ دار حضرات کا کام کہاں تک درست ہے؟ اس پر علماء کرام اور درس گاہوں کے ذمہ دار حضرات کو بڑی دیانت داری سے سوچنا چاہیے۔ عوام اعتماد کی وجہ سے ممکن ہے محاسبہ نہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ کے محاسبہ سے بچنا مشکل ہے۔

وقت کی ضرورت:

یہ چھوٹے چھوٹے مدارس علم اور دین کی خدمت کے لحاظ سے تو واقعی قابل قدر ہیں لیکن وقت کی ضرورت کے لیے یہ کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتے۔ شیخ الکل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب۔ قدس اللہ رُوحه ونور ضريحه۔ نے اپنی قوت قدسی سے علم کی ایک بساط بچھائی تھی جسے وقت کی گردش نے قریب قریب لپیٹ دیا ہے۔ میاں صاحب کے تلامذہ سے مشرقی اور مغربی پاکستان میں شاید کوئی قابل ذکر آدمی موجود ہو۔ ان چھوٹے مقامی مدارس کی وجہ سے کوئی اہم اور بڑی درسگاہ یعنی دارالعلوم یا جامعہ کی تاسیس جماعتی سطح پر عمل میں نہ آسکی۔ اس لیے ہم ایک علمی تشنگی محسوس کر رہے ہیں۔ اب وقتی اور مختصر درسگاہیں وقت کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکیں گی بلکہ ان سے مزید تشنگی بڑھے گی۔ ان سے جامع عالم پیدا نہیں ہو سکے گے۔

ضرورت ہے کہ اچھے مدرس، خطیب، مصنف، مناظر اور سنجیدہ قسم کے راسخ العلم علما پیدا ہوں تا کہ یہ تشنگی ختم ہو سکے لیکن ہماری یہ درسگاہیں جو کام کر رہی ہیں یہ مستقل تشنگی اور استسقاء ہیں۔ اللهم احفظنا من خزي الدنيا والآخرة!

تعلیم کو منظم ہونا چاہیے۔ چھوٹی درسگاہوں کا تعلق بڑی جامعہ یا کلیہ سے ہونا چاہیے۔ نصاب میں توازن ہونا چاہیے۔ طلبہ کی نقل و حرکت پر پابندی عائد ہونا چاہیے۔ سرٹیفکیٹ کے سلسلہ سے انھیں پابند کر دینا چاہیے۔ صحیح طور پر تو یہ نظام اس وقت چل سکتا ہے کہ حکومت اس ذمہ داری کو عقیدت اور ہمدردی کے جذبات سے سنبھالے جو سردست مشکل ہے۔ اس وقت ہم جہاں تک اخلاقی طور پر باہم تعاون سے کر سکتے ہیں کریں۔ اہلحدیث درس گاہیں اسی طرح دوسری جماعتیں بھی اسی نہج پر کام کریں، امید ہوسکتی ہے کہ کسی وقت یہ نظام مرضِ جہالت اور دین سے بے خبری کا صحیح علاج ثابت ہو۔

حضرات! معاف فرمایئے گا میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ آخر میں مَیں منتظمین جلسہ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ان پراگندہ خیالات کو بڑے سکون سے سنا۔ اب میں اپنی گزارشات ختم کر رہا ہوں اور اللہ کا نام لے کر اس مبارک کانفرنس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔ اللہ رب العالمین آپ کی مبارک مساعی کو کامیاب فرمائے۔ جس مقصد کے پیش نظر آپ جمع ہوئے ہیں اس کو کامیاب بنانے کی کوشش فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله محمد خاتم النبيين، وعلى آله وأصحابه أجمعين.

(الاعتصام، شمارہ: ۳۷، جلد: ۱۵، ۴/ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ بمطابق ۷/ اپریل ۱۹۶۴ء)

خطبہ صدارت

(اہلحدیث کانفرنس منعقدہ ماموں کانجن ضلع لائل پور بتاریخ ۲۔۳۔۴/ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

سبحان الذي أنزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرا، محمد رسول اللّٰه، والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم، تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من اللّٰه ورضوانا، سيماهم في وجوههم من أثر السجود، ترىٰ كل واحد منهم داعيا إلى اللّٰه وسراجاً منيرا، اللهم صل عليه وسلم، وعلىٰ آله ورفقته وأتباعه، ونور بهم أقطار الأرض وزواياها، يا من كنت سميعاً بصيراً.

احباب کرام! آج مَیں جس ماحول میں آپ کے سامنے چند گزارشات کے لیے کھڑا ہوں مجھے اس ماحول سے دیرینہ انس ہے۔ ۱۹۱۲ء یا اس کے پس و پیش حضرت الاستاذ الامام حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی کی معیت میں پہلی دفعہ اس علاقہ میں آیا تھا۔ یہاں کی بدوی زندگی، سادہ طریق رہائش، چہروں پر آثار سجود کے ساتھ خوشنما سبزہ دیکھ کر پوری عرب زندگی کا نقشہ سامنے آجاتا تھا۔ میری عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کی ہوگی لیکن حضرت الاستاذ ان اطراف کے دینی ماحول سے بہت متاثر تھے، میں خود اس ماحول کو اپنے علاقہ سے کافی مختلف سمجھتا تھا۔

آج پچاس سال کے بعد میں دیکھتا ہوں وہ ماحول کافی بدل چکا ہے۔ انگریزی تہذیب نوجوان پود پر اپنا اثر جما چکی ہے۔ چہروں کی تراش میں تصنع آچکا ہے۔ خوشنما سبزہ سیفٹی ریزر اور استروں کی نذر ہوگیا ہے، اس مقدس فصل کی پوری آمدن پر نائی اور

حجام قابض ہیں، چہرے بدنما اور بھدے نظر آ رہے ہیں۔ سفید اور نورانی چہروں پر بالوں کی سیاہ کھونٹیاں مسلسل سیاہ کاریوں کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ روشن ماضی حال اور مستقبل کو یاس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے ؎

کل کے مقبول آج ہیں مردود
ہائے اس دور انقلاب کے رنگ

اس تباہی خیز لا دینی انقلاب کے باوجود روشن ماضی کے کچھ آثار دیکھتا ہوں، آج بھی کافی چہرے محراب اور سبزہ کی رونق سے منور ہیں۔ اللهم كثر أمثالهم.

اپنی قسم کے نمائشی اور کاروباری علمی مسندوں کے ساتھ ساتھ میاں باقر صاحب اور صوفی عبداللہ صاحب ایسے مخلص، خدا خوف اور خاموش کارکن میری نظر میں ہیں، جن کے اخلاص اور محنت سے یہاں دینی علوم کے کچھ چشمے جاری ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ریاکار، جوفروش اور طماع حضرات کی غلط نگاہوں سے بچائے۔

توحید وسنت کی اشاعت:

پہلے بزرگوں کے اخلاص اور برکت سے ان علاقوں میں توحید و سنت کی اشاعت ہوئی، نہر کے پانی نے یہاں بنجر زمینوں کو سبزہ زار بنا دیا اور توحید وسنت کی مسلسل اور پیہم بارشوں نے دلوں کی ویران بستیوں کو بقعہ نور بنا دیا۔ اب زمینوں کو سیم اور تھور برباد کر رہا ہے اور قلوب وارواح کی نو آبادیوں پر لادینی تہذیب، مغربی تعلیم اور ایشیا کے غیر اسلامی نظریات یورش کر رہے ہیں، اور یہ اثرات ایوان حکومت سے شروع ہو کر محراب و منبر تک پہنچ رہے ہیں۔ بابو، چودھری اور مولانا سب کے ذہن اس تاثر سے احساس کمتری میں مبتلا ہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ اس ہنگامۂ استخیز میں فتح کس کو ہوگی اور شکست کس کے نصیب میں؟ دینی ماحول کے باوجود ہمارے نوخیز علما شعوری یا غیر شعوری طور پر لادینیت کا شکار ہو رہے ہیں ؎

أما الخيام فإنها كخيامهم
وأرى نساء الحي غير نسائها①

مسلک اہلحدیث:

حضرات! ہر زمانے کے اہل علم نے اسلام یا قرآن وسنت کی تعبیریں اپنے مذاق اور ماحول کے مطابق فرمائی ہیں، ہم ان تعبیرات کو غیر اسلامی نہیں سمجھتے۔ ان بزرگوں کی یہ مساعی حق وصداقت کی جستجو کے لیے تھیں مگر ائمہ حدیث کی تعبیر ان میں صحیح ترین تعبیر تھی۔ یہ حضرات ذہنی آوارگی اور جمود دونوں سے محفوظ تھے۔ ان کے طریقہ اجتہاد میں نہ تو آوارگی تھی، جس کے نتیجہ میں اعتقادی اور عملی بدعات ذہن کو ماؤف کر دیں، اور نہ جمود وتقلید اس طرح محیط کہ اجتہاد اور تفقہ فی الدین کے سرچشمے بادسموم کی نظر ہو جائیں۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک میں ایک گروہ کی عقل پرستی اور دراز دستی اس قدر بڑھ رہی ہے کہ وہ صاحب وحی کو بھی یہ حق نہیں دیتے کہ وہ اپنی وحی کا مطلب سمجھ سکے یا سمجھا سکے۔ وہ اپنی کوتاہ نظریوں کے باوجود قرآن اور دین پر مخالفانہ قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس جسارت کا یہ عالم ہے کہ وہ سنت کے مستند ذخائر کو طاق نسیان کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے اگر قرآن اور دین ہماری رہنمائی میں زندہ رہنا چاہے تو اسے زندگی کا حق ہے ورنہ اسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ الفاظ بے شک قرآن کے ہوں مگر تشریحات اور تشریعات ہماری ہوں گی۔

دوسرا گروہ قدماء اہل علم کے علمی آثار سے اس قدر مرعوب ہے کہ وہ کتاب و سنت کے فہم میں ان بزرگوں کے آثار کو حق وباطل کا معیار سمجھتا ہے، اور اس تقلید وجمود کو اسلام اور اس کی تعلیمات کی حفاظت کا ضامن سمجھتا ہے، اور اس پر یہ تاکید کہ ان بزرگوں سے کسی ایک کے ساتھ اپنے آپ کو کلیتاً وابستہ رکھو۔ ان کے علوم سے مجموعی طور

---

① خیمے تو انھی کے خیموں کی طرح تھے لیکن محلے کی عورتیں وہ عورتیں نہیں تھیں۔

پر استفادہ کی بھی اجازت نہیں دی جاتی۔ دراصل پہلی آوارگی بھی اسی جمود کا نتیجہ ہے۔

مسلک اہلحدیث نہ اس جمود کو پسند کرتا ہے اور نہ وہ آوارگی اس کے مزاج سے سازگار ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتوے اور اس دور کی وسعتیں ہمارے سامنے ہیں، اکابر اور مجتہدین صحابہ سے کسی کے ساتھ شخصی وابستگی نہ اس وقت تھی نہ آج کل کی ضروریات کے لیے موزوں اور مناسب ہے، اور اس کی اشاعت کے لیے آج سے بہتر وقت شاید ہی مل سکے!

تبلیغ کا انداز:

صدیوں سے مسلک اہلحدیث اپنوں اور پرائیوں کی زبانوں پر ہے، نہ سمجھانے میں کوئی کمی رہی نہ سمجھنے میں کوئی دقت اب تک ہے، اگر کوئی نہیں سمجھا سکا تو یہ فہم کا نقص نہیں یہ ارادوں کا نقص ہے۔ جب کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو اسے کون سمجھائے؟

﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ﴾ [النمل: ۸۰]

”جب بہرے منہ پھیر لیں تو تم قطعاً نہیں سنا سکتے۔“

مجھے تعجب ہے کہ ہمارے مبلغ حضرات تین تین گھنٹے دفعِ شبہات اور رفعِ شکوک میں صرف فرما دیتے ہیں۔ کئی کئی دن ان اخفش کی بکریوں کو سمجھانے میں ختم ہو جاتے ہیں اور وہ سر ہلا کر چلی جاتی ہیں۔ اب تبلیغ کے انداز اور آپ پر اتہامات لگائے جاتے ہیں تو لگانے دو اس سے کچھ نہیں بگڑتا ؎

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے میکنم باخلق و عالم کار نیست ①

ہم کیا ہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، حق پسند لوگ جانتے ہیں۔ اور اگر کچھ لوگ نہیں سمجھ سکے تو وقت آئے گا وہ بھی سمجھ جائیں گے۔ آپ پہلے اپنے اخلاق سنواریے، عزیز و اقارب، احباب اور رفقا کی اصلاح فرمائیے، یہ بہرے خود سمجھنے لگیں گے۔ صلح

---

① مخلوق کہہ رہی ہے کہ خسرو بت پرستی کر رہا ہے۔ ہاں، ہاں، میں کرتا ہوں، مخلوق اور دنیا کے ساتھ مجھے کوئی سروکار نہیں۔

حدیبیہ نے کس قدر اوہام کا خود بخود ازالہ کر دیا؟ اس لیے ہمارے مبلغین کو اب عذر خواہی کی عادت بالکل ترک کر دینی چاہیے، عوام کی خدمت کا جذبہ پیدا فرمائیے۔ محتاجوں کی امداد کیجیے، بیماروں کے علاج کی کوشش کیجیے۔ نادار، مفلوک الحال، سفید پوش ملک میں ان کی بڑی تعداد موجود ہے، ان کی مدد فرمائیے۔ آپ کے ملک میں مشنری اس انداز سے کام کر رہے ہیں۔

مفید لٹریچر:

بحث اور مناظرات کا دور گزر چکا۔ اب اس کی افادی حیثیت مشتبہ ہے، آپ اب سنجیدہ اور مدلل لٹریچر شائع فرمائیے جسے لوگ گھروں میں بیٹھ کر سکون سے پڑھیں، وہ دلوں پر اثر کرے، مفید لٹریچر بڑی موثر قوت ہے، آپ اس سے دماغوں میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں، اذہان کو درست کر سکتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا عبدالستار فیروز وٹواں کی تصانیف نے ہزاروں افراد کے عقیدے درست کر دیے، نواب صاحب رحمہ اللہ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ ان میں بعض کتابیں ضخامت کے لحاظ سے کئی کئی جلدوں میں شائع ہوئی ہیں۔ فتح البیان، ترجمان القرآن، دلیل الطالب الی ارجح المطالب، الحطہ، منہج الوصول وغیرہ بڑی قیمتی کتابیں ہیں، جن سے اسلام کو بے حد فائدہ پہنچا، آج ہم ان جواہر پاروں کی اشاعت سے معذور ہیں۔ بعض غیر مفید کتابیں ملک میں شائع ہو رہی ہیں مگر ان جواہر پاروں سے اغماض کیا جا رہا ہے۔

مسلک کی صحیح ترجمانی کے لحاظ سے معیار الحق مؤلفہ حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب، الارشاد مولانا ابو یحییٰ شاہجہانپوری اور حسن البیان مؤلفہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کی اشاعت وقت کا تقاضا ہے۔ عون المعبود عرصہ سے ناپید ہے، اس بے نظیر شرح کی اشاعت اس وقت جماعت پر قرض ہے۔ تحفۃ الاحوذی کی اشاعت مصر میں ہو رہی ہے مگر عون المعبود کی سعادت معلوم نہیں کس صاحب دل بزرگ کو حاصل ہوتی ہے؟ ان کتابوں کی اشاعت جماعت کی طرف سے کاروباری انداز

سے ہونی چاہیے تاکہ محفوظ رہے، مفت کی چیزیں عموماً ضائع ہوجاتی ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں کے بعد جلالۃ الملک عبدالعزیز بن سعود رحمہ اللہ کا موقف دینی کتابوں کی اشاعت میں صد ہزار تحسین کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رحمت سے بھرے، ان کی اولاد بھی مرحوم والد کی طرح دینی کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں مبارکباد کی مستحق ہے مگر جماعت اہلحدیث کا اس معاملہ میں عرصہ سے سکوت بلکہ بے توجہی قابل شکایت ہے۔

چند مکاتب اپنی بساط کے مطابق کام کر رہے ہیں، ان کا کام قابل تعریف ہے اور ذاتی ہونے کے ساتھ ضرورت کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ ضرورت ہے کہ اہل علم اور دانش مند حضرات مل کر اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث:

جمعیت کے ارباب حل وعقد جماعت میں نظم کے لیے کئی سال سے کوشش کر رہے ہیں، جمعیت کی قیادت کئی سال تک حضرت مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی فرماتے رہے۔ جماعت کا نظام شورائی انداز سے مرتب فرمایا گیا ہے۔ چند سالوں میں جمعیت نے قابل تعریف کام کیا۔ سینکڑوں شہری ضلعی جماعتیں جماعت سے تعاون کر رہی ہیں جو بحمد اللہ روز بروز روبہ ترقی ہے۔

اختلاف رائے دنیا میں ہمیشہ رہا ہے مگر اس سے تفریق اور مخالفت کی یُونہیں ہونی چاہیے۔ جمعیت کے نظام میں اندرونی اور بیرونی طور پر بعض احباب کو اختلاف ہے مگر آپ اگر اس اختلاف کی تاریخ ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ یقین فرمائیں گے کہ یہ اختلاف کسی اصل پر مبنی نہیں۔ بعض احباب نے اپنے ذاتی وقار کی بنا پر اختلاف فرمایا ہے، بعض جگہ اختلاف برائے اختلاف ہے جس کے پیچھے کچھ مقصد نہیں، اور میرے مختصر تجربہ میں کچھ ایسے مخلص دوست ہیں جن کی طبیعت کے خمیر میں اختلاف ہے اور دوستوں کے متعلق بدگمانیاں ان کا سرمایۂ زندگی ہے۔ اختلاف اور باہم آویزش کو ہُوا

دینے میں مخلص ہیں، ان کی زندگی کا وظیفہ یہی ہے کہ لڑنے کے لیے مواقع پیدا کرتے رہیں اور بہترین صلاحیتوں کو اس کام میں بے کار صرف کرتے رہیں۔ خود کچھ کریں نہ دوسروں کو کرنے دیں۔

میری تمام دوستوں سے عاجزانہ استدعا ہے کہ وہ ذاتیات سے بالا ہو کر جمع کلمہ کی کوشش کریں اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق جماعت کے لیے کام کریں، اپنی زندگیوں اور صلاحیتوں کو جماعت اور اسلام کی سر بلندی کے لیے صرف کریں، اس میں آپ کی عزت ہوگی، دنیا میں آپ سر بلند ہوں گے، آخرت میں یہ خدمت آپ کے لیے نجات کا ذریعہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب کو اخلاص، حسن عمل اور اصلاح بین المسلمین کی توفیق مرحمت فرمائے۔

نظام تعلیم اور اس کا طریقہ کار:

ملک میں دینی مدارس کی کافی تعداد موجود ہے، ان میں چند مدارس اچھی خدمت سرانجام دے رہے ہیں مگر ہماری ہونے والی پود اور ہمارے مدارس کے نو آموز نوجوان تعلیمی انتشار اور بد نظمی کا شکار ہو رہے ہیں، وہ دیہات میں چھوٹے چھوٹے مدارس کھول رہے ہیں جن کا نہ صرف یہ کہ ربط نہیں بلکہ رقابت ہے، باہم آویزش ہے، تعلیمی ترقی کی بجائے یہ مدارس معاشی جنگ کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ یہ حضرات جماعت کی جیب پر بوجھ ہیں اور باہم رقابت اور بد نظمی کی وجہ سے مضر ثابت ہو رہے ہیں۔

ان میں کوئی باقاعدہ نصاب نہیں، طلبہ کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں، مدارس تعلیم کے بجائے آوارگی کی درسگاہیں بن گئی ہیں، سال ہا سال صرف کرنے کے باوجود جو لوگ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں وہ ملت کے لیے کوئی مفید خدمت سرانجام نہیں دے سکتے بلکہ بسا اوقات انتشار اور تفریق بین المسلمین کا موجب بنتے ہیں۔

حضرات علما اور علاقہ کے با اثر لوگوں سے میری استدعا ہے کہ ایسے مدارس کو نظم کا پابند کریں اور اس تعلیمی انتشار کو روکنے کی کوشش کریں۔

ذہین اور معاملہ فہم طبقہ پہلے ہی دنیوی تعلیم کے لیے کالجوں اور سکولوں کی طرف دوڑ رہا ہے، اگر چندے ہم نے ان نقائص کی اصلاح نہ کی تو تعجب نہ ہوگا کہ آپ کے یہ مدارس خالی ہو جائیں۔ آپ دنیا کو نہیں چھوڑیں گے مگر دنیا آپ کی رفاقت سے دست کش ہو جائے گی۔ جس قیمت پر ہو سکے ایسی تعلیمی بد نظمی اور انتشار کو دور کرنے کی کوشش فرمائیں۔

پریس کی ضرورت:

اس وقت دنیا میں پریس کی بادشاہت ہے، حکومتیں پریس سے گھبراتی ہیں، پریس کی خدمات سے استفادہ کرتی ہیں۔ اپنے مقاصد اور کتاب و سنت کی اشاعت کے لیے ایک مضبوط پریس کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں یہ میدان بالکل خالی ہے، نہ اچھا لکھنے والے ملتے ہیں نہ کوئی اخبار موجود ہے جو بے لاگ لکھے، تنقید کرے اور ملک کی رہنمائی کرے۔ کتاب و سنت کی اشاعت اور ملک میں اسلامی دستور کی اشاعت کے سلسلہ میں معاون ثابت ہو۔ ضرورت ہے کہ ہمارے اہل علم قلم ہاتھ میں لیں، اچھی زبان لکھیں اور عوام کی سیاسی، دینی اور اخلاقی تربیت کریں، یہ عظیم الشان خدمت ہوگی۔

باہم آویزشوں، لڑائیوں اور رقابتوں کو چھوڑیے اور اپنی افتاد طبیعت کے مطابق ملت کی خدمت کے لیے میدان میں آیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ارادوں میں اخلاص اور آپ کی ہمتوں میں برکت پیدا کرے۔

حضرات! میں نے آپ کا وقت لیا اور جو خیال میں آیا اُلٹا سیدھا کہہ گیا۔ ”خذ ما صفا ودع ما كدر“ کے اصول پر عمل فرماتے ہوئے اچھی چیزوں کو دماغ میں جگہ دیں اور میری لغزشیں معاف فرمائیں ؎

من ذا الذي ما ساء قط
ومن له الحسنىٰ فقط ❶

---

❶ کون ہے جس نے کبھی برائی نہیں کی؟ کون ہے جس کے پاس صرف نیکیاں ہیں؟

میں تمام منتظمین جلسہ اور رضا کار حضرات اور عام حاضرین کا شکر گزار ہوں، انھوں نے میرے پریشان خیالات کو سکون سے سنا۔

آخر میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جماعت کے نظم کو مضبوط کریں۔ تعلیم میں ربط پیدا کریں، انتشار پسند حضرات سے گزارش کریں کہ وہ لِلّٰہ امت کو معاف فرمائیں اور اپنے لیے کوئی راہ عمل تجویز کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید و سنت پر استقامت اور مسلک سلف کے اتباع کی توفیق دے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین.

(الاعتصام، شمارہ: ۱۰، جلد: ۱۶، ۲/ جمادی الثانی ۱۳۸۴ھ بمطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

فہرس

- تقدیم از محدث العصر مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ 5
- مقدمہ از فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول حفظہ اللہ 9
- تقریظ از فضیلۃ الشیخ حافظ اسعد محمود سلفی حفظہ اللہ 38
- مقدمہ التحقیق از حافظ شاہد محمود 45
- سوانح مؤلف 69
- پیش لفظ از مؤلف 93
- **1-النهضة السلفية في الهند و الباكستان: 99**
  - آثارهم: 99
  - أهل العلم وأفكارهم: 100
  - المفكرون: 100
  - العوائق: 102
  - الأعواز والمشاكل: 102
  - الحلم والأناءة: 103
  - تصانيف الإمام ولي الله رحمه الله: 104
  - نشأة النهضة: 105
  - النهضة وارتقاؤها: 105
  - ظهور النهضة: 106
  - تقسيم الأعمال: 107

- الفوز والخسارۃ: 108
- الیوم: 109
- پاک و ہند میں سلفی تحریک (ترجمہ) 110
- ان کی باقیات: 110
- علما اور ان کے خیالات: 111
- مفکرین: 111
- رکاوٹیں: 113
- مشکلات: 114
- حلم و بردباری: 115
- شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصانیف: 115
- تحریک کی ابتداء: 116
- تحریک کا ارتقا: 116
- تحریک کا ظہور: 117
- کاموں کی تقسیم: 119
- کامیابی اور نقصان: 120
- آج: 121
- **2-ایک مقدس تحریک جو مظالم کا تختۂ مشق بنی رہی** 123
- تقلید اور جمود کے اثرات: 126
- شوافع کا قیام: 131
- گفتگو کے لیے دوسرا محاذ: 132
- ایک اور محاذ: 134
- فن طہارت یا وہم؟ 135
- اہل حدیث تاریخ کے مختلف ادوار میں: 136

⦿ مؤرخین و متکلمین کی رائے: 144
⦿ تقلید اور جمود کا دور: 155
⦿ سوال: 160
⦿ القواعد النورانیہ: 164
⦿ تفقہ اور ظاہریت: 176
⦿ تحریکِ حریت کے مقاصد: 181
⦿ یمن کی راہ: 182

3- تحریک اہلحدیث کا تاریخی موقف اور اس کی خدمات 184

⦿ تحریک اہلحدیث: 184
⦿ اہلحدیث اور باقی تحریکات: 186
⦿ متکلمین و مبتدعین: 187
⦿ معمر ترین تحریک: 187
⦿ فتحِ ہند اور اہلحدیث: 188
⦿ بدعی استیلا: 189
⦿ نتائج و عواقب: 190
⦿ مجاہدین کا گروہ: 191
⦿ مناظرانہ سرگرمیاں: 192

4- جماعت کے ماضی اور حال پر ایک نظر اور مستقبل کے لیے ایک لمحہ فکریہ کی ضرورت 193

⦿ شاہ ولی اللہ صاحب: 193
⦿ اصلاح کے لیے ایک زبردست اقدام کی ضرورت: 193
⦿ نظام تجدید کی تشکیل کے لیے الٰہی طاقتوں کی سرگرمی: 194
⦿ ضرورت کا احساس: 194

⊙ اس تعلیم کا اثر ہندوستان پر: 194

⊙ شوق کی کیفیت: 195

⊙ جن کو یہ پسند نہ تھا: 196

⊙ عارضی فائدہ: 197

⊙ مناظروں کی پود: 198

⊙ دونوں کے نتائج: 198

5- تحریکِ اہلحدیث کے تین دَور 201

⊙ دوسرا دور: 202

⊙ لطیفہ: 204

⊙ تیسرا دور: 204

⊙ مناظرات: 205

⊙ مناظرین: 206

⊙ ہمارا مستقبل: 207

⊙ دورِ اول اور مطمحِ نظر: 207

⊙ جماعت کا دوسرا دور: 208

⊙ تیسرا دور: 209

⊙ رہائش و انتظام: 210

⊙ ضروریات: 210

⊙ طبی امداد: 211

6- برصغیر پاک و ہند میں اہلِ توحید کی سرگرمیاں 212

⊙ ایک قرشی خاندان: 213

⊙ حکیم الامت شاہ ولی اللہ: 214

⊙ ابلیس کی فوجیں: 216

❁ **7- تحریک اہلحدیث کا مدّ و جزر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی کے اثرات** 218

⊙ مختلف ذہن: 219

⊙ جمود شکن تحریکات: 220

⊙ تاریخِ مذاہب پر ایک نظر: 221

⊙ تحریکاتِ اصلاح: 222

⊙ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ: 222

⊙ اہلحدیث: 223

⊙ ظاہر پرستی کا مرض: 227

⊙ قیاس اور تفقہ کی راہ: 228

⊙ قرآن کی عظمت: 236

⊙ حدیث کی صحت: 239

⊙ ایک اور مثال: 241

⊙ ایک اور مثال: 242

⊙ ایک اور مثال: 245

⊙ محدثین کی روش: 247

⊙ فقہ الحدیث کے اصول: 248

⊙ اس وقت تحریک اہل حدیث: 250

⊙ فتنۂ اعتزال: 252

⊙ حضرات متکلمین: 253

⊙ تقلید کی تین راہیں: 254

⊙ اہل حدیث کی روش: 255

⊙ یونانی فلسفہ کی پسپائی: 257

- امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق عجیب روش: 258
- امام شافعی رحمہ اللہ کی تنقیص: 260
- ہندوستان میں اِسلام: 268
- تذکرة الحفاظ: 272
- ائمہ محققین کی فہرست مع قید سنین: 274
- اندھیرے میں روشنی کی کرن: 275
- ولی اللّٰہی تحریک کا مزاج: 277
- ان حضرات کے مقاصد کا تجزیہ: 278
- حضراتِ دہلی کے نظریات: 279
- ان تصریحات کا نتیجہ: 282
- شاہ صاحب کا مقصد: 283
- اُصول فقہ: 287
- فروع کے متعلق شاہ صاحب کی روش: 289
- حدیث قلتین: 290
- امام کے پیچھے فاتحہ: 290
- رفع الیدین اور وتر: 291
- زیارتِ قبور کے لیے شدِ رحال: 291
- وضو کے نواقض: 292
- وتر: 292
- قنوت: 292
- جمع بین الصلوتین: 293
- تکبیراتِ عیدین: 294
- "دہ دردہ" پانی: 294

⊙ چار مصلّے: 295
⊙ شاہ صاحب کا مقصد: 297
⊙ اس مقصد کے لیے دوسری راہ: 298
⊙ شاہ صاحب کا اپنا مسلک: 301
⊙ ایک بہت بڑا مغالطہ اور اہل حدیث: 303
⊙ اہل حدیث مکتب فکر: 304
⊙ اہلحدیث اور متکلمین: 311
⊙ فقہ اور اہلحدیث: 315
⊙ تدوینِ حدیث کا دور: 316
⊙ شاہ صاحب سے علیحدگی: 319
8-ہماری سرگزشت، آئندہ تبلیغی مساعی گزشتہ حوادث کی روشنی میں .. 323
⊙ اہل حدیث اور ائمہ حدیث: 324
⊙ مسلک کی قدامت: 325
⊙ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ: 326
⊙ شہید رحمہ اللہ کے بعد: 326
⊙ مخالفت کا آغاز: 327
⊙ ان رسائل میں کیا ہے؟ 329
⊙ چٹھی کا مضمون: 329
⊙ ایک اور واقعہ: 331
⊙ جامع الشواہد: 333
⊙ عملی فروع: 336
⊙ بریلوی حضرات: 336
⊙ جامع الشواہد مکہ معظّمہ میں: 336

- لدھیانہ کے اکابر: 339
- نصرت الابرار: 342
- اصل فتویٰ: 343
- سوال: 343
- جواب: 344
- لدھیانوی فتویٰ: 346
- ایک ضروری یادداشت: 347
- تیسرا ایڈیشن: 348
- ان حوادث کی روشنی میں مستقبل کا جائزہ: 349
- اہل حدیث کی حالت: 350
- آج کے حالات: 352
- نواب صدیق حسن خاں: 353
- اختلافات سے بچنے کی ضرورت: 353

9- مسلک اہلحدیث اور تحریکات جدیدہ 357

- عرضِ ناشر از فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ 358
- تحریک اہل حدیث ہند میں: 361
- اہل حق اور دعوتِ حق کی راہیں: 364
- اصلاحِ حال کی دو نا کام راہیں: 366
- امارت خاصہ: 367
- ہمارے اسلاف اور ان کا طریق کار: 367
- جنگ عظیم اور سیاسی تحریکات: 367
- لاہور احرار کانفرنس: 368
- جماعتِ اسلامی اور اہل حدیث: 370

⊙ موجودہ پروگرام: 372

⊙ حافظ محمد زکریا اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے جواب میں 375

⊙ تحریکات کے متعلق میرا خیال: 376

⊙ اہل حدیث سے کیا مراد ہے؟ 377

⊙ محرکات اور مہیجات کا فقدان: 379

⊙ وقت کی اسپرٹ: 379

⊙ موجودہ اہل حدیث پر ایک نظر: 381

⊙ اہلِ حدیث کی سرکاری تصدیق: 382

⊙ نقار خانہ میں طوطی: 384

⊙ متضاد جذبات: 384

⊙ جاہلیتِ جدیدہ اور اہل حدیث: 386

⊙ مناظرات: 388

⊙ دو بے انصافیاں: 389

⊙ مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف ویرووال سے خطاب: 392

⊙ مسلکِ اہلحدیث اور فریضہ اقامتِ دین جدید تحریکات اور ہمارا موقف ... 394

⊙ اہل حدیث بلحاظ طریقِ فکر: 395

⊙ اہل حدیث بلحاظِ تحریک: 396

⊙ طریق فکر اور تحریک: 398

⊙ سید شہید رحمہ اللہ کی تحریک: 399

⊙ مذہب، دین اور تحریک: 400

⊙ طبعی تحریکات: 400

⊙ تحریکات میں تنوع: 401

⊙ ہوسِ قیادت: 404

⊙ تحریکات میں آنا اور نکلنا:.. 407

❁ 10- مسلک اہلحدیث کے بارے میں چند اہم سوالات اور ان کے جوابات 409

⊙ سوالات.. 410

⊙ جوابات.. 413

❁ 11- اہلحدیث کی اقتدا.. 423

⊙ وہابی:.. 425

⊙ دلائل:.. 427

⊙ شراب کی طہارت!.. 438

⊙ پگڑی پر مسح:.. 444

⊙ وجوب غسل:.. 446

⊙ پاؤں پر مسح:.. 447

⊙ آخری گزارش!.. 447

❁ 12- ترکِ تقلید اور اہل حدیث.. 449

⊙ لفظ غیر مقلد کی ایجاد:.. 450

⊙ مقلد اور غیر مقلد کی اصطلاح:.. 452

⊙ حکومت اور مذاہب کی ترویج:.. 452

⊙ صداقت کا معیار:.. 455

⊙ اس طرزِ عمل کا سبب:.. 458

⊙ اہلحدیث اور غیر مقلد میں ترادف نہیں!.. 460

❁ 13- تحریکِ جہاد میں علمائے اہلحدیث کا حصہ.. 465

⊙ حکومتِ پاکستان:.. 465

⊙ قبولیتِ عامہ کے خطرات:.. 466

⊙ یہ انتقام:.. 467

- یہ قدرتاً صحیح بھی تھا: 467
- مذہبی اثر اور دینی تربیت: 468
- حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ: 469
- شاہ عبدالعزیز: 470
- شاہ اسماعیل شہید: 471
- مزاج شناسی: 471
- راہ کی دُشواریاں: 472
- سید احمد اور ان کے رفقا: 473
- بالاکوٹ کا سانحہ: 473
- حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب: 476
- مختلف راہ: 477
- تحریک جہاد کا مزاج: 478
- اہل حدیث حضرات: 479
- حضرت میاں صاحب: 480
- انبالہ کیس کے بعد: 480
- پاکستان بن جانے کے بعد: 481

14-اقامتِ دین اور آزادی کی پہلی انقلابی جدو جہد 483

- اہلِ حق کی مساعی: 484
- اپنے وقت کا عظیم الشان مفکر: 484
- اقامتِ دین: 485
- وقت کی ضرورت: 486
- اقامتِ دین کا نظم: 486
- قافلہ کن راہوں سے گزرا؟ 487

- آج کی تحریکاتِ اقامت دین: 488

15-جماعت اہلحدیث اور نوائے پاکستان کا ایک خط 489

- کیا اہلحدیث مکتب فکر مدراس سے شروع ہوا؟ 490
- اہل حدیث اور اہل الرائے: 490
- وہابی تحریک: 491
- اہلحدیث اور انگریز: 492
- حضرات اہلحدیث: 494
- قدرتی تقسیم: 494
- تصنیف وتالیف: 495
- جہاد اسلامی: 495
- حضرات دیوبند کا طرز عمل: 496
- حال کی سیاسی تحریکات: 496
- انگریز کا ساتھ؟ 497
- تابوت میں آخری میخ: 497
- مولانا بٹالوی رحمہ اللہ: 498
- مولانا بٹالوی کا دور اور لدھیانوی بزرگوں کی نوازشیں! 498
- کانگرس میں اشتراک: 500
- نصرۃ الابرار: 502
- ابرار کی نئی قسم: 503
- اہلحدیث کا اپنا نظام: 503
- بعد کے حالات: 504

16- تحریک مجاہدین اور مجلّہ رضوان 506

17-مدیر رضوان اور عدالتی چیلنج 513

⊙ مدیر رضوان: 513

⊙ مولانا جعفر صاحب تھانیسری رحمہ اللہ: 515

⊙ عدالتی چیلنج: 516

⊙ آخری گزارش: 520

✿ **18-جماعت کی خدمت میں ضروری گزارشات** 522

⊙ ہمارے اسلاف: 522

⊙ ہماری کیفیت: 524

⊙ حالات کی سازگاری: 526

✿ **19-علماء وزعمائے اہل حدیث کے لیے چند قابل التفات گزارشات، تعلیمی انحطاط اور اس کا مداویٰ** 528

⊙ تعلیم میں نظم کا فقدان: 528

⊙ سماجی برائیوں کا سدّ باب: 533

⊙ مسیحی مشنریوں کے زہریلے اثرات: 534

⊙ قرآن خوانی کی گرانٹ نامنظور: 534

✿ **20-دعوت عمل** 536

✿ **21-دینی جماعتوں کے اتحاد کے لیے مرکزی جمعیت اہلحدیث کا مسلسل طریقِ کار** 538

⊙ اسلامی دستور کے لیے: 539

⊙ تحفظِ ختم نبوت: 539

⊙ لائل پور کانفرنس: 540

⊙ مرکزی جمعیت کے دفتر میں اجتماع: 540

⊙ راہنماؤں کا اعلان: 541

⊙ رمضان المبارک سے پہلے: 542

⊙ شیعہ سنی اتحاد کے لیے اجتماع: 543

⊙ یہ کیا غضب ہے؟ 544

⊙ درمندانہ اپیل: 544

❁ **22- جماعت اہلحدیث کے سیاسی موقف کا تعین 546**

⊙ جماعت اہلحدیث کا سیاسی موقف: 547

⊙ قومی اسمبلی کے فیصلہ طریقِ انتخاب پر ناپسندیدگی کا اظہار: 548

⊙ نوٹ: 548

⊙ آئین کو اسلامی بنانے کے لیے بورڈ میں اہل حدیث کی نمائندگی: 549

⊙ جماعت اہل حدیث کی مساجد پر دھاندلی سے قبضہ کرنے والوں کی مذمت: ... 550

⊙ سنی علما پر حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کی مذمت: 550

⊙ دینی مدارس کے لیے مرکزی نظام کی ضرورت: 551

❁ **23- شوریٰ اور عاملہ کے فرائض 552**

⊙ حرفِ شکایت: 552

⊙ افواہیں: 553

⊙ دستور میں ترمیم: 554

⊙ جماعت کی مالی حالت: 555

❁ **24- جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان 557**

⊙ مولانا ندیم کوموی: 558

❁ **25- چند گزارشات 561**

⊙ اظہار حقیقت: 562

⊙ لٹریچر: 563

⊙ طلباء کا باہر بھیجنا: 564

❁ **26- ہمارا سالانہ قومی اجتماع اور ہمارے فرائض 568**

27- اپنی باتیں جماعتی تگ ودو کی مختصر رُوداد 573

- منڈی چنوں: 574
- جلال پور پیر والا: 574
- ملتان اور خانیوال: 575
- منڈی وہاڑی: 576
- بورا منڈی: 576
- منڈی عارف والا: 577
- منٹگمری: 578

28- ہمارے تبلیغی جلسے 580

- ۱۔ کتبِ سنت کی اشاعت: 580
- ۲۔ مدارس: 580
- ۳۔ جلسے: 581
- منڈی میاں چنوں: 562
- خانیوال: 583
- جمعیت ملتان شہر: 584
- کہروڑ پکا: 584
- جمعیت اہلحدیث قصور: 585
- جمعیت اہلحدیث گوجرہ (لائل پور) 587

29- جماعت اہلحدیث صوبہ سرحد 589

- جھنگڑہ: 589
- خاں مہدی زمان خاں صاحب: 590

30- جمعیت اہلحدیث علاقہ گلیات 592

31- آزاد کشمیر اور ضلع ہزارہ 596

⊙ کالا باغ: 596

⊙ مظفر آباد: 596

✿ **32- اہلحدیث کانفرنس سرگودھا میرے تاثرات** 599

⊙ جماعت میں بیداری: 599

⊙ اراکین استقبالیہ: 600

⊙ مجلسِ شوریٰ: 601

⊙ دوسرا پہلو: 601

⊙ کانفرنس کا کھلا اجلاس: 602

⊙ خطبہ صدارت: 603

✿ **33- نظمِ جماعت اور امارت وصدارت** 606

⊙ امارت کا نزاع: 609

✿ **34- سالانہ رپورٹ بابت ۵۷۔ ۱۹۵۸ء** 612

⊙ سراسیمگی اور پریشانی: 613

⊙ اس اجلاس کا اثر: 613

⊙ مالی حالت: 614

⊙ الاعتصام: 614

⊙ قواعد وضوابط: 614

⊙ ملتان کانفرنس: 615

⊙ مبلغین: 616

⊙ لائل پور کانفرنس: 616

⊙ گوجرانوالہ کانفرنس: 617

⊙ سیلاب: 617

⊙ کام کا پھیلاؤ: 619

◉ اس سال تبلیغی جلسے: 620

◉ انتشارِ تعلیم: 621

◉ آئندہ لائحہ عمل: 622

◉ روزنامہ: 622

◉ اپنا پریس: 622

◉ دارالمطالعہ: 622

✿ 35- سالانہ رپورٹ ۱۹۵۹ء 624

◉ ہمارے مقاصد: 625

◉ موجودہ درس گاہیں: 625

◉ جامعہ اور تجربے: 626

◉ جامعہ ۵۸۔۵۹ء میں: 627

◉ دینی مدارس کے نصاب کا مسئلہ: 627

◉ الاعتصام: 628

◉ پریس: 629

◉ لائبریری: 629

◉ امر بالمعروف: 630

◉ وقت کے تقاضے: 630

◉ ہماری مالی حالت: 631

✿ 36- سالانہ رپورٹ ۱۹۶۳ء 632

◉ جامعہ کی تعمیر: 635

◉ مسجد: 636

✿ **37- خطبہ استقبالیہ گوجرانوالہ کانفرنس** 638

⊙ گجرانوالہ: 638

⊙ سکھ اور گجرانوالہ: 639

⊙ سکھ قوم اور اہلحدیث: 639

⊙ عساکرِ توحید کا پارینہ: 640

⊙ مسلک اہلحدیث عروج و زوال کے مراحل میں: 641

⊙ تحریک اہل حدیث پاک و ہند میں: 641

⊙ ۱۸۵۷ء کے بعد: 642

⊙ تصنیف و تالیف: 643

⊙ تصوف اور سنت: 643

⊙ گجرانوالہ میں تحریک اہلحدیث: 644

⊙ جمعیت اہلحدیث گجرانوالہ: 644

⊙ جامعہ سلفیہ: 645

⊙ بیت المال: 645

⊙ اسلامی دستور: 646

✿ **38- خطبہ صدارت تبلیغی کانفرنس لاہور** 649

⊙ اہلحدیث اور غیر مقلد میں فرق: 650

⊙ ایک غلط فہمی: 651

⊙ مسلک اہلحدیث کی عمر: 651

⊙ ایک مشکل: 652

- اہلحدیث کی خدمات: 653
- حریتِ وطن: 653
- مصائب و آلام: 654
- دیوانگانِ عشق: 654
- ملک کی تحریکات: 655
- تصنیف و تدریس: 655
- دینی حکومت یا پاکستان: 656
- پاکستان میں دینی رجحانات: 656
- اس تصادم کا آغاز: 657
- ایک اور حیلہ: 658
- سید حسین سہروردی: 659
- لاء کمیشن: 661

39- خطبہ صدارت اہلحدیث کانفرنس مشرقی پاکستان 664

- آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس: 665
- مسلک اہلحدیث: 666
- سیاسی موقف: 670
- اندازِ فکر و عمل میں تبدیلی: 671
- خدمت خلق: 672
- دارالمطالعہ: 672
- دارالایتام: 673

- محتاج خانے: 673
- دینی مدارس: 674
- وقت کی ضرورت: 674

40- خطبہ صدارت ماموں کانجن کانفرنس 676

- توحید وسنت کی اشاعت: 677
- مسلک اہلحدیث: 678
- تبلیغ کا انداز: 679
- مفید لٹریچر: 680
- مرکزی جمعیت اہلحدیث: 681
- نظام تعلیم اور اس کا طریقہ کار: 682
- پریس کی ضرورت: 683

* * *

چودھویں صدی ہجری میں مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ (۱۸۹۵۔۱۹۶۸ء) کا شمار تحریک اہلحدیث (برصغیر پاک وہند) کے ممتاز راہنماؤں میں ہوتا ہے۔

مولانا سلفی رحمہ اللہ تدریس وخطابت، دعوت وافتاء اور کچھ خصوصی دروس کا زندگی بھر اہتمام فرماتے رہے، جماعت کی نظامت وامارت، اس کے انتظام وانصرام اور تنظیم و ترتیب کی ذمہ داری الگ سے تھی، پھر عام مسلکی مسائل میں جماعت کی نمائندگی کا فریضہ بھی ادا فرماتے تھے۔ ان گوناں گوں مصروفیات کے باعث آپ کو دلجمعی کے ساتھ تصنیف و تالیف کا موقع کم میسر آیا، لیکن جو تحریریں بھی موجود ہیں وہ بے حد وقیع اور نہایت ذمہ داری کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی تمام تحریروں کا مرکزی عنوان تحریکِ اہلحدیث، محدثین کی قربانیاں، ان کی خصوصیات، امتیازات اور مسلکِ اہل حدیث کے فضائل ومحاسن ہے۔

کتاب وسنت کی بالا دستی اور مستحکم اسلامی اصولوں کے خلاف کوئی بھی نامناسب آواز کہیں سے بھی اٹھی تو اس کی بازگشت کو مولانا نے اپنی تقریروں وتحریروں کے ذریعہ دبانے کی بھرپور کوشش کی، اس سلسلہ میں نہ کورٹ میں اعلیٰ منصب پر فائز کرسیِ عدالت پر متمکن کسی جج کی پرواہ رہی، نہ کسی اسلامی جماعت کی اعلیٰ قیادت کا خیال رہا اور نہ جادۂ استقامت سے منحرف ادارے اور شخصیتیں ملحوظِ خاطر رہیں۔ اگر کسی چیز کا غم رہا تو وہ صرف اسلام، اصولِ اسلام اور مراجعِ اسلام کی حفاظت وصیانت کا غم تھا اور بس۔ **فضیلۃ الشیخ مولانا صلاح الدین مقبول حفظہ اللہ**

یہ نگارشات اسی تحریک کا حصہ ہیں جو اہل بدعت کے خلاف صحابہ کرام اور محدثین عظام نے شروع کی تھی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ عمر بھر قرآن وحدیث کے ناموس و تحفظ کے لیے سینہ سپر رہے۔ انھوں نے قرآن وسنت پر مخالفین کے اعتراضات پر اپنے قلم کو ہمیشہ گردش میں رکھا۔ انھوں نے راہ حق کی دعوت اور داعیانِ کتاب وسنت کو ایک لڑی میں پرو کر ایک جماعت کی صورت میں متحد کیا اور اہل باطل کے خلاف کھڑا کیا تاکہ وہ اجتماعی طور پر دعوت حق کے لیے کوشش کرسکیں۔ **فضیلۃ الشیخ حافظ اسعد محمود سلفی حفظہ اللہ**

GUJRANWALA
UMM UL QURA PUBLICATIONS
Sialkot Road, Fattomand Gujranwala
www.umm-ul-qura.org